ملفوظات

حضرت مرزا غلام احمد قادیانی
مسیح موعود و مہدی معہود علیہ السلام

جلد ۲

دیباچہ

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بابرکت تصانیف اس سے قبل رُوحانی خزائن کے نام سے ایک سیٹ کی صورت میں طبع ہو چکی ہیں لیکن ایک عرصہ سے نایاب ہونے کی وجہ سے اس بات کی شدت سے ضرورت محسوس کی جارہی تھی کہ اس رُوحانی مائدہ کو دوبارہ شائع کر کے تشنہ روحوں کی سیرابی کا سامان کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ کا بیحد احسان ہے کہ اسکی دی ہوئی توفیق سے خلافت رابعہ کے بابرکت دور میں اب ان کتب کو دوبارہ سیٹ کی صورت میں شائع کیا جارہا ہے۔ یہ کتب اکثر چونکہ اُردو زبان میں ہیں اور اُردو دان طبقہ کی اکثریت پاکستان میں ہے اس لئے مناسب تو یہ تھا کہ ان کتب کی اشاعت بھی پاکستان میں ہوتی۔ لیکن ناگریز مشکلات کی وجہ سے مجبوراً بیرون پاکستان سے ہی ان کی اشاعت کا فیصلہ کرنا پڑا۔

اس ایڈیشن کے سلسلہ میں چند امور قابل ذکر ہیں۔

ا۔ قرآنی آیات کے حوالے موجودہ طرز پر (نام سورۃ : نمبر آیت) نیچے حاشیہ میں دیئے گئے ہیں۔

ب۔ سابقہ ایڈیشن سے محض کتابت کی غلطیوں کی تصحیح کی گئی ہے۔

ج۔ ہاتھ سے لکھی ہوئی انگریزی عبارات کو صاف TYPE میں پیش کیا گیا ہے۔

خدا تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ زیادہ سے زیادہ سعید روحوں کو ان رُوحانی خزائن کے ذریعہ راہِ ہدایت نصیب فرمائے اور ہماری حقیر کوششوں کو قبولیت بخشے۔ آمین

خاکسار

الناشر

۲۰ نومبر ۱۹۸۴ء

مبارک احمد ساقی ۔ ایڈیشنل ناظر اشاعت

ملفوظات حضرت مسیح موعود علیہ السّلام

(از ۱۹۰۰ء تا ۲۰ نومبر ۱۹۰۱ء)

ملفوظات حضرت مسیح موعود علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی یہ دُوسری جلد ہے جو سنہ ۱۹۰۰ء سے لے کر ۲۰ نومبر ۱۹۰۱ء تک کے ملفُوظات پر مشتمل ہے۔ اور جیسا کہ پیش لفظ جلد اوّل میں لکھا جا چکا ہے۔ "ملفوظات" سے مُراد آپؑ کا وُہ کلام ہے جو آپؑ نے کسی مجمع یا مجلس یا سَیر وغیرہ میں بصورتِ تقریر یا گفتگو ارشاد فرمایا۔ اور اس کا مرتبہ لِحاظِ یقین اور سند کے لحاظ سے حضورؑ کی تالیفات اشتہارات اور مکتُوبات کے بعد ہے کیونکہ مؤخر الذکر حضورؑ کی اپنی خود نوشت تحریریں ہیں اور ملفُوظات ڈائری نویسوں نے لکھے ہیں۔ اور یہ ضروری نہیں کہ وہ سب الفاظ حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کے ہی الفاظ ہوں۔ اس مناسبت سے مَیں حضرت شیخ یعقوب علی عِرفانی کبیر مرحومؓ مدیر "الحکم" کے جو خود ڈائری نویس بھی تھے الفاظ درج کر دینا مُناسب خیال کرتا ہوں۔ تا قارئینِ کرام پر ان ملفُوظات کا استنادی مرتبہ واضح ہو جائے:

حضرت مرحوم و مغفور تحریر فرماتے ہیں:۔

"جس کا جی چاہے حضرت مسیح موعودؑ کے قدموں میں رہ کر اس بات کو آزما لے۔ صدق اور اخلاص کے ساتھ اس پاک امام کی صحبت انسان کو کیا کچھ انعام کا مستحق کرتی ہے۔ اس پاک اور خدا نما مجلس کی گفتگو کا ایک ادنےٰ سا نمونہ تم اس ڈائری میں دیکھتے ہو۔ اور اس کی مثال بھی اس پانی کی سی ہے جو چشمہ سے دور کسی کے واسطے بھیجا جائے۔ اوّل تو سب باتوں اور کیفیتوں اور حالات کو انسان لکھ ہی کیا سکتا ہے۔ پھر اگر لکھا بھی جاتا ہے تو اصل الفاظ سارے کے سارے کہاں محفوظ رہتے ہیں بعض دفعہ حضرت اقدس کی بات کا صرف مطلب ہی مجھے یاد رہتا ہے جو میں اپنے لفظوں میں لکھ لیتا ہوں۔ اور بعض دفعہ حضرت کے الفاظ بعینہٖ یاد بھی رہتے ہیں یا اکثر ساتھ ساتھ لکھ لئے جاتے ہیں۔ مگر بہرحال وہ بات کہاں جو موجودگی میں حاصل ہوتی ہے۔ حاضر و غائب کیونکر یکساں ہو سکتے ہیں۔ اپنا حرج کر کے امام کی خدمت میں اکثر آنیوالے اور اپنے دنیوی فوائد کو مقدم رکھکر گھر میں بیٹھ رہنے والے کیونکر برابر ہو سکتے ہیں۔" (ملفوظات جلد ہذا صفحہ ۳۱۲)

ملفوظات کی اس جلد کی ترتیب و تدوین اور مختلف اخبارات سلسلہ سے ملفوظات کا اکٹھا کرنا چوہدری احمد جان صاحب وکیل المال تحریک جدید کی مساعی کا نتیجہ ہے جزاہ اللہ فی الدارین خیرًا۔

اس مختصر سے پیش لفظ کے بعد اس جلد کا انڈکس بطور خلاصہ مضامین درج کیا جاتا ہے۔

جلال الدین شمس

ربوہ۔ ۳۰ر نومبر ۱۹۶۰ء

انڈیکس مضامین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اِنڈیکس مضامین

مرتبہ مولوی جلال الدین صاحب شمسؔ

الف

اللہ

۲۶- اللہ تعالیٰ کی باتوں پر ایمان لانا۔ اس ذکر پر کہ نیچری شیطان کے قائل ہیں حضور نے فرمایا۔ احق بالامن وہی لوگ ہیں جو خدا کی باتوں پر ایمان لاتے ہیں۔ چار چیزیں غیر مرئی بیان ہوئی ہیں خدا ملائک۔ ارواح۔ شیطان۔ پھر کیوں دو کا انکار کیا جائے جبکہ ہم دیکھتے ہیں کہ باوجود عقل اور سمجھ کے بعض وقت انسان بے اختیار سا ہو کر فسق و فجور میں گرتا ہے۔ ص ۳۴۲

آتھم

آتھم سے متعلق پیشگوئی میں صریح شرط موجود تھی اور اس امر کے دلائل کہ اس نے شرط سے فائدہ اٹھایا ص ۱۰۸-۱۰۱

آدم

(ا) آدم کی پیدائش پر ملائکہ کا اعتراض اتجعل فیہا من یفسد فیہا اس لئے تھا کہ اسوقت مشتری کا دور ختم ہو کر زحل کا شروع ہونیوالا تھا جس کی تاثیرات خونریزی اور سفاکی ہیں۔ ص ۱۲۴

(ب) آدم ہی ایک ہے جو بغیر نطفہ کے پیدا ہوا ص ۱۴۹

(ج) آدم کی پسلی سے حوا کا بنایا جانا اور یہ کہنا کہ انسان پر کوئی ایسا وقت نہیں آیا۔ کہ وہ مٹی سے پیدا کیا گیا۔ درست نہیں۔ ص ۱۹۴

(د) آدم اور شیطان۔ میرا تو یقین ہے حضرت آدم کی استعداد میں کسیقدر تساہل تھا۔ تب ہی تو شیطان کو وسوسہ کا قابو ملگیا۔ واللہ اگر اس جگہ حضرت محمد کا سا جوہر قابل کھڑا کیا جاتا۔ تو شیطان کی کچھ بھی پیش نہ جاتی۔ ص ۲۰۱

(ھ) آدم و حوا۔ یہ غلط ہے کہ شیطان خود حوا کے پاس گیا۔ کسی مخالف دین کے دل میں شیطان نے یہ بات ڈال دی تھی اور کسی بد نے ان کے دل میں وسوسہ ڈالدیا۔ ص ۲۴۵

(و) آدم کی بہشت اور وہ بہشت جس میں حضرت آدم رہتے تھے وہ بھی زمین پر ہی تھا۔ ص ۲۴۵

آذر

ابراہیمؑ کا باپ ہی تھا۔ اس قسم کے انقلاب ہوتے رہتے ہیں کبھی باپ صالح ہوتا ہے۔ بیٹا طالح۔ کبھی اس کا عکس۔ ص ۳۹۶

آریہ مذہب

۱- (ا) آریہ اصلاً خدا کو نہیں پہچانتے۔ (ب) ان کے نزدیک مرنا جینا، عورت و مرد، بکری یا بیل بننا سب کچھ شامتِ اعمال کا نتیجہ ہے۔ (ج) روح و مادہ قدیم سے تھا۔ پرمیشر نے جوڑ جاڑ کر مخلوق بنادی جبکہ اشیاء کو طبعی طور پر تجاذب کی طرف میلان ہے تو پھر جوڑنے جاڑنے کی بھی حاجت نہیں۔ چلو۔ خدا سے آزادی ہوئی۔ ص ۳۶-۳۷

۲- تناسخ۔ ایک طرف یہ کہ خدا کا ہی پتہ نہیں دوسری طرف تناسخ کا عقیدہ جس کی رُو سے ممکن ہے کہ ماں بہن سے بھی شادی ہوجائے۔ تو اس سے بے شرمی

اندر برکات رکھتا اور انسان کو مایوس اور نامراد نہیں
ہونے دیتا۔ اور اس کی برکات اور زندگی اور صداقت
کیلئے نمونہ کے طور پر مَیں کھڑا ہوں صـ۴۳

(ج) اسلام گویا خدا کی گود میں بچہ ہے اس کا متکفل
گویا خود خدا ہے۔ صـ۴۵

(د) اسلام ہی ہر زمانہ میں زندہ مذہب ہے۔
اور اس کا خدا حیّ وقیوم خدا ہے۔ اس کے نشانات
ہر وقت اس کے ساتھ ہیں صـ۲۳، صـ۳۴۶، صـ۳۵۵

۲۔ اسلام کیا ہے؟

(الف) سچا اسلام اللہ تعالےٰ کی راہ میں اپنی ساری
طاقتوں اور قوتوں کو مادام الحیات وقف کرنے کا نام
ہے۔ صـ۹

(ب) اسلام یہ ہے اوّل بکرے کی طرح سر رکھدے۔
جیساکہ رسول اللہؐ نے فرمایا میرا مرنا میرا جینا میری
نمازیں اور قربانیاں اللہ ہی کیلئے ہیں اور سب سے پہلے
میں اپنی گردن رکھتا ہوں۔ صـ۱۸۶

(ج) اسلام خدا کیلئے ہوجانے کا نام ہے پھر
سارے مشکلات حل ہوجاتے ہیں۔ صـ۲۶۴

۳۔ اسلام اور تلوار۔ اسلام تلوار سے نہیں پھیلا۔
اس نے تلوار نہیں اُٹھائی جبتک کہ سامنے تلوار نہیں
دیکھی۔ اب تلوار کہاں ہے جو تلوار نکالی جاوے صـ۱۲۴

۴۔ اسلام کی حقانیت کی

(ا) اوّل نشانی یہی ہے کہ اس میں ہمیشہ ایسے راستباز
جو خدا تعالےٰ سے ہمکلام ہوں پیدا ہوتے ہیں۔ تتنزل
علیھم الملٰئکة یہ نور دوسرے مذاہب میں نہیں صـ۱۳۱

(ب) اسلام کے سوا اسوقت کوئی ایسا مذہب نہیں جو
اپنی حقانیت پر تائیدی اور آسمانی نشان پیش کرسکے صـ۲۱۱

۵۔ اسلام کی ترقی (الف) انجمنوں وغیرہ اور تقلید یورپ سے
نہیں بلکہ اسلام کے اصولوں سے ہوگی۔ مغربی دنیا
کو قبلہ بنانیوالے کامیاب نہیں ہوسکتے۔ کامیاب
قرآن کریم کے ماتحت چلنے والے ہونگے۔ صـ۱۵۷

(ب) مسلمانوں میں وہ ایمان پیدا نہ ہوگا جبتک مسلمانوں
کا رجوع قرآن کریم کیطرف نہیں ہوگا۔ صـ۱۵۸

(ج) جبتک لا الٰہ الّا اللہ دل وجگر میں سرایت نہ کرے
اور وجود کے ذرّے ذرّے پر اسلام کی روشنی اور
حکومت نہ ہوگی کبھی ترقی نہ ہوگی۔ مغربی قوموں کی
مثال پیش نہ کریں ان کیلئے الگ معاملہ اور مؤاخذہ
کا دن ہے۔ صـ۱۵۸-۱۵۹

(د) ترقی کی ایک ہی راہ ہے کہ خدا کو پہچانیں۔ اور
اس پر زندہ ایمان پیدا کریں۔ صـ۱۵۹

(ھ) تجارتیں کرو۔ نمازیں وقت پر ادا کرو۔ ہر معاملہ
میں دین کو دنیا پر مقدم کرو۔ اگر دنیا مقصود بالذات
نہ ہو بلکہ اصل مقصود دین ہو۔ تو پھر دنیا کے کام بھی
دین ہی ہونگے۔ صـ۱۵۸

۶ اسلام کی نُصرت۔ مسلمانوں کے اذلّہ ہونے کے
وقت نصرت اسلام کے لئے خدا تعالےٰ نے چودھویں

صدی میں مسیح موعود کو بھیجا ص۱۹۲

۷۔ اسلام اور آریہ اور عیسائیت جس جس قسم کے خدا کو پیش کرتے ہیں۔ ص۲۲۸، ۲۳۴، ۲۴۱۔

۸۔ اسلام پر اعتراضات۔ جہاں معترضین نے اسلام پر اعتراض کیا ہے وہی حکمت کا خزانہ اور بیش بہا معارف اور حقائق کا دفینہ ہوتا ہے ص۲۳۵، ص۲۵۹

۹۔ اسلام فطرتی مذہب ہے۔ اسلام کا نام اللہ تعالےٰ نے فطرۃ رکھا ہے۔ فطرت کی درستی یہی ہے کہ حقیقی خدا کو شناخت کیا جائے۔ ص۲۳۷

۱۰۔ اسلام کو عالمگیر غلبہ حاصل ہوگا۔ عیسائی برہمو آریہ کہتے ہیں۔ ہمارا مذہب سب پر غالب آجائیگا مگر یہ سب جھوٹ کہتے ہیں۔ خدا تعالےٰ ان میں سے کسی کے ساتھ نہیں۔ اب دنیا میں اسلام کا مذہب پھیلیگا۔ اور باقی سب مذاہب اس کے آگے ذلیل اور حقیر ہو جائیں گے۔ ص۳۴۳

اسلامی تعلیم کے مکمل ہونے کا ثبوت کہ سختی کی جگہ سختی، نرمی کی جگہ نرمی، عفو کی جگہ عفو اور سزا کی جگہ سزا کی تعلیم دی گئی ہے ص۳۱۱

اسم اعظم اللہ تعالےٰ ہے اور آنحضرتؐ کا اسم اعظم محمدؐ ہے۔ ص۲۰۸

اصلاح

اصلاح کے لئے صبر شرط ہے ص۲۲۹

اعجاز المسیح کتاب کی اعجازی شان:-

(ا) قرآن شریف کا معجزہ ہونا ہماری تفسیر القرآن کے معاملہ سے خوب سمجھ آسکتا ہے۔ ہزاروں مخالف موجود ہیں جو عالم فاضل کہلاتے ہیں لیکن باوجود کئی غیرت دلانے والے الفاظ کے کوئی اس کا مقابلہ نہیں کرتا۔ ص۲۱۷-۲۱۸ نیز دیکھو "قرآن شریف کا معجزہ ہونا"

(ب) یہ کتاب خدا تعالےٰ کیطرف سے ایک عظیم الشان نشان ہوگی۔ میں عربوں کے دعوئے ادب و فصاحت و بلاغت کو بالکل توڑنا چاہتا ہوں۔ ص۱۵ اس اعجاز کے مقابلہ میں قلم اٹھا کر دیکھ لیں۔ ان کے قلم توڑ دیئے جائینگے۔ اکیلے اکیلے یا سب کے سب ملکر مقابلہ کرلیں اس طرح اس اعتراض کہ عربوں کو ہزار ہا روپے کے نوٹ دیکر کتابیں لکھائی جاتی ہیں کی حقیقت کھل جائے گی۔ ص۳۷۵

(ج) اس کتاب کی تالیف کیوقت باوجود بیماری کے ہمہ تن توجہ اور ایسی مصروفیت کا ذکر کہ معلوم ہی نہیں ہوتا دن کدھر جاتا ہے۔ ص۳۷۶

اعزہ کو تبلیغ

اعزہ کو وقتاً فوقتاً تبلیغ کرتے رہنا نہایت ہی عمدہ بات ہے جس طرح ممکن ہو عورتوں اور مردوں کو اس امر الٰہی سے اطلاع کی جائے۔ حدیث میں ہے۔ اپنے قبیلہ کا شیخ اسی طرح سوال کیا جائیگا۔ جیسے کسی قوم کا نبی۔ ص۴۰۲

افراط و تفریط۔ کثرت بارش جس سے نقصان کا

اندیشہ تھا ذکر پر فرمایا جیسے لوگ احکام الٰہی کے معاملہ میں افراط و تفریط کرتے ہیں۔ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ بھی ان کے ساتھ افراط و تفریط کا معاملہ کرتا ہے۔ صفحہ ۳۱

اِلٰہ

اِلٰہ کے معنے مقصود و معبود و مطلوب کے ہیں۔ یہی معنے لا الٰہ الا اللہ میں مراد ہیں۔ صفحہ ۲۴

الہام

(ا) الہام اور تلبیس ابلیس۔ کسی نے یہ سوال الٰہی بخش اکاؤنٹنٹ مدعی الہام سے کیا تو اس نے جواب دیا کہ میرا الہام دخل شیطان سے پاک نہیں اور حضرت مسیح موعودؑ کا الہام کی حقیقت بیان فرمانا۔ صفحہ ۲۹۴

(ب) جب سنو کہ کسی کو الہام ہوتا ہے۔ پہلے اس کے الہامات کی طرف مت جاؤ۔ الہام کچھ شے نہیں جب تک کہ انسان اپنے تئیں شیطان کے دخل سے پاک نہ کر لے۔ صفحہ ۲۹۴-۲۹۵

(ج) الہامات۔ جو متقی ہے اسی کے الہامات بھی صحیح ہیں اور اگر تقویٰ نہیں تو الہامات بھی قابلِ اعتبار نہیں۔ ان میں شیطان کا حصہ ہو سکتا ہے۔ پس الہاموں کو اس کی حالتِ تقویٰ سے جانچو۔ صفحہ ۳۰۲

(د) الہامات اور حدیث النفس۔ دیکھو حدیث النفس

الہاماتِ مسیح موعودؑ

۱۔ "ابواء" کلارک مقدمہ نہ کرتا تو یہ الہام کیونکر پورا ہوتا۔ صفحہ ۴۴ و ۱۱۰

۲۔ وہ بیت الصدق کو بیت التزویر بنانا چاہتے ہیں صفحہ ۸۸

۳۔ "مضمون بالا رہا" صفحہ ۱۱۱

۴۔ انّه اٰوی القریة صفحہ ۱۱۴

۵۔ تحفہ گولڑویہ سے متعلق الہام جس کے یہ معنے ہیں "یہ رسالہ بڑا بابرکت ہوگا اسے پورا کرو" پھر الہام قل رب زدنی علمًا صفحہ ۱۱۴

۶۔ اِنّی مع الامراء اٰتیك بغتةً صفحہ ۱۱۵

۷۔ انت المسیح الذی لا یضاع وقتهٗ صفحہ ۱۱۹

۸۔ یضع الحرب ویصالح الناس۔ پھر فرمایا۔ سلمان منّا اهل البیت۔ سلمان سے دو صلحوں کی طرف اشارہ ہے۔ پھر فرمایا علیٰ مشرب الحسن اور اس کی تشریح صفحہ ۱۲۵-۱۲۶

۹۔ بادشاہ تیرے کپڑوں سے برکت ڈھونڈیں گے۔ صفحہ ۱۲۹ و ۲۲۵

۱۰۔ انگلی کے پوٹے میں درد تھا۔ الہام ہوا۔ کونی بردًا وسلامًا اور معًا درد جاتا رہا۔ صفحہ ۱۴۲-۱۴۳

۱۱۔ اردتّ ان استخلف فخلقت اٰدم (ا) اس میں اشارہ ہے کہ اس کو کسی کی بیعت اور مریدی کی ضرورت نہ ہوگی۔ بلکہ جس طرح آدم کو اپنے جلالی اور جمالی ہاتھ سے پیدا کیا۔ یہ خلیفۃ اللہ بھی اس کے

ہاتھ کا تربیت یافتہ اور اس کے ہاتھ پر بیعت کرنیوالا ہوگا۔ اسی لئے اللہ تعالےٰ نے مجھ کو خلافِ منہاج نبوت سلسلوں سے الگ رکھا۔ ص۱۲۹ و ص۳۶۶ و ص۳۹۱۔

(ب) وضع عالم میں کرویت سے یہ بھی پایا جاتا ہے کہ آدم ہی سے شروع ہو کر آدم پر ہی سلسلہ ختم ہو۔ اسی لئے مسیح موعود جو خاتم الخلفاء ہے اس کا نام بھی خدا نے آدم رکھا۔ ص۳۹۱

۱۲۔ تیری عمر اسی برس یا دو چار اوپر یا نیچے ہوگی ص۲۰۱

۱۳۔ اصحٰر زوجتی اور اس کا پورا ہونا ص۲۰۲

۱۴۔ منعہ مانع من السماء۔ خدا نے ہمیں سمجھایا ہے کہ مہر علیشاہ کے وجود میں جو مرجع ضمیر واحد مذکر غائب ہے تمام مخالفین کا وجود شامل کر کے ایک ہی کا حکم رکھا ہے۔ تمام مخالفین ایک وجود یا کئی جائیں ایک قالب بن کر اس تفسیر کے مقابلہ میں لکھنا چاہیں تو ہرگز نہ لکھ سکیں گے ص۲۰۵

۱۵۔ کفیناک المستھزئین ص۲۱۷

۱۶۔ سال دیگر را کہ مے داند حساب
تا کجا رفت آنکہ با ما بود یار } ص۲۹۲

۱۷۔ آج سے یہ شرف دکھائیں گے ص۲۹۲

۱۸۔ انّ الّذین یبایعونك انّما یبایعون اللہ ص۲۹۵

۱۹۔ وانّی اریٰ بعض المصائب تنزل ص۳۳۳

۲۰۔ قل ان کنتم تحبّون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ ص۳۴۲

۲۱۔ انت منّی بمنزلۃ توحیدی وتفریدی ص۳۴۷

۲۲۔ تیرا مخالف جہنّم میں گرے گا ص۳۴۷

۲۳۔ فرمیسن اس کے قتل پر مسلّط نہیں کئے جائینگے۔ ص۳۹۵

۲۴۔ محمومٌ۔ نظرت الی المحموم منذر الہام ہے ص۳۹۵

۲۵۔ ربشن الخبر ص۴۰۴

الٰہی بخش اکونٹنٹ اور مسیح موعود

(ا) اس کی کتاب "عصائے موسیٰ" پڑھ کر فرمایا۔ اس کا جواب دینا چند گھنٹوں کا کام ہے مگر مصلحت یہی ہے کہ ایک وقت تک اس سے اغماض کیا جاوے نصرت الٰہی سچے جھوٹوں میں فرق کرتی ہے۔ اس کے ہم پر اعتراض وہی ہیں جو آنحضرتؐ پر نصاریٰ نے اور موسیٰؑ پر آریوں نے کئے جس طرح آیت انّا فتحنا لك فتحا مبینًا نے فیصلہ کر دیا کہ سارے جزوی اعتراض باطل تھے۔ اسی طرح ہمارے درمیان بھی نصرت الٰہی اور تائیدات سماوی فیصلہ کرینگی ص۱۴۴

(ب) ان کے اور ان جیسے الہامات کے ذکر پر الہامات رؤیا کشوف کی حقیقت مع امثلہ بیان فرمائی۔ فرمایا اگر وہ موسیٰ بنتے ہیں تو پوچھنا چاہیئے۔ ان کے موسیٰ بننے کی علت غائی کیا ہے۔ خدا تعالےٰ کیطرف سے آنیوالے لوگ آخر کسی مقصد کیلئے آتے ہیں ص۲۶۶-۲۶۸

(ج) الٰہی بخش پر کسی نے ذاتی نکتہ چینی کی۔ فرمایا یہ تقویٰ کے خلاف ہے۔ الٰہی بخش کے متعلق ضرورۃ الامام

میں ہم نے حسن ظنی کا اظہار کیا تھا۔ مگر انہوں نے
باوجود علم کے کہ وہ باتیں غلط ہیں کسی کے قول سے
میرے والد صاحب کے خلاف ہتک آمیز باتیں
لکھی ہیں جو تقوی کیخلاف ہے۔ صـ ۳۱۶

امتحان

(ا) سنت اللہ اسی طرح جاری ہے کہ ہر شخص جو
خدا تعالیٰ کی طرف قدم اٹھاتا ہے اس کا امتحان
ضرور ہوتا ہے احسب الناس ان یترکوا الآیہ
(ب) غرض امتحان۔ تاکہ انسان کو اپنے حالات کی
اطلاع ہو اور اپنے ایمان کی حقیقت کھلے صـ ۱۶۱
(ج) جماعت کا امتحان لینے کی تجویز۔ میں سوچتا
ہوں کہ اپنی جماعت کا امتحان بذریعہ سوالات لوں۔
اور دیکھوں کہ ہمارے مقاصد کو کہاں تک سمجھا ہے
اور اعتراضات کی مدافعت کہاں تک کر سکتے ہیں اگر
چالیس آدمی بھی منور نفس ہو جائیں اور پوری بصیرت
اور معرفت کی روشنی انہیں ملے تو بہت فائدہ پہنچا
سکتے ہیں۔ صـ ۲۵۸
(د) امتحانات کی غرض اعلیٰ مراتب عطا کرنے
کیواسطے امتحانات مقرر کرنا سنت اللہ کے مطابق
ہے۔ اللہ تعالیٰ بھی امتحانات کے بعد درجات دیتا
ہے۔ صـ ۳۲۰

امام اعظم ابو حنیفہؒ

(ا) مسجد بنانے کے لئے کسی کا چندہ مانگنا اور کراہت
دونی دینا وہ بھی کھوٹی نکلی۔ فرمایا اچھا ہوا۔ میرا جی
نہیں چاہتا تھا مسجدیں بہت ہیں اسراف ہے۔ صـ ۲۹۹
(ب) ان کی غلطی ہے جو آپ کے حق میں سخت کلامی
کرتے ہیں۔ صـ ۳۳۴

اُمّ المومنین

(ا) اس لفظ کے استعمال پر اعتراض سنکر فرمایا۔
نبیوں یا ان کے اظلال کی بیویاں امہات المومنین
ہوتی ہیں۔ معترضین کے ذہن میں جو مسیح موعود ہے
جسے مسلم کی حدیث میں نبی اللہ کہا گیا ہے۔ اور وہ
شادی بھی کریگا۔ اس کی بیوی کو ام المومنین کہیں گے
یا نہیں۔ صـ ۳۶۳
(ب) خدا کا مامور یا مرشد جو روحانی تولید کا موجب
ہوتا ہے وہ اگر باپ نہ کہلائے گا۔ تو کیا کہلائے گا۔
افلاطون حکیم کا قول ہے۔ باپ روح کو آسمان سے
زمین پر لاتا۔ مگر استاد زمین پر سے پھر آسمان پر پہنچاتا
ہے۔ صـ ۳۶۴

انبیاء۔ دیکھو زیر "نبی"

انجیل

موجودہ انجیل کے غیر الہامی ہونے کی یہ دلیل ہے کہ
وہ یہود کی زبان عبرانی میں نہیں ملتی حالانکہ خدا نبی
ہر قوم کی زبان میں اس کی طرف بھیجتا ہے۔ پس
اصل یونانی قرار دینا سنت اللہ کے خلاف ہے صـ ۳۱۹

انذاری پیشگوئیاں دیکھو "پیشگوئیاں"

انسان

(۱) انسان میں دو قسم کے مادے ایک سمّی جس کا موکل شیطان ہے۔ تکبّر سے سمی قوت غالب آجاتی ہے۔ دوسرا تریاقی مادہ ہے جو انکسار ہے یعنی اپنے تئیں ذلیل وحقیر سمجھ کر اللہ تعالیٰ کی مدد کی ضرورت محسوس کرتا ہے۔ ص۶۵

(ب) انسان کے معنے۔ دو اُنس ایک اللہ تعالےٰ سے دوسرا بنی نوع کی ہمدردی سے۔ یہی بات مغز انسان کہلاتی اور اسی مقام پر انسان اولوالالباب کہلاتا ہے۔ ص۱۶۸

(ج) انسان کے لئے دو باتیں ضروری ہیں۔ بدی سے بچے۔ نیکی کیطرے دوڑے۔ ص۲۳۸ دیکھو "نیکی"

(د) انسان اور اس کی پیدائش ہیں ارتقاء نباتی، حیوانی اور انسانی تین قسم کی جان مانی گئی ہے بعض حکما، نباتات میں شعور اور حس کے بھی قائل ہیں۔ ہر چیز میں خدا نے ایک برزخ رکھا ہوا ہے۔ مثلاً نباتات اور حیوانات کے درمیان وہ نباتات جن میں حس وشعور ہے وہ برزخ ہیں۔ جو بہت بڑا حصہ انسانی عقول کا رکھتے ہیں۔

اس برزخ کو نہ سمجھنے کی وجہ سے بعض کو یہ دھوکا لگا کہ بندر سے ترقی کرکے انسان بنا ہے حالانکہ یہ غلط ہے۔ یہ تمام برزخ جو مخلوقات میں موجود ہیں۔ وحدت خلقی کی دلیل ہونے کی وجہ سے خدا تعالےٰ کی ہستی پر دلیل ہیں۔ ص۳۸۹

(ھ) انسان اور خدا کے درمیان برزخ وہ تجلّیات ہیں۔ اسی مقام کی طرف آیت ثمّ دنا فتدلّٰی میں اشارہ ہے اس میں آنحضرتؐ کے علو مرتبہ کا بیان ہے۔ ایک تعلق آپ کا الوہیت سے اور دوسرا بنی نوع سے اور اس کی تفصیل۔ ص۳۹۰

انسانی پیدائش۔ دیکھو "پیدائش"

انفاق فی سبیل اللہ

بھی انسان کی سعادت اور تقویٰ شعاری کا معیار ہے۔ ص۹۶

انگریزی حکومت اور اس کے احسانات کا ذکر

۱۔ ہر قوم و مذہب کو فرائض مذہبی اور عبادات بجا لانے کی پوری آزادی دی ہے۔

۲۔ معابد اور مذہبی مقامات کی عزت کرتی ہے وغیرہ ص۱۵-۱۶

۳۔ ہوشیارپور میں ایک مؤذّن کے اونچی اذان کہنے پر ہندوؤں اور سکھوں کی شکایت کہ ہمارے آٹے بھرشٹ ہوگئے۔ ڈی۔سی کا اپنے سامنے اذان دلوانا۔ ص۱۷

۴۔ قادیان میں ایک سپاہی کا ملاں سے چھت پر سے اذان دلوانا۔ برہمن اسے پکڑ کر کاردار کے

پاس لے گئے۔ کاردار نے کہا کہ اب تو لاہور میں
گائے علانیہ ذبح ہوتی ہے۔ ص ۱۸

۵۔ ایک بڈھے "کتے" شاہ کے استاذ کا بخاری کو ترسنا
جواب دو چار روپیہ میں ملتی ہے۔ اسی طرح
احیاء العلوم کا ذکر ص ۱۹

۶۔ مکمل مذہبی آزادی سے عقلی اور ذہنی قوتوں میں
ترقی ہوئی اور مختلف مذاہب کے مقابلہ کا موقعہ
ملا۔ اس طرح علم کلام میں معتدبہ اضافہ ہوا۔ ص ۱۹

۷۔ اسی طرح مذہبی آزادی کیوجہ سے عبادت کے
لئے جن چار شرائط کی ضرورت ہے وہ ہمیں پورے
طور پر حاصل ہیں ص ۲۰-۲۱ دیکھو "عبادت"

۸۔ مذہبی تعلیم کا انحصار اشاعت کتب سے وابستہ
ہے جو اس عہد حکومت میں بہ آسانی مل سکتی ہیں
پھر اخبارات کے ذریعہ تبادلہ خیالات کا موقع
ملتا ہے۔ ص ۲۲

۹۔ سفر کے وسائل اور راستہ کا امن حاصل ہے۔
سکھوں کے عہد حکومت سے مقابلہ ص ۲۳

۱۰۔ سکھوں کے زمانہ کے دن انگریزوں کے زمانہ کی
راتوں سے کم درجہ تھے۔ ص ۲۳

۱۱۔ بار بار انگریزی حکومت کے احسانوں کے ذکر کی
وجہ۔ ص ۲۴

۱۲۔ حکومت کی تعریف اور اس کے احسانات کا ذکر
کسی صلہ یا انعام یا دنیاوی خطابات کے حصول کے
لئے نہیں بلکہ محض اللہ تعالےٰ اور اس کے امر
کی تعمیل میں ہے۔ ص ۲۵-۲۶

اولاد کی خواہش

(ا) اس غرض کیلئے ہونی چاہئے کہ اس کی اولاد
دیندار متقی ہو اور خدا تعالےٰ کی فرمانبردار اور
اس کے دین کی خادم بنے۔ اور ایسی اولاد کی
خواہش سے پہلے ضروری ہے کہ وہ خود اپنی اصلاح
کرے۔ ص ۳۷۰-۳۷۱

(ب) اگر خواہش نام باقی رہنے اور وارث الدنیا
ہونے کی غرض سے ہو تو اس قسم کی خواہش میرے
نزدیک شرک ہے۔ ص ۳۷۱

(ج) اولاد کی خواہش صرف نیکی کے اصول پر ہونی
چاہیئے۔ ص ۳۷۲

(د) خواہش اولاد کی جاتی ہے۔ مگر اولاد کی تربیت
اور ان کو عمدہ اور نیک چلن اور خدا تعالیٰ کے
فرمانبردار بنانے کی سعی اور فکر نہیں کی جاتی۔ نہ
مراتب تربیت مدنظر رکھے جاتے اور نہ دعا کرتے
ہیں۔ ص ۳۷۲

(ھ) قرآن مجید میں اولاد کی خواہش کو اس آیت
میں بیان فرمایا ہے۔ ربنا ھب لنا من
ازواجنا و ذریتنا قرۃ اعین واجعلنا
للمتقین اماما۔ اگر اولاد متقی ہو۔ تو یہ
اُن کا امام ہوگا۔ ص ۳۷۳

ایلیاء

ملاکی نبی کی کتاب کی رُو سے یہود اس کے آسمان سے آنے کے منتظر تھے۔ مگر مسیح نے یحییٰ کو ہی ایلیا قرار دیدیا۔ ایک یہودی نے لکھا ہے اگر خدا تعالیٰ مؤاخذہ کرے گا تو ہم ملاکی نبی کی کتاب سامنے رکھ دیں گے۔ صـ۴۰۵

ایمان

۱۔ ایمان درست نہیں ہوسکتا۔ جبتک انسان صاحبِ ایمان کی صحبت میں نہ رہے۔ صـ۵۳

۲۔ ایمان مومن اور اللہ کے درمیان ایک راز ہے۔ جسے مومن کے سوا دوسرا نہیں جان سکتا۔ صـ۹۸

۳۔ **اہلِ ایمان کی علامات**:۔

(ا) محبتِ الٰہی۔ جس کا ثبوت مکالمہ الٰہیہ ہوتا ہے۔ پس انسان حقیقی معرفت کے چشمہ میں اس دن غوطہ مارتا ہے جب خدا تعالےٰ اس کو مخاطب کرکے انا الموجود کی اس کو خود بشارت دیتا ہے۔

(ب) کہ خدا اپنے پیارے بندوں پر اپنی رحمت اور فضل کے آثار ظاہر کرتا ہے۔ وہ اس طرح کہ ان کی امید سے بڑھ کر دعائیں قبول فرما کر اپنے الہام اور کلام کے ذریعہ ان کو اطلاع دیتا ہے۔ صـ۱۳۰-۱۳۱

۴۔ **ایمان**:۔ (ا) ایمان ایک قوت ہے جو سچی شجاعت اور ہمّت انسان کو عطا کرتا ہے۔ صحابہ کی مثال۔ صـ۱۵۱-۱۵۲

(ب) خدا پر ایمان بڑی چیز ہے صحابہ نے ایمانی قوت سے سب کو جیت لیا۔ صـ۱۵۴

(ج) ایمان کا نتیجہ اگر فرض بھی کرلیں تو بھی بڑے نتائج مترتب ہوسکتے ہیں۔ اقلیدس کا سارا مدار فرض پر ہی ہے۔ اس سے بھی کس قدر فوائد پہنچتے ہیں۔ صـ۱۵۳

(د) ساری خوشیاں ایمان کے ساتھ ہیں صـ۲۴۷

(ہ) ایمان جسقدر قوی ہو اسی قدر خدا کے فضل سے حصّہ ملتا ہے۔ صـ۳۸۳

۵۔ **ایمان کے نتائج**:۔ ایمان کے انسان کے اندر داخل ہونے سے اللہ تعالےٰ کی عظمت اور سب سے بڑھ کر لا الٰہ الا اللہ کا حقیقی مفہوم داخل ہوجاتا ہے۔ شیطانی زندگی پر ایک موت وارد ہو جاتی اور گناہ کی فطرت مرجاتی اور نئی زندگی جو رُوحانی ہے شروع ہوتی ہے۔ صـ۱۶۹

۶۔ **اللہ تعالیٰ پر ایمان کا نتیجہ**:۔

(ا) خدا پر ایمان لانے سے انسان فرشتہ بن جاتا ہے اور نورانی ملائکہ کا مسجود صـ۲۷۷

(ب) گناہ کا باعث اللہ تعالےٰ پر عدم ایمان اور یقین کامل کا نہ ہونا ہے۔ صـ۲۷۶

۷۔ **حقیقتِ ایمان اور اس کے اثرات**:۔

(ا) ایمان بڑی دولت ہے۔ ایمان اس بات کو کہتے ہیں کہ اس حالت میں مان لیا جاوے جبکہ علم

ابھی کمال کے درجہ تک نہ پہنچا ہو۔ اور ابھی شکوک و شبہات سے ایک جنگ شروع ہو پس اس حالت میں جو شخص تصدیق قلبی اور تصدیق لسانی سے کام لیتا ہے وہ مومن ہے۔ صـ۳۸۶

(ب) اصل بہشت اسی ایمان سے شروع ہوتا ہے۔ ایمان اور اعمال صالحہ کی جزا جنّٰت تجری من تحتہا الانہار ہے۔ ایمان کی جزا جنّت اور اعمالِ صالحہ کا نتیجہ نہریں ہیں۔ پس اعمال صالحہ دوسرے جہان میں انہار جاریہ کے رنگ میں متمثل ہونگے صـ۳۸۶

(ج) ایمان کے انواع اولیہ سات ہیں۔ ایک آخری درجہ جو موہبت الٰہیہ سے عطا کیا جاتا ہے اس لئے بہشت کے دروازے بھی سات ہیں۔ آٹھواں دروازہ فضل کے ساتھ کھلتا ہے صـ۳۸۷

(د) ایمان منکسر المزاجی اور اپنی رائے کو چھوڑ دینے سے اور بے ایمانی تکبّر اور انانیت سے پیدا ہوتی ہے۔ صـ۳۸۸

(ھ) خدا کی آیات دیکھے بغیر ایمان مکمل نہیں ہو سکتا صـ۳۹۲

ب

بائبل

۱۔ بائبل اور سائنس۔ دونو کی آپس میں دو سوکنوں کی سی عداوت ہے۔ حضرت نوحؑ کی کشتی اور حذب کا ذکر اور بائبل میں اس سے متعلقہ واقعات کا خلافِ عقل اور غلط ہونا۔ صـ۳۲۲

بچّے

۱۔ بچّوں کے شور و غل پر باوجود سر درد کے خاموش رہنا۔ اور مولوی عبدالکریم صاحب کے عرض کرنے پر فرمانا نرمی سے روک دیں۔ صـ۳

۲۔ بچّے اور مار۔ فرمایا میرے نزدیک بچّوں کو مارنا شرک میں داخل ہے ہاں خود دار اور پورا متحمل اور بردبار، باسکون باوقار اور نفس کی باگ کو قابو میں رکھنے والا شخص کسی وقت مناسب پر کسی حد تک سزا دے یا چشم نمائی کرے تو اس کو حق ہے صـ۴

۳۔ مغلوب الغضب، سبک سر اور طائش العقل کو بچّوں کا مربّی اور متکفل نہیں ہونا چاہیئے۔ صـ۴

۴۔ سزا کی بجائے بچّوں کے لئے سوز دل سے دعا کرنے کو ایک حزب مقرر کر لیں۔ صـ۴

۵۔ میں تو اپنے بچّوں کیلئے دعا مانگتا ہوں کہ سب دین کے خادم بنیں اور سرسری طور پر قواعد اور آداب تعلیم کی پابندی کراتے ہیں اس سے زیادہ نہیں۔ یہ خیال کرنا کہ ہم ہی ہدایت کے مالک اور اپنی مرضی کے مطابق اس کو ایک راہ پر لے آئیں گے۔ ایک قسم کا خفی شرک ہے۔ صـ۵

بُخاری

صحیح بخاری ایک کتاب ہے جو دنیا کی تمام کتابوں میں سے قرآن شریف کے بہت مطابق اور سب سے افضل اور صحیح ہے اس کی دوسری بہن گویا مسلم ہے۔ صـ۲۱۸

بدظنی

۱. بدظنی انسان کو بہت سی نیکیوں سے محروم کر دیتی ہے۔ یہانتک کہ انسان خدا پر بھی بدظنی شروع کر دیتا ہے۔ صـــ۲

۲. بدظنی کیوجہ سے علماء نے میری تکفیر کی اور نشانات کو جھٹلایا۔ لیکھرام اور آتھم کی پیشگوئی اور تائیدی نشانات سے فائدہ نہ اُٹھایا۔ صـــ۱۰۷-۱۰۹

۳. ایک شخص کی دوسرے شخص کے متعلق بدظنی اور جلدی رائے قائم کرنے کا واقعہ۔ صـــ۲۴۹

بدی ۔ بدیوں

بدیوں سے بچنے کے لئے پہلا مرحلہ خدا تعالیٰ کی جلالی صفات کی تجلی سے ہوتا ہے اور دوسرا مرتبہ خدا تعالیٰ کی جمالی تجلی سے ملتا ہے صـــ۲۳۹

براہین احمدیہ

براہین کے متعلق مولوی نذیر حسین دہلوی کا بموجودگی منشی عبدالحق صاحب اور بابو محمد صاحب یہ کہنا کہ اسلام کی تائید میں اس جیسی اور کوئی کتاب نہیں لکھی گئی۔ صـــ۲۹۴

برطانیہ کی حکومت۔ دیکھو "انگریزی حکومت"

بلعم

بلعم کو الہامات ہوتے تھے مگر اللہ تعالیٰ کے حضور میں وہ کوئی برگزیدہ اور پسندیدہ ابھی تک نہیں بنا تھا۔ یہانتک کہ وہ گر گیا صـــ۳۶۷

بن باپ ولادت

دیکھو "عیسیٰ کی بن باپ پیدائش"

بندے

اللہ تعالیٰ کے بندے وہ ہیں جو اس کی راہ میں اپنی زندگی وقف کر دیتے ہیں جو اپنی جان اس کی راہ میں قربان کرنا اور مال خرچ کرنا اس کا فضل اور اپنی سعادت سمجھتے ہیں۔ صـــ۹۰

بوٹر

ایک گاؤں قادیان سے دو میل کے فاصلہ پر ہے۔ سکھوں کے عہد میں جب کوئی عورت جاتی تو رو رو کر جاتی تھی۔ راستہ کا امن اور وسائل سفر نہ تھے صـــ۲۳

بہشت و دوزخ

دیکھو "جنت و جہنم"

بہشتی زندگی

اسی دنیا سے شروع ہو جاتی ہے اور جہنمی زندگی بھی۔ مرنے کے بعد کا بہشت اسی کا اصل ہے اسی لئے بہشتی هٰذا الّذی رزقنا من قبل کہیں گے اور من کان فی هٰذہٖ اعمٰی فھو فی الاٰخرۃ اعمٰی۔ پس ماسوی اللہ سے اپنے دلوں کو آئینہ کیطرح صاف بناؤ۔

صـــ۹۶ و ۳۸۷ و ۳۸۹

بیعت

(۱) بیعت میں دین کو دنیا پر مقدم کروں گا کا عہد اس لئے لیتا ہوں۔ تا دیکھوں بیعت کنندہ اس پر کیا

عمل کرتا ہے ص ۱۱

(ب) ظاہری بیعت جبتک اس میں مغز نہ ہو پوست کی طرح ہے۔ جبتک انسان اپنے آپ پر بہت موتیں وارد نہ کرے اور بہت سی تبدیلیوں اور انقلابات میں سے ہو کر نہ نکلے انسانیت کے اصل مقصد کو پا نہیں سکتا۔ ص ۱۶۷

(ج) **بیعت کی ضرورت**۔ ایک شخص کے سوال پر کہ اگر آپ کو کوئی بزرگ مانے بیعت نہ کرے، تو کیا ہرج ہے۔ فرمایا۔ بیعت کے معنی ہیں بیچ دینا یہ ایک کیفیت ہے جس کو قلب محسوس کرتا ہے اور جب انسان اپنے صدق و اخلاص میں ترقی کرتا ہوا اس حد تک پہنچ جائے تو وہ بیعت کے لئے خود بخود مجبور ہو جاتا ہے اور جب تک یہ کیفیت پیدا نہ ہو تو اس کے صدق و اخلاص میں کمی ہے۔ ص ۲۹۴

(د) **بیعت بامر الٰہی لیتے ہیں۔ ہم عام صوفیوں** اور مشائخ کی طرح نہیں۔ ص ۲۹۵

(ھ) **بیعت کی حقیقت**۔ جبتک بیعت کرنیوالا دنیا کے درخت سے کاٹا جا کر شاخ الوہیت کے ساتھ ایک پیوند حاصل نہیں کرتا۔ اس کی سرسبزی و شادابی محال ہے اور جبتک ایک صادق کے ساتھ انسان کا پیوند قائم نہیں ہوتا وہ روحانیت کے جذب کرنے کی قوت نہیں پا سکتا۔ ص ۳۵۹-۳۶۰

پ

پادری

(ا) فورمین کالج اور امریکن مشن کے سوالات و جوابات دیکھو "فورمین کالج"

(ب) آپ نے ان پادریوں سے کہا جس جگہ میں بیٹھا ہوں اگر آج اس جگہ حضرت موسیٰؑ یا حضرت مسیحؑ ہوتے تو وہ بھی اسی نظر سے دیکھے جاتے جس نظر سے میں دیکھا جاتا ہوں۔ ص ۲۷۱

(ج) پادری صفدر علی۔ پادری عماد الدین اور کتاب امہات المومنین کا ذکر۔ ص ۱۹۱-۱۹۲

(د) **پادریوں کے حملے کا طریق**۔
تمہارا نبی مر گیا زندہ نبی مسیح ہے۔ مس شیطان سے صرف وہی محفوظ ہے۔ مسیح نے مردوں کو زندہ کیا۔ وہ چڑیاں بنایا کرتے تھے۔ ص ۱۹۲

پیدائش انسانی

انسانی پیدائش کی علت غائی عبادت ہے۔ ص ۹۵
عبادت کے معنے دیکھو زیر "عبادت"

پیر گولڑوی

پیر گولڑوی کا شور و غوغا اور حضرت مسیح موعودؑ کا فرمانا کہ یہ سارے شور خدا تعالیٰ کی نصرت کی آمد کے لئے جو دیر سے معرض التوا میں ہے تمہید معلوم ہوتے ہیں جیسے آتھم کے شور پر خدا تعالیٰ کی غیرت نے بہت جلد لیکھرام کا نشان ظاہر کیا۔ ص ۸۸-۸۹

پیشگوئی جمع پیشگوئیاں

۱۔ انذاری۔ بعض انذاری پیشگوئیوں میں بظاہر کوئی شرط نہیں ہوتی اور حقیقت میں وہ مشروط ہوتی ہیں۔ یونس نبی کے قصے کی مثال جو قرآن اور کتب سابقہ میں موجود ہے۔ ص ۱۰۸

۲۔ **پیشگوئی متعلقہ احمد بیگ پر اعتراض کا جواب**۔ چار شخصوں کی موت کی نسبت پیشگوئی تھی۔ تین ہلاک ہو چکے۔ صرف ایک (داماد) باقی ہے ص ۱۱۲

۳۔ **ایک اہم پیشگوئی**۔ علماء سے کم ہی امید ہے کہ رجوع کریں۔ مگر جو آئندہ ذریت ہوگی وہ ہماری ہوگی۔ ص ۱۲۸

۴۔ آیت ولقد نصرکم اللہ ببدر وانتم اذلۃ میں مسیح موعود کے زمانہ کے متعلق پیشگوئی اور مسلمانوں کے اذلۃ ہونے کا۔ پھر مسیح موعود کے بھیجنے سے نصرت کا ثبوت ص ۱۹۰-۱۹۳

۵۔ الہام منعہ مانع من السّماء یعنی اس تفسیر نویسی میں کوئی تیرا مقابلہ نہیں کر سکیگا۔ خدا نے مخالفین سے سلب طاقت اور سلب علم کر لیا ہو ص ۲۰۴

۶۔ غیر المغضوب علیہم ولا الضآلین میں پیشگوئی ہے کہ مسلمانوں میں سے بعض یہود و نصاریٰ کے خصائل اختیار کریں گے کیونکہ حکم ہمیشہ ایسے امر کے متعلق دیا جاتا ہے جس کی خلاف ورزی کرنیوالے بعض لوگ ہونے ہیں۔ ص ۲۴۵، ۲۵۲، ۲۵۳، و ص ۲۶۵، و ۲۶۶۔

۷۔ آیت استخلاف میں مسیح موعود کی پیشگوئی ہے۔ وہ خاتم الخلفاء ہے۔ اگر کوئی انکار کرے کہ اس امت میں مسیح موعود نہ ہوگا۔ تو وہ قرآن کا انکار کرتا ہے ص ۲۵۱-۲۵۲

۸۔ اخرجت الارض اثقالہا کی پیشگوئی کے ظہور کا وقت مسیح موعود کا ہی زمانہ تھا۔ دیکھو کس قدر ایجادیں اور نئی کلیں نکل رہی ہیں۔ میرے نزدیک طاعون بھی اسی میں داخل ہے ص ۲۵۴

۹۔ مجذوب گلاب شاہ کی پیشگوئی ظہور مسیح موعود کے متعلق دیکھو "کریم بخش"

۱۰۔ **انگریزوں اور مولویوں کے متعلق پیشگوئی**۔ ایک نظارہ دکھایا گیا۔ انگریزوں وغیرہ کے متعلق اس طرح سے تھا۔ کہ ان میں بہت لوگ ہیں جو سچائی کی قدر کرینگے۔ مُلّا مولویوں کے متعلق یہ تھا کہ ان میں سے اکثر کی قوت مسلوب ہوگئی ہے۔ ص ۳۳۸

ت

تاریخی واقعات

۱۔ سکھا شاہی اور انگریزی عہد حکومت کے چند واقعات اذان دینے، گائے ذبح کرنے وغیرہ کے ص ۱۶-۱۸

۲۔ حضرت علیؓ کا ایک نیچے گرائے ہوئے کافر کو اس کے آپ کے مُنہ پر تھوکنے سے اس لئے چھوڑ دینا کہ اب میرے فعل میں نفس کا حصّہ مل گیا ہے۔ ص ۴۹-۵۰

۳۔ عمارہ بن خزیمہ کے بوڑھے والد کو حضرت عمرؓ کا فرمانا کہ ضرور درخت لگا اور پھر خود اس کے ساتھ درخت لگانا۔ صـ۹۲

۴۔ آنحضرتؐ کے روپیہ کی ضرورت کے اعلان پر حضرت ابوبکرؓ کا سارا مال اور حضرت عمرؓ کا نصف مال لے آنے کا واقعہ۔ صـ۹۵

تبتّل

۱۔ تبتّل تام اور انقطاع الی اللہ کی راہیں بغیر رسول کے سکھلانے کے حاصل نہیں سکتیں۔ صـ۶۷

۲۔ تبتّل کی حقیقت۔ سید امیر علیشاہ ملہم سیالکوٹ کے سوال پر کہ اُسے رؤیا میں ارشاد ہوا۔ کہ تبتّل کے معنے آپ سے دریافت کروں۔ فرمایا۔ رؤیا کا منشا یہ ہے کہ اس بارے میں میرا مذہب اختیار کیا جاوے۔

(ا) متبتّل وہ ہوگا۔ جو عملی طور پر اللہ تعالیٰ اور اس کے احکام اور رضا کو دنیا اور اس کی متعلقات و مکروہات پر مقدم کرے۔ غرض تبتّل خدا کیطرف انقطاع کرکے دوسروں کو محض مُردہ سمجھ لینا۔ صـ۳۵۷۔۳۶۰

(ب) تبتّل تام کا پورا نمونہ انبیاء اور خدا کے ماموروں میں مشاہدہ کرنا چاہیئے۔ صـ۳۶۱

(ج) تبتّل کا عملی نمونہ آنحضرتؐ ہیں۔ آپ کامل متبتّل بھی تھے۔ اور کامل متوکّل بھی۔ صـ۳۶۲

(د) متبتّل متوکّل بھی ہوگا۔ تبتّل کا راز ہے توکّل۔ اور توکّل کی شرط ہے تبتّل۔ گویا تبتّل اور توکّل توام ہیں۔ صـ۳۶۲

تبلیغ

(ا) ایک پہلو تو مَیں کر رہا ہوں۔ دوسرے پہلو یعنی انگریزی میں تبلیغ کو ہماری انگریزی خواں جماعت نے اپنے ہاتھ میں لیا ہے۔ ان کی تجویز ہے تجارت کے طریق پر یہ کام جاری ہو جائے۔ میرا منشا تو یہی ہے کہ کسی طرح عرب اور دوسرے ملکوں میں تبلیغ ہو جائے۔ صـ۲۵۶

(ب) **تبلیغ بذریعہ فونوگراف کی تجویز** حضرت مسیح موعودؑ کی ایک تقریر تین چار گھنٹہ کی عربی زبان میں ریکارڈ کی جائے۔ اس سے پہلے تعارفی تقریر مولوی عبدالکریم صاحب کی ہو۔ صـ۳۷۸

تربیت۔

(ا) بچوں کا مربّی اور متکفل کیسے مقرر کیا جائے۔ اور تربیت کیلئے دُعا کا طریق صـ۵۰۔ دیکھو "بچے"

(ب) جسقدر مربّی قوی التاثیر اور کامل ہوگا۔ اس کی تربیت کا اثر مستحکم اور مضبوط ہوگا۔ صـ۱۸۹

(ج) **تربیت اولاد** ۔ اکثر لوگ اولاد کی خواہش تو کرتے ہیں۔ مگر اولاد کی تربیت اور انہیں خدا تعالیٰ کا فرمانبردار اور نیک چلن بنانے کیلئے سعی نہیں کرتے۔ والدین انہیں بُری عادتیں سکھا دیتے ہیں

بھی پر اُن کو تنبیہ نہیں کرتے۔ صـ ۳۷۲

ترقی جمع ترقیات

(ا) تدریجی ترقی۔ جو سلسلہ بھی منہاج نبوت پر قائم ہوگا۔ اس میں بھی تدریجی ترقی کا قانون کام کرتا ہوگا۔ صـ ۷

(ب) بہشت میں ترقیات غیر متناہی ہیں صـ ۲۱۲

تُرک اور سیّد

(ا) ترکوں کے ذریعہ اسلام کو بہت بڑی قوت حاصل ہوئی۔ مغلوں کے ہندوستان میں آنے سے مسجدیں بنیں۔ ان کے اثر سے اسلام پھیلنا شروع ہوا۔

(ب) دو ہی گروہ ہیں۔ ایک تُرک دوسرے سادات ترک ظاہری حکومت اور ریاست کے حقدار ہوئے اور سادات کو فقر کا مبداء قرار دیا گیا۔ صـ ۳۹۶-۳۹۷

تصورِ شیخ

(ا) تصورِ شیخ کا حکم قرآن میں نہیں پایا جاتا۔ بُت پرستی تو شروع ہی تصور سے ہوتی ہے پھر تصور قائم رکھنے کے لئے تصویر بنالی اور اس کی تفصیل

صـ ۳۶۶

(ب) تصویر کھینچوانے کی غرض۔

اس اعتراض کے جواب میں کہ حضور نے تصویر تصورِ شیخ کی غرض سے کھینچوائی ہے۔ فرمایا۔ ہماری غرض بلادِ یورپ خصوصاً لنڈن میں تبلیغ کی نیت سے کھینچوائی ہے۔ کیونکہ وہ کسی شخص کی تصویر اور

اس کے خط و خال کو دیکھ کر اس کی راستبازی اور قوت قدسی کا اندازہ لگا لیتے ہیں۔ صـ ۳۶۵

تعدد ازدواج

تعدد ازدواج کا ایک عجیب حل۔ یوسف جس کے ساتھ مریم کی شادی ہوئی۔ اس کی ایک بیوی پہلے بھی موجود تھی۔ یہود نے ازراہِ شوخی حضرت مریمؑ پر اعتراض کر کے مسیح کی پیدائش کو ناجائز قرار دیا۔ مگر عیسائیوں نے تعدد ازدواج کو ناجائز قرار دیکر وہی اعتراض حضرت مریم کی اولاد پر کر دیا۔ صـ ۳۷۹-۳۸۰

تعلقات۔

دو قسم کے تعلقات ہیں۔ جسمانی جیسے ماں باپ بہن بھائی۔ دوسرے رُوحانی اور دینی تعلقات۔ اگر دینی تعلقات کامل ہو جائیں تو سب قسم کے تعلقات سے بڑھ کر ہوتے ہیں۔ اور اس کمال کو ایک عرصہ تک صحبت میں رہنے سے پہنچتے ہیں۔ صحابہ کی مثال صـ ۲۶۴

تفسیر آیات

ا۔ سورۃ النّاس کی تفسیر

ربّ النّاس۔ (ا) رُبوبیّت کے عارضی اور ظلّی طور پر دو مظہر جسمانی طور پر والدین اور روحانی طور پیر مرشد اور ہادی ہیں۔ ماں باپ کی محبت عارضی اور خدا تعالےٰ کی محبت حقیقی ہے۔ صـ ۱۳

(ب) ربّ النّاس سے شروع کیا۔ کیونکہ تکمیل اخلاق فاضلہ کیلئے ربّ النّاس میں والدین اور مرشد کیطرف

ایسا فرمایا۔ کیونکہ مرشد روحانی تربیت خدا تعالیٰ کی منشاء کے موافق اور اس کی توفیق و ہدایت سے کرتا ہے۔ ص۱۴

ملک النّاس (ا) لوگوں کو متمدن دنیا کے اصول سے واقف کرنے اور مہذب بنانے کیطرف اشارہ ہے۔

(ب) اس میں اشارہ ہے کہ ظلّی طور پر دنیا میں بھی بادشاہ ہوتے ہیں۔ ان کے حقوق کی نگہداشت کیجائے کافر مشرک موحد بادشاہ ہو کوئی قید نہیں کیسی مذہب کا بادشاہ ہو۔ ص۱۴

من شرّ الوسواس الخنّاس۔ خنّاس عربی میں عبرانی میں اُسے نحاش کہتے ہیں چونکہ آدم و حوّا کو خنّاس یعنی نحاش نے بہکایا تھا۔ اس لئے شیطان یا ابلیس نہ کہا۔ تا وہ پہلے واقعہ کو یاد کرکے اس کے دھوکہ میں آکر خدا کی اطاعت سے روگردان نہ ہو جائیں اصل اطاعت اللہ تعالیٰ کی ہے۔ مگر والدین۔ ہادیٔ مرشد اور بادشاہ کی اطاعت کا حکم بھی اسی نے دیا ہے۔ اطاعت کا فائدہ یہ ہوگا کہ خنّاس سے بچ جاؤ گے۔ ص۲۵ نیز دیکھو ص۲۴۵ و "شیطان کے وساوس اور ان کا علاج"

۲۔ آیت جزٰؤا سیئۃ سیئۃ مثلها فمن عفا واصلح فاجرهٗ علی اللہ۔ یہ تعلیم کہ عفو سے اصلاح ہو بے نظیر تعلیم ہے اور اس پر عمل کرنے سے انسان میں قوت اجتہاد اور تدبر اور فراست بڑھتی ہے۔ ص۲۱

۳۔ سُورہ فاتحہ میں خدا تعالیٰ کی صفات اربعہ کا نمونہ آنحضرتؐ میں دیکھو۔ دیکھو "محمد و صفات اربعہ"

مغضوب اور ضالین سے مُراد۔ مغضوب خود غضب کرنیوالے تھے وہ خدا کے غضب کو کھینچ لائے۔ وہ یہودی ہیں اور ضال سے مراد عیسائی۔ غضب کی کیفیت قوت سبعی سے اور ضلالت وہمی قوت سے پیدا ہوتی ہے۔ واہمی قوت حد سے زیادہ محبت سے پیدا ہوتی ہے۔ قوت بہیمی میں جوش ہو کر انسان جادۂ اعتدال سے نکل جاتا ہے۔ اسی طرح قوت وہمی کے استیلا کیوقت رسی کو سانپ سمجھنے لگ جاتا ہے۔ درخت کو ہاتھی بناتا ہے۔ غرض اسلام نے جادۂ اعتدال پر رہنے کی تعلیم دی ص۴۶-۴۷، ص۲۵۲، ص۲۶۵-۲۶۶

۴۔ آیت لعلّک باخعٌ نفسک الّا یکونوا مومنین کے دو پہلو ہیں۔ کافروں کی نسبت کہ وہ مومن کیوں نہیں ہوتے۔ مسلمانوں کی نسبت کہ ان میں وہ اعلیٰ درجہ کی روحانیت کیوں نہیں پیدا ہوتی جو آپ چاہتے ہیں ص۱۵

۵ صراط الذین انعمت علیهم۔ نبی، صدیق شہید، صالح مراد ہیں۔ مومن دعا کے وقت ان کے اخلاق و عادات اور علوم کی درخواست کرتا ہے اور ان کی تعریف ص۵۶-۵۷

۶۔ الرٰ کتٰب احکمت اٰیاته کتاب اللہ کو استوار کیا

(ا) قرآنی تعلیموں کا استحکام قانون قدرت سے کیا
گیا۔ جو قرآن میں ہے وہی کتاب مکنون میں ہے وحدہٗ
لاشریک ہونے کا ثبوت قانون قدرت سے ص۵۸-۵۹
(ب) دوسری وجہ استحکام کی خدا تعالےٰ کے نشانات
ہیں جو نبی اللہ مامور کے ہاتھ پر ظاہر ہوتے ہیں۔ اور
تائیدات الٰہی ہیں۔ ص۵۹
(ج) تیسری وجہ استحکام نبی کا پاک چال چلن اور
راستبازی ہے۔ ص۶۰
(د) چوتھی وجہ استحکام کی نبی کی قوت قدسیہ ہے۔ ص۶۰
ثم فصلت ۔ ایک تفصیل قرآن کریم کے معارف و
حقائق کے اظہار کے سلسلہ کا قیامت تک ممتد ہونا
ہے یہ تفصیل بھی حکیم وخبیر خدا نے رکھی ہے ص۶۵-۶۶
حکیم وخبیر کی تفسیر ص۶۴
بقیہ آیت الا تعبدوا الا اللہ انّنی لکم
منہ نذیر وبشیر۔ کیونکہ حالت تعبّد کی درستی
کے لئے بدوں کسی اسوۂ حسنہ اور ایک قوت قدسی
کے کامل اثر کے بغیر نہیں تھا۔ اس لئے بشیر ونذیر
کا ذکر فرمایا۔
پھر بقیہ آیت وان استغفروا ربکم الیٰ فضلہ ص۶۹
۶- ھذا الذی رزقنا من قبل۔ اس آیت میں
دنیا کی رُوحانی جنت کے اثمار شیریں کی طرف اشارہ
ہے۔ ص۶۵
۷- یأکلون کما تأکل الانعام۔ چارپائے کے بدخصائل
کیفیت اور کمیّت میں فرق نہیں کر سکتا۔ دوسرے
حلال وحرام میں تمیز نہیں کرتے خواہ کسی یتیم کا ہو
یا ہمسایہ کا ہو۔ ص۷۸
۸- فیمسک التی قضیٰ علیها الموت بصورت قصہ
نہیں بصورت ہدایت ہے۔ ص۸۳
۹- لوکان من عند غیر اللہ لوجدوا فیہ
اختلافاً کثیراً۔ پس جو قرآن مجید میں اختلاف
ثابت کرتے ہیں۔ وہ گویا اسے من عند غیر اللہ
ٹھہراتے ہیں۔ ص۸۳
۱۰- عزیرؑ کے قصہ میں اماتہ اللہ مأتہ عام کے معنے
انامہ اللہ بھی لئے جا سکتے ہیں۔ اور قوت نامیہ اور
حسیہ کے زوال پر بھی موت کا لفظ قرآن کریم میں
بولا گیا ہے۔ ص۸۵
۱۱- لم یتسنّہ۔ ایک ثقہ آدمی نے لکھا ہے۔ کہ
میری پیدائش سے ۲۰ برس پہلے کا پکا ہوا گوشت
میں نے کھایا ہے۔ ممکن ہے آئندہ کسی زمانہ میں یہ
بھی انکشاف ہو جائے کہ انسان پر کھانے کی طرح
عمل ہو سکتا ہے۔
ایک شخص نے بتایا کہ دن میں وہ دو بار سانس لیتا
ہے۔ پس ہوا کو سڑنے میں دخل ہے اس قسم کی
ہوا سے انسان کو بچایا جائے۔ اور انسان کی عمر بڑھ
جاوے تو ہرج کیا ہے۔ ص۸۶-۸۷
۱۲- اسلم وجهه للہ کے معنی یہی ہیں کہ ایک نیستی

اور تذلّل کا لباس پہن کر آستانہ اُلوہیت پر گرے
اور اپنی جان مال آبرو سب کچھ خدا ہی کے لئے
وقف کرے۔ صـ۹۰

۱۳۔ ربنا اٰتنا فی الدنیا حسنة وفی الاٰخرة
حسنة میں حسنة الدنیا کو مقدم کیا جو آخرة
میں حسنات کا موجب ہو جاوے۔ صـ۹۱

۱۴۔ ممّا رزقنٰھم ینفقون میں شفقت علیٰ خلق
اللہ کی تعلیم ہے۔ دولتمند اور متمول لوگ دین کی
خدمت اچھی طرح کر سکتے ہیں۔ صـ۹۵

۱۵۔ لن تنالوا البرّ حتّٰی تنفقوا مما تحبّون
دوسرے کی نفع رسانی اور ہمدردی کیلئے ایثار
ضروری شے ہے اس آیت میں اسی ایثار کی تعلیم
دی گئی ہے۔ صـ۹۶

۱۶۔ واعبد ربّك حتّٰی یاتیك الیقین یعنی
جبتک تجھے کامل یقین کا مرتبہ حاصل نہ ہو جائے
اور تو ایک نئی مخلوق نہ ہو جائے۔ عبادت کرتا
رہ۔ یہ حیات ثانی وہی ہے جس کو صوفی بقا کے
نام سے موسوم کرتے ہیں اور اس مقام میں نفخ
روح ہوتا ہے۔ صـ۹۷-۹۸

۱۷۔ وما کان لبشرٍ ان یکلمه اللہ الا وحیًا
او من وراءِ حجاب او یرسل رسولًا الآیہ
کی تفسیر۔ صـ۱۱۶-۱۱۹

۱۸۔ ھو الّذی ارسل رسوله بالھدٰی و
دین الحق لیظھرہ علی الدّین کلّه۔ آنحضرتؐ
کی زندگی کے دو مقصد تکمیل ہدایت اور تکمیل
اشاعت ہدایت۔ اس کے متعلق سب مفسّرین نے
تسلیم کیا ہے۔ کہ اس آیت کی تکمیل مسیح موعود
کے زمانہ میں ہوگی۔ صـ۱۲۳

۱۹۔ وما کفر سلیمان میں بعض نابکار قوموں کی
جو آپ کو بُت پرست کہتی تھیں۔ تردید کی ہے
صـ۱۲۶

۲۰۔ سورۃ فاتحہ میں اللہ تعالیٰ کی صفات اربعہ میں
دوسرے مذاہب کے عقائد فاسدہ کو رد کیا ہے
اور اس کی تفصیل صـ۱۲۶-۱۲۷

۲۱۔ آیت افلا ینظرون الی الابل کیف خلقت کی
لطیف تفسیر۔ ابل میں ایک دوسرے کی پیروی
اور اطاعت کی قوت رکھی ہے۔ اُونٹ کی لمبی قطار
کا بڑا تجربہ کار اُونٹ بطور امام و پیشرو ہوتا ہے۔
یہ قطار سفر کے وقت ہوتی ہے۔ پھر وہ لمبے سفروں
میں کئی کئی دنوں کا پانی جمع رکھتا ہے۔ مومن کیلئے
اس میں نصیحت ہے اور اس کی تفصیل صـ۱۳۳-۱۳۴

۲۲۔ اِنّ زلزلة الساعة شیئٌ عظیم۔ اس میں
ساعت سے مراد سکرات الموت ہیں۔ صـ۱۴۶

۲۳۔ انّما اموالکم واولادکم فتنة۔ اموالکم میں
عورتیں داخل ہیں۔ عورت چونکہ پردہ میں رہتی ہے۔
اس لئے اس کا نام بھی پردہ ہی میں رکھا ہے۔ اور

اس لئے بھی کہ عورتوں کو انسان مال خرچ کرکے لاتا ہے۔ مال کے معنے کلما یمیل الیہ القلب ہے اور اولاد کو انسان جگر کا ٹکڑا اور اپنا وارث سمجھتا ہے۔ صـ ۱۴۷

۲۴۔ ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ۔ یعنی انسان اپنے کسی خود تراشیدہ طرز ریاضت و مشقت و جپ تپ سے اللہ تعالیٰ کا محبوب اور قرب الٰہی کا حقدار نہیں بن سکتا جب تک کہ وہ رسول اللہؐ کی اطاعت میں نہ کھویا جائے صـ ۱۸۳

۲۵۔ الحمد للہ رب العالمین الرحمٰن الرحیم مالک یوم الدین میں الحمد للہ کا مظہر آنحضرتؐ کے دو ظہور محمد اور احمد میں ہوا۔ اور نبی کاملؐ کی ان صفات اربعہ کو بیان کرکے صحابہ کرام کی تعریف میں پورا بھی کردیا۔ صـ ۱۸۸-۱۸۹

۲۶۔ آیت ولقد نصرکم اللہ ببدر و انتم اذلّۃ میں مسیح موعود کے زمانہ کے متعلق پیشگوئی ہے۔ بدر سے مراد چودھویں صدی اور مسلمانوں کے اذلّہ ہونے کا ثبوت۔ صـ ۱۹۰-۱۹۳

۲۷۔ ولنبلونکم بشیءٍ من الخوف۔ خوف سے معلوم ہوتا ہے۔ ڈر ہی ڈر ہے۔ انجام اچھا ہے جانوں کے نقصان میں یہ بات داخل ہے کہ خود تو زندہ رہے اور اعزا اور متعلقین مر جاویں ثمرات میں اولاد بھی داخل ہے اور محنتوں کے نتائج صـ ۱۹۶-۱۹۷۔

۲۸۔ یأتی من بعدی اسمہ احمد میں مِنْ بَعْدِیْ ظاہر کرتا ہے کہ وہ نبی میرے بعد بلافصل آئے گا یعنی میرے اور اس کے درمیان کوئی اور نبی نہ ہوگا۔ صـ ۲۰۸

۲۹۔ انا سنلقی علیک قولاً ثقیلاً۔ خدا کی طرف سے آنیوالی بات کا ہموزن کوئی نہیں۔ وہ فولاد کی طرح گرنیوالی ہوتی ہے ثقیل کے یہی معنے ہیں۔ صـ ۲۴۴

۳۰۔ تفسیر سورۂ اخلاص۔ اَحَدٌ خدا کا اسم ہے اس کا مفہوم واحد سے بڑھ کر ہے۔ صَمَد کے معنے ازل سے غنی بالذات جو بالکل محتاج نہ ہو۔ اقنوم ثلٰثہ کے ماننے سے وہ محتاج ماننا پڑتا ہے۔ صـ ۲۴۷

۳۱۔ صراط الذین انعمت علیہم میں شہیدوں کا گروہ بھی ہے۔ صـ ۳۱۱

۳۲۔ تفسیر آیت لو تقول علینا بعض الاقاویل دیکھو "انبیاء کی صداقت کی دلیل"

۳۳۔ احصنت فرجہا فنفخنا فیہ من روحنا۔ ہر مومن جو تقویٰ و طہارت میں کمال پیدا کرے وہ بروزی طور پر مریم ہوتا ہے۔ خدا اس میں اپنی روح پھونک دیتا ہے جو ابن مریم بن جاتی ہے۔ زمخشری نے بھی اس کے یہی معنے کئے ہیں۔ اس میں ایک پیشگوئی ہے کہ ابن مریم اسی امت میں سے ہوگا صـ ۳۱۷-۳۱۸

۳۴- اَتانی العتاب سے مراد فہم کتاب ہے ص ۳۸۲

۳۵- کما ارسل الاولون کے مطالبہ سے ظاہر ہے کہ آپ کا زمانہ سونٹے کا سانپ بنا کر دکھلانے وغیرہ کا زمانہ نہ تھا۔ بلکہ اس میں بہت اعلیٰ درجہ کے خوارق کی ضرورت تھی۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کے نشانات اپنے اندر ایک علمی سلسلہ رکھتے ہیں ص ۳۸۳

تفسیر سورہ فاتحہ (اعجاز المسیح)

۱- اس کے مقابلہ میں سب مخالفین بھی لکھنا چاہیں تو ہرگز نہ لکھ سکیں گے۔ انسان کا کام انسان کر سکتا ہے۔ ہمارے مخالف انسان ہیں اور عالم اور مولوی کہلاتے ہیں۔ پھر کیا وجہ جو کام ہم نے کیا وہ نہیں کر سکتے یہی تو معجزہ ہے ص ۲۰۴-۲۰۵

۲- اس تفسیر کے لکھنے کے لئے غیبی قوت۔ فرمایا۔ دن تھوڑے رہ گئے ہیں۔ اب تو ہم اس طرح جلدی جلدی لکھتے ہیں۔ جیسے اردو لکھی جاتی ہے۔ ص ۲۱۵

تقویٰ

۱- خداتعالیٰ کے نزدیک تکریم اور تعظیم کا معیار صرف تقویٰ ہی ہے۔ ایک چوہڑا مسلمان ہو کر اعلیٰ درجہ کا قرب اور درجہ خدا کے حضور حاصل کر سکتا ہے۔ ص ۱۳۹

۲- تقویٰ والے پر خدا کی ایک تجلّی ہوتی ہے۔ وہ خدا کے سایہ میں ہوتا ہے۔ ص ۳۰۱

۳- اصل تقویٰ سے معجزات اور الہامات بھی تقویٰ کی فرع ہیں۔ اس واسطے تم الہامات اور رؤیا کے پیچھے نہ پڑو۔ بلکہ تقویٰ کے پیچھے لگو۔ جو متقی ہے۔ اسی کے الہامات بھی صحیح ہیں۔ ص ۳۰۲

۴- سب نبیوں کا مدعا یہی تھا کہ تقویٰ کی راہ سکھلائیں ان اولیاؤہٗ الا المتقون۔ ص ۳۰۲

۵- تقویٰ ہر نیکی کی جڑ ہے۔ اس کے معنے ہیں ہر ایک باریک در باریک گناہ سے بچنا۔ جس امر میں بدی کا شبہ ہو اس سے بھی کنارہ کرے۔ ص ۳۲۱

۶- تقویٰ کا اثر اسی دنیا میں متقی پر شروع ہو جاتا ہے۔ ص ۳۲۴

۷- اصل تقویٰ کا یہ ہے کہ انسان عبودیت کو چھوڑ کر الوہیت کے ساتھ ایسا مل جاوے کہ اس کے اور خدا کے درمیان کوئی شئے حائل نہ رہے۔ ص ۳۲۵

۸- متقی وہ ہے جو امور مشتبہ سے یعنی جن میں شبہ ہو کہ شاید بُرے ہوں۔ بچے۔ حضرت عمرؓ کا قول ہے کہ شبہ اور احتمال سے بچنے کے لئے ہم دس باتوں میں سے نو باتیں چھوڑ دیتے ہیں۔ ص ۳۲۵

۹- آدم سے لیکر آجتک کسی کو تقویٰ کے سوا فتح نہیں ہوئی۔ تقویٰ کے ساتھ زمین و آسمان الٹ سکتے ہیں۔ ص ۳۴۰

۱۰- خوارق کا صدور بھی تقویٰ ہی سے ہوتا ہے۔ کمال تقویٰ یہی ہے کہ وہ خدا کے وجود میں ایسا فنا ہو کہ اس کا اپنا وجود ہی نہ رہے۔ ص ۳۴۷

۱۸۔ ظاہری بیعت تو صرف پوست ہے جبتک بیعت اور ایمان کا مغز اپنے اندر نہیں رکھتا تو اُسے ڈرنا چاہیئے صـ۱۶۷

۱۹۔ تم اپنی زندگی میں محمد رسول اللہؐ کا نمونہ دکھاؤ۔ وہی حالت پیدا کرو۔ ورنہ تم طاغوت کے پیرو ہو صـ۱۸۷

۲۰۔ **بدصحبت** سے بچتے رہو۔ دعاؤں میں لگے رہو۔ اسلام کی حقیقت اپنے اندر پیدا کرو۔ صـ۱۹۳

۲۱۔ ہمعصروں کی طعن و تشنیع غنیمت سمجھیں۔ اس میں اصلاح نفس متصور ہے۔ ہر حال میں کیا صحت کیا بیماری مولیٰ کریم سے معاملہ ٹھیک رکھیں سب کام اچھے ہوجائیں گے۔ صـ۲۰۲

۲۲۔ **نوجوانوں کو نصیحت**۔ مخالفوں کے مقابلہ میں جوش نہ دکھائیں۔ جلدی جلدی میرے پاس آئیں معلوم نہیں کہ تم کتنا زمانہ میرے بعد بسر کروگے۔ صـ۲۱۱

۲۳۔ **اہم نصیحت**۔ کمزور اور کچّے لوگوں کی کمزوری نرمی سے دُور کرنے کی کوشش کریں۔ دیکھو صحابہ میں بھی منافق تھے۔ عبداللہ بن ابی بن سلول کے مرنے پر آپؐ نے کُرتہ اس کے لئے دیا۔ ہمارے دوست اکثر یہاں آیا کریں۔ گہرا دوست اور پُورا واقف بن جانے سے انسان بہت فائدہ اُٹھاتا ہے۔ معجزات سے اتنا فائدہ نہیں ہوتا۔ اسی لئے حضرت ابوبکرؓ دعویٰ سُنتے ہی ایمان لے آئے۔ صـ۲۲

۲۴۔ بےخوف ہو کر مت رہو۔ استغفار اور دعاؤں میں لگ جاؤ۔ ایک پاک تبدیلی پیدا کرو۔ دعاؤں میں لگے رہو۔ کہ خدا تعالیٰ انعمت علیہم گروہ میں داخل کرے صـ۲۶۵-۲۶۶

۲۵۔ **تقویٰ حاصل کرنے کے لئے نصیحت**۔ اتنے پر مغرور نہ ہو جاؤ کہ ہم نماز روزہ کرتے ہیں۔ یا زنا چوری وغیرہ جرائم نہیں کرتے۔ ان خوبیوں میں تو اکثر غیر فرقہ کے لوگ مشرک وغیرہ تمہارے ساتھ شامل ہیں۔ پس تقویٰ کے امتحان میں پاس ہونے کیلئے ہر ایک تکلیف اٹھانے کے لئے تیار ہو جاؤ صـ۳۰۱-۳۰۲

۲۶۔ خدا تعالیٰ تم سے چاہتا ہے کہ تم پُورے مسلمان بنو مسلمان کا لفظ ہی دلالت کرتا ہے کہ دنیا سے انقطاع خدا کیطرف کلّی ہو۔ صـ۳۰۴

۲۷۔ قرآن شریف پر غور اور توجہ کرنیکی نصیحت صـ۳۴۳

۲۸۔ تقویٰ اختیار کرو۔ خدا تمہارا کفیل ہوگا جو مصیبت آتی ہے اپنی کمزوری سے آتی ہے۔ دیکھو آگ دوسروں کو کھا جاتی ہے پر ابراہیم کو نہ کھا سکی۔ خدا کی راہ میں شجاع ہو۔ لیکن یہ بات زور بازو سے نہیں ملتی۔ دُعا کرے۔ دُعا کرا دے۔ صادقوں کی صحبت اختیار کرے۔ سارے کے سارے خدا کے ہو جاؤ صـ۳۹۱-۳۹۲

جماعت احمدیہ

۱۔ **فراست**۔ میری جماعت میں نفاق نہیں۔ میرے ساتھ تعلق پیدا کرنے میں ان کی فراست نے غلطی نہیں کی اسلئے وہ عملی حالت میں بھی ترقی کریگی صـ۲۶

۲- وجہ تسمیہ (الف) حنفی شافعی وغیرہ نام سب بدعت ہیں
آنحضرتؐ کے دو نام ہیں محمدؐ اور احمدؐ۔ موسیٰؑ نے
محمد رسول اللہ والذین معہٗ اشداء علی
الکفار کی مدنی زندگی جس میں جنگیں ہوئیں اشارہ
کیا۔ کیونکہ وہ خود بھی جلالی نبی تھے۔ حضرت مسیحؑ نے
یاتی من بعدی اسمہ احمد میں آپؐ کا نام
احمدؐ بتلایا کیونکہ وہ خود بھی ہمیشہ جمالی رنگ میں تھے
چونکہ ہمارا یہ سلسلہ بھی جمالی رنگ میں ہے اسواسطے
اس کا نام احمدی ہوا۔

(ب) مسلمانوں کے دو ہی نام ہو سکتے ہیں۔ محمدی یا
احمدی۔ محمدی جب جلال کا اظہار ہو۔ اور احمدی جب
جمال کا اظہار ہو۔ ص ۲۰۸-۲۰۹

جمال الدین (مولوی) سید والہ کے سوال
پر آیت ماکفر سلیمان کی تفسیر۔ اور اپنے
واقعات سنانا۔ ص ۱۲۶-۱۲۷

جمعہ کی نماز

ڈاکٹر رحمت علی صاحب کے عرض کرنے پر کہ گورنمنٹ
نے فوجوں وغیرہ میں نماز کا انتظام کیا ہے اس جمعہ کی
تکلیف ہے حضور نے فرمایا اگر مسلمان سب مل کر
درخواست کرتے تو یہ بھی تکلیف دور ہو جاتی۔ مگر
انہوں نے تو ہندوستان کو دارالحرب قرار دے
کر جمعہ کی فرضیت کو ہی اڑانا چاہا ہے۔ ص ۳۲۹

جنت۔ ۱- جب انسان کی حالت تعبد
درست ہو جس میں روحانی باغ لگ جاتے ہیں۔
اور آئینہ کی طرح خدا نظر آتا ہے۔ اس مقام پر پہنچکر
انسان دنیا میں جنت کا نمونہ پاتا ہے۔ ص ۶۵۔
نیز دیکھو۔ "بہشتی زندگی"

۲- جنت دائمی ہوگی۔ بہشت کے دوامی انعاموں
کو دیکھ کر مسرت بڑھتی ہے۔ ص ۱۲۹

۳- جنت پوشیدہ کو کہتے ہیں کیونکہ وہ نعمتوں سے
ڈھکی ہوئی ہوتی ہے اصل جنت خدا ہے۔ و
رضوان اللہ اکبر۔ ص ۱۳۷

۴- دنیا میں بھی مومن کو ایک مخفی جنت ملتی ہے اور اس
سوال کا جواب کہ دنیا تو مومن کیلئے قیدخانہ ہے ص ۲۹۸

۵- جنت و جہنم۔ بہشت و دوزخ انسان کے ایمان
اور اعمال ہی کا ایک ظل ہیں۔ وہ کوئی ایسی چیز نہیں
جو باہر سے آکر انسان کو ملیں گی بلکہ انسان کے اندر
ہی سے وہ نکلتی ہیں اور ان کی تفصیل ص ۳۸۶-۳۸۹

جہاد

۱- کسی سفاک پٹھان نے دو بیگناہ انگریز قتل کر دیئے۔
اس پر حضورؑ نے فرمایا۔ یہ کیا جہاد ہے؟ انہوں نے اسلام کو
بدنام کر رکھا ہے۔ چاہیئے تھا کہ ان سے ایسا حسن
سلوک اور اخلاق کا معاملہ کرتے کہ وہ یہ دیکھ کر مسلمان
ہو جاتے۔ حضرت علیؓ کا لڑائی میں نیچے گرائے ہوئے
کافر کے آپؓ کے منہ پر تھوکنے کی وجہ سے چھوڑ دینے کا
واقعہ ص ۴۹-۵۰

۳- یأتی علی جہنّم زمان لیس فیہا احد صـ۱۲۹

۴- تخلقوا باخلاق الله یعنی اللہ تعالےٰ کے رنگ میں رنگین ہوجاوے۔ صـ۱۳۳ و ۱۲۷

۵- اگر اللہ تعالےٰ اپنے سوا کسی کو سجدہ کرنے کا حکم دیتا تو عورت کو حکم دیتا۔ کہ وہ اپنے خاوند کو سجدہ کرے۔ صـ۱۴۸

۶- جب اللہ تعالےٰ کسی بندے کیلئے نیکی کا ارادہ کرتا ہے تو اس کے دل میں ایک وعظ پیدا کردیتا ہے سب سے بڑا وعظ کونوا مع الصادقین کی حقیقت کو سمجھنا ہے۔ صـ۱۵۰

۷- انا الحاشر الّذی یحشر النّاس علےٰ قدمی کی تشریح۔ صـ۱۸۳

۸- کنت نبیًّا و آدم بین الماء والطین صـ۱۸۷

۹- من عادلی ولیًّا فقد بارزتہٗ للحرب حدیث میں آتا ہے کہ خدا تعالیٰ شیرنی کی طرح جس کا کوئی بچہ اٹھالے جاوے اس پر جھپٹتا ہے۔ صـ۲۰۰

۱۰- لاصلوٰۃ الا بفاتحۃ الکتاب سورۃ فاتحہ علیحدہ بھی اور امام کے پیچھے بھی فاتحہ پڑھنی چاہیئے صـ۲۱۴

۱۱- یقتل الخنزیر خیال آیا۔ یکسر الصلیب کے بعد یہ جملہ کیوں آیا۔ تو یہی سمجھ میں آیا۔ کہ یہ تفنن عبارت کے طور پر ہے۔ وہ لوگ جو مرتد ہوئے ان کے مادے چونکہ خراب تھے۔ اس لئے بعد اتفاق پیش آنے کے وہ مرتد ہوگئے۔ صـ۲۶۱

۱۲- الدُّنیا سجن للمومن کا مطلب صرف اتنا ہے کہ ابتدائی حالت میں جب ایک انسان اپنے آپ کو شریعت کی حدود کے اندر ڈالدیتا ہے بوجہ عادی نہ ہونے کے تکلیف محسوس کرتا ہے ورنہ بعد میں اس کی مثال ایسی ہوتی ہے۔ جیسے قید خانے میں کسی پر عاشق ہوجائے وہ وہاں سے نکلنا پسند نہیں کرے گا۔ صـ۲۹۷-۲۹۸

حدیث النفس اور اصل الہامات میں امتیاز۔

بعض لوگ حدیث النفس اور القائے شیطان کو الہام الٰہی سے تمیز نہیں کرسکتے۔ خدا کی طرف سے آنیوالی بات پُرشوکت لذیذ دل پر ٹھوکر مارنے والی فولاد کی طرح گرنے والی ہوتی ہے شیطانی اور نفس کے القاء ایسے نہیں ہوتے اور یہ دونو گویا ایک ہی ہیں۔ صـ۲۲۴

حسنؓ

امام حسنؓ نے ایک صلح معاویہ کے ساتھ کرلی دوسری صلح صحابہ کی باہم کرادی۔ صـ۱۲۶

حقائق و معارف

کا تعلق علوم سے ہے جس قدر معرفت وسیع ہوگی۔ حقائق کھلتے جائینگے صـ۲۴۲

حق کی مخالفت اور سلب ایمان

مخالفِ حق کا رفتہ رفتہ ایمان سلب ہوجاتا ہے۔

جو آنحضرتؐ کو نہ مانے وہ کافر ہے۔ جو مہدی و مسیح کو نہ مانے اس کا ایمان سلب ہو جائے گا۔ انجام ایک ہی ہے۔ صـ۲۱۶

حقہ نوشی

کے متعلق فرمایا۔ اس کا ترک اچھا ہے۔ ایک بدعت ہے منہ سے بو آتی ہے صـ۲۳۹

حقیقت و استعارہ کے متعلق غلطی

انبیاء کے وقت لوگ استعارات کو حقیقت اور حقیقت کو استعارہ بنانا چاہتے ہیں۔ اس وقت بھی دجّال کو کانا اور پورے ستر گز کا گدھا اور آسمان سے مسیح کا نزول دیکھنا چاہتے ہیں۔ یہودی بھی ایلیاء کے آسمان سے منتظر تھے۔ مگر مسیحؑ نے کہا کہ آسمان سے آنیوالا ایلیا حضرت یحیٰی ہیں صـ۴۱۰

حَکَم

۱۔ مسیح موعود خدا کی طرف سے حَکَم بنکر آیا ہے۔ جو معنے قرآن شریف کے وہ کرے گا وہ صحیح ہوں گے اور جس حدیث کو وہ صحیح قرار دے گا وہی صحیح حدیث ہوگی صـ۱۴۱

۲۔ **حکم عدل**۔ جو بیعت کے وقت یہ اقرار کرتا ہے کہ نائب رسول اللہؐ جس کا نام حکم عدل رکھا گیا ہے، یہ عہد کرنے کے بعد کہ میں اُسے امام سمجھونگا پھر ہمارے کسی فیصلہ پر خوشی کے ساتھ رضامند نہیں ہوتا۔ وہ اس اعلیٰ مقام پر نہیں پہنچا۔ جو تبتل کا مقام کہلاتا ہے۔ صـ۳۵۹

حکیم

جن چیزوں کا علم مطلوب ہو۔ وہ کامل طور پر ہو پھر عمل بھی کامل ہو۔ ایسا کہ ہر ایک چیز کو اپنے محل و موقع پر رکھ سکے۔ صـ۱۴۶

حمد

حمد کا حقیقی طور پر مستحق ہونے کے لئے کن صفات سے متصف ہونا ضروری ہے۔ صـ۹-۱۰

حنفی فرقہ

حضرت امام اعظمؒ تو اعلےٰ درجہ کے متقی تھے۔ مگر اُن کے پیروؤں میں جب روحانیت نہ رہی۔ تو اقوالِ مردودہ اور بدعات نے ان میں دخل پا لیا اور جس طرح چاہا ان کے اقوال کی تاویل کی۔ شراب پینے کا جواز اور حلالہ کا مسئلہ۔ صـ۲۵۶

حوّا

حضرت حوا پسلی ہی سے بنائی گئی۔ ہم خدا کی قدرت پر ایمان لاتے ہیں اور اس اعتراض کا جواب کہ اگر آدم کی پسلی سے حوا بنی تھی تو پھر آدمؑ میں پسلی کہاں سے آگئی۔ اللہ تعالےٰ کو اپنے اوپر قیاس نہ کرو۔ صـ۱۹۳-۱۹۴ نیز دیکھو "آدم و حوّا"

خ

خاتم الانبیاء

۱۔ چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم الانبیاء ٹھہرایا تھا۔ اس لئے آپؐ کے وجود میں، آپؐ کے حرکات و

سکنات میں بھی اعجاز رکھ دیئے تھے۔ اور بغیر الف بے پڑھے قرآن جیسی بےنظیر نعمت اور عظیم الشان ہمیشہ کیلئے زندہ معجزہ دیا۔ صفحہ ۳۵-۳۶

۲- ہمارا ایمان ہے کہ ہمارے نبی کریمؐ کامل شریعت لیکر آئے جو نبوت کے خاتم تھے۔ اس لئے زمانہ کی استعدادوں اور قابلیتوں نے ختم نبوت کر دیا تھا حضور کے بعد ہم کسی دوسری شریعت کے آنے کے قائل نہیں۔ ہاں جیسے ہمارے نبیؐ مثیل موسیٰؑ تھے اسی طرح آپؐ کے سلسلہ کا خاتم جو خاتم الخلفاء (یعنی مسیح موعود) مسیح کی طرح کوئی جدید شریعت لے کر نہیں آیا۔ صفحہ ۲۷۲

۳- چونکہ آنحضرتؐ خاتم النبیین تھے۔ اس لئے آپؐ پر کمالات نبوت ختم ہوئے۔ کمال نبی کمال امت کو چاہتا ہے۔ صفحہ ۳۰۲

۴- ختم نبوت کا منکر کون؟ براہین میں ایسے الہامات موجود ہیں جن میں نبی یا رسول کا لفظ کہا گیا۔ ختم نبوت کے منکر تو مسیح اسرائیلی کو آسمان سے اُتارنے والے ہیں۔ ہمارے نزدیک تو کوئی دوسرا آیا ہی نہیں نہ نیا نبی نہ پُرانا نبی۔ بلکہ خود محمد رسول اللہ کی چادر دوسرے کو پہنائی گئی ہے اور وہ خود ہی آئے ہیں۔ صفحہ ۳۰۲

خاوند دیکھو "عورت"

خبیر ایسا وسیع علم والا کہ کوئی چیز اس کی خبر سے باہر نہیں۔ صفحہ ۶۴

خدا تعالیٰ دیکھو "اللہ تعالیٰ"

خضر

خضر صاحب شریعت نہ تھا ولی تھا۔ انبیاء کیلئے دونوں حصّے ہوتے ہیں اس لئے ان کو سِرًّا و علانیہ نیکی کرنے کا حکم ہوتا ہے صفحہ ۱۲۰

خطبہ الہامیہ کا نشان

یوم العرفات کو دعائیں اور الہام کہ مجمع میں کچھ عربی فقرے پڑھو اور خطبہ عید الاضحیہ فرمانا اور خطبے سے متعلق فرمانا اب لکھو لو پھر یہ لفظ چلے جاتے ہیں۔ فرمایا یہ خطبہ یوم عرفہ اور عید کی رات کی دعاؤں کی قبولیت کا نشان ہے۔ اور بعد خطبہ سجدۂ شکرانہ اور سُرخ الفاظ میں "مبارک" لکھا ہوا دکھائی دینا۔ صفحہ ۳۰-۳۱

خلق وخالق

صفتِ خلق۔ نوعی تقدم کا میں ہرگز قائل نہیں۔ ہاں یہ میں مانتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے خالق ہے۔ کئی بار دنیا معدوم ہوئی اور پھر از سرِ نو کردی۔ صفحہ ۱۹۴

خلق جمع اخلاق

۱- خَلق ظاہری پیدائش اور خُلق باطنی پیدائش کا نام ہے صفحہ ۴۶

۲- اخلاق۔ دوسری نیکیوں کی کلید اور ان کی ماں

ہے۔ جو اخلاق فاضلہ حاصل کر کے نفع رساں
نہیں بنتا۔ وہ کسی کام کا بھی نہیں آسکتا۔ صـ ۸۰،۷۶

۳۔ اخلاقی خوبصورتی حقیقی خوبصورتی ہے صـ ۷۷-۷۸

۴۔ ترکِ اخلاق ہی بدی اور گُناہ ہے مثلاً زنا سے
عورت کے خاوند کو تکلیف اور صدمہ پہنچتا ہے
چوری گھر والے پر ظُلم ہے صـ ۷۷

۵۔ جو عظمت الٰہی کے خلاف ہے وہ اخلاق کے بھی
خلاف ہے۔ دوسرا شفقت علیٰ خلق اللہ جو
نوع انسان کے خلاف ہے وہ بھی اخلاق کے
برخلاف ہے صـ ۴۹

۶۔ تزکیۂ اخلاق کے لئے کسی مزکی نفس کی صحبت
میں رہنا ضروری ہے۔ صـ ۲۲۹

خلیفۃ اللہ

اور مظہر الٰہی وہ ہے جب اس کی سفلی زندگی پر
موت آکر وہ خدا کے زیر سایہ ہو جائے صـ ۳۰۲

خنّاس دیکھو زیر "تفسیر"

خیر الماکرین

۱۔ یہ لفظ مکر کا آنحضرتؐ اور مسیحؑ اور میرے لئے
بھی براہین میں استعمال ہوا ہے۔ یعنی تینوں کے
قتل کے منصوبے ہوں گے۔

۲۔ جب خدا تعالیٰ باریک اسباب سے مجرم کو
ہلاک یا ذلیل کرتا ہے اور اپنے راستباز بندہ
کو دشمن کے منصوبوں اور شرارتوں سے محفوظ
رکھتا ہے۔ اس وقت اس کا نام خیر الماکرین ہوتا
ہے۔ صـ ۴۱

د

دجّال اور مُسلمان

مان رکھا ہے کہ دجّال مُردوں کو زندہ کریگا صـ ۱۹۲

دعا جمع دعائیں

۱۔ والدین کی دُعا کو بچوں کے حق میں خاص قبول
بخشا گیا ہے۔ صـ ۷۱

۲۔ حضرت مسیح موعودؑ جن کے لئے دُعا کرتے تھے
اوّل اپنے نفس کے لئے، دوّم اپنے گھر کے
لوگوں کیلئے، سوم اپنے بچوں کے لئے،
چہارم اپنے مخلص دوستوں کے لئے نام بنام
پنجم پھر ان سب کے لئے جو اس سلسلہ سے وابستہ
ہیں خواہ ہم انہیں جانتے ہیں یا نہیں جانتے صـ ۵۰۴

۳۔ دُعاؤں کا مستحق۔ جو شخص چاہتا ہے کہ ہم اس
سے پیار کریں اور اس کے لئے نیاز مندی سے
دعائیں کریں وہ یقین دلائے کہ وہ خادم دین
ہونے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ صـ ۶

۴۔ دُعا کے ساتھ ہمدردی (۱) اس کے لئے
نہ مال کی نہ طاقت کی حاجت ہے اور اس ہمدردی
کا فیض بہت وسیع ہے۔ صـ ۴۷

۵۔ دُشمنوں کے لئے دُعا۔
(۱) میرا تو یہ مذہب ہے کہ دعا میں دشمنوں کو بھی

باہر نہ رکھے جسقدر دعا وسیع ہوگی۔ اسی قدر دُعا کرنیوالے کو فائدہ ہوگا۔ ص۱۹۷

(ب) دوسروں کے لئے دعا کرنے کا عظیم الشان فائدہ یہ ہے کہ مفید وجودوں کی بمطابق آیت و اما ما ینفع الناس فیمکث فی الارض ان کی عمر دراز ہوتی ہے۔ ص۱۹۷

۶۔ **بہترین دُعا** وہ ہوتی ہے جو تمام خیروں کی جامع اور تمام مضرات سے مانع ہو اور وہ انعمت علیھم غیر المغضوب علیھم ولا الضالین ہے۔ ص۱۲۴و۱۲۸

۷۔ **دُعا کا فلسفہ۔** (ا) یہ ضروری نہیں کہ ہر دعا جس طرز پر مانگی جاوے وہ ضرور قبول کیجانی چاہیئے۔ جب بظاہر اپنی دعا میں مراد حاصل نہ ہو۔ تو سمجھے کہ رحمتِ الٰہی نے اس دعا کو اس کے حق میں مفید نہیں قرار دیا۔ کیا ماں بچے کو اس کے مانگنے پر انگارہ دے سکتی ہے؟

(ب) دعا میں اللہ تعالےٰ اپنے بندوں سے دوستانہ معاملہ کرنا چاہتا ہے۔ اور کسی حصہ میں وہ اپنی منوانا چاہتا ہے جیسا کہ آیت ولنبلونکم بشیئٍ من الخوف الآیہ سے ظاہر ہے۔

ص۱۹۷ و ص۳۸۴

(ج) دعا کے ساتھ یہ شرط لگانا کہ اگر ہمارے لئے یہ دعا قبول نہ ہوئی تو ہم جھوٹا سمجھ لیں گے۔ آداب دعا سے بیخبری کا نتیجہ ہے۔ نہیں جانتے کہ دعا کرنے والے اور کرانیوالے کیلئے کیسی شرائط ہیں ص۱۹۶

(د) بعض وقت نہ قبول کرنے اور ادعونی استجب لکم میں تناقض نہیں۔ جب جہات مختلف ہوں تو تناقض نہیں رہا کرتا۔ اس محل پر اللہ تعالےٰ اپنے بندے کی مانتا ہے۔ ص۱۹۸

۸۔ **دعا اور قبولیت۔** دعا اس وقت قبول ہوتی ہے جبکہ بندہ اللہ تعالےٰ کے لئے غفلت فسق و فجور چھوڑ دے جس قدر خدا کے قریب ہوگا اسی قدر قبولیت دعا کے ثمرات سے حصہ لے گا۔ آیت واذا سألک عبادی عنی فانی قریبٌ اور آیت وانّٰی لھم التناوش من مکان بعید میں اسی طرف اشارہ ہے۔ ص۱۹۸

۹۔ **دعا کی اہمیت۔** دنیا میں کوئی نبی نہیں آیا۔ جس نے دعا کی تعلیم نہیں دی۔ دعا عبودیت اور ربوبیت میں ایک رشتہ پیدا کرتی ہے۔ جب انسان خدا سے متواتر دعائیں مانگتا ہے۔ تو وہ اور ہی انسان بن جاتا ہے ص۲۷۴-۲۷۵

۱۰۔ **قبولیت دُعا کے شرائط:۔** ۱۔ اتقاء یعنی دعا کرنے والا متقی ہو۔ ۲۔ دعا کرانے والے کیلئے دل میں درد ہو۔ ۳۔ وقت اصفٰی میسر آوے ایسا وقت کہ بندہ اور اس کے رب میں کچھ حائل نہ ہو۔ ۴۔ پوری مدت دعا کی حاصل ہو۔ یہانتک کہ خواب

یا وحی سے اللہ تعالیٰ خبر دے۔ محبت و اخلاص والے کو صبر کے ساتھ انتظار کرنا چاہیئے ص۳۳۶

۱۱۔ طریقِ دُعا۔ دعا کیلئے رقت والے الفاظ تلاش کرنے چاہئیں۔ مسنون دعاؤں کو بھی پڑھو اپنی زبان میں بھی دعا کرو۔ تلاشِ رقت بھی اتباعِ سُنّت ہے۔ ص۳۳۸

دعوت

شیطان کی دعوت جھوٹ، ریا، تکبر وغیرہ کیطرف ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی دعوتیں اخلاقِ فاضلہ صبر، محویت، فنافی اللہ، اخلاص، ایمان، فلاح ہیں جن کی طرف نیک فطرت دوڑتا ہے ص۱۶۹

دُنیا

ترکِ دنیا کا مطلب۔ (۱) دنیوی شغلوں کو اس حد تک اختیار کرو۔ کہ وہ دین کی راہ میں تمہارے لئے مدد کا سامان پیدا کرسکیں نہ یہ کہ دل ذاتِ دنیا کے دھندوں میں منہمک ہو کر خدا تعالیٰ کا خانہ بھی دنیا ہی سے بھر دو۔ ص۴۳

(ب) اللہ تعالیٰ حصولِ دنیا سے منع نہیں کرتا۔ اصل بات یہ ہے کہ دنیا مقصود بالذات نہ ہو۔ بلکہ حصولِ دنیا میں اصل غرض دین ہو اور دُنیا دین کی خادم ہو۔ ص۹۱

(ج) کونسی دنیا حسنۃ الآخرۃ کا موجب ہوتی ہے۔ ص۹۱-۹۲

(د) لذاتِ دنیا تو ایک قسم کی ناپاک حرص پیدا کرکے طلب اور پیاس کو بڑھا دیتی استسقاء کے مریض کی طرح جس کی پیاس نہیں بجھتی۔ ص۱۰۱

(ھ) دنیا کی ریل گاڑی سے مثال۔ سب کو عمر کے ٹکٹ دیئے گئے ہیں۔ جہاں کہیں کسی کا سٹیشن آجاتا ہے۔ اُسے اُتار دیا جاتا ہے۔ ص۱۳۶

دیوار کا مقدمہ

اس مقدمہ میں فتحیابی پر فرمایا۔ ڈیڑھ سال سے راستہ بند ہو کر ایک محاصرہ ہم پر رہا ہے۔ اس کی خبر بھی حدیث میں موجود ہے۔ ص۳۳۱

دیوث

بے غیرت آدمی دیوث ہوتا ہے ص۳۵۲

ر

رافضیوں کی رسُومات۔

بجواب سوال کہ محرم کے دنوں میں امامین کی رُوح کو ثواب پہنچانے کے لئے روٹیاں وغیرہ دینا جائز ہے یا نہیں۔ فرمایا۔ طعام کا ثواب میت کو پہنچتا ہے۔ رافضیوں کی طرح رسومات کا کرنا جائز نہیں ص۲۹۳

رائے قائم کرنا

انسان دوسرے شخص کے دل کی بات معلوم نہیں کرسکتا۔ اس لئے دوسرے کے متعلق جلدی رائے نہ لگائے بلکہ صبر سے انتظار کرے۔ ایک شخص کا

ذکر جس نے یہ عہد کیا تھا کہ میں کسی کو اپنے سے کمتر خیال نہیں کروں گا۔ ایک دوسرے شخص کو کمتر خیال کر لینے کا واقعہ صفحہ ۲۴۸

راہ اعتدال

راہ اعتدال اختیار کرنی چاہیئے۔ امراء بہت سے فضول خرچ رکھتے ہیں۔ صفحہ ۴۰۳

ربّ العالمین

ربّ العالمین سے ثابت ہے کہ وہ بسائط اور عالم امر کا بھی رب ہے۔ بسیط چیزیں امر سے ہیں اور مرکب خلق سے صفحہ ۱۲۷

رجُوع موتیٰ

دیکھو "مُردوں کا رجوع"

رحمت اللہ

شیخ رحمت اللہ صاحب کا خط دربارہ کسی ابتلاء کے دیکھ کر فرمایا۔ ابتلاء میں ان کے لئے بہت دعا کرتا ہوں درحقیقت ابتلا بڑی رحمت کا موجب ہوتے ہیں۔ صفحہ ۱۱۷

رحمت علی

(اسسٹنٹ ڈاکٹر ہاسپٹل میانمیر چھاؤنی) نے ایک خواب میں کسی کے سوال کا جواب دیا کہ مسیح موعود نے مال تو دیا ہے دس ہزار روپیہ ایک کتاب کے ساتھ پانچ ہزار روپیہ ایک کے ساتھ حضورؑ نے فرمایا۔ درست ہے مگر قرآن شریف کو خدا تعالیٰ نے خیر کہا ہے۔ ومن یؤت الحکمۃ فقد اُوتی خیرًا کثیرًا۔ پس قرآنی معارف اور علوم کا نام بھی مال ہے۔ صفحہ ۳۷۸

رسالت

۱۔ رسالت میں ایک امر ظاہر اور ایک مخفی ہوتا ہے ظاہری پیغام کو صرف پہنچا دینا۔ دوسرے بطن کے لحاظ سے آنحضرتؐ نے اپنی قوت قدسیہ کے زور سے اس تبلیغ کو با اثر بنانے میں بینظیر نمونہ دکھایا۔ ہر نبی صرف لفظ لے کر نہیں آتا۔ بلکہ اپنے اندر اصلاحِ قوم کے لئے ایک درد اور سوز و گداز بھی رکھتا ہے۔ صفحہ ۵۴-۵۶

۲۔ عام پیغام رسانوں اور مامورین الٰہی میں یہ فرق ہوتا ہے۔ کہ مامورین کان تک بھی پہنچاتے ہیں پھر اپنی قوت قدسی کے زور اور ذریعہ سے دل تک بھی پہنچاتے ہیں۔ صفحہ ۵۶

رفع مسیح

نجات کامل خدا ہی کی طرف مرفوع ہو کر ہوتی ہے جس کا رفع نہ ہو وہ اخلد الی الارض ہو جاتا ہے پس رفع مسیح سے مراد ان کے نجات یافتہ ہونے کی طرف ایماء ہے صفحہ ۱۳۷

رکُوع اور رکعت

رکوع کو پالے تو رکعت ہو جاتی ہے۔ جب نماز میں تین حصوں کو پا لیا۔ اور ایک حصہ بمجبوری نہ پا سکا تو کیا حرج ہے۔ لیکن جو عمدًا سُستی کر کے جماعت میں شامل ہونے میں دیر کرتا ہے

اس کی نماز فاسد ہے۔ رکعت نہیں ہوتی ص۲۱۴-۲۱۵

رمضان

رمضان کا مہینہ مبارک اور دعاؤں کا مہینہ ہے۔ ص۲۰۵

رُوحانی زندگی

۱۔ روحانی زندگی کا تولّد یا آسمانی پیدائش کا پہلا دن وہ ہوتا ہے۔ جب شیطانی زندگی پر موت وارد ہوتی ہے۔ ص۱۶۹

۲۔ روحانی زندگی صرف رسول اللہؐ کی اطاعت سے ملتی ہے۔ ص۱۸۴

۳۔ روحانی زندگی کے لئے دُعا اور نیک صُحبت کی ضرورت ہے۔ اور سب تعصبوں کو چھوڑ کر دنیا سے الگ ہوجانا ص۲۴۴

رُوح القدس

۱۔ مسیح کی کوئی خصوصیت نہیں۔ قرآن سے دو قسم کی مخلوق ثابت ہوتی ہے۔ رُوح القدس کے فرزند۔ شیطان کے فرزند۔ تمام سعادتمند راستباز لوگ روح القدس کے فرزند ہیں ص۱۲۵

۲۔ پاکیزہ رُوح یعنی رُوح القدس کے ساتھ مناسبت پیدا کئے بغیر تعلق نہیں ہوسکتا ص۲۲۹

۳۔ روح القدس ایک قوت ہوتی ہے جو خدا تعالےٰ کی طرف سے ملتی ہے۔ اس کے نزول کیساتھ ہی اس کے دل میں ایک سکینت آتی ہے۔ اور طبیعت میں نیکی کے ساتھ ایک محبت اور پیار ہوجاتا ہے۔ ص۲۲۹

۴۔ روشنی روح القدس سے مشابہ ہے جہاں معرفت اور یقین کی روشنی قائم ہوجاتی ہے وہاں تاریکی نہیں ہوتی۔ ص۲۶۵

روزہ کی اہمیت

میں تو مرنے کے قریب ہوجاؤں تو روزہ چھوڑتا ہوں۔ ورنہ طبیعت روزہ چھوڑنے کو نہیں چاہتی ص۲۰۳

رؤیا

۱۔ علم تعبیر الرؤیا میں مال جگر کی صورت میں دکھایا جاتا ہے۔ ص۹۶

۲۔ عام طور پر رؤیا۔ کشوف اور الہام ابتدائی حالت میں ہر ایک کو ہوتے ہونگے لیکن اس سے یہ دھوکا نہیں کھانا چاہیئے کہ وہ منزل مقصود کو پہنچ گئے وہ ان ابتدائی الہامات سے کچھ بن نہیں سکتا۔ جیسے بلعام ص۲۶۶-۲۶۷

۳۔ فطرت انسانی میں یہ قوت رکھی گئی ہے کہ ہر ایک شخص کو کوئی خواب یا کشف یا الہام ہوسکے چنانچہ بعض دفعہ کفّار، ہنود۔ اور بعض فاسق فاجر لوگوں کو بھی خوابیں آتی ہیں یہ بطور اتمام حجت رکھی ہے تاکہ یہ انبیاء کا صاف انکار نہ کر بیٹھیں ص۲۲۶

۴۔ رؤیا۔ ایک شخص نے قے کی ہے اور اس پر کپڑا دے کر اُسے چھپاتا ہے۔ ص۳۳۷

۵۔ رؤیا۔ اللہ تعالیٰ کا دربار ہے۔ ایک مجمع میں اللہ تعالیٰ سے مخاطب ہوکر میں نے کہا "سب سے بہتر اور تیز تر وہ تلوار ہے۔ جو تیری تلوار میرے پاس ہے۔" تلوار سے مراد آسمانی حربہ ہے۔ ص۳۳۹

۶۔ مبشر رؤیا۔ مبشر خواب دیکھو تو اس کے بعد جہانتک ہو سکے سونا نہیں چاہیئے۔ ص۳۳۹

۷۔ رؤیا۔ دیکھا پہلے ایک وارنٹ آیا ہے۔ پھر پروانہ ملا جس میں لکھا تھا۔ "عدالت عالیہ نے اُسے بری کیا ہے۔" ص۴۰۶

۸۔ حضرت اُمّ المومنین کی ایک رؤیا سُنکر فرمایا۔ میری اس رؤیا کے ساتھ جو کل سُنائی تھی۔ اس کے بعض اجزاء ملتے ہیں۔ ص۴۰۶

رہبانیت

اسلام نے رہبانیت سے منع فرمایا ہے۔ یہ بزدلوں کا کام ہے ص۹۱

ریاء

ہر تحسین و توہین میں ریاء کا ایک شعبہ ہوتا ہے اگر مومن تحسین سے پہلے خدا کی تعریف نہیں کرتا تو یہ بھی ریاء میں داخل ہے مومن تو ان تعلقات کو جو خدا تعالیٰ کیساتھ رکھتا ہے۔ کبھی پسند نہیں کرتا کہ دوسروں کو اس کا علم ہو ص۳۸۴

ز

زحل۔ زحل ستارہ کی تاثیرات خونریزی اور سفاکی ہیں۔ ص۱۲۴

زمانہ

موجودہ زمانہ میں خدا کی معرفت نہیں رہی۔ کوئی مذہب ایسا نہیں رہا جو اس منزل پر انسان کو پہنچا سکے۔ ص۲۷۷

زمین

زرع زرہی زر ہے۔ یہ ٹھیک ہے۔ مگر جب خود مہتمم بنے تب فائدہ ہوگا۔ ص۷۱

زنا

نامحرم کی آواز سُنکر بُرے خیالات کا پیدا ہونا زنا الاذن ہے اس کے متعلق انجیلی تعلیم اور قرآنی تعلیم کا مقابلہ ص۲۰۰

زندگانی

زندگانی کی زیادہ خواہش اکثر گناہوں اور کمزوریوں کی جڑھ ہے۔ ص۲۰۱

زندگی اور صحت کا سکون خدا تعالیٰ کا فضل ہے۔ ص۲۰۳

س

سادات

صوفیوں نے فقر اور روحانی فیوض کا مبداء سادات کو ٹھیرایا ہے۔ میں نے بھی اپنے کشوف میں ایسا ہی پایا ہے ص۳۹۷

سادگی۔ جبتک بچوں جیسی سادگی

نہیں۔ اس وقت تک انسان نبیوں کا مذہب
اختیار نہیں کرسکتا ہے۔ صـ۲۰۳

سالک فی سبیل اللہ کی تین اقسام:۔

۱۔ جو دین العجائز رکھتے ہیں
۲۔ جو اس سے آگے بڑھ کر معرفت چاہتے ہیں۔
اور وفاداری اور ثابت قدمی دکھاتے اور
کامیاب ہوتے ہیں۔
۳۔ جنہوں نے دین العجائز کی حالت میں رہنا پسند
نہ کیا۔ آگے بڑھے۔ معرفت میں قدم رکھا۔ لیکن
نباہ نہ سکے۔ ان کی دو مثالیں۔ صـ۲۶۷-۲۶۸

سائل

(ا) سائل کو مت جھڑکو اس سے ایک قسم کی بداخلاقی
کا بیج بویا جاتا ہے اور نیکی سے محروم رہ جاتا ہے صـ۷۵
(ب) سائل خواہ گھوڑے پر ہی آئے تو اسے کچھ
دے دینا چاہیئے۔ اگر کچھ نہ ہو تو نرم الفاظ سے
اس کو سمجھا دو۔ صـ۱۰۱

سائنس اور بائبل۔ دیکھو "بائبل"

ستاروں کی تاثیرات کا ثبوت صـ۱۲۲

سجدۂ شکر

خطبہ الہامیہ کے ختم ہونے پر جبکہ مولوی عبدالکریم
صاحب ترجمہ سنا رہے تھے۔ حضرت مسیح موعودؑ
کا سجدۂ شکر بجا لانا۔ صـ۳۱

سچائی

۱۔ سچائی کا کمال جس سے خدا خوش ہوتا ہے یہ ہے کہ
انسان خدا تعالےٰ کیساتھ اپنی وفاداری دکھلائے۔ صـ۱۲۸
۲۔ جب سچائی پورے طور پر اپنا اثر پیدا کرلیتی ہے۔
تو وہ ایک نور ہو جاتی ہے صـ۲۶۴
۳ سچائی کے مقابلہ سے عاجز آکر بغض و حسد کی
بناء پر کمینہ لوگ ذاتی حملے کیا کرتے ہیں صـ۲۶۱

سختی

مولوی عبدالکریم صاحب کی تحریر میں سختی کی شکایت
کرنے والے کو جواباً فرمایا۔ ہر ایک امر کے لئے موقع
ہوتا ہے۔ صـ۳۱۶

سراج الدین عیسائی

بیس لاکھ اعتراضات سے متاثر ہو کر عیسائی ہو
گئے۔ یہ لوگ کسی صادق کی صحبت میں کامل زمانہ
نہیں گذارتے۔ سراج الدین عیسائی بھی ایسے
ہی آدمیوں میں سے تھا۔ صـ۲۶۰

سفر کی تعریف

عُرف میں جس کو سفر کہتے ہیں۔ خواہ وہ تین کوس
ہی ہو۔ اس میں قصر و سفر کے مسائل پر عمل کرے
جب انسان اپنی گٹھڑی اٹھا کر سفر کی نیت سے
چل پڑتا ہے تو وہ مسافر ہوتا ہے۔ صـ۲۱۱

سکھ

سکھوں کے عہد میں مسلمانوں پر مظالم کا ذکر۔

نمازوں اذان وغیرہ پر پابندی اور گائے کے ذبح پر مسلمانوں کو قتل کرنا اور ایک گائے کے چمڑے پر خراش کی پاداش میں ہاتھ کاٹ دینا اور مساجد کی بیحرمتی وہ زمانہ ایک آتشی تنور تھا۔ ص ۱۶-۱۷

سلب ایمان کی ابتدائی کڑیاں

پہلے تخالف پھر اجنبیت پھر عداوت پھر غلو اور آخر کار سلب ایمان ہو جاتا ہے۔ ص ۲۱۶

سلسلہ آسمانی

یعنی سلسلہ احمدیہ بالکل منہاج نبوت پر قائم ہوا ہے۔ اس کی حقانیت معلوم کرنے کی راہ پہلے سلسلوں کی طرح صحبت میں صبر اور حسن ظن سے رہنے کی ہے۔ ص ۱۹۰

سلسلہ احمدیہ

۱۔ سلسلہ احمدیہ پر یہ اعتراض کہ بہت سے علماء نے اس کی مخالفت کی اس لئے غلط ہے کہ مخالفین میں کوئی عالم نہیں ورنہ وہ بالمقابل عربی فصیح بلیغ تفسیر لکھ کر اپنا عالم ہونا ثابت کرتے ص ۲۱۲

۲۔ یہ سلسلہ منہاج نبوت پر قائم ہوا ہے اسلئے اس سلسلہ کی سچائی کیلئے وہی معیار ہے جو انبیاء کی صداقت کیلئے ہوتا ہے۔ ص ۲۵۹

۳۔ قیام کی غرض۔ (۱) تا انسان پاک ہو جائے اور اس پر داغ نہ رہے ص ۲۷۸

(ب) اس سلسلہ کو خدا تعالےٰ کے قائم کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ الٰہی نصرت کا وقت آپہنچا اور اسلام کی عزت و جلال کے دن آگئے۔ یہ اس حفاظت کے وعدہ کے موافق ہے جو اس نے انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحافظون میں کیا ہے ص ۳۱-۳۱

۴۔ اس وقت اندرونی اور بیرونی فسادوں کا اجتماع بتا رہا ہے کہ اس وقت ایک آسمانی سلسلہ کی ضرورت ہے۔ ص ۳۴۴ و ص ۳۵۷

سلسلے

قرآن شریف سے دو سلسلوں کا پتہ لگتا ہے سلسلہ موسویہ جو حضرت عیسیٰؑ پر ختم ہوا سلسلہ محمدیہ جیسا کہ کما ارسلنا الیٰ فرعون رسولاً سے ظاہر ہے۔ توریت میں بھی مانند کا لفظ ہے۔ سورہ نور میں بھی ہے کہ سلسلہ محمدیہ سلسلہ موسویہ سے مشابہ ہے۔ اس کی ابتدا مثیل موسیٰؑ سے ہوئی اور انتہاء مثیل عیسیٰؑ پر جو خاتم الخلفاء ہے جس کو دوسرے لفظوں میں مسیح موعود کہتے ہیں۔ ص ۲۵۰-۲۵۱، ۲۸۱

سورہ فاتحہ

دیکھو "فاتحہ"

سیّاح

ایک یورپین سیاح سے حضرت مسیح موعودؑ کی گفتگو ص ۳۹۷ دیکھو "یورپین سیاح"

ش

شافعی فرقہ

وحشیوں کی سی زندگی بسر کرتے ہیں بمقولہ "شافعی

شیطانی سے پاک ہوتے ہیں جب شیطان کے اندر آنے کے تمام دروازے بند کر دیتا ہے۔ تب اس میں خدا کے سوا اور کچھ نہیں آتا ص۲۹۴

شیطانی وساوس اور ان کا علاج

سورۃ والناس میں ہے۔ تین قسم کے وساوس اور رب الناس، ملک الناس، الٰہ الناس، ان وساوس کے دُور کرنے کے لئے تین تعویذ ہیں۔ ص۲۹۵

شیعہ

۱۔ شیعہ سُنّی تنازعات ایک دَم میں طے ہو سکتے ہیں اگر مسیح موعود کی سُنیں جو خدا کی طرف سے مامور حکم ہو کر آیا ہے کیونکہ وہی امام منتظر ہے ص۱۴۱

۲۔ **شیعہ سے خطاب**۔ پرانی خلافت کا جھگڑا چھوڑ دو۔ اب نئی خلافت لو۔ ایک زندہ علی تم میں موجود ہے۔ اس کو چھوڑتے ہو اور مُردہ علی کی تلاش کرتے ہو۔ ص۱۴۲

۳۔ جو قویٰ خدا نے انسان کو دیئے ہیں بجز سچے موحّد کے کوئی دوسرا کام نہیں لے سکتا۔ شیعہ ترقی نہیں کر سکتے کیونکہ وہ تو اپنی ساری کوششوں کا منتہا امام حسینؓ کو سمجھ بیٹھے۔ ہمارے استاد گُل علیشاہ نام شیعہ تھے کبھی نماز نہ پڑھا کرتے۔ مُنہ تک نہ دھوتے تھے۔ اُنکی مسجدیں غیر آباد ہوتی ہیں۔ ص۱۰۴

شیعوں کی رسومات

دیکھو "رافضی"

ص

صالحین

وہ لوگ جن کے اندر کوئی روحانی مرض نہیں ہوتی نہ کوئی مادہ ہوتا ہے۔ ص۵۷

صبر و استقلال

ایک شخص نے اپنے تین عیب بیان کئے۔ تو حضور نے فرمایا۔ اصلی مرض بے صبری ہے۔ باقی اس کے عوارض ہیں۔ زمیندار کا کھیت سے پھل کاٹنا یا بچّہ کا جوان ہو جانا ایک ہی وقت میں نہیں ہو جاتا۔ اپنی بے صبری چھوڑ کر صبر و استقلال کے ساتھ خدا تعالےٰ سے توفیق چاہو۔ اپنے گناہوں پر معافی مانگو۔ ص۳۲۵

صحابہ

۱۔ آنحضرت کے صحابہ آپ کی اطاعت سے پوری ترقیات پر پہنچے اور انہوں نے وہ کچھ پایا جو دنیا نے کبھی نہ پایا تھا۔ ص۵۲ و ص۱۵۷

۲۔ **آنحضرتؐ اور مسیحؑ کے صحابہ کا مقابلہ**

رسول کریمؐ کے صحابہ میں کوئی مرتد نہ ہوا۔ دوسرے نبیوں کے احباب میں ہزاروں ہوتے تھے۔ حضرت مسیحؑ کے تو ایک ہی دن میں پانسو مُرتد ہو گئے۔ ص۱۸۹

۳- صحابہؓ میں صفات اربعہ (رب، رحمان، رحیم، مالکیت) کی تجلی چمکی۔ پھر وہ بھی صحابہ ہی کے ساتھ ہیں جو احمد کے بروز کے ساتھ ہوں گے و آخرین منھم لما یلحقوا بھم صـ۱۸۹

۴- و آخرین منھم میں منھم کے لفظ سے پایا جاتا ہے کہ باطنی توجہ اور استفاضہ صحابہ ہی کی طرح ہوگا علماء نے بھی ان کا نام صحابہ ہی رکھا ہے۔ جیسے ان صحابہ میں صفات اربعہ کا ظہور ہوا۔ اسی طرح ان میں ہوگا۔ صـ۱۹۰

۵- **صحابہ اور شیعہ**۔ شیعوں کا مذہب کہ صحابہ کے درمیان سخت دشمنی تھی آیت ونزعنا ما فی صدورھم من غلّ اخواناً کے خلاف ہے صـ۲۱۶

۶- **ایک صحابی کا واقعہ**۔ جب اس کے ہاتھ کاٹے گئے تو اس نے کہا وضو کرتا ہے جب سر کاٹا تو کہا سجدہ کرتا ہے کہتا ہوا مر گیا۔ اس کی دعا کی قبولیت کہ جبرئیل نے اس کی موت کی خبر آنحضرتؐ کو پہنچا دی۔ صـ۳۰۹

۷- آنحضرتؐ کے صحابہ میں سے کسی نے بھی جھوٹ نہیں بولا۔ صـ۳۳۴

صحبت

(ا) کونوا مع الصادقین میں زندوں کی صحبت میں رہنے کا حکم ہے اور اس کی غرض۔ جبتک انسان صاحب ایمان کی صحبت میں نہ رہے۔ ایمان درست نہیں ہوتا۔ صـ۵۳

(ب) دل کی پاکیزگی حاصل نہیں ہو سکتی جبتک کہ منہاج نبوت پر آئے ہوئے پاک انسان کی صحبت میں نہ بیٹھے۔ صـ۱۲۹

(ج) **صحبت کا اثر**۔ صحابہ کرامؓ رسول کریمؐ کے پاس بیٹھے تو آپؐ نے فرمایا۔ اللہ اللہ فی اصحابی۔ گویا صحابہ خدا کا روپ بن گئے۔ کونوا مع الصادقین اس پر شاہد ہے۔ صـ۱۴۳

(د) خوش قسمت وہی انسان ہے جو مامور من اللہ کے پاس رہ کر اس غرض اور مقصد کو حاصل کرے جس کے لئے وہ آتے ہیں۔ ایسے لوگ تھوڑے ہوتے ہیں۔ صـ۱۶۱

(ھ) **بد صحبت** بھی ہلاک کرنیوالی چیزوں میں سے ایک ہے مثلاً ابوجہل اس کی صحبت میں بیٹھنے والوں کی ہلاکت کا باعث بنا۔ صـ۱۸۵

(و) بلوغ سے پیشتر کے کمال اور معرفت کا حال کمزور بچہ کی طرح ہوتا ہے۔ مامور من اللہ کی صحبت اس کے لئے ضروری ہوتی ہے۔ جماعت کو وقت نکال کر یہاں صحبت میں رہ کر غفلت کی تلافی کرنی چاہیئے۔ بار بار مرکز میں آنا چاہیئے اور اس کا فائدہ۔ صـ۲۵۶ و صـ۲۵۹-۲۶۰

(ز) لمبے عرصہ تک صحبت میں رہنے سے روحانی و دینی تعلقات کامل ہوتے ہیں صـ۲۶۴

صداقت

انبیاء و ملہمین کا معیار آیت لو تقوّل ہے کہ جھوٹا مدعی

بعد دعویٰ ۲۳ برس کی زندگی نہیں پا سکتا اگر شائع نہ کریں تو ہم سب کتابیں جلا دیں گے۔ ص۳۱۴-۳۱۵

صدق

صدق کا بیج ضائع نہیں ہوتا۔ ابوبکری طبیعت تو کوئی ہوتی ہے جو فوراً مان لے۔ ص۲۲۲

صدیق

۱- وہ ہوتا ہے جو یک رنگ ہو اور منافقانہ چال نہ چلے ص۲۷

۲- جو صدق کی تمام راہوں سے پیار کرتے اور صدق ہی چاہتے ہیں۔ ص۵

صفا

مقام صفا یہ ہے جب دل صاف ہو کر اس میں خدا ہی خدا کا جلوہ ہوتا ہے صوفیوں کے سلوک کا منتہا ہے۔ اس کا دل عرش الٰہی بنتا ہے۔ ص۶۵

صفات الٰہیہ

۱- سورہ فاتحہ کے شروع میں چار صفات ہیں۔ درحقیقت ان کے اندر پیشگوئیاں ہیں۔ ان چاروں صفات کا نمونہ آنحضرتؐ نے دکھایا۔ رب العالمین کی صفت نے آنحضرتؐ میں جس طرح نمونہ دکھایا اس کی تفصیل ص۳۴

۲- اللہ تعالیٰ کی صفات بھی جمالی ہیں اور اصل نام خدا کی جمالی ہے کفار کی کرتوتوں کی وجہ سے بعض وقت جلالی رنگ دکھانا پڑتا ہے اس وقت چونکہ اس کی ضرورت نہیں۔ اس واسطے ہم جمالی رنگ میں آئے ہیں۔ ص۲۱۳

۳- خدا کی صفات سے واقفیت ہو جائے تو گناہ سے نفرت پیدا ہوتی ہے طبیعت جو پہلے گناہ کی طرف جھکتی تھی۔ اب ادھر سے ہٹتی اور نفرت کرتی ہے یہی توبہ ہے ص۲۳۷

۴- صفت غنا۔ اللہ تعالیٰ کی صفت غنا تقاضا کرتی ہے کہ انسان خوف و ہراس میں اوقات بسر کرے۔ تاکہ ذل عبودیت کی حالت قائم رہے۔ ص۱۱۴

صلیب

مسیح کے واقعہ صلیب کے متعلق ایک مفصل بیان کہ وہ صلیب پر سے زندہ اُتارے گئے۔ محض غشی کی حالت میں تھے۔ اور مرہم عیسیٰ کا ذکر ص۲۸۷-۲۸۸

صُوفیاء

۱- صُوفیاء کے اقوال سبحان ما اعظم شانی اور اللہ فی جبتی وغیرہ کے متعلق اوّل تو صحیح طور پر معلوم نہیں کہ ان کے منہ سے ایسے الفاظ نکلے۔ اگر نکلے تو ایسے کلمات کا چشمہ عشق اور محبت ہے۔ استیلاء محبت میں اپنا وجود دکھائی دیتا ہی نہیں اور یہی سمجھ آتا ہے کہ میں کچھ بھی نہیں۔ اس کی مثال لوہے کی ہے جو آگ میں سُرخ انگارے کی طرح ہو جاتا ہے لیکن پھر بھی لوہا لوہا ہی ہے۔ ص۳۵۰-۳۵۱

۲- گذشتہ صوفیوں کو حوالہ بخدا کرو۔ تلک امۃ قد خلت لہا ما کسبت۔ ان کا ذکر خیر کرنا چاہیئے ص۳۲۹

ط

طاعُون

طاعون بڑے زور کے ساتھ پھیلتی جاتی ہے۔ اس

وقت پانچ ضلعے مبتلا ہو رہے ہیں۔ گاؤں کے گاؤں خالی ہو گئے ہیں۔ صـ۲۶۵

طالب حق

طالب سارے تعصب اور عقیدے چھوڑ کر سچے عقائد کی طلب میں لگے۔ تب بہتری کی امید ہوسکتی ہے۔ اس کے لئے بنیادی اینٹ خدا ہونی چاہیئے صـ۲۳۴

ع

عبادت

۱۔ پوری آزادی اور اطمینان سے **عبادت بجالانے کے لئے شرائط:۔**

اوّل صحت، کیونکہ اس کے بغیر نماز روزہ حج ادا نہیں ہوسکتے۔

دوسری ایمان اور اس کی ضرورت اور اس کا انحصار مذہبی تعلیم پر جس کا انحصار مذہبی کتب کی اشاعت پر ہے۔

تیسری مساجد کی تعمیر اور امور متعلقہ اسلام کی بجاآوری جو مالی قوت پر منحصر ہے۔

چوتھی شرط امن ہے اس کا قیام گورنمنٹ پر ہوتا ہے۔

صـ۳۰-۴۴

۲۔ **عبادت یہ ہے۔** کہ انسان ہر قسم کی قساوت کجی کو دور کر کے دل کی زمین میں کوئی کنکر پتھر ناہموار نہ رہے اور ایسی صاف ہو کہ گویا رُوح ہی رُوح ہو۔ صـ۶۵

۳۔ (ا) عبادت محبت ہی کا دوسرا نام ہے۔

(ب) انتہا درجہ کی محبت اور انتہا درجہ کی امید اور خوف یہ سب عبادت میں داخل ہے۔

(ج) **غیر اللہ کی عبادت** یہی نہیں کہ سجدہ نہ کیا جاوے۔ مال سے انتہا درجہ کی محبت کرنے والا مال کا بندہ ہے۔

(د) خدا کا بندہ وہ ہے جو خدا کے سوا اور چیزوں کی حد اعتدال تک رعایت کرتا ہے۔ صـ۲۵۵

(ھ) **عبادت اور مسیح موعود** صـ۳۸۵

عبد

ایاک نعبد صفات کے ذکر کے بعد اس لئے رکھا ہے تا انسان ان صفات کو اپنے اندر لے۔ کمال عبد انسان کا یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے رنگ میں رنگین ہو جائے۔ صـ۱۳۳

عبد الحکیم (مولوی)

فروری ۱۸۹۲ء میں حضرت اقدس سے اس کی بحث ہوئی۔ مباحثہ کے پرچے لیکر چلدیا ۱۹۰۱ء میں قادیان آیا تو وعدہ کیا کہ وہ پرچے بھیجدے گا۔ مگر نہیں بھیجے۔ اس نے کہا تھا کہ حضرت عمرؓ بھی محدث نہ تھے۔ صـ۳ حاشیہ

عبد الرحمٰن مدراسی (سیٹھ)

ان کے قادیان سے واپسی کی اجازت طلب کرنے پر حضورؑ نے انہیں قادیان میں ماہ رمضان گذارنے کا ارشاد فرمایا اور ان کے لئے ایسی دعا کرنے کا وعدہ کیا جس سے باذن اللہ پہاڑ ٹل جائے۔

صـ۸

عبدالکریم (مولوی)

۱۔ آپ کے خطبہ جمعہ کی حضرت مسیح موعودؑ نے تعریف کی اور آپ کے دریافت کرنے پر فرمایا۔ "یہ بالکل سچا مذہب ہے جو آپ نے بیان کیا" اور فرمایا "یہ خدا تعالیٰ کا فضل ہے کہ آپ معارفِ الٰہیہ کے بیان میں بلند چٹان پر قائم ہو گئے" صـ ۸۷-۸۸

۲۔ ان سے مخاطب ہو کر حضور نے فرمایا۔ اب تو آپ بھی ہمارے ساتھ گالیوں میں شریک ہو گئے ہیں۔ بڑا ثواب ہے۔ صـ ۱۱۵

۳۔ نبی بخش بٹالوی کے اس اعتراض کا کہ مولوی عبدالکریم صاحب اپنے خطبوں میں مرزا صاحب کے متعلق بہت غلو کرتے ہیں حضور کی طرف سے جواب صـ ۳۴۰

عرفات

یوم العرفات کو حضرت مسیح موعودؑ کا دن اور رات کا کسی قدر حصہ اپنے اور اپنے دوستوں کے لئے دعائیں کرنا اور پھر خطبہ الہامیہ کا نشان۔ صـ ۲۹

عزیرؑ

عزیر نبی کی دوبارہ زندگی کا راز

۱۔ یہ احیاء بعد الاماتت ہے اور احیاء کی کئی قسمیں ہیں ایک یہ کہ قبر پھٹ جائے اور وہ گھر آجائے۔ دوم یہ کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ایک نئی زندگی بخشے۔ حدیث سے مثال۔

عزیرؑ کو نشان بنانے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ قبر سے نکلا ہو۔ یہ غلط بات ہے۔ صـ ۸۱

۲۔ مسیحؑ کی جس کو آسمان پر زندہ مانتے ہیں عزیر کے قصہ سے کیا مناسبت؟ صـ ۸۲

۳۔ عزیر کے سَو برس تک مُردہ رہنے کے معنے نیند کے بھی لئے جا سکتے ہیں۔ کیونکہ اماتت کے معنے انامت بھی ہیں۔ اصحاب کہف کے قصے کی طرح عزیر کا قصہ لے سکتے ہیں۔ ہندوؤں میں دَم سادھنے کا طریق اور ایک لڑکے کا بیس سال تک سوئے رہنے کی خبر کا ذکر صـ ۸۵، نیز دیکھو "تفسیر"

عشق صادق کا یہ تقاضا ہونا چاہئے کہ وہ راہِ طلب میں پویاں رہے۔ صفحہ ۳۲۶

عصائے موسیٰ (کتاب)

دیکھو "الٰہی بخش اکونٹنٹ"

عقائد مسیح موعود اور علمائے زمانہ

میں نے پکار پکار کر اور خدا تعالیٰ کی قسمیں کھا کر کہا کہ میں مسلمان ہوں۔ قرآن کو خاتم الکتب اور آنحضرتؐ کو خاتم النبیین اسلام کو زندہ مذہب اور حقیقی نجات کا ذریعہ خدا تعالیٰ کی مقادیر اور قیامت کے دن پر ایمان لاتا ہوں۔ اسی قبلہ کی طرف اتنی ہی نمازیں پڑھتا رمضان کے پورے روزے رکھتا ہوں۔ لیکن پھر بھی علماء نے میری تکفیر کی۔ آتھم اور لیکھرام کی پیشگوئی سے کوئی فائدہ نہ اُٹھایا۔ صـ ۱۰۷-۱۰۸

عقل۔ اس کے ساتھ آسمانی نور اور بصیرت نہ

ہو کچھ کام نہیں دے سکتی ص۲۶۱

علماء

۱- انگریزی گورنمنٹ کے آزادی دینے کے نتیجہ میں عیسائیوں اور آریوں کے اعتراضات کے جوابات جس طرح ہم دے سکتے ہیں۔ روم یا شام کا کوئی عالم فاضل نہیں دے سکتا۔ ص۲۰۰

۲- علماء اور قادیان۔ ایک شخص نے کہلا بھیجا مولوی قادیان آنا پسند نہیں کرتے میں ہندوستان سے مولوی منگواؤں گا آپ بٹالہ آجائیں۔ فرمایا۔ وہ قادیان آنے سے اس لئے نفرت رکھتے ہیں۔ کہ میں اس میں ہوں۔ اگر بٹالہ میں ہوں گا تو بٹالہ ان کیلئے نفرت کا مقام بن جائے گا۔ قادیان میں ہمارے پاس نہ ٹھیریں۔ ہم بحث نہیں چاہتے۔ ہمارا کام سمجھا دینا ہے۔ ص۳۲۳

۳- اسلام کے اندرونی مفاسد کے بہت کچھ حصہ کا باعث علماء ہیں۔ انہوں نے اسلام کا مغز یہ پیش کیا ہے کہ قصوں کی پیروی کرو اور کچھ نہیں ص۳۴۶

۴- موجودہ علماء یہود کے نقش قدم پر ہیں جو کہتے تھے کہ ہم ملاکی نبی کی کتاب خدا کے سامنے پیش کردیں گے۔ جس میں ایلیا کا آنا لکھا تھا نہ کہ اس کے مثیل کا۔ ص۳۱۸، ۳۱۹

عمرؓ

حضرت عمرؓ آنحضرتؐ کی جمالی شان کا شکار ہوگئے۔ اور آخر کار خود شہید ہوگئے۔ آپ کا رات کو آنحضرتؐ کے قتل کیلئے نکلنے کا واقعہ ص۱۸۰-۱۸۱

عمر بڑھانے کا نسخہ

جو انسان نافع اور خدا تعالےٰ کے دین کا خادم ہوتا ہے۔ اللہ تعالےٰ خود بخود اس کی عمر اور صحت میں برکت ڈال دیتا ہے ص۲۰۱

عمل جمع اعمال

اعمال کی دو قسمیں۔ ایک وہ جو بہشت اور دوزخ کی امید سے ہوتے ہیں۔ دوسرے وہ جو طبعی جوش سے ہوتے ہیں۔ دو باتیں مسلمانوں میں طبعی جوش کے طور پر اب تک موجود ہیں۔ ایک سؤر کے گوشت کی حرمت دوسرے حرمین شریف کی عزت ص۳۴۱

عنصر

اصل میں عن سر ہے۔ س عربی میں ص سے بدل جاتا ہے یعنی یہ چیز اسرار الٰہی میں سے ہے جہاں آکر انسان کی تحقیقات رک جاتی ہے ص۲۵

عورت

۱- حُسنِ معاشرت (ا) عورتوں سے لطف اور نرمی کا برتاؤ کرنے اور فحشاء کے سوا باقی تمام کج خلقیاں اور تلخیاں عورتوں کی برداشت کرنے کی نصیحت ص۱

(ب) عورتوں سے سختی نہ کرنے کی نصیحت ص۲

(ج) اپنا واقعہ۔ ایک دفعہ اپنی بیوی پر آوازہ کسنا

جو دلی رنج سے پیدا ہوا تھا۔ اس کے بعد استغفار کرنا نفلیں پڑھنا صدقہ دینا اور خیال کرنا کہ یہ کسی پنہانی معصیت الٰہی کا نتیجہ ہے ص۲

۲۔ **عورتیں اور عیسائیت**۔ ضلالت وہمی قوت سے پیدا ہوتی ہے۔ قوت وہمی کے استیلاء کیوقت انسان رسّی کو سانپ درخت کو ہاتھی بنا تا ہے۔ یہ قوت عورتوں میں زیادہ ہوتی ہے اسیواسطے عیسائیت اور بُت پرستی کا بڑا سہارا عورتیں ہیں۔ ص۴۷

نیز دیکھو "پادری" اور "فورمن کالج کے پادری"

۳۔ **عورتیں اور خاوند**:۔ (ا) حُسن سلوک کرو۔ عاشروھن بالمعروف اور حدیث خیرکم خیرکم لاھلہ پڑھنے کی نصیحت۔ ص۱۲۵

(ب) انسان کو چاہیئے کہ عورتوں کے دل میں یہ بات جما دے کہ وہ خلاف دین کوئی کام پسند نہیں کر سکتا۔ اور یہ کہ وہ اس کی غلطی پر چشم پوشی کر سکتا ہے۔ ص۱۲۵

۴۔ **عورتوں کو تبلیغ**۔ فرمایا۔ میں نے کئی مرتبہ مردوں اور عورتوں کو تبلیغ کی ہے۔ اب بھی کبھی کبھی گھر میں وعظ سُنایا کرتا ہوں۔ ارادہ کیا تھا کہ عورتوں کے لئے ایک قصّہ کے پیرایہ میں سوال وجواب کے طور پر سارے مسائل آسان عبارت میں بیان کئے جاویں۔ ص۲۰۲

عید الاضحیہ کی آنحضرتؐ اور مسیح موعودؑ سے مناسبت:۔

(ا) جس طرح یہ عید اسلامی مہینوں کے آخر میں آتی ہے اسی طرح ہمارے نبیؐ آخر زمانہ کے نبی تھے۔ پس اس مہینہ کو آپ کی زندگی اور زمانہ سے مناسبت ہے۔

(ب) قربانی کا مہینہ ہے اسی طرح رسول کریمؐ بھی حقیقی قربانیوں کا کامل نمونہ دکھانے کے لئے آئے تھے۔

ص۳۲ دیکھو "قربانی"

عیدین

عید رمضان ایک ذاتی مجاہدہ ہے اور اس کا نام بذل الروح ہے بڑی عید اپنے اندر ایک عظیم الشان حقیقت رکھتی ہے۔ ص۳۳

عیسائی

کسی عیسائی کا آسمان سے تعلق نہیں مومن عیسائی کے نشانات موجودہ زمانہ میں کسی عیسائی میں نہیں پائے جاتے۔ ص۴۳

عیسیٰؑ کی بن باپ پیدائش

۱۔ عیسیٰؑ کی بے باپ پیدائش پر میں ہمیشہ سے ایمان رکھتا ہوں۔ ص۲۵۱

۲۔ **حکمت**۔ ان کا بے باپ پیدا ہونا ایک نشان تھا اس بات کا کہ اب بنی اسرائیل کے خاندان سے نبوت کا خاتمہ ہوتا ہے۔ ص۲۵۱ و ص۲۵۸

۳۔ جو یہ کہتا ہے کہ ان کا باپ ہے وہ خدا تعالیٰ کے

قانون کو توڑنا چاہتا ہے اور خدا تعالےٰ کے اس نشان کو جو اُن کی پیدائش میں رکھا ہوا تھا ہجر عیتی کرتا ہے۔ صـ ۲۸۰-۲۸۱

۴۔ ہمارا ایمان اور اعتقاد یہی ہے کہ حضرت مسیحؑ بن باپ تھے۔ ہم ایسے آدمی کو جو یہ خیال کرتے ہیں۔ کہ اللہ تعالےٰ کسی کو بے باپ پیدا نہیں کر سکتا۔ دائرۂ اسلام سے خارج سمجھتے ہیں اور اس کی حکت صـ ۳۰۳

غ

غصّہ

غصہ خدا نے بیجا نہیں بنایا۔ اس کا خراب استعمال بُرا ہے۔ حضرت عمرؓ نے کسی کے دریافت کرنے پر کہ کفر کے وقت تم بڑے غصّے والے تھے۔ اب غصّہ کا کیا حال ہے۔ فرمایا۔ غصّہ تو اب بھی وہی ہے۔ مگر اب ٹھکانے لگ گیا ہے۔ صـ ۳۱۷

غضِّ بصر کا حکم

نظر نیچی رکھنی چاہیئے۔ بدنظری کے اسباب سے بچنا چاہیئے۔ صـ ۳۳۷

غنیٰ

اللہ تعالےٰ کی صفت غنا متقاضی ہے کہ انسان خوف و ہراس میں اوقات بسر کرے۔ تاکہ ذلّ عبودیت کی حالت قائم رہے۔ صـ ۱۱۴

٭ ٭ ٭ ٭

ف

فاتحہ

۱۔ سورہ فاتحہ کا نام امّ الکتاب اور مثانی بھی ہے یہ قرآن شریف کی عکسی تصویر اور خلاصہ ہے صـ ۹۲

۲۔ اس سورۃ میں صفات اربعہ کے چاروں نمونے رسول اللہ کے وجود میں صـ ۹۲

دیکھو "محمد اور صفات اربعہ"

۳۔ سورہ فاتحہ کی سات آیتیں اس لئے رکھیں تا دوزخ کے سات دروازوں سے انسان کو بچائے صـ ۱۳۷

۴۔ فاتحہ فتح کرنے کو بھی کہتے ہیں۔ یہ دعا مومن اور کافر میں امتیاز پیدا کر دیتی ہے۔ دل کو کھولتی اور سینہ میں ایک انشراح پیدا کرتی ہے۔ اس لئے سورہ فاتحہ کو بہت پڑھنا چاہیئے۔ صـ ۱۵۱

۵۔ فاتحہ خلف الامام۔ نمازی امام کے پیچھے ہو یا اکیلا سورہ فاتحہ پڑھنی چاہیئے۔ رکوع مل جائے تو رکعت ہو جاتی ہے۔ صـ ۲۱۴

۶۔ پیشگوئی۔ فاتحہ میں مسلمانوں میں سے بعض کے منعم علیہم بعض کے مغضوب اور بعض کے الضالین ہونے کی پیشگوئی ہے۔ صـ ۲۵۷ و صـ ۲۶۵-۲۶۶

فارقلیط

عیسائیوں نے اس سے روح القدس مراد لی حالانکہ اس سے رسول اللہؐ مراد تھے۔ یہ لفظ فارق لیط سے مرکب ہے۔ لیط شیطان کو کہتے ہیں۔ صـ ۲۰۵

فتح کی کُنجی

خدا کے ہاتھ میں ہے۔ فتح صرف اسی کو ہوسکتی ہے جس کا بحر تقویٰ میں سب سے بڑھ کر ہے۔ صفحہ ۳۴

فراست

ایک کرامت ہے اور اس کے معنے صفحہ ۲۶

فرعون

شاہان مصر کا یہ لقب تھا جیسے قیصر و کسریٰ شاہان روم و ایران کا اور آج کل زار روس اور سلطان روم صفحہ ۳۵

فرشتے اور شیطان

انسان کے ساتھ یہ دو قوتیں ہمیشہ لگی ہوئی ہیں۔ فرشتہ نیکی میں ترغیب اور مدد دیتا ہے جیسا کہ آیت و ایدھم بروح منہ سے ظاہر ہے۔ اور شیطان بدی کی ترغیب دیتا ہے جیسا کہ یوسوس فی صدور الناس سے ظاہر ہے۔ ظلمت و نور ہر دو ساتھ لگے ہوئے ہیں۔ سورۃ الناس میں شیطان کے وساوس کا ذکر ہے جو اس وقت ڈال رہا ہے۔ صفحہ ۲۴۴

فریمیسن کی حقیقت

ایک الہام ہوا۔ "فریمیسن اس کے قتل پر مسلط نہیں کئے جائیں گے" اس الہام میں بھی گویا فریمیسن کی حقیقت کی طرف کوئی اشارہ ہے۔ اس سوسائٹی میں معلوم ہوتا ہے بڑے بڑے اہلکار اور عمائد سلطنت اور شاہزادے داخل ہوتے ہوں گے صفحہ ۲۹۵

فساد

فساد کی بنیاد ظنون فاسدہ اور شکوک سے کام لینا ہے۔ صفحہ ۱۴۷، دیکھو "بدظنی"

فسق و فجور

اس زمانہ میں فسق و فجور کی کثرت کی وجہ خدا پر عدم ایمان ہے۔ صفحہ ۲۳۸

فلسفہ

یورپی فلسفہ ضلالت سے بھرا ہوا ہے۔ یہ انسان کو ہلاکت کی طرف لے جاتا ہے۔ صفحہ ۱۹۴

فلسفی اور نبی میں فرق

فلسفی کہتا ہے خدا ہونا چاہیئے۔ نبی کہتا ہے خدا ہے فلسفی دلائل پیش کرتا ہے کہ خدا کا وجود ضرور ہونا چاہیئے۔ نبی کہتا ہے کہ میں نے خود خدا سے کلام کیا ہے اور اس نے مجھے بھیجا ہے۔ صفحہ ۲۳۹

فواحشات

اس سوال کا جواب کہ فواحشات میں کشش کیوں ہے؟ صفحہ ۲۹۶-۲۹۷

فورمین کالج اور امریکن مشن کے دو پادری

مع ایک دیسی عیسائی قادیان آئے۔ حضرت مسیح موعودؑ سے انہوں نے سوالات کئے جن کے آپ نے جوابات دیئے۔ صفحہ ۲۶۹-۲۹۲

سوالات:- ۱۔ کیا آپ بھی انجیل یا توریت

کی قبر کا پختہ گنبد ہے۔ کئی بزرگوں (مثالیں) کے مقبرے پختہ ہیں جو سب صلحاء تھے۔ صـ۲۹۳

قبر مسیح ناصریؑ دیکھو "مسیحؑ کی قبر"

قرآن شریف

۱۔ قرآن کے علوم عالیہ حقہ کے سامنے دنیا کے تمام فلسفے اور علوم ہیچ ہیں۔ صـ۳۴

۲۔ **قرآن کے دو حصے**۔ کوئی بات قصہ کے رنگ میں۔ اور بعض احکام ہدایت کے رنگ میں منشا یہ ہے۔ کہ اصحاب اوجیسے حکم ان تصوموا خیر لکم۔ جو قصص اور ہدایت میں تمیز نہیں کرتے ان کیلئے مشکلات کا سامنا ہوتا ہے۔ اور قرآن کریم میں اختلاف ثابت کرنے کا موجب ہوتے ہیں فیمسك التی قضیٰ علیها الموت ہدایت کے رنگ میں ہے۔ صـ۸۳

۳۔ **مقدم ہدایات ہیں یا قصص**۔ سوال۔ اگر ہدایات اور قصص میں تناقض ہو تو مقدم کس کو رکھوگے کا جواب صـ۸۳

۴۔ **قرآن کریم اور قصص**۔ قصوں کے حقائق بتانے خدا تعالےٰ کو ضرور نہیں ان پر ایمان لاؤ۔ ہدایت کا سمجھنا ضروری ہے کیونکہ اس پر عمل کرنا ہوتا ہے۔ صـ۸۴

۵۔ **قرآن اور طبعی علوم**۔ علوم طبعی جس قدر ترقی کریں گے اور عملی رنگ اختیار کریں گے اسی قدر قرآن کی عظمت اور خوبی دنیا میں ظاہر ہوگی۔ صـ۸۶-۸۵

۶۔ **لفظ قرآن میں پیشگوئی**۔ (ا) کہ یہی پڑھنے کے لائق کتاب ہے ایک زمانہ میں تو اور بھی زیادہ یہی پڑھنے کے لائق ہوگی جبکہ اور کتابیں بھی پڑھنے میں اس کے ساتھ شریک کی جائیں گی۔ صـ۱۲۲

(ب) یعنی یہی ایک کتاب حق و باطل میں فرق کرنے والی ٹھہرے گی صـ۱۲۲

۷۔ **مجموعہ صداقت**۔ قرآن کل دنیا کی صداقتوں کا مجموعہ ہے اور دین کی کتابوں کا فخر ہے صـ۱۲۶

۸۔ قرآن شریف اور نبوت کی کلید میرے دعوے کا فہم ہے۔ صـ۱۳۳

۹۔ **تیز ہتھیار** قرآن ایک تیز ہتھیار ہے لیکن اس کے استعمال کیلئے اعلیٰ درجے کے ڈاکٹر کی ضرورت ہے جو خدا تعالیٰ کی تائیدات سے فیض یافتہ ہو۔ صـ۱۴۹

۱۰۔ قرآن کو چھوڑ کر کامیابی ایک ناممکن اور محال امر ہے صحابہ کی مثال صـ۱۵۷

۱۱۔ **قرآن شریف کا معجزہ ہونا**:۔

(ا) معجزہ فصاحت و بلاغت کے جواب میں پادری فنڈر کا حریری اور ابوالفضل اور بعض انگریزی کتب کو پیش کرنا درست نہیں۔

اوّل تو ان مصنفین کا یہ دعویٰ نہیں کہ ان کا کلام بےمثل ہے بلکہ وہ تو خود قرآن شریف کی تعریف کرتے ہیں۔ دوم ان کی کتابوں میں معنی الفاظ کے تابع ہو کر چلتا حکمت اور معارف کا لحاظ نہیں ہوتا۔ اور قرآن شریف

میں التزام ہے حق وحکمت کا ص۲۰۵

(ب) **قرآن کے معجزہ ہونے کے متعلق دو مذہب**:- ایک یہ کہ خدا تعالےٰ نے مخالفین سے صرف ہمت کر دیا یعنی ان کو توفیق نہ ہوئی۔ دوسرا مذہب جو صحیح ہے۔ کہ مخالف خود عاجز تھے کہ مقابلہ کرسکتے ان کے علم اور عقل چھینے گئے تھے ص۲۱۷

۱۲- قرآن شریف کو ذوالوجوہ کہنا پسند نہیں کرتا۔ ایسے قائلین نے قرآن کی عزت نہیں کی۔ قرآن شریف ذوالمعارف ہے: ص۲۲۱

۱۳- **قرآن سے مناسبت**۔ زود رنج، کینہ ور اور غصہ والی طبائع کے ساتھ قرآن شریف کی مناسبت نہیں ہے۔ اور ضالیسوں پر قرآن شریف کھلتا ہے ص۲۲۱

۱۴- **خاص وحی**۔ رسول کریمؐ کا سارا کلام وحی ہوتا تھا۔ مگر قرآن شریف ایک خاص وحی ہوتا ومعیک تو رہوتا ص۲۲۵

۱۵- **کامل شریعت**۔ قرآن شریف کے بعد اب کوئی شریعت نہیں آسکتی کیونکہ وہ کامل شریعت اور خاتم الکتب ہے۔ ص۲۷۳

۱۶- **قرآن اور اس کی تفسیر کرنا**۔ تفسیر قرآن میں دخل دینا بہت نازک امر ہے۔ مبارک اور سچا دخل اس کا ہے۔ جو خدا کے روح القدس سے مدد لے کر دخل دے۔ ص۲۹۲

۱۷- **تاثیر قرآن**۔ لو انزلنا ھذا القرآن علی جبل الآیہ فرمایا۔ جب جمادات پر اس کی ایسی تاثیر ہے تو لوگ اس تاثیر سے کیوں فائدہ نہیں اٹھاتے۔ دوسرے اس آیت کے معنے یہ ہیں۔ کہ محبت اور رضائے الٰہی کے حصول کے لئے دو صفتیں ضروری ہیں۔ اوّل۔ تکبر کو توڑنا اور عاجزی اور خاکساری اختیار کرنا۔ دوسرے پہلے تعلقات جو موجب گندگی اور ناراضگی خدا تھے۔ وہ سب ٹوٹ جائیں اور سب تعلقات صرف اللہ کے لئے رہ جائیں۔ ص۳۰۳

۱۸- **قرآن مجید کی قسم دے کر سوال کرنا**۔ ایک شخص نے قرآن ہاتھ میں لے کر کہا۔ اے امام پاک یہ خدا تعالےٰ کا کلام ہے یہ پیش کر کے آپ سے تین سَو روپیہ مانگتا ہوں حضورؑ نے فرمایا۔ تمہاری یہ قسم ناجائز ہے۔ اور یہ طریق ناجائز۔ احیائے اسلام کا کام ہمارے سپرد کیا گیا ہے۔ جس قدر روپیہ ہو ہمیں اس کے لئے خرچ کرنا چاہیئے۔ اس نے کہا نبیوں نے تو خدا کے کلام کو واپس نہیں کیا۔ حضور نے فرمایا۔ تم نے نبیوں کو کب دیکھا۔ اس نے کہا۔ حضرت آپ کو تو دیکھا ہے فرمایا تم نے ہم کو بھی نہیں دیکھا۔ اگر دیکھتے تو ایسی بے جا حرکت نہ کرتے۔ ص۳۲۷-۳۲۸

۱۹- **ہر چیز کا جامع**۔ قرآن شریف میں کل چیزیں موجود ہیں۔ آئندہ کی ضرورتوں کے مواد موجود ہیں۔ یورپین کے معاہدات کی مثال جو دراز عرصے کے بعد آنے والی ضرورتوں اور پیش آنیوالے واقعات کو بھی مدنظر رکھ لیتے ہیں۔ ص۳۳۲

کرامات

ایک مُرید نے جو خود بھی پیر تھے کہا کہ پیری مریدی کے زمانہ میں ہم لوگوں کی اکثر جھوٹی کرامتیں مشہور تھیں۔ دل میں گزرا۔ پہلے بزرگوں کی بھی ایسے ہی کرامتیں مشہور ہونگی حضور نے فرمایا۔ جھوٹے ولیوں کا وجود ثبوت ہے اس بات کا کہ سچے ولی بھی ضرور ہیں جب کوئی سچی بات نہ ہو جھوٹی بات نہیں بنائی جاتی۔ اور اس کی مثالیں۔ ص ۳۳۷-۳۳۸

کرویت

۱۔ وضع عالم میں کرویت ہے ستارے آگ پانی وغیرہ یہ چیزیں گول ہیں یہ وضع عالم میں توحید کا ثبوت ہے کیونکہ کرویت میں وحدت ہوتی ہے۔ اگر خدا تین ہوتے تو اشیاء مثلث نما ہوتیں ص ۳۹۱

۲۔ کرویت سے پایا جاتا ہے۔ کہ آدم ہی سے شروع ہو کر آدم ہی پر سلسلہ ختم ہو اسی لئے مسیح موعود کا نام آدم رکھا گیا۔ أردت ان استخلف فخلقت أدم۔ ص ۳۹۱

کریم بخش کی شہادت

کہ مجذوب گلاب شاہ نے پہلے سے کہا تھا۔ کہ عیسیٰ قادیان میں پیدا ہو گیا ہے وہ لدھیانہ میں آوے گا۔ اور تو دیکھے گا کہ مولوی اس کی کیسی مخالفت کریں گے۔ اس کا نام غلام احمد ہوگا۔ ص [illegible]

کشف

۱۔ خطبہ الہامیہ کے بعد سجدۂ شکر ادا کرتے وقت سُرخ الفاظ میں "مبارک" لکھا ہوا دکھائی دیا ص ۳۱

۲ عالم کشف میں آنحضرتؐ سے استفادہ۔ آپؐ کی کی باتیں سُنتا ہوں۔ مگر آپؐ کی صورت نہیں دیکھتا۔ یہ حالت بین الکشف والالہام ہوتی ہے ص ۱۲۵

۳۔ میں نے اپنے گھر میں کہا کہ میں نے کشف میں دیکھا ہے کہ کوئی عورت آئی ہے۔ اور اس نے آکر کہا کہ تمہیں (ام المومنین کو) کچھ ہو گیا ہے۔ اور پھر الہام ہوا۔ اصحم زوجتی۔ ۳ر جنوری ۱۹۰۱ء کو یہ کشف اور الہام پورا ہو گیا۔ ص ۲۰۲

کفارہ کا بطلان

اگر کفارہ درست ہوتا اور یسوع مسیح کفارہ کے لئے آئے تھے۔ تو اسے لمبی پرسوز دعاؤں کی کیا ضرورت تھی۔ ص ۴۲

کلام الٰہی کے طریقے۔ دیکھو "وحی"

کمال

کمال کی دو قسمیں ایک رحمانی دوسری شیطانی ص ۱۶۴

کمال الدین (خواجہ)

خواجہ کمال الدین صاحب اس بات کے گواہ ہیں۔ کہ قبل از وقت انہیں بتلایا گیا تھا۔ اور اشتہار چھاپ کر شائع کر دیا گیا تھا۔ کہ ہمارا مضمون بالا رہا۔ ص ۱۱

گ

گل علیشاہ

۱۔ حضرت مسیح موعودؑ کے استاد۔ شیعہ مذہب تھے۔ کبھی

نماز نہ پڑھتے تھے۔ منہ تک نہ دھوتے تھے۔ نواب علی کوٹھ کے پاس بھی جایا کرتے۔ ص۱۰۱

۲۔ سولہ سترہ برس کی عمر حضرت مسیح موعودؑ ان سے تعلیم پاتے تھے۔ ص۳۷۶

گُناہ

۱۔ گناہ کی اصل جڑ اللہ تعالےٰ پر عدم ایمان اور وجود خدا پر یقین کامل کا نہ ہونا ہے۔ ص۱۷۲

۲۔ گناہ اور جذبات سے چھوٹ جانے کے لئے اللہ تعالےٰ کا خوف دل میں پیدا کرنا چاہیئے۔ اس کی عظمت وجبروت کے دل میں بٹھانے سے گناہ دور ہو جاتے ہیں۔ ص۲۹۵

۳۔ بعض گناہ محسوس ہوتے ہیں بعض نہیں۔ اس لئے ہر وقت استغفار کرنا چاہیئے۔ ص۳۲۶

ل

لوتقوّل

آیت کا قرآنی معیار صداقت انبیاء اور سچے ملہمین کیلئے یعنی جھوٹا مدعی وحی ۲۳ سال تک بعد دعویٰ زندہ نہیں رہ سکتا اور اس کی تفصیل۔ ص۳۱۳-۳۱۵

لیکھرام

۱۔ لیکھرام کی چھ سال کے اندر ہلاکت کی پیشگوئی ایسا عظیم الشان نشان ہے جس کی نظیر کوئی قوم نہیں دکھلا سکتی۔ اور قبل از وقوع کروڑوں انسانوں میں اس کا شہرت پا جانا۔

۲۔ لیکھرام کا میرے متعلق کہنا کہ میں تین سال کے اندر ہیضہ سے مرجاؤں گا۔ ص۳۷

۳۔ لیکھرام کی پیشگوئی جس میں موت۔ وقت۔ صورت موت وغیرہ بتایا گیا تھا۔ اس کا پورا ہونا اور اس پر اعتراضات کے جوابات۔ ص۱۰۸-۱۱۱

۴۔ میں نے اس کی رسول کریمؐ کی پاک ذات کے متعلق بے ادبیوں اور شوخیوں کو ٹکڑے ہوئے ہوئے دل کیساتھ خدا کے حضور پیش کیا تو خدا تعالےٰ نے مجھے یہ پیشگوئی عطا فرمائی ص۱۱۱

لیلۃ القدر کے تین معنے

۱۔ رمضان میں ایک رات۔ ۲۔ رسول اللہؐ کا زمانہ بھی لیلۃ القدر تھا۔ ۳۔ لیلۃ القدر انسان کے لئے اس کا وقت اصفیٰ ہے۔ ص۳۳۶

م

ماموریں الٰہی

۱۔ ارسال کی غرض:۔ (ا) تا لوگ اخلاق فاضلہ اور اوصاف حمیدہ میں ان کو نمونہ بنائیں ص۵۸

(ب) مامور من اللہ اپنے دوستوں کے امراض کی تشخیص کر کے حسب موقع ان کی اصلاح بذریعہ وعظ و نصیحت کرتا ہے۔ ص۴۲

۲۔ مامور من اللہ کے دشمن ضرور ہوتے ہیں جیسے پھولوں کے ساتھ کانٹے۔ وہ ان کو اذیتیں دیتے اور توہین کرتے ہیں۔ ص۱۶۱

مایوسی۔ انسان کو خدا سے کبھی مایوس نہ ہونا

صـ ٣٣-٣٥
بےنظیر نعت پائی۔ ماکنت تدری ما الکتب ولا الایمان

٣۔ **محمد اور صفات اربعہ**:۔ سورہ فاتحہ میں مندرجہ صفات اربعہ کا آنحضرتؐ نمونہ تھے۔ گویا صفات دعویٰ تھیں اور آپؐ کا وجود دلیل۔ (ا) ربوبیت کا ثبوت کہ اسلام روئے زمین پر پھیل گیا۔ (ب) رحمانیت آپؐ کے آنے سے پیشتر ہی استعدادیں پیدا کر دیں۔ عمرؓ، ابوبکرؓ بہت سے صحابہ ساتھ ہو گئے۔ انیت رحمانیت چاہتی ہے۔ صـ ٣٣-٣٥

(ج) رحیمیت ہر لڑائی میں فتح پائی۔ تھوڑا کام کر کے بہت اجر پایا۔ صـ ٣٥، (د) مالک یوم الدین۔ دنیا میں اس کا نمونہ یہ دکھایا۔ ابوبکرؓ خلیفہ اوّل ہوئے۔ عمرؓ خلیفہ ثانی۔ صحابہ کو بھی قیصر و کسریٰ کے اموال اور شاہزادیاں ملیں۔ حضرت عمرؓ کا سراقہ کو کسریٰ کے کڑے پہنانے کا واقعہ صـ ٤٦

٤۔ **جامع کمالات نبوت**:۔ آپؐ جامع جمیع کمالات تھے۔ آپ میں ہمدردیٔ مخلوق کمال درجہ پر تھی صـ ٥٢

٥۔ **ہمدردیٔ خلق**۔ مخلوق کی ہمدردی اور بہتری کیلئے اضطراب اور جذب اور عقد ہمت میں کل انبیاء سے بڑھے ہوئے تھے۔ صـ ٥٦

٦۔ **سرتاپا نشان**۔ آپؐ کا وجود از سرتاپا نشانات اور تائیدات الٰہی کا پتلا تھا۔ صـ ٥٩

٧۔ **قوت قدسی**۔ (ا) آپؐ کی قوت قدسی سب انبیاء سے بڑھ کر تھی۔ یہودی، عیسائیوں۔ اور مسلمانوں کا مقابلہ۔ آپؐ کی تیار کردہ جماعت ہمہ تن خدا ہی کیلئے نظر آتی ہے۔ آپ کامیاب نبی تھے۔ قد فاندذر کی آواز آئی اور آخر میں اذا جاء نصر اللہ اور الیوم اکملت لکم آیات نے آپ کی کامیابی کی خبر دی۔ صـ ٦١

(ب) آپؐ کے طفیل کروڑوں آدمی راہ پر آ گئے۔ اس وقت مسلمانوں کی تعداد سب سے زیادہ ہے۔

(٢) اثر دو طرح ہوتا ہے۔ اعتقاداً اور عملاً۔ اعتقادی طور پر سب مسلمان لا الٰہ الا اللہ پر قائم اور عملی طور پر سؤر نہیں کھاتے۔

٣۔ بدیوں میں سے جھوٹ بولنا سب سے زیادہ آسان ہے لیکن آپؐ کے اصحاب نے کبھی جھوٹ نہیں بولا۔ مسیحؑ کے حواریوں کا مقابلہ۔ صـ ٣٣

٨۔ **پردہ پوشی**۔ سب نبیوں کی نبوت کی پردہ پوشی آپؐ کے ذریعہ ہوئی۔ موسیٰ اور یسوعؑ کی زندگی کیسی ناکام معلوم ہوتی ہے۔ صـ ٦١

٩۔ **کامیابی**۔ آپ کا موسیٰؑ اور عیسیٰؑ سے مقابلہ کامیابی کے لحاظ سے صـ ٦١-٦٢

١٠۔ **قوت تاثیر**۔ عرب کی نہایت مکروہ حالت تھی۔ آپؐ نے حقوق اللہ اور حقوق العباد جو دونوں ضائع ہو چکے تھے۔ پھر دونوں کو اپنے اصل مرکز پر قائم کیا۔ صـ ٧٩-٨٠

١١۔ **مظالم اور عفو**۔ مخالفوں کے آپؐ پر مظالم اور آپؐ کا بےنظیر عفو۔ صـ ٨٠

١٢۔ **محمد و احمد نام**۔ محمد صفت رحمان کا مظہر ہے۔ کیونکہ جو بن مانگے دیگا۔ اس کی تعریف کی جائے گی۔ اور احمد کے معنے ہیں۔ تعریف کرنیوالا۔ یہ رحیمیت کا مظہر ہے۔

رسول کریمؐ ان دونو صفات کے مظہر تھے۔ ص۱۳۱

۱۳۔ **دکانداری کا اعتراض**۔ ان ھذا لشیئ یراد۔ یعنی یہ تو دکانداری ہے۔ مخالف جس کو صحبت نصیب نہیں ہوئی۔ اس کو صحیح رائے نہیں ملتی ص۱۶۱

۱۴۔ **عظیم الشان معجزہ**۔ آپ کی ہر طرف سے مخالفت ہوتی مگر آپ ہر میدان میں کامیاب ہوتے ص۱۶۴

۱۵۔ **احسانات اور معاوضہ**۔ آپ کے احسانات کا ذکر اور معاوضہ میں ان اللہ وملٰئکتہ یصلون علی النبی الآیۃ کی ندا۔ ص۱۷۱

۱۶۔ **آپؐ کے زمانہ میں غیر اللہ کی پرستش کا ذکر** ص۱۷۲

۱۷۔ **محمد نام کا مستحق نبی آپؐ کے سوا اور کوئی نہ ہوا۔** آپؐ کا یہ نام

(ا) سب نبیوں سے بڑا کام کرنے کی وجہ سے رکھا گیا۔ پہلے نبی خاص قوموں کیلئے آئے۔ جیسے حضرت موسیٰؑ اور مسیحؑ۔ مگر آپؐ نے یایھا الناس انی رسول اللہ الیکم جمیعًا دعویٰ کیا۔

(ب) آپؐ کے زمانہ میں ظلمت کی انتہا تھی مختلف قوموں اور طبائع کو ایک ہی تعلیم کے نیچے رکھ کر ان کی تربیت کر کے دکھا دی۔

(ج) آخر الیوم اکملت لکم دینکم کی آواز سن لی اور یدخلون فی دین اللہ افواجًا کا نظارہ دیکھ لیا ص۱۷۲-۱۷۷

۱۸۔ **آپؐ کا احمد نام رکھے جانے کی وجہ**:

(ا) احمد اسماء میں ذکر ہے جس کی اللہ تعالیٰ کی سب سے زیادہ تعریف کرنیوالا ہے۔ جس قدر کوئی کسی سے زیادہ لیتا ہے۔ اسی قدر زیادہ تعریف کرتا ہے۔ اس نام میں یہ پیشگوئی تھی کہ آپ بہت ہی فضلوں کے وارث اور مالک ہوں گے۔

(ب) محمدؐ معشوقانہ رنگ رکھتا ہے جو جلالی ہے۔ اور احمد عاشقانہ جو اپنے محبوب معشوق کی تعریف کرتا ہے آپؐ کی مکی زندگی اسم احمد کی تجلی تھی۔ جو متضرعانہ زندگی تھی جس کی طرف لعلک باخع نفسک آیت میں اشارہ ہے۔ اور اسم محمدؐ کی تجلی کا ظہور مدنی زندگی میں ہوا۔ واستفتحوا وخاب کل جبار عنید۔ اور ان کی تفصیل۔ ص۱۷۸-۱۸۲

۱۹۔ **غرض بعثت**۔ (ا) دنیا پر اس خدا کا جلال ظاہر کرنا تھا۔ جو مخلوق کی نظروں اور دلوں سے پوشیدہ ہو چکا تھا۔ ص۱۸۲

(ب) آپ ایک کامل نمونہ حصول رضائے الٰہی کا اور محبوب الٰہی بننے کا ہیں۔ جیسے کہ آیت فاتبعونی یحببکم اللہ سے ظاہر ہے۔ ص۱۸۳ و ص۱۸۶

۲۰۔ **آپؐ کا اور ابوجہل کا انجام**۔ ابوجہل مر گیا اس پر لعنت کے سوا کچھ نہ رہا۔ مگر آپ پر شب و روز درود پڑھا جاتا ہے۔ ص۱۸۵

۲۱۔ **فضائل**۔ تفسیر سورۂ فاتحہ میں آنحضرتؐ کے فضائل و محامد کا ذکر ص۲۱۲

کسی انسان کو چارہ ہی نہیں۔ صـ۲۳۶

۴۔ **اشاعت مذہب کا بہترین طریقہ**۔ کہ وہ اپنی خوبیوں اور حسن کی وجہ سے خود ہی اندر چلا جاوے۔ سچے مذہب کا بڑا نشان عمدہ تعلیم اور کامل نمونہ ہے جو اس تعلیم کی عمدگی کا زندہ ثبوت ہے وہی اشاعت کا بہترین طریق ہے۔ صـ۲۴۳-۲۴۴

۵۔ **تلاش مذہب**۔ اگر انسان ربانی نظر سے مذہب کی تلاش کرے تو تفرقہ کا فیصلہ بہت جلد ہو جائے صـ۲۷۵

۶۔ **سچا مذہب** وہی ہے جس مذہب کی تعلیم عملی طور پر ایسی فطرت عطا کرتا ہے کہ انسان خدا سے ڈر کر اس کی صفات کے نیچے رہ کر پاکیزگی اور محبت میں ترقی کرے اور گناہ سے بچے اور خدائی مذہب کے ساتھ اس کی صداقت کے زندہ نشان ہمیشہ موجود رہتے ہیں۔ صـ۲۸۶

۷۔ **مذہب اسلام اور دیگر مذاہب**

دیکھو "اسلام اور دیگر مذاہب"

مرد صالح کے ساتھ ذلت اور بے رزقی نہیں ہوتی۔ خدا کا نام عزیز ہے۔ خدا میں ہو کر زندگی بسر کرنے والا ذلیل نہیں رہ سکتا۔ صـ۴۲

مُردوں کا رجوع۔

۱۔ قرآن کہتا ہے۔ مردے قیامت کو ہی اٹھیں گے۔ یبعثہ اللہ الموتیٰ۔ معالم میں لکھا ہے۔ رجوع موتیٰ نہیں ہوتا۔ صـ۸۳

۲۔ حدیث۔ ایک صحابی کا شہید ہونا اور اللہ تعالیٰ سے دوبارہ دنیا میں بھیجنے کیلئے درخواست اور اللہ تعالیٰ کا فرمانا قد سبق منّی القول انھم لا یرجعون صـ۸۳

مُردوں سے استمداد

۱۔ مردوں سے استمداد ضعیف الایمان لوگوں کا کام ہے۔ ہم اُسے نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ نے مردوں کے پاس جانے کی کہیں بھی ہدایت نہیں فرمائی۔ صـ۵۳ و صـ۶۳و۶۹

۲۔ اسلام کو خدا نے زندوں کے سپرد کیا۔ ملتان پاکپٹن اجمیر میں مردوں کے فیضان سے وہاں کیا ہو رہا ہے۔ بدعات ارتکاب مناہی کا بازار گرم ہے۔ صـ۶۹-۷۰

مُرشد اور مُرید

قرآن و حدیث سے معلوم ہوتا ہے مرشد کے ساتھ مرید کا تعلق اطاعت میں ایسا ہونا چاہیئے جیسا عورت کا تعلق مرد سے۔ مرشد کے کسی حکم کا انکار نہ کرے اور اس کی دلیل نہ پوچھے۔ صراط الذین انعمت علیہم کی راہ کا قیدی ہے۔ صـ۱۴۸

مرض

مرض کی دو قسمیں۔ مرض مستوی اور مرض مختلف۔ مستوی جس کا درد محسوس ہوتا ہے اور اس کا علاج کرتا ہے۔ دوسرے کی چنداں پرواہ نہیں کرتا صـ۳۲۸

مریم عیسیٰ کا ذکر صـ۲۵۸

مسائل کی تین قسمیں۔

۱۔ یقینی بدیہی۔ بُرا یا اچھا ہے، ۲۔ یقینی نظری ۳۔ مشتبہ یعنی شاید بُرا ہو۔ صـ۳۲۵

مسجد

ایک شخص نے مسجد بنانے کے لئے چندہ مانگا۔ حضورؑ نے

جوادیا۔ ہمارے ہاں بڑے ضروری خرچ سلسلے کے موجود ہیں۔ جن کے مقابل میں ایسے خرچوں میں شامل ہونا اسراف معلوم ہوتا ہے۔ اسی سلسلہ میں امام ابوحنیفہ کا ایک واقعہ۔ صـ ۲۹۹

مسلمان

۱۔ **رمضان کا استخفاف**۔ سردی کے دن تھے مطیع عاصی کے لئے یہ روزے میزان کا حکم رکھتے تھے۔ پھر بھی مسلمانوں نے روزے نہ رکھے۔ صـ ۱۶

۲۔ **مسلمانوں اور غیروں میں فرق**۔ مسلمانوں کا خدا زندہ خدا، نبی زندہ نبی اور کتاب زندہ کتاب ہے۔ ہاں غیر مسلم جن کا خدا مُردہ، کتاب مُردہ، وہ مُردوں سے برکت چاہیں تو کیا تعجب؟ صـ ۷

۳۔ **مسلمانوں کا مسیح ناصری کے متعلق عقیدہ** کوئی اور شخص مسیح کا ہم شکل بن کر پھانسی ملا حضرت عیسیٰؑ اسی جسم سمیت اور اسی لباس میں آسمان پر اُٹھائے گئے۔ پھر یہ بھی نہیں بتاتے کہ وہ آسمان پر بیٹھے کیا کام کرتے ہیں۔ صـ ۸۲

۴۔ **سچا مسلمان** اور معتقد وہ ہوتا ہے جو پیغمبروں کا مظہر ہو۔ جیسے صحابہ کرامؓ صـ ۱۶۸

۵۔ **آنحضرتؐ اور آج کا مسلمان**۔ آنحضرتؐ نے اپنے عمل سے دکھایا۔ کہ میرا مرنا جینا سب کچھ اللہ تعالیٰ کیلئے ہے۔ لیکن آج کا مسلمان دنیا کے لئے جیتا اور دنیا ہی کے لئے مرتا ہے۔ دنیا ہی اس کی مقصود محبوب و مطلوب رہتی ہے۔ صـ ۱۸۷

۶۔ **مسلمان بننا آسان نہیں**۔ صـ ۱۸۷

۷۔ کسی یہودی سے ایک مسلمان نے مسلمان ہونے کے لئے کہا۔ تو اس نے کہا صرف نام پر خوش نہ ہو۔ میں نے اپنے لڑکے کا نام خالد رکھا تھا اور شام سے پہلے ہی اُسے دفن کر آیا۔ صـ ۱۸۷

۸۔ **مسلمان اور مسیحؑ کا چڑیاں بنانا**۔ مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ مسیحؑ چڑیاں بناتے تھے۔ ایک موحد نے کہا کہ اب مسیحؑ کی چڑیاں خدا کی چڑیوں سے رل مل گئی گویا مسیحؑ کو نصف خدائی کا دعویدار بنا دیا۔ صـ ۱۹۲-۱۹۳

۹۔ **مسلمانوں کے چودھویں صدی میں اذلّہ ہونے کا ثبوت**۔ صـ ۱۹۱

۱۰۔ **مسلمان اور سورہ فاتحہ**۔ فاتحہ میں پیشگوئی کے مطابق بیس لاکھ کے قریب مسلمان مرتد ہو کر نصاریٰ بن گئے۔ جیسا کہ ایک بشپ نے اپنی تقریر میں کہا۔ مغضوب میں داخل ہوتے جاتے ہیں۔ منعم علیہ کا نمونہ بھی اب خدا دکھانا چاہتا ہے۔ صـ ۲۵۳

۱۱۔ **مسلمان اور ارتداد**۔ یا وہ زمانہ تھا۔ ایک شخص مرتد ہو جاتا تو قیامت برپا ہو جاتی۔ یا یہ زمانہ ہے۔ کہ بیس لاکھ عیسائی ہو چکے ہیں۔ صـ ۲۶۵

۱۲۔ **مسلمانوں پر افسوس**۔ یہ تو مان لیا کہ آخری زمانہ کے یہود بھی مسلمان ہوں گے لیکن یہ نہ مانا کہ آخری زمانہ کا مسیح بھی انہی میں سے ہوگا۔ گویا امت محمدیہ میں شر ہی رہ گیا خیر کچھ نہیں۔ صـ ۳۳۲

۱۳۔ مسلمانوں میں سؤر کے گوشت کی حرمت اور حرمین شریفین کی عزت طبعی جوش کے طور پر ہے۔ صـ ۳۴۱

المسیح الدجال کی حقیقت

کہ سورہ تحریم میں مسیح موعود کے آنے کی بشارت اشارۃ النص کے طور پر دجال کے وجود پر دلیل ہے
صـ۳۸۲

مسیح موعودؑ

۱- آپ کے اخلاق عالیہ

نرمی- سخت سر درد تھا۔ پاس بچوں اور عورتوں کا شور و غل تھا۔ مولوی عبدالکریم صاحب کے عرض کرنے پر کہ انہیں خاموش ہونے کے لئے حکم کیوں نہیں فرماتے فرمایا۔ آپ ان کو نرمی سے کہدیں میں تو نہیں کہہ سکتا صـ۳

ستاری- ایک خادمہ کے گھر سے چاول چرانے پر دوسروں کا ملامت کرنا اور آپ کا فرمانا محتاج ہے کچھ تھوڑے سے اسے دیدو ستاری کا شیوہ اختیار کرو صـ۳

ہمدردیٔ خلق- دیہاتی عورتوں کو دوائی دینے میں ایک دن عرصہ تک مصروف رہے۔ مولوی عبدالکریم صاحب کے عرض کرنے پر کہ حضور کا قیمتی وقت ضائع ہوتا ہے۔ فرمایا یہ بھی تو ویسا ہی دینی کام ہے یہ مسکین لوگ ہیں ہسپتال کوئی نہیں۔ ان کی خاطر انگریزی یونانی دوائیں رکھا کرتا ہوں۔ بڑا ثواب کا کام ہے۔ صـ۳

زہد- احباب سے رابطہ- فرمایا کسی مکان سے ہمیں کوئی انس نہیں۔ اپنے مکانوں کو اپنے اور اپنے دوستوں میں مشترک جانتے ہیں۔ بڑی آرزو ہے کہ چاروں طرف احباب کے گھر ہوں درمیان میں میرا گھر ہو۔ ہر گھر میں میری ایک کھڑکی ہو تا ہر ایک سے ہر ایک وقت رابطہ رہے۔ صـ۵

تکلفات پر ناپسندیدگی- مہمانوں کے مکان بنوانے پر حضورؑ کی تاکید تھی۔ اینٹوں۔ پتھروں پر روپیہ خرچ کرنا عبث ہے۔ نجار کو تختے رندے سے صاف کرتے دیکھ کر فرمایا۔ یہ محض تکلف ہے۔ ناحق کی دیر لگانا ہے صـ۵

دین کو ہر حال مقدم کرنا- مجھے سخت ناگوار ہے کہ کوئی مشغول اور تصرف دینی کاموں میں حارج ہو۔ دینی ضروری کام کے وقت کھانا پینا اور سونا حرام کر لیتا ہوں جبتک وہ کام نہ ہو جائے۔ ہم دین کیلئے ہیں اور دین کی خاطر زندگی بسر کرتے ہیں۔ صـ۶

دوسروں کے آرام کا خیال- پہرہ دینا حضرت مولوی عبدالکریم صاحب سوئے ہوئے تھے۔ حضور پہرہ دے رہے تھے اور لڑکوں کو شور سے روکتے تھے۔ کہ آپ کی نیند میں خلل نہ آوے۔ صـ۶

متواضع- اللہ تعالےٰ بہتر جانتا ہے کہ میں اپنے نفس کو دوسروں پر ذرہ ترجیح نہیں دیتا۔ میں بت بننے سے سخت نفرت رکھتا ہوں۔ میں تو بت پرستی رد کرنے کو آیا ہوں۔ ہر شخص حضورؑ سے بلا روک ٹوک بات چیت کر سکتا تھا۔ صـ۶

خلوت پسندی- اگر خدا تعالےٰ مجھے اختیار دے تو میں جلوت سے خلوت کو اختیار کروں۔ میں قریب ۲۵ سال خلوت میں رہا کبھی ایک لحظہ کیلئے دربار شہرت کی کرسی بیٹھنا نہ چاہا۔ اب تو امر آمر سے مجبور ہوں اور اس کی تعمیل میں باہر بیٹھتا ہوں یا سیر کو جاتا ہوں صـ۶

تبتل تعلق- بیوی بچے ہوں۔ دوست ہوں سب سے جدا تعلق اللہ تعالےٰ کے لئے ہے۔ صـ۷-۸

تائیدِ دین۔ اگر کوئی تائیدِ دین کیلئے ایک لفظ نکال کر ہمیں دیدے تو ہمیں موتیوں اور اشرفیوں کی جھولی سے بھی زیادہ بیش قیمت معلوم ہوتا ہے۔ صـ۳

عہدِ دوستی کی رعایت۔ جو مجھ سے عہدِ دوستی باندھے وہ کیسا ہی کیوں نہ ہو اور کچھ ہی کیوں نہ ہو جائے میں اس سے قطع نہیں کرسکتا۔ عہدِ دوستی بڑا قیمتی جوہر ہے اگر دوستوں میں سے کوئی شراب پی کر گرا ہوا ہو تو اس کو بھی اُٹھا کر گھر لے آئیں گے۔ صـ۴

دوسروں کیلئے دعائیں کرنا۔ سیٹھ عبدالرحمٰن مدراسی سے فرمایا۔ ہم آپ کے لئے وہ دعا کرنے کو تیار ہیں جس سے باذن اللہ پہاڑ ٹل جائے۔ رات کا بہت سا حصہ دُعاؤں میں صرف ہوتا ہے۔ صـ۵

ایفائے وعدہ کی نصیحت۔ نواب عماد الملک فتح نواز سید مہدی حسین سے جب انہوں نے کہا۔ میں واپس جانے کیلئے تار دے چکا ہوں۔ فرمایا۔ میں نہیں چاہتا۔ کہ آپ تخلف وعدہ کریں جبکہ آپ اطلاع دے چکے۔ تو ضرور جانا چاہیئے۔ صـ۱۶۰

۲۔ مسیح موعودؑ کی جماعت کو نصائح۔

دیکھو "جماعت"

۳۔ بعثت کی غرض

(ا) ایمان کو زندہ کرنے کیلئے مامور کیا۔ تا لوگ قوت یقین میں ترقی کریں۔ صـ۲۲

(ب) تا دنیا کو دکھلاؤں۔ کہ کس طرح پر انسان اللہ تعالےٰ تک پہنچ سکتا ہے۔ صـ۵۲

(ج) میرے آنے کی غرض یہ ہے۔ کہ تم اپنے اندر پاک تبدیلی پیدا کرکے بالکل ایک نئے انسان بن جاؤ۔ صـ۴۲-۴۳

(د) خلق اللہ کو بتانا کہ تمام مذاہب موجودہ میں سے وہ مذہب حق پر ہے اور خدا تعالےٰ کی مرضی کے موافق ہے جو قرآن کریم لایا اور دارالنجات میں داخل ہونے کیلئے دروازہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ ہے۔ صـ۱۳۲

(ھ) اسلام کو کل ملتوں پر غالب کرنا ہے۔ خدا تعالےٰ نے اسی مطلب کے لئے اور اسی طرح بھیجا ہے جس طرح پہلے مامور آتے رہے۔ صـ۱۶۲

(و) تا میں اسلام کو براہین اور حجج ساطعہ کیساتھ ملتوں اور مذہبوں پر غالب کرکے دکھاؤں اور تا خدا کا جلال ظاہر ہو۔ جس طرح اللہ تعالیٰ کی صفات ربوبیت رحمانیت رحیمیت مالکیت کی صحابہ کے زمانہ میں خاص تجلّی ہوئی تھی ویسی اب بھی ہو صـ۱۹۲

(ز) اسلام کو ذلّت کی حالت میں پاکر اللہ تعالےٰ نے اپنے وعدہ انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحافظون کے موافق قرآن کی عظمت قائم کرنے کے لئے چودھویں صدی کے سر پر مجھے بھیجا ہے۔ صـ۱۹۳

(ح) خدا تعالیٰ پر ایسا ایمان پیدا کرانا چاہتا ہوں کہ جو خدا پر ایمان لاوے وہ گناہ کی زہر سے بچ جاوے۔ اور اس کی فطرت اور سرشت میں ایک تبدیلی ہو جاوے اور ایک نئی زندگی ملے۔ صـ۲۷۶

(ط) مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں اخلاقی قوتوں کی تربیت کروں صـ۲۸۵

(ی) اس رشتہ کو جو عبودیت اور الوہیت کے درمیان ہے مستحکم کرنا اور گمشدہ پاکیزگی کو پھر لانا اور محبت دنیا کو سرد کرنا ہے۔ صـ۲۸۶

۴۔ اپنی صداقت پر شہادت۔ خدا گواہ ہے میں وہی صادق

ہوں امین اور موعود ہوں جس کا وعدہ لوگوں کو آنحضرتؐ
کی زبان مبارک پر دیا گیا تھا۔ ص۲۶

۵۔ **مسیح موعود اور یسوع کا بلحاظ دعا مقابلہ۔**
یسوع کی ساری رات کی پُرسوز دعا محض بے اثر ہو گئی۔
اور ہم کو یاد نہیں کہ دو گھنٹے بھی دعا کی ہے اور وہ دُعا
قبول نہ ہوئی ہو۔ پھر جب وہ کفارہ کے لئے آئے تھے۔ تو
اس بزدلی کے کیا معنی۔ ص۴۱

۶۔ **مسیح موعود اور نشان۔** میں نے اپنے پرزور نشانوں
سے دکھا دیا۔ کہ زندہ برکات اور زندہ نشانات صرف
اسلام میں ہیں۔ ص۴۳

۷۔ **عزیز خدا کا بندہ۔** ہمارے ذلیل کرنے کیلئے منصوبے
گانٹھے۔ مگر عزیز خدا کا بندہ ذلیل کیونکر ہو سکتا ہے ص۹۴

۸۔ **عقائد اور علمائے زمانہ** دیکھو "عقائد"

۹۔ **بیماری میں خدا کے مصالح۔** اپنی بیماری کے ذکر
پر فرمایا۔ ہمیں یقین ہے کہ اس میں اللہ تعالے کے بہت
سے مصالح ملحوظ ہیں۔ ص۱۲۰

۱۰۔ **مسیح موعودؑ اور آیت** ھو الذی ارسل رسولہ الآیہ
دیکھو "تفسیر"

۱۱۔ **تکفیر مسیح موعودؑ۔** باوجودیکہ ان کے نزدیک آسمان
سے فرشتوں پر ہاتھ رکھے ہوئے اُترے گا۔ مگر پھر بھی اس
پر کفر کا فتویٰ دیا جائیگا۔ ص۱۲۵

۱۲۔ **مسیح موعودؑ کے دو نشان۔** یضع الحرب و
یصالح الناس۔ اوّل بیرونی نشان کہ حرب نہ ہو گی۔
دوسرا۔ اندرونی نشان کہ باہم مصالحت ہو جاوے گی۔
مسیح موعودؑ کا حسنی المشرب ہونا۔ ص۱۲۶

۱۳۔ **مسیح موعود کا مقام**۔ (ایک شیعہ سے خطاب) میری حیثیت
ایک معمولی مولوی کی حیثیت نہیں۔ بلکہ سنن انبیاء کی سی حیثیت
ہے۔ مجھے ایک سماوی آدمی مانو۔ سب جھگڑے طے ہو جائیں گے
زندہ امام کو شناخت کرو۔ تا تمہیں زندگی کی رُوح ملے۔ ص۱۴۱

۱۴۔ **جماعت کیلئے دُعا۔** (ا) اللہ تعالے انہیں صحابہ کے
انعامات سے بہرہ ور کرے۔ ان کی صفات سے متصف کرے
متقی ہوں وغیرہ۔ ص۱۵۰

(ب) میں نے عہد کیا ہوا ہے کہ دعا کے ساتھ اپنی جماعت
کی مدد کروں۔ صحابہ میں بھی دعا کے زمانہ یعنی مکی زندگی کے
لوگوں کی جو شان تھی۔ وہ دوسروں کی نہ تھی۔ ص۲۲۰

(ج) جماعت کے لئے دو باتوں کی خواہش۔ ایک نہایت
جوش کی دُعا جس کا کبھی موقع مل جائے۔ دوسرے قرآن
شریف کا ایک خلاصہ ان کو لکھ دوں۔ ص۲۲۱

۱۵۔ **دلیل صداقت۔** میرا خدا میرے ساتھ ہے۔ اگر میں
خدا کی طرف سے نہ ہوتا تو میری یہ مخالفت کبھی ہرگز نہ ہوتی
ص۱۶۳

۱۶۔ **آنحضرتؐ آپ کی نظر میں۔** سارے نبی مل کر بھی وہ
کام نہ کر سکتے جو آپؐ نے کیا۔ نبی کریمؐ کی فضیلت کُل انبیاء
پر میرے ایمان کا جزو اعظم ہے۔ ص۱۶۴

۱۷۔ **آپ کے زمانہ میں نصرت الٰہی کی پیشگوئی:۔**
(ا) آیت ولقد نصرکم اللہ ببدر وانتم اذلۃ
لفظ بدر میں یہ پیشگوئی تھی۔ کہ چودھویں صدی میں اللہ
تعالے مسلمانوں کی پھر نصرت فرمائیگا۔ عورتوں تک کہتی تھیں
کہ چودھویں صدی خیر و برکت کی ہو گی۔ ص۱۹۰
(ب) چودھویں صدی میں مسلمانوں کے اذلہ ہونے کا ثبوت ص۱۹۱

۱۸۔ **اقدام قتل کا مقدمہ۔** ڈاکٹر کلارک کے مقدمہ میں اللہ تعالیٰ

کا ہی تصرف ہوا کہ ڈگلس کے دل میں ڈالا۔ کہ عبد الحمید کے بیان پر شبہ کرے اور اسے دوبارہ پولیس کے سپرد کر دے۔ اس مقدمہ سے صاف طور پر اللہ تعالیٰ کی قدرت اور تصرف کا پتہ لگتا ہے۔ صـ ۱۹۴

۱۹۔ **اپنے الہامات پر یقین کامل۔** تیس سال سے زیادہ عرصہ ہوا۔ اللہ تعالےٰ نے فرمایا۔ تیری عمر اسّی برس یا دو چار اُوپر نیچے ہو گی۔ اس میں یہی بھید ہے کہ مفوضہ کام اس مدت میں تمام کرنا ہوگا۔ لہٰذا مجھے بیماری میں بھی کبھی موت کا غم نہیں ہوا۔ صـ ۲۰۱

۲۰۔ **بچپن کیوقت کے درخت۔** جن درختوں کے نیچے چھ سات سال کی عمر میں کھیلا کرتا تھا وہ اسی طرح ہرے بھرے سبز کھڑے ہیں۔ لیکن میں اپنے حال کو کچھ اَور کا اَور ہی دیکھتا ہوں۔ صـ ۲۰۲

۲۱۔ **آپؑ اور آپ کی جماعت کا ذکر قرآن شریف** میں چار سورتوں میں ہے جو بہت پڑھی جاتی ہیں۔ سورہ فاتحہ، سورہ جمعہ، سورہ کہف اور سورہ نباس۔ صـ ۲۰۶

۲۲۔ **اللہ تعالےٰ پر بھروسہ۔** ہم کو خدا پر اتنا بھروسہ ہے کہ ہم ابراہیمؑ کیطرح اپنے لئے دُعا بھی نہیں کرتے کیونکہ وہ ہمارے حال کو خوب جانتا ہے۔ صـ ۲۰۹

۲۳۔ **ظہور کا وقت۔** رسول کریمؐ۔ ولیوں اور بزرگوں کے کشوف نے چودھویں صدی بتایا۔ دوسرے اندرونی یعنی روحانی وقت کہ حالت زمانہ بتا رہی ہے کہ اسوقت مسیح آنا چاہئیے۔ صـ ۲۰۸

۲۴۔ **آپ کی خاطر نمازوں کا جمع کیا جانا۔** تفسیر سورہ فاتحہ کے لکھنے میں مصروفیت اور بباعث بیماری دو ماہ سے زیادہ نمازیں جمع کرنا۔ اور تجمع لہ الصلوٰۃ سے یہ استدلال کہ مسیح موعود نماز کیوقت پیش امام نہ ہوگا۔ کوئی دوسرا ہوگا۔ چنانچہ جسدن بوجہ بیماری نہ آؤں تو نماز جمع نہیں ہوتی صـ ۲۱۱-۲۱۲

۲۵۔ **فطرت اور نیک کام۔** میرا دل خدا نے ایسا بنایا ہے۔ کہ ناجائز کام میں مجھے قبض ہو جاتی ہے۔ اور جی نہیں چاہتا کہ اُسے کروں۔ صـ ۲۱۴

۲۶۔ **مسیح موعود اور کرکٹ کا کھیل۔** کرکٹ کھیل ہوا۔ ایک بچے نے کہا۔ ابا آپ کرکٹ پر نہیں گئے۔ آپ نے فرمایا۔ میں وہ کرکٹ کھیل رہا ہوں جو قیامت تک قائم رہیگا۔ صـ ۲۱۴

۲۷۔ **آپ کو نہ ماننے والے کا حکم۔** (ا) اس سوال پر کہ جو مکفر بھی نہیں مگر آپ کے مُرید بھی نہیں۔ فرمایا جس گروہ سے وہ راہ و رسم اور تعلق رکھتے ہیں انہیں میں شمار ہونگے۔ صـ ۲۱۶

(ب) پھر سوال ہوا کہ نہ ماننے والے انعمت علیہم میں داخل ہیں یا نہیں۔ فرمایا۔ انعمت علیہم میں تو میں اپنی جماعت کو بھی شامل نہیں کر سکتا۔ جبتک کہ خدا نہ کرے۔ قسماً فرمایا مجھے کسی سے عداوت نہیں۔ حضرت مسیح کو خالق اور حی ماننا بھی تو ایک شرک ہے۔ جب ولی کے دشمن سے خدا جنگ کرتا ہے تو اس کا ایمان کہاں رہا۔ صـ ۲۱۶-۲۱۷

۲۸۔ **مخالفین سے ہمدردی** (ا) اگرچہ اپنی جماعت کے ساتھ میری ہمدردی خاص ہے۔ مگر مخالفین کے ساتھ بھی میری ہمدردی ہے مخالفین کے حق میں سخت الفاظ بھی محض نیک نیتی سے نکلتے ہیں۔ صـ ۲۲۲

(ب) **مخالفین کو صلح کی دعوت۔** مخالفین ہم سے صلح کرلیں۔ ملنا جلنا شروع کر دیں بیشک اپنے اعتقاد پر رہیں۔ امرتسر کے بعض مخالف سمجھتے ہیں کہ ہم خدا کے منکر اور

شراب پیتے ہیں۔ یہ ہم سے بالکل الگ رہنے کا نتیجہ ہے۔ ص ۲۴۳

۲۹۔ **ایک متلاشی حق**۔ ایک متلاشی حق نے کہا۔ پنڈت شوزائن اگنی ہوتری اور دوسروں کے پاس گیا۔ لیکن شانتی نہیں ملی۔ حضورؑ نے فرمایا کہ اسلام میں سکینت اور شانتی اور تسلی ملتی ہے۔ اور اس پر عمل کرنے والا خدا کا عارف ہوتا ہے۔ مگر معرفت الٰہی کے اعلیٰ مراتب تدریجی طور پر ملتے ہیں۔ اصلاح کیلئے صبر شرط ہے۔ تزکیۂ اخلاق کیلئے کسی مزکّی نفس انسان کی صحبت میں رہنا ضروری ہے پہلے اللہ تعالیٰ کے وجود پر یقین ہونا چاہیئے کیونکہ محبت بدوں معرفت محال ہے۔ پھر محبت الٰہی کے ذرائع بیان فرمائے۔ خدا جوئی کیلئے شرائط کا ذکر اور اسلام کا دین فطرت ہونا وغیرہ بیان فرمایا۔

ص ۲۲۶ - ۲۴۲

۳۰۔ **آپ کی دعوت** طالب سچائی کیلئے یہ ہے کہ وہ خدا کی تلاش کرے۔ ص ۲۴۱

۳۱۔ **مسیح موعود کی پیشگوئی آیت استخلاف میں**۔ پس اگر کوئی انکار کرے کہ اس امت میں مسیح موعود نہ ہوگا۔ وہ قرآن سے انکار کرتا ہے۔ اور اس کا ایمان جاتا رہے گا۔ ص ۲۵۱ - ۲۵۴

۳۲۔ **عرب اور یورپ میں تبلیغ کی ضرورت**

(۱) اس وقت ہمارے سامنے دو بڑے ضروری کام ہیں۔ ایک یہ کہ عرب میں اشاعت ہو۔ کیونکہ ان میں سے ایک بہت بڑے حصہ کو یہ معلوم نہیں ہوگا کہ خدا نے کوئی سلسلہ قائم کیا ہے۔ دوسرے یورپ پر اتمام حجت کریں کیونکہ وہ اخلد الی الارض کا مصداق ہوگیا ہے۔ ص ۲۵۳

۲۔ ہم انگریزی لکھ پڑھ نہیں سکتے۔ اگر ایسا ہوتا تو ہم کبھی اپنے دوستوں کو تکلیف نہ دیتے۔ مگر اس میں مصلحت تھی تا دوسروں کو ثواب ملے ورنہ میری طبیعت تو ایسی واقع ہوئی ہے۔ کہ جو کام میں خود کر سکتا ہوں اس کے لئے کسی دوسرے کو کہتا بھی نہیں۔ ص ۲۵۵

۳۳ **آپ پر اعتراضات**۔ میری نسبت کوئی اعتراض ایسا نہیں کیا گیا۔ جو اولوالعزم انبیاء پر نہ کیا گیا ہو۔ یہ سلسلہ منہاج نبوت پر قائم ہے۔ ص ۲۵۹ و ۲۶۲

نیز دیکھو "سلسلہ"

۳۴۔ **مخالفین اسلام کے اعتراضات**۔ سولہ یا سترہ برس کی عمر سے اعتراضوں کی کتب کو پڑھنا شروع کیا۔ ان اعتراضوں نے نہ میرے دل کو کبھی متذبذب کیا نہ متاثر کیا بلکہ آنحضرتؐ کے جس پاک فعل پر یا جس آیت قرآنی پر انہوں نے اعتراض کیا وہیں حقائق و حکم کا خزانہ نظر آیا۔ ص ۲۵۹

۳۵ **آنحضرتؐ کیلئے غیرت**۔ صفدر علی اور عماد الدین وغیرہ اسلام میں سے نکل کر آنحضرتؐ کے دشمن ہوگئے میرے لئے سخت ناگوار اور موجب ملال اور ہمیشہ باعث غم یہ امر رہا کہ رسول اللہ جیسے کامل اور پاک انسان کی توہین کی جاتی ہے۔ اس صادقوں کے سردار، سراسر صدق کو کاذب کہا جاتا ہے۔ ص ۲۶۰ - ۲۶۱

۳۶ **اسرار**۔ بہت سے اسرار اور امور ہیں جو مجھ پر کھولے گئے۔ اگر بیان کروں۔ تو خاص آدمیوں کے سوا جو صحبت میں رہتے ہیں۔ باقی حیران رہ جائیں۔ ص ۲۶۱

۳۷۔ **ظہور کا زمانہ**۔ ضرورت وقت اور واقعات پیش آمدہ

نے بتادیا کہ یہ زمانہ مسیح موعود ہی کا ہے۔ بزرگان ملت کے کشوف رؤیا اور الہامات اور قرآن شریف بھی ہماری تائید میں ثابت ہوا۔ جب پیش نہ گئی تو مخالفین نے ذاتیات پر ہی گفتگو شروع کر دی۔ اس خیال سے کہ اس طرف سے انسان جلد متأثر ہو جاتا ہے۔ صـ ۲۶۳

۳۸۔ آپ کا الہامی کلام۔ جیسے مسیح کوئی شریعت لیکر نہ آئے تھے بلکہ شریعت موسوی کے احیاء کے لئے آئے تھے میں کوئی جدید شریعت لے کر نہیں آیا۔ میرے الہامات جو خدا تعالےٰ کی طرف سے مجھے ہوتے اور لاکھوں انسانوں میں شائع کئے جاتے اور چھاپے جاتے ہیں۔ وہ ضائع نہ ہونگے اور قائم رہینگے۔ صـ ۲۷۲

۳۹۔ خاتم الخلفاء ہونا۔ خدا تعالےٰ نے مجھے شریعت محمدی کے احیاء کے لئے اس صدی میں خاتم الخلفاء کے نام سے مبعوث فرمایا ہے۔ صـ ۲۷۲

۴۰۔ اللہ تعا کا آپ پر جلوہ۔ خدا نے مجھ پر اپنا جلوہ دکھایا ہے جو دیکھنے کی آنکھ رکھتا ہے وہ دیکھے۔ صـ ۲۷۵

۴۱۔ آپکے ذریعہ انقلاب۔ میں سچ کہتا ہوں اس وقت آسمان باتیں کر رہا ہے۔ دنیا کو خود معلوم ہو جائے گا کہ ہم نے کیا بنایا۔ لوگ ہمارے پاس آکر توبہ کرتے انکسار، فروتنی اختیار کرتے اخلاق اور عادات میں ترقی کرتے ہیں۔ آخر سچائی پھیلے گی اور پاک تبدیلی ہوگی صـ ۲۷۸

۴۲۔ مسیح موعود کے معنے۔ جو وعدہ پر آتا ہے وہی موعود ہے۔ مسیح نے بھی کہا تھا کہ آخری زمانہ میں میں آؤنگا۔ وہ میں ہی ہوں اور اس کی تفصیل صـ ۲۷۹-۲۸۵

۴۳۔ آنیوالا آگیا۔ یہی وہ زمانہ ہے جس میں مسلمان اور عیسائی مسیح کے آنے کے منتظر تھے۔ آنیوالا وقت پر آگیا۔ خواہ کوئی قبول کرے یا نہ کرے۔ وہ میں ہوں کسی کی مخالفت سے کب ڈر سکتا ہوں جبکہ خدا نے مجھے مامور کر کے بھیجا ہے۔ صـ ۲۸۵

۴۴۔ مسجد اقصیٰ۔ یہاں جو مسجد خدا بنا رہا ہے اور وہی مسجد اقصیٰ ہے اور سب سے مقدم ہے۔ صـ ۲۹۹

۴۵۔ آنحضرتؐ کا سلام۔ آنحضرتؐ کے مسیح موعود کو سلام پہنچانے کی وصیت کرنے میں یہ پیشگوئی تھی کہ باوجود مخالفوں کے منصوبوں کے وہ سلامتی میں رہیگا۔ صـ ۳۰۱

۴۶۔ مسیح موعود کے مذہب حنفی پر ہونے سے مراد یہ ہے کہ وہ حضرت امام اعظمؒ کیطرح قرآن شریف ہی کو مقدم رکھیگا اور اس کے علوم و حقائق کو لیکر آئے گا۔ مکتوبات امام ربانی سے اس کی تائید۔ صـ ۳۲۹

۴۷۔ مسیح موعود اور وہابی۔ دیکھو "وہابی"

۴۸۔ مسیح موعود کی دعائیں جو قبول ہو چکی ہیں۔ پانچ ہزار سے کسی صورت میں کم نہیں۔ صـ ۳۴۱

۴۹۔ آپ کی صداقت پر شہادت زمانہ۔ مخالفین کی استیصال اسلام کیلئے کوششیں۔ اس وقت حسب آیت انا لہ لحافظون اور ان مع العسر یسرا آسمانی سلسلہ کے قیام کی ضرورت ہے۔ مسلمانوں کا آپس میں افتراق۔ اسوقت وہی فرقہ کامیاب ہوگا۔ جو ظلم کا انتقام لینے والا ہوگا۔ جو اس وقت کتاب اللہ پر اندرونی یا بیرونی طور پر کیا گیا ہے۔ اور یہی خدا تعالےٰ سے ہدایافتہ ہے۔ صـ ۳۴۵-۳۴۶

۵۰۔ ابطال الوہیت مسیح کیلئے آپ کے دل میں طالبعلمی

مسیح ناصری

مسیح محمدی اور مسیح موسوی میں مشابہتیں

مشکلات کا واحد حل۔

(ا) انسان پر کبھی بھروسہ نہ کرو۔ صرف خدا کے لئے ہو جاؤ۔ پھر سارے مشکلات حل ہو جاتے ہیں۔ صـ۲۴۶

(ب) جو بات سمجھ نہ آوے یا کوئی مشکل پیش آوے تو ہم تمام فکر کو چھوڑ کر صرف دعامیں اور تضرع میں مصروف ہو جاتے ہیں تب وہ بات حل ہو جاتی ہے۔ صـ۲۴۳

مصلح یا مامور

اعلیٰ خاندان میں سے ہوتا ہے اسی طرح سنت اللہ جاری ہے۔ صـ۱۳۹

معجزہ جمع معجزات

۱۔ معجزہ کے طالب وہ ہوتے ہیں جن کو تعارف ذاتی نہیں ہوتا اور ایسے لوگ مستعجل اور حسن ظن سے حصہ نہ رکھنے والے ہوتے ہیں۔ صـ۹۳-۹۴

۲۔ معجزات کی تین قسمیں۔ دعائیہ۔ ارہاصیہ اور قوت قدسیہ کے معجزات اور ان کی مثالیں صـ۱۲۹

۳۔ معجزات علمیہ۔ معجزہ تو علم کا ہی بڑا ہوتا ہے آنحضرت کا سب سے بڑا معجزہ قرآن شریف ہی تھا جو اب تک قائم ہے۔ صـ۲۰۳-۲۰۴

۴۔ معجزہ کی تعریف۔ نبی اگر سونٹا پھینک دے اور کہے کہ میرے سوا کوئی اس کو اٹھا نہ سکیگا۔ تو یہ بھی ایک معجزہ ہے۔ صـ۲۰۸

۵۔ معجزہ اور اسلام۔ معجزات اور مکالمات الہیہ ایسی چیزیں ہیں جن کا مردہ ملتوں میں نام ونشان نہیں۔ اور معجزہ تو اسلام کی پہلی اینٹ ہے۔ اور غیب پر ایمان لانا سب سے اول ضروری ہے۔ صـ۳۹۲

معراج

۱۔ معراج کا بستر۔ معراج انقطاع تام تھا تا رسول اللہؐ کے نقطہ نفسی کو جو عرش پر تھا۔ ظاہر کیا جائے صـ۱۳۶

۲۔ معراج ہوئی تھی۔ مگر یہ فانی بیداری اور فانی اشیاء کے ساتھ نہ تھی بلکہ وہ اور رنگ تھا۔ جبرئیل کے اترنے اور چڑھنے کی طرح آپ کا چڑھنا اور اترنا تھا جو نظر نہ آتا تھا۔ بخاری میں ہے ثم استیقظ۔ صـ۳۲۲

معرفت اور بصیرت

معرفت اور بصیرت سے انسان فرشتوں سے مصافحہ کر لیتا ہے۔ لیکن بلوغ سے پیشتر کمال اور معرفت کا حال کمزور بچے کیطرح ہے۔ مامور من اللہ کی صحبت اس کے لئے ضروری ہوتی ہے ورنہ ہلاکت کا اندیشہ صـ۲۵۷

مفسرین قرآن

دیکھو "قرآن اور اس کے مفسر"

مقطعات

الـمـرٰ میں الف سے اللہ اور لٓ سے جبرائیل اور رٓ سے رسل مراد ہیں۔ صـ۵۸

(ب) یہ لفظ تو مجددوں اور مرسلوں کے سلسلہ جاریہ کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ جو قیامت تک جاری ہے صـ۹۳

مکر اور معجزہ میں فرق

مکر کی حد اس وقت تک ہے جبکہ وہ انسانی تدابیر تک ہو۔ مگر جب انسانی منصوبوں کے رنگ سے نکل گیا۔ پھر وہ خارق عادت معجزہ ہوتا ہے۔ صـ۴۰۸

ملتان ۔ گرد، گرما، گدا، گورستان۔

مُلتان گیا جہاں کسی قبر پر جاؤ مجاور کپڑے اُتارنے کو گرد ہو جاتے ہیں۔ ص۷

ملفوظات

ملفوظات کا مقام خود ڈائری نویس کے قلم سے ص۳۱۳

مُنکر نکیر

منکر نکیر آتے ہیں۔ ص۸۲

موحدین

۱۔ اس فرقہ نے بھی اسلام کو مُردہ مذاہب کیساتھ ملانے کی کوشش کی۔ ص۳۴۶

۲۔ ان کے پاس الفاظ پرستی کے سوا اور کچھ نہیں۔ کہتے ہیں کہ اب نہ خدا کا کسی سے تعلق نہ مکالمہ الٰہیہ کا شرف حاصل ہے۔ مسیح کے خالق الطیور ہونے کے قائل۔ آئمہ اربعہ کو بُرا کہتے ہیں۔ وغیرہ۔ ص۳۵۵

موسیٰؑ

ہر نبی کے زمانہ میں مخالفین نے اُسے ٹھگ دوکاندار جھوٹا مفتری وغیرہ کہا۔ ایک پلید نے تو حضرت موسیٰؑ پر زنا کا اتہام لگا دیا اور ایک عورت کو پیش کر دیا ص۱۶۲

موت

ایک یقینی شئے ہے جس سے ہرگز ہرگز کوئی نکل نہیں سکتا بدبخت ہے وہ انسان جس کو عمر کے حساب کیطرف توجہ نہ ہو۔ ص۱۸۴

مومن

۱۔ علامت۔ (ا) کوئی مومن نہیں بنتا جب تک اس کے دل میں غربت نہ ہو۔ ص۳۵۴

(ب) مومن کی نشانی یہی ہے کہ مقتول ہونے کے لئے تیار ہو جاتا ہے۔ ص۳۰۹

۲۔ مومن کامل دیکھو "کامل مومن"

۳۔ ایلام۔ مومنوں کا ایلام برنگ انعام ہو جاتا ہے۔ ص۳۰۷

مومن کی دو مثالیں

ان مومنوں کی مثال جو نفسانی جذبات کے آگے دب کر غلطیاں کرتے ہیں یعنی نفس لوامہ رکھتے ہیں۔ ان کی مثال فرعون کی بیوی کی ہے۔ دوسرے وہ جو بدیوں ہی سے نہیں بچتے بلکہ نیکیوں کو حاصل کرتے ہیں۔ ان کی مثال مریم سے ہے۔ ص۳۱۸

مہدی موعود

۱۔ مخالفین کی مخالفت اور شور سے وہ آثار پورے ہو گئے جن میں لکھا ہے کہ مہدی موعود کیوقت بڑا شور ہو گا اور اُسے کافر ٹھیرایا جائیگا ص۱۱

۲۔ خونی مہدی کے متعلق احادیث (ا) دیکھو "حدیث" (ب) مہدی کی حدیثیں معلوم ہوتا ہے کہ سلطنت کے خیال سے وضع کی گئی تھیں۔ ص۱۲۳

۳۔ آلِ محمدؐ۔ مہدی کے آل محمد سے ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ دو صلحوں کا وارث ہو گا اور الہام سلمان منا اھل البیت اور الہام علیٰ مشرب الحسن سے یہ مسئلہ حل ہو گیا۔ ص۱۲۶، آلِ رسول دیکھو "آل"

۴۔ بروز محمدؐ ہو گا۔ مہدی کے باپ اور ماں کے نام میرے ماں باپ کے نام پر ہوں گے اور وہ میرے خلق پر ہونگے سے مراد یہ ہے۔ کہ وہ میرا مظہر ہو گا۔ جسے صوفی بروز کہتے ہیں۔ ص۳۱۵

۵۔ آیت واٰخرین منھم لما یلحقوا بھم سے متعلق

نواب صدیق حسن خاں نے لکھا ہے وہ لوگ مراد ہیں جو مہدی کیساتھ ہوں گے وہ قائمقام صحابہ اور ان کا امام قائمقام رسول اللہؐ ہوگا۔ صـ۳۱۵

۶۔ **مہدی نام کے معنے**۔ مسیح موعود کا مہدی نام اس لئے رکھا کہ وہ براہ راست اللہ تعالےٰ سے ہدایت پائیگا۔ اور ایسے وقت میں آئیگا۔ جبکہ نور ہدایت دنیا سے اُٹھ گیا ہوگا۔ صـ۳۳

۷۔ **حدیثیں اور ہمارا مذہب**۔ مہدی کی نسبت جو جنگ کی حدیثیں ہیں۔ بہت سی موضوع اور قریباً سب کی سب مجروح ہیں۔ ورنہ لا اکراہ فی الدین کی خلاف ورزی لازم آتی ہے۔ غرض ہمارا مذہب ہرگز یہ نہیں کہ مہدی لڑائیاں اور خونریزی کا کام کریگا۔ صـ۲۳۳۔۲۳۱

مہدی حسین (سید)

نواب عماد الملک فتح نواز جنگ سید مہدی حسین بار ایٹ لا جو علیگڈھ کالج کے ٹرسٹی تھے۔ حضرت اقدس کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضور نے تقریر فرمائی جس میں ایمان کی علامات۔ وضو کے فوائد۔ ناصح سے تنفر۔ صحابہ کرامؓ کے حالات اور خدا یابی کے لئے مجاہدہ کی ضرورت اور خدا تعالےٰ کے متعلق راستبازوں کی شہادت اور قرآن کریم وغیرہ کے متعلق بیان فرمایا۔ صـ۱۵۱۔۱۶۲

مہر علیشاہ

فرمایا۔ بیسیوں خط اس مضمون کے آتے ہیں کہ مہر علیشاہ نے مرزا صاحب کی شرطیں منظور کرلیں پھر مقابلہ کے لئے کیوں نہ آئے۔ صـ۱۱۸

مہوتسو (لیکچر)

ہمارے ایک دوست نے اپنے خیال کے موافق خوشی ظاہر نہ کی۔ مگر خدا نے الہاماً خوشخبری دی۔ "مضمون بالا رہا" اور خدا کی بات سچی نکلی۔ صـ۳۷۷

میر محمد سعید صاحب حیدرآبادی

اور یعقوب علی صاحب کے نام لیکر فرمایا۔ اگر وہ ہمارے مقاصد پر سوال وجواب کے طور پر کتب تالیف کریں۔ جو مدارس میں جاری کی جائیں۔ صـ۱۲۵

ن

ناصح سے تنفر

ایمانی حالت اس وقت گر گئی ہے۔ اگر ان کی کمزوری کو انہیں محسوس کراکے علاج بتائے تو اسے کافر و دجّال کہا جاتا ہے۔ صـ۵۳

نافع

جو لوگوں کیلئے نفع اور خیر کا موجب ہوتا ہے۔ اس کی عمر دراز کی جاتی ہے۔ صـ۴۷۔۵۰

نبی جمع انبیاء

۱۔ ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر کی شہادت خدا تعالیٰ کی ہستی پر موجود ہے۔ صـ۲۲

۲۔ نبی کا آنا ضروری ہوتا ہے۔ اس کے ساتھ قوت قدسی ہوتی ہے۔ صـ۱۵

۳۔ انبیاء کے دل کی بناوٹ بالکل ہمدردی ہوتی ہے۔ صـ۵۲

۴۔ نبی کی مخلوق کیلئے دلسوزی اور بنی نوع انسان کی خیرخواہی کے لئے گدازش مادرانہ عطوفت اور اپنے بچے کی پرورش سے مشابہ ہوتی ہے۔ صـ۵۵

۵۔ نبی وہ ہوتے ہیں جن کا تبتّل الی اللہ اس حد تک پہنچ جاتا

ہے۔ کہ وہ خدا سے کلام کرتے اور وحی پاتے ہیں۔ اور ردائے الٰہی کے نیچے آجاتے ہیں۔ صـ ۵۵

۶۔ **ضرورتیں۔** نبیوں کو ضرورتیں کیوں لاحق ہوتی ہیں؟ اس کی اصل غرض دنیا کی جھوٹی محبتوں اور فانی چیزوں سے منہ موڑنے کی تعلیم دینے خدا پر لذیذ ایمان پیدا کرنے اور ابنائے جنس کی بہتری اور خیر خواہی کیلئے ایثار کی قوت پیدا کرنے کے واسطے ہوتا ہے۔ صـ ۹۶-۹۷

۷۔ **انبیاء کی دعا اور توجہ اور مسمریزم میں فرق** مسمریزم والوں کی توجہ ایک کسب ہے۔ اس میں اور انبیاء کی توجہ اور دعا میں یہ فرق ہے۔ کہ وہ توجہ جو دعا سے پیدا ہوتی ہے ایک موہبت الٰہی ہے۔ اس میں قبولیت کا نفخ رکھ دیتا ہے۔ صـ ۱۳۰

۸۔ **نبی یا محدث۔** جب کسی سے یہ مکالمہ جس میں خدا کی روح بندہ پر نازل ہوتی ہے اور اس کو قبولیت دعا کی بشارت دیتا ہے۔ کثرت سے وقوع میں آتا ہے اس کو نبی یا محدث کہتے ہیں۔ صـ ۱۳۱

۹۔ **خبیث بیماریوں سے حفاظت۔** انبیاء اور اللہ تعالیٰ کے مامور خبیث اور ذلیل بیماریوں سے جیسے آتشک اور جذام یا کوئی اور ایسی ذلیل مرض سے محفوظ رکھے جاتے ہیں۔ صـ ۱۳۹

۱۰۔ **نبی اور صوفی کے نمونہ عمل میں فرق۔** صوفی اپنے اعمال کو چھپاتا ہے۔ مگر انبیاء کو اپنی عبادت کا ایک حصہ لوگوں کو سکھانے کے لئے ظاہر کرنا پڑتا ہے صـ ۱۴۰

۱۱۔ **دلیل صداقت۔** جس کو خدا نے اپنے ہاتھ سے لگایا ہے۔ وہ کسی کی کوشش سے نابود نہیں ہو سکتا۔ صـ ۱۴۲

۱۲ **نبی کے زمانہ میں دو فریق۔** ہر نبی اور مامور کے وقت دو فرقے سعید اور شقی ہوتے ہیں۔ دونوں کو یکساں طور پر سناتے ہیں۔ مگر ایک نے کان، دل، آنکھ استعمال کئے دوسروں نے نہ کئے۔ مثلاً مکہ مٹی ایک ہی تھی جس سے ابوبکر اور ابوجہل پیدا ہوئے۔ صـ ۱۶۳-۱۶۴

۱۳۔ **نمونہ۔** انسان نمونہ کا محتاج ہے۔ انبیاء کا وجود نمونہ ہوتا ہے۔ اُن کے بھیجنے اور ان کی معرفت کلام الٰہی بھیجنے میں یہی ستر تھا کہ تا انسان جلوۂ الوہیت دیکھے اس لئے پیغمبر مظہر الوہیت اور خدا نما ہوتے ہیں صـ ۱۶۸

۱۴ **افضل نبی۔** میں نبیوں کی عزت اور حرمت اپنے ایمان کا جزو سمجھتا ہوں لیکن نبی کریمؐ کی فضیلت کل انبیاء پر میرے ایمان کا جزو اعظم ہے۔ صـ ۱۶۷

۱۵۔ **نبیوں کا ظلی سلسلہ۔** اِھدنا الصراط المستقیم دعا سے ظاہر ہے کہ امت محمدیہ میں اللہ تعالیٰ ایک ظلی سلسلہ پیغمبروں کا قائم کرنا چاہتا ہے۔ صـ ۲۲۳

۱۶۔ **نبی کے رنگ میں رنگین ہونا۔** اگر نبی کے کمالات دوسرے میں نہ آسکیں تو اس کا وجود بیفائدہ ہے۔ صوفی ابن حزم نے لکھا ہے کہ میں نے آنحضرتؐ سے معانقہ کیا۔ یہانتک کہ میں خود رسول اللہ ہو گیا۔ صـ ۲۲۵

۱۷۔ **زمانہ بعثت۔** انبیاء کی بعثت کیوقت زمین پر تاریکی پھیلی ہوتی ہے اور لوگوں کا خدا سے تعلق نہیں رہتا۔ ان غافلوں پر اتمام حجت کیلئے اللہ تعالیٰ انبیاء کو بھیجتا ہے۔ موجودہ زمانہ کی بھی اعتقادی اور عملی حالت بگڑی ہوئی ہے۔ صـ ۲۵

۱۸۔ **ارضی ایجادات۔** کبھی ثابت نہیں ہوا کہ نبی کبھی کلیں

نبی بخش بٹالوی کا ذکر

نجات

نزول مسیح

نشانات

۱۔ نشان مانگنے والے ہر وقت خطرہ کے محل میں ہوتے ہیں۔ دیکھو "معجزہ"

۲۔ اقتراحی نشان کسی نبی نے نہیں دکھلائے مومن صادق اپنے ایمان کو نشان بینی پر مبنی نہ کرے۔ ص۹۵

۳۔ جلسہ مذاہب کے متعلق الہام کہ ہمارا مضمون بالا رہا۔ پورا ہوا۔ ص۱۱۰

۴۔ مقدمہ اقدام قتل محمد کی کیفیت اور صورت سے قبل از وقت اطلاع دی گئی۔ آخر مطابق الہام "ابراء" بریت ہوئی۔ ص۱۱۰

۵۔ لیکھرام سے متعلق نشان کا ظہور۔ گورنمنٹ نے بھی پوری تحقیق کی۔ ص۱۱۱-۱۱۲ نیز دیکھو "لیکھرام"

۶۔ لوگ اولیاء اللہ کے اور شیعہ حضرت علی کے اسی طرح سنی حضرت سید عبدالقادر جیلانی رح کے خوارق بکثرت بیان کرتے ہیں جو ان کی کسی کتاب میں منقول نہیں۔ اور نہ کوئی عقلی ثبوت ہے۔ لیکن میرے نشانات کی جو آنکھ سے دیکھتے ہیں۔ تکذیب کرتے ہیں۔ جو درحقیقت خدا کی تکذیب ہے۔ ص۱۱۲

۷۔ ہماری جماعت کو چاہیئے کہ وہ یہ نشانات ان کو بتلا دیں جو غائب ہیں۔ ص۱۱۳

۸۔ ہزاروں آسمانی نشان ہماری تائید میں ظاہر ہوئے۔ وہ نشانات بھی پورے ہوئے۔ جو بطور پیشگوئی رسول اللہ نے بیان فرمائے تھے۔ ص۲۶۲

نصاریٰ

نصاریٰ کا فتنہ سب سے بڑا فتنہ ہے۔ سورۃ اخلاص ساری کی ساری سورت ان کے فتنہ کے رد میں خاص کر دی ص۲۴۶

نصائح

جماعت کو نصائح۔ دیکھو "جماعت"

نفل جمع نوافل

(ا) فرائض تو وہ احکام ہیں جو بطور حق واجب کے ہیں۔ نوافل وہ ہیں جو زائد از فرائض ہیں۔

(ب) حکمت نوافل۔ فرائض میں اگر کوئی کمی رہ گئی ہو تو نوافل سے پوری ہو جائے۔

(ج) نوافل صرف نماز کے ساتھ ہی نہیں۔ بلکہ ہر عمل کے ساتھ ہوتے ہیں۔ مثالیں ص۱۹۹

(د) قرب الٰہی کے ساتھ نوافل کو بڑا تعلق ہے نفل کے وقت خشوع اور تذلل اور انقطاع کی حالت پیدا ہوتی ہے۔ ص۱۹۹

(ہ) تاثیر۔ خدا سے محبت تام نفل ہی کے ذریعہ ہوتی ہے۔ اور خدا تعالیٰ کے ایسے مقرب کے کان۔ آنکھ ہاتھ وغیرہ ہونے کی لطیف تشریح۔ ص۱۹۹-۲۰۰

نماز

۱۔ تعویذ۔ نماز انسان کا تعویذ ہے۔ سنوار کر پڑھو۔ مجھے بہت ہی عزیز ہے۔ ص۱۳۶

۲۔ نماز میں خشوع اور دعا۔ (ا) انسان کی زندگی کا بڑا بھاری معیار نماز ہے۔ نماز میں تضرع اور ابتہال کے ساتھ خدا کے حضور گڑگڑانیوالا اپنے آپ کو ربوبیت کی عطوفت کی گود میں ڈال دیتا ہے۔ نماز میں دعا مانگو۔ اور اسے دعا کا ایک وسیلہ اور

ذریعہ سمجھو۔ ص ۱۴۵

(ب) نماز میں ایک سائل کا دل اور محتاج مطلق کی صورت بنا کر پوری تضرع سے عرض حال کرو۔ ص ۱۴۵

(ج) زمانہ کی حالت کہ نماز کو تضییع اوقات سمجھا جاتا ہے۔ ص ۱۵۳

۳۔ **قصر نماز**۔ عُرف میں جس کو سفر کہتے ہیں خواہ تین میل ہی ہو اس میں قصر و سفر کے مسائل پر عمل کرے۔ ص ۲۱۱

۴۔ **جمع کرنا**۔ تجمع لہ الصلوٰۃ۔ چنانچہ میری بیماری اور تفسیر سورہ فاتحہ کے لکھنے میں مصروفیت کے باعث دو ماہ سے میری خاطر نمازیں جمع کی جارہی ہیں ص ۲۱۱

۵۔ **اپنی زبان میں دعا کرنا**۔ دعا کا وقت نماز ہے۔ اپنی زبان میں تضرع سے دعا مانگو۔ کلام الٰہی ضرور عربی میں پڑھو۔ اور اس کے معنے یاد رکھو۔ جو نماز کو جلدی جلدی پڑھ کر پیچھے لمبی دعائیں کرتے ہیں وہ حقیقت سے ناآشنا ہیں۔ ص ۲۹۸ و ص ۱۴۶

۶۔ **احتیاطی**۔ احتیاطی فرض کچھ چیز نہیں۔ ص ۳۲۹

۷۔ **غیروں کے پیچھے نماز کا حکم**۔ (ا) نہ پڑھو۔ جلد بازی کے ساتھ بدظنی کرکے اس سلسلہ کو رد کرنیوالوں نے تقویٰ سے کام نہیں لیا۔ انما یتقبل اللہ من المتقین۔ ص ۲۱۵

(ب) متقی کے سوا دوسرے کے پیچھے نماز کو خراب نہیں کرنا چاہیئے۔ ص ۲۲۵

(ج) مخالف کے پیچھے نماز بالکل نہیں ہوتی۔ پرہیزگار کے پیچھے نماز پڑھنے سے آدمی بخشا جاتا ہے۔ امام بطور وکیل ہوتا ہے۔ اس کا اپنا دل سیاہ ہو تو دوسروں کو کیا برکت دے گا۔ ص ۳۱۸ نیز دیکھو ص ۳۲۱

(د) عبداللہ عرب کے سوال پر فرمایا۔ مصدقین کے سوا کسی کے پیچھے نماز نہ پڑھو۔ ص ۳۴۲

(ھ) جو لوگ بُرا نہیں کہتے۔ لوگوں کے بُرا کہنے کے ڈر سے اظہار بھی نہیں کرتے۔ ان کے پیچھے بھی ہرگز نماز نہ پڑھو۔ ص ۳۶۱

نمونہ

صفائی قلب کا مقام کسی زکی النفس کی امداد کے بغیر حاصل نہیں ہوتا۔ اسی لئے آنحضرتؐ کو اللہ تعالیٰ نے کامل نمونہ بنایا۔ پھر ہمیشہ کیلئے آپ کے سچے جانشینوں کا سلسلہ جاری فرمایا۔ ص ۶۷

نوح کی کشتی کا مقام

ارارات پر ٹھیری۔ اصل ارکاریت ہے۔ ریت پہاڑ کی چوٹی۔ یعنی میں پہاڑ کی چوٹی دیکھتا ہوں۔ قرآن نے جودی لکھا ہے۔ یعنی میرے جود و کرم پر کشتی ٹھیری۔ ص ۳۲۳

نورالدین رضؓ

۱۔ آپ سے حضرت مسیح موعودؑ کا ایک مضمون گم ہوجانے پر تشویش ہوئی۔ حضور نے فرمایا۔ آپ کو جستجو پر تکلیف ہوئی۔ اللہ تعالیٰ اس سے بہتر ہمیں عطا فرمائیگا ص ۲

۲۔ آپ کے دریافت کرنے پر کہ مجھے کوئی مجاہدہ بتائیں۔ فرمایا۔ عیسائیت کے رد میں کوئی کتاب لکھو۔ تو فصل الخطاب کتاب لکھی۔ پھر دریافت کیا تو فرمایا آریوں کے رد میں کتاب لکھو۔ تب تصدیق براہین احمدیہ

سمجھ رکھا ہے کہ بڑے لمبے چوڑے وظائف اور اذکار و اشغال خود ہی تجویز کرلیتے ہیں۔ ان کی چلہ کشیوں سے اسلام اور مسلمانوں اور عام لوگوں کو کوئی نفع نہیں پہنچتا۔ ص۹۶

وعظ اور زمانہ حاضرہ

۱۔ حق کہنے والوں کی تعداد نہ ہونے کے برابر ہے۔ اکثر نے وعظ دنیا کمانے کا ذریعہ بنایا ہوا ہے۔ ص۱۰۱

۲۔ وعظ کا منصب اپنے اندر شان نبوت رکھتا ہے ص۱۰۲

۳۔ کم از کم واعظ اپنے اندر خاص قسم کی اصلاح کا موقعہ پا لیتا ہے۔ ص۱۰۴

۴۔ بھلی بات جو بھی کہے سُن لی جائے۔ قائل کی بجائے قول کو دیکھو۔ ص۱۰۵

۵۔ آنحضرتؐ کے طرز بیان پر غور کرتے تو انہیں وعظ کا ڈھنگ بھی آجاتا۔ آپ کے پاس جس قسم کا مریض آتا۔ اس کے حسب حال نسخہ شفا دیدیتے سوال ایک ہوتا لیکن جواب حسب حال سائل ہوتا۔ اس حکمت کو نہ سمجھنے کی وجہ سے عیسائیوں نے ایسی حدیثوں پر اعتراض کیا ہے۔ ص۱۰۵-۱۰۶

۶۔ طبیب کی طرح واعظ کا فرض ہے کہ وعظ و پند سے پہلے ان لوگوں کے امراض کو مدنظر رکھے مگر یہ فراست اور یہ معرفت حقانی واعظ کے سوا دوسرے کو کم ملتی ہے ص۱۰۶

۷۔ واعظ کی نیت خواہ کچھ ہی ہو۔ اصل حکمت کو چھوڑنا نہیں چاہیئے۔ ص۱۰۷

وفات مسیح پر استدلال

آنحضرتؐ کا ارشاد کہ جب مسیح آوے اس کو میرا سلام کہنا۔ اگر مسیح آسمان میں زندہ موجود تھے۔ تو معراج میں آپ خود اس سے ملے۔ پھر جبرائیل کے ذریعہ آسمان پر سلام پہنچا سکتے تھے۔ پس مسیح موعود کو سلام پہنچانے سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ آپؐ کا عقیدہ تھا کہ مسیح وفات پاچکے ہیں ص۲۹۶

وقف

۱۔ حیات طیبہ کا وارث ہونے کے لئے زندگی کو خدا کی راہ میں وقف کرنا چاہیئے۔ ص۹۰ و ۹۸

۲۔ دین اور للّٰہی وقف انسان کو ہشیار اور چابکدست بنا دیتا ہے۔ اور سستی اور کسل اس کے پاس نہیں آتا ص۹۲

۳۔ وقف بے قیاس نفع کا سودا ہے۔ اور ہر قسم کے ہموم و غموم سے نجات دینے والا ہے۔ صحابہ اور ان کے بعد ۱۴۰۰ برس سے مجرب نسخہ ہے۔ ص۹۹

۴۔ میں بھی اس راہ کا تجربہ کار ہوں۔ میری آرزو ہے کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں زندگی وقف کرنے کے لئے اگر مر کے پھر زندہ ہوں اور پھر مروں اور زندہ ہوں تو ہر بار میرا شوق ایک لذت کے ساتھ بڑھتا جاوے۔ ص۱۰۰

۵۔ **جماعت کو وقف کی وصیت۔** اگر کوئی نجات اور حیات طیبہ یا ابدی زندگی چاہتا ہے۔ تو وہ اللہ تعالےٰ کیلئے ہی اپنی زندگی وقف کرے۔ ص۱۰۱

ولی جمع اولیاء

۱۔ بے انتہا ولیوں کی شہادت خدا کی ہستی پر موجود ہے ص۲۲

۲۔ ولی وہ کہلاتا ہے جس کا ہر پہلو ایمان کا سالم ہو۔ وہ کسی پہلو سے کمزور نہ ہو۔ اس کی عبادات اتم طور پر صادر ہوتی ہیں۔ ص۲۲

۳۔ بعض کہتے ہیں کہ میاں ہم نے ولی بننا ہے؟ جو ایسا

کہتے ہیں۔ وہ دنی الطبع کافر ہیں۔ صـــ۹۹

۴۔ اولیاء اللہ کی مخالفت کرنے سے صرف ایمان ہی نہیں بلکہ عقلیں بھی سلب ہو جاتی ہیں۔ صـــ۱۱۸

ھ

ہدایت

۱۔ تجربہ کیا گیا ہے۔ سوال کرنے والے بہت کم ہدایت پاتے ہیں۔ ہاں حسن ظن اور صبر سے کام لینے والے ہدایت سے پورے طور پر حصہ لیتے ہیں۔ ابوبکرؓ اور ابوجہل کی مثالیں۔ صـــ۱۶۵

۲۔ قرائن حق اور دلائل دیکھ کر نہ ماننا، حسن ظنی اور صبر سے کام نہ لینا، اور عمدہ سے عمدہ نشان اور قوی سے قوی دلائل کو سُنکر ردّ کی فکر میں لگ جانا اشقیاء والی عادت ہے۔ صـــ۱۶۶

۳۔ ہدایت امر ربی ہے۔ اس میں کسی کو دخل نہیں۔ میرے قابو میں ہو تو سب کو قطب اور ابدال بنا دوں۔ سکینت باطنی آسمان سے نازل ہوتی ہے۔ صـــ۲۲۲

ہجرت

اس سوال کا جواب کہ مکہ میں ہی رکھ کر دشمنوں سے آنحضرتؐ کو کیوں محفوظ نہ رکھا، یہ ہے کہ سنّت اللہ یہی ہے کہ خدا اپنا علم دکھانا چاہتا ہے۔ اس لئے وہاں سے نکال لیتا ہے۔ کوئی نبی ایسا نہیں گذرا جس کے لئے ہجرت نہ ہو۔ صـــ۱۰۵

ہمدردی

ہمدردی کی تین قسمیں۔ جسمانی۔ مالی۔ دُعا الغرض دُعا کر ہمدردی کا فیض بہت وسیع ہے۔ اس ہمدردی سے دشمنوں کو بھی باہر نہ رکھے۔ صـــ۴۳-۴۲

۲۔ ہمدردی اور دوسرے کی نفع رسانی کیلئے ایثار ضروری شئے ہے۔ اور مخلوقِ خدا سے ہمدردی ایمان کا دوسرا جزو ہے جس کے بغیر ایمان کامل نہیں ہو سکتا۔ صـــ۹۶

ہیضہ

خدا تعالیٰ کی تلوار ہے۔ بہت دعائیں مانگو۔ کہ اللہ تعالیٰ اس سے گاؤں (قادیان) کو محفوظ رکھے صـــ۱۳۱

ی

یادگاریں

ملکہ معظمہ کے متعلق یادگار قائم کرنے کا ذکر آیا۔ تو فرمایا۔ ہماری رائے میں ایک بڑا بھاری کالج یا شفاخانہ بننا چاہئیے۔ صـــ۲۱۳

یسُوع

(ا) عیسائیوں نے ایک کمزور ضعیف جس نے یہود سے ماریں کھائیں۔ آخر صلیب پر لٹکایا گیا۔ ملعون ہو کر جان دی۔ وغیرہ۔ اس سے دوسروں کے شفیع بننے کی کیا توقع ہو سکتی ہے۔ صـــ۴۱

(ب) اس کی بے بسی اور آپ کے خاص مریدوں کی آپ سے رُوگردانی۔ صـــ۹۲-۹۱

یُوحنّا

حضرت یحیٰی نے ایلیاء ہونے سے انکار کیا۔ اس سوال پر حضور نے فرمایا کہ نہ معلوم یہود نے کس طرح دھوکہ کی گفتگو کی ہوگی۔ صـــ۳۱۹

یورپ

ارضی علوم و فنون میں ترقی کر رہا ہے۔ قاعدہ ہے۔

جب آسمانی علوم کے دروازے بند ہوجاتے ہیں تو پھر زمین ہی کی باتیں سوجھا کرتی ہیں۔ صفحہ ۳۵۴

یورپین سیاح

ڈی۔ ڈی۔ ڈکسن جو انگلستان کا باشندہ تھا۔ قادیان آیا اور حضرت مسیح موعودؑ سے مذہبی گفتگو کی صفحہ ۳۹۷-۴۰۰

یوز آسف

یسوع کو کہتے ہیں۔ آسف کے معنے پراگندہ جماعتوں کو جمع کرنے والا اور یسوع مسیح کا مقصد بھی بنی اسرائیل کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کو جمع کرنا تھا۔ اور اہل کشمیر بالاتفاق اہل تحقیق بنی اسرائیل ہی ہیں۔ لہذا یہاں ان کا آنا ضروری تھا۔ صفحہ ۲۵۹

یوم العرفات۔ دیکھو "عرفات"

یونانی

یونانی لوگ لنجے اندھے اپاہج بچوں کو شاہی قانون کے مطابق عمداً ہلاک کر دیتے تھے۔ صفحہ ۱

یہودی

(ا) ان کی حالت ضربت علیہم الذلۃ والمسکنۃ کی مصداق ہے۔ ہمارے ہاں ایک اسرائیلی محمد سلمان مسلمان ہوا ہے۔ اس سے پوچھو یہودیوں نے کھانے پہننے کے سوا اور کوئی مقصود ہی نہیں رکھا۔ صفحہ ۴۲

(ب) یہودی قوم کی سنگدلی کا ذکر۔ نہ اوّل موسیٰؑ سے نہ آخر عیسیٰؑ سے نہ درمیانی نبیوں سے اچھا سلوک کیا اس لئے حضرت عیسیٰؑ پر سلسلہ ختم کر دیا۔ صفحہ ۲۷۹-۲۸۰

(ج) بنی اسرائیل سے انتقال نبوت خدا کے غضب کے سبب ہوا تھا۔ اس لئے حکومت جو نبوت کیساتھ دوسرا فضل اس قوم پر ہوا تھا وہ بھی جاتا رہا۔ صفحہ ۲۸۱

یقین

واعبد ربک حتّٰی یاتیک الیقین۔ (۱) یقین سے مراد دیکھو "تفسیر"۔ (۲) یقین بڑی چیز ہے۔ جو یقین میں کامل ہے۔ خدا اس کی دستگیری کرتا ہے۔ صفحہ ۲۰۹

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

ملفوظات حضرت مسیح موعود علیہ السلام

جلد ثانی

---

۲ جنوری سنہ ۱۹۰۰ء۔

حُسنِ معاشرت

عورتوں کے ساتھ حُسنِ معاشرت کے بارے میں حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا:۔

"فحشاء کے سوا باقی تمام کج خُلقیاں اور تلخیاں عورتوں کی برداشت کرنی چاہئیں۔ ہمیں تو کمال بے شرمی معلوم ہوتی ہے کہ مرد ہو کر عورت سے جنگ کریں۔ ہم کو خُدا نے مَرد بنایا ہے۔ درحقیقت ہم پر اتمام نعمت ہے۔ اس کا شکریہ یہ ہے۔ کہ ہم عورتوں سے لُطف اور نرمی کا برتاؤ کریں۔"

ایک دفعہ ایک دوست کی شکایت ہوئی کہ وہ اپنی بیوی سے سختی سے پیش آتا ہے۔ تو آپؑ نے فرمایا:۔

"ہمارے احباب کو ایسا نہ ہونا چاہیئے"

حُسنِ اخلاق

اسی طرح ایک اور دوست کی بد مزاجی کی شکایت ہوئی۔ تو آپؑ نے بہت دیر تک معاشرت نسواں پر گفتگو فرمائی۔ اور اخیر پر فرمایا :-

"میرا یہ حال ہے کہ ایک دفعہ میں نے اپنی بیوی پر آوازہ کسا تھا۔ اور میں محسوس کرتا تھا کہ وُہ بانگِ بلند دِل کے رنج سے ملی ہوئی ہے اور بایں ہمہ کوئی دل آزار اور درشت کلمہ منہ سے نہیں نکالا تھا۔ اس کے بعد میں بہت دیر تک استغفار کرتا رہا۔ اور بڑے خشوع اور خضوع سے نفلیں پڑھیں اور کچھ صدقہ بھی دیا۔ کہ یہ درشتی زوجہ پر کسی پنہانی معصیت الٰہی کا نتیجہ ہے۔"

بڑی مصلحت

ایک دفعہ بچپن میں حضرت میاں محمود احمد صاحب نے کھیلتے کھیلتے کچھ مسوّدات جلا دیئے۔ اس پر حضورؑ نے فرمایا :-

"خوب ہوا۔ اس میں اللہ تعالیٰ کی کوئی بڑی مصلحت ہوگی۔ اور اب خدا تعالیٰ چاہتا ہے کہ اِس سے بہتر مضمون ہمیں سمجھائے۔"

بہتر مضمون

اسی طرح ایک دفعہ حضرت مولوی نورالدین صاحبؓ سے ایک مضمون حضرت مسیح موعودؑ کا گُم ہوگیا۔ جس کی تلاش میں انہیں بڑی تشویش ہوئی۔ جب حضورؑ کو خبر ملی تو حضورؑ نے آکر مولوی صاحب سے بڑا عُذر کیا کہ کاغذ کے گُم ہو جانے سے انہیں اتنی تشویش ہوئی۔ پھر فرمایا :-

"مجھے افسوس ہے کہ اس کی جستجو میں اس قدر دوا دوش اور تگا پُو کیوں کیا گیا۔ میرا تو یہ اعتقاد ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ اس سے بھی بہتر ہمیں عطا فرمائیگا۔"

نرمی کا سلوک

ایک دفعہ حضورؑ کو سخت سردرد تھا۔ پاس بچّوں اور عورتوں کا شور و غُل بپا تھا۔ مولوی عبدالکریم صاحب نے عرض کی کہ جناب کو اس شور سے تکلیف تو نہیں ہوتی۔ حضورؑ نے فرمایا:۔ " ہاں اگر چُپ ہو جائیں تو آرام مِلتا ہے۔"

مولوی صاحب نے عرض کیا کہ پھر حضورؑ کیوں حکم نہیں فرماتے۔ حضورؑ نے فرمایا:۔

" آپ ان کو نرمی سے کہدیں۔ میں تو نہیں کہہ سکتا "

ستاری کا شیوہ

ایک خادمہ نے گھر سے چاول چُرائے اور پکڑی گئی۔ گھر کے سب لوگوں نے اُسے ملامت شروع کر دی۔ اتفاقاً حضرت اقدسؑ کا بھی اس طرف سے گزر ہوا۔ واقعہ سُنائے جانے پر حضورؑ نے فرمایا

" محتاج ہے۔ کچھ تھوڑے سے اُسے دیدو اور فضیحت نہ کرو۔ خدا تعالیٰ کی ستاری کا شیوہ اختیار کرو۔"

ثواب کا کام

دیہقانی عورتیں ایک دن بچّوں کے لئے دوائی وغیرہ لینے آئیں۔ حضورؑ اُن کو دیکھنے اور دوائی دینے میں عرصہ تک مصرُوف رہے۔ اس پر مولوی عبدالکریم صاحب نے عرض کیا کہ حضرتؑ یہ تو بڑی زحمت کا کام ہے۔ اور اس طرح حضوؑر کا قیمتی وقت ضائع جاتا ہے۔ اس کے جواب میں حضورؑ نے فرمایا:۔

" یہ بھی تو ویسا ہی دینی کام ہے۔ یہ مسکین لوگ ہیں۔ یہاں کوئی ہسپتال نہیں۔ میں ان لوگوں کی خاطر ہر طرح کی انگریزی اور یُونانی دوائیں منگوا رکھا کرتا ہوں جو وقت پر کام آجاتی ہیں۔ یہ بڑا ثواب کا کام ہے۔ مومن کو ان کاموں میں سُست اور بے پروا نہ ہونا چاہیئے۔"

٭ ٭ ٭ ٭

بچّوں کو مارنا شرک میں داخل ہے

ایک مرتبہ ایک دوست نے اپنے بچّے کو مارا۔ آپؑ اس سے بہت متاثر ہوئے۔ اور اُنہیں بُلا کر بڑی درد انگیز تقریر فرمائی اور فرمایا:۔

"میرے نزدیک بچّوں کو یُوں مارنا شرک میں داخل ہے۔ گویا بد مزاج مارنے والا ہدایت اور ربوبیّت میں اپنے تئیں حصّہ دار بنانا چاہتا ہے۔ ایک جوش والا آدمی جب کسی بات پر سزا دیتا ہے تو اشتعال میں بڑھتے بڑھتے ایک دشمن کا رنگ اختیار کر لیتا ہے۔ اور جُرم کی حد سے سزا میں کوسوں تجاوز کر جاتا ہے۔ اگر کوئی شخص خوددار اور اپنے نفس کی باگ کو قابُو سے نہ دینے والا اور پُورا متحمّل اور بُردبار اور باسکُون اور باوقار ہو۔ تو اسے البتّہ حق پہنچتا ہے کہ کسی وقت مُناسب پر کسی حد تک بچّہ کو سزا دے یا چشم نمائی کرے۔ مگر مغلُوب الغضب اور سُبک سر اور طائش العقل ہرگز سزاوار نہیں کہ بچّوں کی تربیّت کا متکفّل ہو۔ جس طرح اور جس قدر سزا دینے میں کوشش کی جاتی ہے کاش دُعا میں لگ جائیں اور بچّوں کے لئے سوزِ دل سے دُعا کرنے کو ایک حِزب ٹھہرا لیں اس لئے کہ والدین کی دُعا کو بچّوں کے حق میں خاص قبُول بخشا گیا ہے۔ میں اِلتزاماً چند دُعائیں ہر روز مانگا کرتا ہُوں:۔

چند دُعائیں

اوّل۔ اپنے نفس کے لئے دُعا مانگتا ہُوں کہ خداوندکریم مجھ سے وہ کام لے جس سے اُس کی عزّت و جلال ظاہر ہو اور اپنی رضا کی پُوری توفیق عطا کرے۔

دوم۔ پھر اپنے گھر کے لوگوں کے لئے دُعا مانگتا ہوں کہ اُن سے قُرّۃ عین عطا ہو اور اللہ تعالیٰ کی مرضیات کی راہ پر چلیں۔

سوم۔ پھر اپنے بچّوں کے لئے دُعا مانگتا ہوں کہ یہ سب دین کے خدام بنیں

چہارم پھر اپنے مخلص دوستوں کے لئے نام بنام۔

پنجم۔ اور پھر اُن سب کے لئے جو اِس سلسلہ سے وابستہ ہیں۔خواہ ہم اُنہیں جانتے ہیں۔ یا نہیں جانتے۔"

(الحکم جلد ۴ نمبر ۲ صفحہ ۱۱ مورخہ ۱۷ جنوری ۱۹۰۰ء خط نمبر ۶ مولانا عبدالکریم صاحب)

شرکِ خفی

"حرام ہے مشیخی کی گدی پر بیٹھنا اور پیر بننا اُس شخص کو جو ایک منٹ بھی اپنے متوسّلین سے غافل رہے۔ ہدایت اور تربیت حقیقی خدا تعالیٰ کا فعل ہے۔ سخت پیچھا کرنا اور ایک اَمر پر اصرار کو حد سے گذار دینا یعنی بات بات پر بچّوں کو روکنا اور ٹوکنا یہ ظاہر کرتا ہے کہ گویا ہم ہی ہدایت کے مالک ہیں۔ اور ہم اُس کو اپنی مرضی کے مطابق ایک راہ پر لے آئیں گے۔ یہ ایک قسم کا شرکِ خفی ہے۔ اس سے ہماری جماعت کو پرہیز کرنا چاہیئے۔ ہم تو اپنے بچّوں کے لئے دُعا کرتے ہیں اور سرسری طور پر قواعد اور آداب تعلیم کی پابندی کراتے ہیں۔ بس اِس سے زیادہ نہیں۔ اور پھر اپنا پُورا بھروسہ اللہ تعالیٰ پر رکھتے ہیں۔ جیسا کِسی میں سعادت کا تخم ہوگا۔ وقت پر سرسبز ہو جائیگا۔"

ہر ایک سے رابطہ

مہمانوں کی ضرورت کے لئے مکان بنوانے کی حاجت ہوئی تو حضورؑ کی تاکید تھی کہ اینٹوں اور پتھروں پر روپیہ خرچ کرنا عبث ہے۔ اتنا ہی کام کرو۔ جس سے چند روزہ زندگی بسر ہو جائے نجّار تیر بندیاں اور تختے رندے سے صاف کر رہا تھا حضورؑ نے اُسے روک دیا اور فرمایا:-

"یہ محض تکلف ہے اور ناحق کی دیر لگانا ہے۔ مختصر کام کرو۔ اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ ہمیں کسی مکان سے کوئی اُنس نہیں۔ ہم اپنے مکانوں کو اپنے اور اپنے دوستوں میں مشترک جانتے ہیں اور بڑی آرزو ہے کہ ایسا مکان ہو کہ چاروں طرف ہمارے احباب کے گھر ہوں اور درمیان میرا گھر ہو۔ اور ہر گھر میں میری ایک کھڑکی ہو۔ کہ ہر ایک سے ہر ایک وقت واسطہ و رابطہ رہے۔"

تکلفات پر ناپسندیدگی

تکلفات میں وقت ضائع کرنا حضورؓ کو ناپسند تھا۔ اس کے متعلق حضورؓ نے فرمایا:۔

" میرا تو یہ حال ہے کہ پاخانہ و پیشاب پر بھی مجھے افسوس آتا ہے کہ اتنا وقت ضائع جاتا ہے۔ یہ بھی کسی دینی کام میں لگ جائے۔ کوئی مشغولی اور تصرف جو دینی کاموں میں حارج ہو اور وقت کا کوئی حصہ لے۔ مجھے سخت ناگوار ہے۔ جب کوئی دینی ضروری کام آپڑے تو میں اپنے اُوپر کھانا پینا اور سونا حرام کر لیتا ہوں جب تک وہ کام نہ ہو جائے۔ ہم دین کے لئے ہیں اور دین کی خاطر زندگی بسر کرتے ہیں۔ بس دین کی راہ میں ہمیں کوئی روک نہ ہونی چاہیئے۔"

پہرہ دینا

ایک دفعہ مولوی عبدالکریم صاحب نئے مکان میں ایک چارپائی پڑی تھی جس پر سو رہے تھے۔ وہاں حضورؓ ٹہل رہے تھے۔ تھوڑی دیر بعد جاگے تو دیکھا کہ حضورؓ فرش پر چارپائی کے نیچے لیٹے ہوئے ہیں۔ مولوی صاحب ادب سے اُٹھ کھڑے ہوئے۔ حضورؓ نے محبت سے پوچھا کہ کیوں اُٹھ بیٹھے۔ اُنہوں نے پاسِ ادب کا عُذر کیا۔ اس پر حضورؓ نے فرمایا:۔

" میں تو آپ کا پہرہ دے رہا تھا۔ لڑکے شور کرتے تھے۔ انہیں روکتا تھا کہ آپ کی نیند میں خلل نہ آوے۔"

میں بُت پرستی کو رَدّ کرنے آیا ہوں

لوگوں کو حضورؓ سے گفتگو کرنے میں کمال آزادی تھی۔ اور ہر شخص بلا روک ٹوک حضورؓ سے بات چیت کر سکتا تھا۔ اِس بارے میں حضورؓ نے فرمایا:۔

" میرا مسلک نہیں کہ میں ایسا تند خُو اور بھیانک بن کر بیٹھوں کہ لوگ مجھ سے ایسے ڈریں جیسے درندہ سے ڈرتے ہیں۔ اور میں بُت بننے سے سخت نفرت رکھتا ہوں۔ میں تو بُت پرستی کے رَدّ کرنے کو آیا ہوں نہ یہ کہ میں خود بُت بنوں اور لوگ

میری پُوجا کریں۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے کہ میں اپنے نفس کو دوسروں پر ذرا بھی ترجیح نہیں دیتا۔ میرے نزدیک متکبر سے زیادہ کوئی بُت پرست اور خبیث نہیں۔ متکبر کسی خُدا کی پرستش نہیں کرتا بلکہ وُہ اپنی پرستش کرتا ہے۔"

خلوت اور جلوت

حضرت اقدسؑ خلوت کو بہت پسند فرماتے تھے۔ اِس بارہ میں فرمایا:۔

"اگر خدا تعالیٰ مجھے اختیار دے کہ خلوت اور جلوت میں سے تُو کس کو پسند کرتا ہے تو اس پاک ذات کی قسم ہے کہ میں خلوت کو اختیار کروں۔ مجھے تو کشاں کشاں میدانِ عالم میں انہوں نے نکالا ہے جو لذّت مجھے خلوت میں آتی ہے۔ اس سے بجز خدا تعالیٰ کے کون واقف ہے۔ میں قریب ۲۵ سال تک خلوت میں بیٹھا رہا ہوں اور کبھی ایک لحظہ کے لئے بھی نہیں چاہا کہ دربارِ شہرت کی کرسی پر بیٹھوں مجھے طبعًا اِس سے کراہت ہے۔ کہ لوگوں میں مل کر بیٹھوں۔ مگر اَمرِ آمر سے مجبُور ہوں میں جو باہر بیٹھتا ہُوں یا سیر کرنے جاتا ہوں اور لوگوں سے بات چیت کرتا ہوں یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے امر کی تعمیل کی بنا پر ہے۔"

خادمِ دین ہماری دُعاؤں کا مستحق ہے

تائیدِ حق پر اگر کوئی قلم اُٹھائے یا کوشش کرے تو حضورؑ بڑی قدر کرتے تھے۔ اس بارہ میں فرمایا:۔

"اگر کوئی تائیدِ دین کیلئے ایک لفظ نکال کر ہمیں دیدے تو ہمیں موتیوں اور اشرفیوں کی جھولی سے بھی زیادہ بیش قیمت معلوم ہوتا ہے۔ جو شخص چاہے کہ ہم اُس سے پیار کریں۔ اور ہماری دُعائیں نیازمندی اور سوز سے اس کے حق میں آسمان پر جائیں وہ ہمیں اس بات کا یقین دلا دے کہ وُہ خادمِ دین ہونے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ ہم ہر ایک شئے سے محض اللہ تعالیٰ کے لئے پیار کرتے ہیں۔ بیوی ہو بچے ہوں۔

دوست ہوں۔ سب سے ہمارا تعلق اللہ تعالیٰ کے ہے۔"

عہدِ دوستی بڑا قیمتی جوہر ہے۔

"میرا یہ مذہب ہے کہ جو شخص ایک دفعہ مجھ سے عہدِ دوستی باندھے مجھے اس عہد کی اتنی رعایت ہوتی ہے کہ وُہ کیسا ہی کیوں نہ ہو اور کچھ ہی کیوں نہ ہو جائے میں اُس سے قطع نہیں کر سکتا۔ ہاں اگر وُہ خود قطع تعلق کر دے تو ہم لاچار ہیں۔ ورنہ ہمارا مذہب تو یہ ہے کہ اگر ہمارے دوستوں سے کسی نے شراب پی ہو اور بازار میں گرا ہوا ہو اور لوگوں کا ہجوم اس کے گرد ہو تو بلا خوف لومۃ لائم کے اسے اُٹھا کر لے آئیں گے۔ عہدِ دوستی بڑا قیمتی جوہر ہے۔ اُس کو آسانی سے ضائع کر دینا نہ چاہیئے اور دوستوں سے کیسی ہی ناگوار بات پیش آوے اُسے اغماض اور تحمّل کے محل میں اُتارنا چاہیئے۔"

(الحکم جلد ۴ نمبر ۳ پرچہ مورخہ ۲۴ جنوری ۱۹۰۰ء)

۱۰ جنوری ۱۹۰۰ء۔

سیٹھ عبدالرحمٰن صاحب مدراسی نے اپنے کسی ضروری کام کے لئے مدراس واپس جانے کی اجازت طلب کی۔ کیونکہ اُن کو واپسی کے لئے تار بھی آیا تھا۔ اس پر حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا:۔

قادیان میں رمضان کی برکات

"آپ کا اس مُبارک مہینہ (رمضان) میں یہاں رہنا از بس ضروری ہے۔ ہم آپ کے لئے وہ دُعا کرنے کو تیار ہیں جس سے باذن اللہ پہاڑ بھی ٹل جائے۔ میں آج کل احباب کے پاس کم بیٹھتا ہوں اور زیادہ حصّہ اکیلا رہتا ہوں۔ یہ احباب کے حق میں از بس مُفید ہے۔ میں تنہائی میں بڑی فراغت سے دُعائیں کرتا ہوں اور رات کا بہت سا حصّہ بھی دُعاؤں میں صرف ہوتا ہے۔" (الحکم جلد ۴ نمبر ۳ مورخہ ۲۴ جنوری ۱۹۰۰ء)

۲ر فروری سنہ ۱۹۰۰ء۔ پاکیزہ دین

عید الفطر کی تقریب پر حضرت اقدس نے ایک خاص جلسہ اس غرض کے لئے منعقد فرمایا کہ تا جنگ ٹرانسوال کی کامیابی کے لئے دُعا کی جاوے اور مسلمانوں کو گورنمنٹ انگلشیہ کے حقوق اور اُن کے فرائض سے آگاہ کیا جاوے۔ حضرت اقدس نے عید الفطر کے خطبہ میں مفصلہ ذیل تقریر فرمائی

۔ مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ کا بہت شکر کرنا چاہیئے جس نے اُن کو ایک ایسا دین بخشا ہے جو علمی اور عملی طور پر ہر ایک قسم کی فساد اور مکروہ باتوں اور اَور ہر ایک نوع کی قباحت سے پاک ہے۔ اگر انسان غور اور فکر سے دیکھے تو اُس کو معلوم ہوگا۔ کہ واقعی طور پر تمام محامد اور صفات کا مستحق اللہ تعالیٰ ہی ہے۔

حمد کا حقیقی مستحق

اور کوئی انسان یا مخلوق واقعی اور حقیقی طور پر حمد و ثناء کا مستحق نہیں ہے۔ اگر انسان بغیر کسی قسم کی غرض کی طونی کے دیکھے تو اس پر بدیہی طور پر کھُل جاویگا۔ کہ کوئی شخص جو مستحق حمد قرار پاتا ہے وہ یا تو اِس لئے مستحق ہو سکتا ہے کہ کسی ایسے زمانہ میں جبکہ کوئی وجود یا موجود کی خبر نہ تھی وہ اُس کا پیدا کرنے والا ہو یا اس وجہ سے کہ ایسے زمانہ میں کہ کوئی وجود نہ تھا اور نہ معلوم تھا کہ وجود اور بقاء وجود اور حفظِ صحت اور قیامِ زندگی کے لئے کیا کیا اسباب ضروری ہیں اور اُس نے وہ سب سامان مہیا کر دئے ہوں یا ایسے زمانہ میں کہ اس پر بہت سی مصیبتیں آسکتی تھیں۔ اُس نے رحم کیا ہو اور اُس کو محفوظ رکھا ہو اور یا اِس وجہ سے مستحق تعریف ہو سکتا ہے کہ محنت کرنے والے کی محنت کو ضائع نہ کرے۔ اور محنت کرنے والوں کے حقوق پورے طور پر ادا کرے۔ اگرچہ بظاہر اُجرت کرنے والے کے حقوق کا دینا معاوضہ ہے لیکن ایسا شخص بھی مُحسن ہو سکتا ہے جو پُورے طور پر حقوق دے یہ صفات اعلیٰ قسم کی ہیں جو کسی کو مستحق حمد و ثنا بنا سکتے ہیں۔ اب غور کر کے دیکھ لو کہ حقیقی طور پر ان سب

محامد کا مستحق صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے جو کامل طور پر ان صفات سے متصف ہے۔ اَور کسی میں یہ صفات نہیں ہیں۔

خلق اور ربوبیت کا ایک پہلو

اوّل دیکھو صفت خَلق اور پرورش۔ یہ صفت اگرچہ انسان گمان کر سکتا ہے کہ ماں باپ اور دیگر محسنوں میں بھی پائی جاتی ہے۔ لیکن اگر انسان زیادہ غور کرے گا تو اُس کو معلوم ہو جاوے گا کہ ماں باپ اور دیگر محسنوں کے اغراض و مقاصد ہوتے ہیں جن کی بناء پر وہ احسان کرتے ہیں۔ اِس پر دلیل یہ ہے کہ مثلاً بچہ تندرست خوبصورت توانا پیدا ہو تو ماں باپ کو خوشی ہوتی ہے اور اگر لڑکا ہو تو پھر یہ خوشی اَور بھی بڑی ہوتی ہے۔ شادیانے بجائے جاتے ہیں۔ لیکن اگر لڑکی ہو تو گویا وُہ گھر ماتم کدہ اور وُہ دن سوگ کا دن ہو جاتا ہے اور اپنے تئیں مُنہ دکھانے کے قابل نہیں سمجھتے۔ بسا اوقات بعض نادان مختلف تدابیر سے لڑکیوں کو ہلاک کر دیتے ہیں یا اُن کی پرورش میں کم اِلتفات کرتے ہیں اور اگر بچہ لُنجا۔ اندھا۔ اپاہج پیدا ہو۔ تو چاہتے ہیں کہ وُہ مَر جاوے اور اکثر دفعہ تعجب نہیں کہ خود بھی وبال جان سمجھ کر مار دیں۔ میں نے پڑھا ہے کہ یُونانی لوگ ایسے بچّوں کو عمداً ہلاک کر دیتے تھے۔ بلکہ اُن کے ہاں شاہی قانُون تھا۔ کہ اگر کوئی ناکارہ بچّہ اپاہج اندھا وغیرہ پیدا ہو۔ تو اُس کو فوراً مار دیا جاوے۔ اس سے صاف پایا جاتا ہے کہ انسانی خیالات پرورش اور خبرگیری کے ساتھ ذاتی اور نفسانی اغراض سے ملے ہوئے ہوتے ہیں۔ مگر اللہ تعالیٰ کی اس قدر مخلوق کی (جس کے تصوّر اور بیان سے وہم اور زبان قاصر ہے اور جو آسمان اور زمین میں بھری پڑی ہے) خَلق اور پرورش سے کوئی غرض ہرگز نہیں ہے۔ وہ والدین کی طرح خدمت اور رِزق نہیں چاہتا بلکہ اُس نے مخلوق کو محض ربوبیّت کے تقاضا سے پیدا کیا ہے۔ ہر ایک شخص مان لیگا کہ بُوٹا لگانا پھر آب پاشی کرنا

اور اُس کی خبرگیری رکھنا اور ثمردار درخت ہونے تک محفوظ رکھنا ایک بڑا احسان ہے۔ پس انسان اور اُس کی حالت اور غور و پرداخت پر غور کرو تو معلوم ہوگا کہ خدا تعالیٰ نے کتنا بڑا احسان کیا ہے کہ اِس قدر انقلابات اور بیکسیوں کی تغیرات میں اس کی دستگیری فرمائی ہے۔

دوسرا پہلو

دوسرا پہلو جو میں نے ابھی بیان کیا ہے کہ قبل از پیدائش وجود ایسے سامان ہوں کہ تمدّنی زندگی اور قویٰ کے کام کے لئے پُورا پُورا سامان موجود ہو دیکھو ابھی ہم پیدا بھی نہ ہوئے تھے کہ سامان پہلے ہی پیدا کر دیا۔ منوّر سُورج جو اب چڑھا ہوا ہے۔ اور جس کی وجہ سے عام روشنی پھیلی ہوئی ہے اور دن چڑھا ہوا ہے اگر نہ ہوتا۔ کیا ہم دیکھ سکتے تھے یا روشنی کے ذریعہ جو فوائد اور منافع ہمیں پہنچ سکتے ہیں۔ ہم کس ذریعہ حاصل کر سکتے۔ اگر سُورج اور چاند یا اَور کسی قسم کی روشنی نہ ہوتی تو بینائی بیکار ہوتی۔ اگرچہ آنکھوں میں ایک قوّت دیکھنے کی ہے۔ مگر وُہ بیرونی اور خارجی روشنی کے بدوں محض نکمّی ہے۔ پس یہ کس قدر احسان ہے کہ قویٰ سے کام لینے کے لئے اُن ضروری سامانوں کو پہلے سے مہیا کر دیا۔ اور پھر یہ کس قدر رحمت ہے کہ ایسے قویٰ دیئے ہیں اور ان میں بالقوّہ استعدادات رکھ دی ہیں جو انسان کی تکمیل اور وصُول اِلَی الْغَایَۃ کے لئے ازبس ضروری ہیں۔ دماغ میں، اعصاب میں، عرُوق میں ایسے خواص رکھے ہیں۔ کہ انسان اُن سے کام لیتا ہے اور اُن کی تکمیل کر سکتا ہے۔ اس لئے کہ قوتوں کی تکمیل کا سامان ساتھ ہی پیدا کر دیا ہے۔ یہ تو اندرُونی نظام کا حال ہے کہ ہر ایک قوت اُس منشاء اور مفاد سے پُوری مناسبت رکھتی ہے۔ جس میں انسان کی فلاح ہے اور بیرونی طور پر بھی ایسا ہی انتظام رکھا ہے کہ ہر شخص جس قسم کا

حرفہ رکھتا ہے اس کے مُناسب حال ادویات و آلات قبل از وجود مہیا کر رکھے ہیں۔ مثلاً اگر کوئی جُوتا بنانے والا ہے تو اس کو چمڑہ اور دھاگہ نہ ملے تو وُہ کہاں سے لائے اور کیونکر اپنے حرفہ کی تکمیل کرے۔ اسی طرح درزی کو اگر کپڑا نہ ملے تو کیونکر سیئے۔ اسی طرح ہر متنفس کا حال ہے۔ طبیب کیسا ہی حاذق اور عالم ہو۔ لیکن اگر ادویہ نہ ہوں۔ تو وہ کیا کر سکتا ہے۔ بڑی سوچ اور فکر سے ایک نسخہ لکھ دے گا۔ لیکن بازار سے دوا نہ ملے تو کیا کرے گا۔ کس قدر فضل ہے کہ ایک طرف علم دیا ہے اور دوسری طرف نباتات، جمادات، حیوانات جو مریضوں کے مناسب حال تھے پیدا کر دیئے ہیں اور اُن میں قسم قسم کے خواص رکھے ہیں جو ہر زمانہ میں تا اندیشہ ضروریات کے کام آ سکتے ہیں۔ غرض خدا تعالےٰ نے کوئی چیز بھی غیر مفید پیدا نہیں کی اور جس کے خواص محدُود ہوں۔ یہانتک کہ پسُو اور جُوں تک بھی غیر مُفید نہیں۔ لکھا ہے کہ اگر کسی کا پیشاب بند ہو تو بعض وقت جُوں کو احلیل میں دینے سے پیشاب جاری ہو جاتا ہے۔ انسان اِن اشیاء کی مدد سے کہاں تک فائدہ اٹھاتا ہے۔ کوئی تصوّر کر سکتا ہے؟ پھر چوتھی بات پاداش محنت ہے۔ اس کے لئے بھی خدا کا فضل درکار ہے۔ مثلاً انسان کس قدر محنت و مشقّت سے زراعت کرتا ہے۔ اگر خدا تعالیٰ کی مدد اُس کے ساتھ نہ ہو تو کیونکر اپنے گھر میں غلّہ لا سکے۔ اسی کے فضل و کرم سے اپنے وقت پر ہر ایک چیز ہوتی ہے۔ چنانچہ اب قریب تھا کہ اس خُشک سالی میں لوگ ہلاک ہو جاتے۔ مگر خدا نے اپنے فضل سے بارش کر دی اور بہت سا حصّہ مخلوق کو سمبھال لیا۔ غرض اولاً و بالذّات اکمل اور اعلیٰ مستحق تعریف کا خدا تعالےٰ ہے۔ اس کے مقابلہ میں کسی دوسرے کا ذاتی طور پر کوئی بھی استحقاق نہیں۔

سورۃ وَالنّاس میں تین حقوق کا بیان

اگر کسی دوسرے کو استحقاق تعریف کا ہے تو صرف طفیلی طور پر ہے۔ یہ بھی خدا تعالیٰ

کا رحم ہے کہ باوجودیکہ وہ وحدہٗ لاشریک ہے مگر اُس نے طفیلی طور پر بعض کو اپنے محامد میں شریک کر لیا ہے۔ جیسے اس سُورۂ شریفہ میں بیان فرمایا ہے۔ قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ مَلِكِ النَّاسِ اِلٰهِ النَّاسِ مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ الْخَنَّاسِ الَّذِیْ یُوَسْوِسُ فِیْ صُدُوْرِ النَّاسِ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ[1] اس میں اللہ تعالیٰ نے حقیقی مستحق حمد کے ساتھ عارضی مستحق حمد کا بھی اشارۃً ذکر فرمایا ہے۔ اور یہ اس لئے ہے کہ اخلاق فاضلہ کی تکمیل ہو۔ چنانچہ اس سُورۃ میں تین قسم کے حق بیان فرمائے ہیں فرمایا۔ تم پناہ مانگو اللہ کے پاس جو جامع جمیع صفات کاملہ کا ہے اور جو ربّ ہے اور جو ملِک ہے لوگوں کا پھر جو معبُود و مطلُوب حقیقی ہے لوگوں کا۔ یہ سُورۃ اس قسم کی ہے کہ اس میں اصل توحید کو تو قائم رکھا ہے مگر ساتھ یہ بھی اشارہ کیا ہے کہ دوسرے لوگوں کے حقوق بھی ضائع نہ کریں جو ان اسماء کے مظہر ظلّی طور پر ہیں۔ ربّ کے لفظ میں اشارہ ہے کہ گو حقیقی طور پر خدا ہی پرورش کرنے والا اور تکمیل تک پہنچانیوالا ہے۔

ربُوبیّت کے دو مظہر

لیکن عارضی اور ظلّی طور پر دو اَور بھی وجود ہیں جو رُبُوبیّت کے مظہر ہیں۔ ایک جسمانی طور پر دوسرا رُوحانی طور پر۔ جسمانی طور پر والدین ہیں اور روحانی طور پر مُرشد اور ہادی ہیں۔ دوسرے مقام پر تفصیل کے ساتھ بھی ذکر فرمایا ہے۔ وَقَضٰی رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِیَّاهُ وَبِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا[2]۔ یعنی خدا نے یہ چاہا ہے کہ کسی دوسرے کی بندگی نہ کرو اور والدین سے احسان کرو۔ حقیقت میں کیسی رُبُوبیت ہے کہ انسان بچّہ ہوتا ہے اور کسی قسم کی طاقت نہیں رکھتا۔ اس حالت میں ماں کیا کیا خدمات کرتی ہے اور والد اس حالت میں ماں کی مہمات کا متکفل ہوتا ہے۔ خدا تعالےٰ نے محض اپنے فضل سے ناتواں مخلوق کی خبرگیری کے لئے دو محل پیدا کر دیئے ہیں اور اپنی محبّت کے انوار سے ایک پرتَو محبّت کا اُن میں ڈال دیا۔ مگر یاد رکھنا چاہیئے کہ ماں باپ کی محبّت عارضی ہے اور خدا تعالیٰ کی محبّت حقیقی ہے

[1] النّاس ۲ تا ۷ [2] بنی اسرائیل: ۲۴

اور جبتک قلوب میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کا القا نہ ہو تو کوئی فرد بشر خواہ وہ دوست ہو یا کوئی برابر کے درجہ کا ہو۔ یا کوئی حاکم ہو۔ کسی سے محبت نہیں کر سکتا اور یہ خدا کی کمال ربوبیت کا راز ہے کہ ماں باپ بچوں سے ایسی محبت کرتے ہیں۔ کہ اُن کے تکفل میں ہر قسم کے دُکھ شرح صدر سے اُٹھاتے ہیں یہاں تک کہ اُن کی زندگی کے لئے مرنے سے بھی دریغ نہیں کرتے۔ پس خدا تعالیٰ نے تکمیل اخلاق فاضلہ کے لئے ربّ النّاس کے لفظ میں والدین اور مُرشد کی طرف ایما فرمایا ہے تاکہ اس مجازی

اور مشہور سلسلہ شکر گذاری سے حقیقی ربّ اور ہادی کی شکر گذاری میں لے لئے جائیں۔ اسی راز کے حل کی یہ کلید ہے کہ اس سُورۂ شریفہ کو ربّ النّاس سے شروع فرمایا ہے۔ اِلٰہ النّاس سے آغاز نہیں کیا۔

چونکہ مُرشد روحانی تربیت خدا تعالیٰ کے منشار کے موافق اس کی توفیق وہدایت سے کرتا ہے۔ اس لئے وہ بھی اس میں شامل ہے۔ پھر دوسرا ٹکڑا اس میں مَلِکِ النَّاس ہے۔ تم پناہ مانگو خدا کے پاس جو تمہارا بادشاہ ہے۔ یہ ایک اَور اشارہ ہے تا لوگوں کو متمدّن دُنیا کے اصُول سے واقف کیا جاوے اور مہذّب بنایا جاوے۔ حقیقی طور پر تو اللہ تعالیٰ ہی بادشاہ ہے مگر اس میں اشارہ ہے کہ ظلّی طور پر دنیا میں بھی بادشاہ ہوتے ہیں اور اسی لئے اس میں اشارتاً مَلِک وقت کے حقُوق کی نگہداشت کی طرف بھی ایما ہے۔ یہاں کافر اور مشرک اور موحّد بادشاہ کسی قسم کی قید نہیں بلکہ عام طور پر ہے۔ کسی مذہب کا بادشاہ ہو۔ مذہب اور اعتقاد کے حصّے جُدا ہیں۔ قرآن میں جہاں جہاں خدا نے محُسن کا ذکر فرمایا ہے وہاں کوئی شرط نہیں لگائی کہ وہ مُسلمان ہو اور مُوحّد ہو اور فلاں سلسلہ کا ہو بلکہ عام طور پر محُسن کی نسبت فرمایا خواہ وہ کوئی مذہب رکھتا ہو۔ هَلْ جَزَاءُ الْإِحْسَانِ إِلَّا الْإِحْسَانُ[1]۔ کہ کیا احسان کا بدلہ احسان کے سوا بھی ہو سکتا ہے۔

سِکھوں کے مظالم اور انگریزی حکومت

اب ہم اپنی جماعت کو اور تمام سُننے والوں کو بڑی صفائی اور وضاحت سے سُناتے

[1] الرحمٰن : ۶۱

ہیں کہ سلطنت انگریزی ہماری مُحسن ہے۔ اُس نے ہم پر بڑے بڑے احسان کئے ہیں جس کی عمر ۶۰ یا ۷۰ برس کی ہوگی وہ خُوب جانتا ہوگا۔ کہ ہم پر سِکھوں کا ایک زمانہ گذرا ہے۔ اس وقت مسلمانوں پر جس قدر آفتیں تھیں وُہ پوشیدہ نہیں ہیں۔ اُن کو یاد کرکے بدن پر لرزہ پڑتا ہے اور دل کانپ اُٹھتا ہے۔ اس وقت مسلمانوں کو عبادات اور فرائض مذہبی کی بجاآوری سے جو اُن کو جان سے عزیز تر ہیں روکا گیا تھا۔ بانگ نماز جو نماز کا مقدمہ ہے اس کو بآوازِ بلند پُکارنے سے روکا گیا تھا۔ اگر کبھی موذّن کے مُنہ سے سہواً اللّٰہ اکبر بآوازِ بلند نِکل جاتا تو اس کو مار دیا جاتا تھا۔ اسی طرح پر مسلمانوں کے حلال وحرام کے معاملہ میں بیجا تصرّف کیا گیا تھا۔ ایک گائے کے مقدمہ میں ایک دفعہ پانچ ہزار غریب مسلمان قتل کئے گئے۔ بٹالہ کا واقعہ ہے کہ ایک سیّد وہیں کا رہنے والا باہر سے دروازہ پر آیا۔ وہاں گائیوں کا ہجوم تھا۔ اس نے تلوار کی نوک سے ذرا ہٹایا۔ اور ایک گائے کے چمڑے کو خفیف سی خراش پہنچ گئی وہ بیچارہ پکڑا گیا اور اس امر پر زور دیا گیا کہ اس کو قتل کر دیا جائے۔ آخر بڑی سفارشوں کے بعد اُس کا ہاتھ کاٹا گیا۔ مگر اب دیکھو کہ ہر قوم و مذہب کو کیسی آزادی ہے۔ ہم صرف مسلمانوں کا ذکر کرتے ہیں۔ فرائض مذہبی اور عبادات کے بجا لانے میں سلطنت نے پُوری آزادی دے رکھی ہے اور کسی کے مال وجان و آبرُو سے کوئی ناحق تعرض نہیں۔ برخلاف اس پُرفتن وقت کے کہ ہر ایک شخص کیسا ہی اُس کا حساب پاک ہو۔ اپنی جان و مال پر لرزتا رہتا تھا۔ اب اگر کوئی خود اپنا چلن خراب کرلے اور اپنی بے اندامی اور ارتکابِ جرائم سے خود مستوجب عقوبت ٹھیر جائے تو اَور بات ہے یا خود ہی سُوء اعتقاد اور غفلت کی وجہ سے عبادت میں کوتاہی کرے تو جُدا امر ہے لیکن گورنمنٹ کی طرف سے ہر طرح کی پُوری آزادی ہے۔ اس وقت جس قدر عابد بننا چاہو ہو کوئی روک نہیں۔ گورنمنٹ خود معابد مذہبی کی حرمت کرتی ہے اور ان کی مرمّت وغیرہ پر ہزاروں روپیہ خرچ کردیتی ہے۔ سِکھوں کے زمانہ میں اس کے خلاف یہ حال تھا کہ مسجدوں

میں بھنگ گھٹتی تھی اور گھوڑے بندھتے تھے۔جس کا نمونہ خود یہاں قادیان میں موجود ہے اور پنجاب کے بڑے بڑے شہروں میں اس کے نمونے ملیں گے۔ لاہور میں آجتک کئی ایک مسجدیں سکھوں کے قبضہ میں ہیں۔ آج اس کے مقابل میں گورنمنٹ انگلشیہ ان بزرگ مکانوں کی ہر قسم کی واجب عزت کرتی ہے اور مذہبی مکانات کی تکریم اپنے فرائض میں سے سمجھتی ہے جیسا کہ انہی دنوں حضور والسرائے لارڈ کرزن صاحب بہادر بالقابہ نے دہلی کی جامع مسجد میں جوتا پہن کر جانے کی مخالفت اپنی عملی حالت سے ثابت کردی اور قابل اقتدا نمونہ بادشاہانہ اخلاق فاضلہ کا دیا۔ اور اُن کی اُن تقریروں سے جو وقتاً فوقتاً انہوں نے مختلف موقعوں پر کی ہیں۔صاف معلوم ہوگیا ہے کہ وہ مذہبی مکانات کی کیسی عزت کرتے ہیں۔ پھر دیکھو کہ گورنمنٹ نے کہیں منادات نہیں کی۔ کہ کوئی بآواز بلند بانگ نہ دے یا روزہ نہ رکھے۔ بلکہ انہوں نے ہر قسم کی تغذیہ کے سامان مہیا کئے ہیں۔جس کا سکھوں کے ذلیل زمانہ میں نام ونشان تک نہ تھا۔ برف، سوڈا واٹر اور بسکٹ ڈبل روٹی وغیرہ ہر قسم کی غذائیں بہم پہنچائیں۔ اور ہر قسم کی سہولت دی ہے۔ یہ ایک ضمنی امداد ہے جو ان لوگوں سے ہمارے شعائر اسلام کو پہنچی ہے۔ اب اگر کوئی خود روزہ نہ رکھے تو یہ اَور بات ہے۔ افسوس کی بات ہے کہ مسلمان خود شریعت کی توہین کرتے ہیں چنانچہ دیکھو جنہوں نے ان دنوں روزے رکھے ہیں وہ کچھ دُبلے نہیں ہوگئے اور جنہوں نے استخفاف کے ساتھ اس مہینہ کو گذارا ہے وہ کچھ موٹے نہیں ہوگئے۔ اُن کا بھی وقت گذر گیا اور اُن کا بھی زمانہ گزر گیا۔ جاڑے کے روزے تھے۔ صرف غذا کے اوقات کی ایک تبدیلی تھی۔ سات آٹھ بجے نہ کھائی چار پانچ بجے کھالی باوجود اس قدر رعایت کے پھر بھی بہتوں نے شعائر اللہ کی عظمت نہیں کی اور خدا تعالیٰ کے اس واجب التکریم مہمان ماہ رمضان کو بڑی حقارت سے دیکھا۔ اس قدر آسانی کے مہینوں میں رمضان کا آنا ایک قسم کا معیار تھا۔ اور مطیع وعاصی میں فرق کرنے کے لئے یہ روزے

میزان کا حکم رکھتے تھے۔ خدا تعالیٰ کی طرف سے آسانی تھی۔ سلطنت نے ہر قسم کی آزادی دے رکھی ہے۔ طرح طرح کے پھل اور غذائیں میسر آتی ہیں۔ کوئی آسائش و آرام کا سامان نہیں۔ جو آج مہیا نہ ہو سکتا ہو۔ باایں ہمہ جو پرواہ نہیں کی گئی اس کی وجہ یہ ہے کہ دلوں میں ایمان نہیں رہا۔ افسوس خُدا کا ایک ادنیٰ بھنگی کے برابر بھی لحاظ نہیں کیا جاتا۔ گویا یہ خیال ہے کہ خُدا سے کبھی واسطہ ہی نہ ہوگا۔ اور نہ اس سے کبھی پالا پڑے گا۔ اور اُس کی عدالت کے سامنے جاتا ہی نہیں۔ کاش منکر غور کریں اور سوچیں کہ کروڑوں سورجوں کی روشنی سے بھی بڑھ کر خدا تعالیٰ کی ہستی کے ثبوت ہیں۔ افسوس کی جگہ ہے کہ ایک جُوتے کو دیکھ کر یقینی طور پر سمجھ لیا جاتا ہے کہ اُس کا کوئی بنانے والا ہے۔ مگر یہ کس قدر بدبختی ہے کہ خدا تعالیٰ کی بے انتہا مخلوق کو دیکھ کر بھی اُس پر ایمان نہ ہو۔ یا ایسا ایمان ہو جو نہ ہونے میں داخل ہے۔ خدا تعالیٰ کی ہم پر بہت رحمتیں ہیں۔ از انجملہ ایک یہ ہے۔ کہ اس نے ہمیں جلتے ہوئے تنور سے نکالا۔ سکھوں کا زمانہ ایک آتشی تنور تھا اور انگریزوں کا قدم رحمت و برکت کا قدم ہے۔ میں نے سُنا ہے کہ جب اوّل ہی اوّل انگریز آئے تو ہوشیار پور میں کسی مؤذن نے اُونچی اذان کہی۔ چونکہ ابھی ابتدا تھی اور ہندوؤں اور سکھوں کا خیال تھا۔ کہ یہ بھی اُونچی اذان کہنے پر روکیں گے۔ یا اُن کی طرح اگر گائے کو کسی سے زخم لگ جاوے تو اُس کا ہاتھ کاٹیں گے۔ اس اُونچی اذان کہنے والے مؤذن کو پکڑ لیا۔ ایک بڑا ہجوم ہو گیا اور ڈپٹی کمشنر کے سامنے وُہ لایا گیا۔ بڑے بڑے رئیس مہاجن جمع ہوئے اور کہا حضور! ہمارے آٹے بھرشٹ ہو گئے ہمارے برتن ناپاک ہو گئے۔ جب یہ باتیں اُس انگریز کو سُنائی گئیں تو اسے بڑا تعجب ہوا کہ کیا بانگ میں ایسی خاصیت ہے کہ کھانے کی چیزیں ناپاک ہو جاتی ہیں۔ اس نے سررشتہ دار سے کہا کہ جب تک تجربہ نہ کر لیا جاوے اس مقدمہ کو نہ کرنا چاہیئے چنانچہ اُس نے مؤذن کو حکم دیا۔ کہ تو پھر اُسی طرح بانگ دے وہ ڈرا کہ شاید دُوسرا جُرم نہ ہو۔ مگر جب اس کو تسلی دی گئی اُس نے اسی قدر زور سے بانگ دی۔ صاحب بہادر نے کہا

کہ ہم کو تو اِس سے کوئی ضرر نہیں پہنچا۔ سررشتہ دار سے پُوچھا کہ تم کو کوئی ضرر پہنچا۔ اُس نے بھی کہا کہ حقیقتاً کوئی ضرر نہیں پہنچا۔ آخر اُس کو چھوڑ دیا گیا اور کہا گیا۔ جاؤ جس طرح چاہو بانگ دو۔ اللہ اکبر یہ کس قدر آزادی ہے۔ اور کس قدر اللہ تعالیٰ کا احسان ہے۔ پھر ایسے احسان پر اور ایسے انعام صریح پر بھی اگر کوئی دل گورنمنٹ انگریزی کا احسان محسوس نہیں کرتا۔ وہ دل بڑا کافرِ نعمت اور نمک حرام اور سینہ سے چیر کر نکال ڈالنے کے لائق ہے۔

سکھّا شاہی کا ایک سچّا واقعہ

خود ہمارے اس گاؤں میں جہاں ہماری مسجد ہے۔ کارداروں کی جگہ تھی۔ ہمارے بچپن کا زمانہ تھا لیکن میں نے معتبر آدمیوں سے سُنا ہے کہ جب انگریزی دخل ہو گیا تو چند روز تک وہی قانون رہا۔ ایک کاردار آیا ہوا تھا۔ اس کے پاس ایک مسلمان سپاہی تھا وہ مسجد میں آیا اور مؤذن کو کہا کہ بانگ دے۔ اس نے وہی گنگنا کر اذان دی۔ سپاہی نے کہا کہ کیا تم اسی طرح پر بانگ دیتے ہو۔ مؤذن نے کہا ہاں اسی طرح دیتے ہیں۔ سپاہی نے کہا کہ نہیں کوٹھے پر چڑھ کر اُونچی آواز سے اذان دے اور جس قدر زور سے ممکن ہے وہ دے۔ وہ ڈرا آخر اُس نے زور سے بانگ دی۔ تمام ہندو اکٹھے ہو گئے۔ اور ملّاں کو پکڑ لیا۔ وہ بیچارا بہت ڈرا اور گھبرایا کہ کاردار مجھے پھانسی دیدے گا۔ سپاہی نے کہا کہ میں تیرے ساتھ ہوں۔ آخر سنگدل چھُری مار برہمن اس کو پکڑ کر کاردار کے پاس لے گئے اور کہا۔ مہاراج! اِس نے ہم کو بھرشٹ کر دیا۔ کاردار تو جانتا تھا کہ سلطنت تبدیل ہو گئی ہے اور اب وہ سکھا شاہی نہیں رہی۔ مگر ذرا دبی زبان سے پوچھا کہ تُو نے اُونچی آواز سے کیوں بانگ دی؟ سپاہی نے آگے بڑھ کر کہا کہ اُس نے نہیں میں نے بانگ دی۔ کاردار نے کہا۔ کم بختو! کیوں شور ڈالتے ہو۔ لاہور میں تو اب کھُلے طور پر گائے ذبح ہوتی ہے۔ تم ایک اذان کو روتے ہو۔ جاؤ

چپکے ہو کر بیٹھ رہو۔ الغرض یہ واقعی اور سچی بات ہے جو ہمارے دل سے نکلتی ہے جس قوم نے ہم کو تحت الثریٰ سے نکالا ہے۔ اس کا احسان ہم نہ مانیں یہ کس قدر ناشکری اور نمک حرامی ہے۔

صحیح بخاری کی زیارت کی دُعا

اس کے علاوہ بڑی جہالت پھیلی ہوئی تھی۔ ایک بڈھے مکّے شاہ نے بیان کیا۔ کہ میں نے اپنے اُستاد کو دیکھا ہے کہ وہ بڑے تضرّع سے دُعا کرتے تھے کہ صحیح بخاری کی ایک دفعہ زیارت ہو جائے اور بعض اوقات اس خیال سے کہ کہاں ممکن ہے دُعا کرتے کرتے اُن کی ہچکیاں بندھ جاتی تھیں۔ اب وُہی بخاری دو چار روپیہ میں امرتسر اور لاہور سے ملتی ہے۔ ایک مولوی شیر محمد صاحب تھے۔ کہیں دو چار ورق احیاء العلوم کے اُن کو مل گئے۔ کتنی مدّت تک ہر نماز کے بعد نمازیوں کو بڑی خوشی اور فخر سے دکھایا کرتے تھے۔ کہ یہ احیاء العلوم ہے اور تڑپتے تھے کہ پُوری کتاب کہیں سے مل جائے۔ اب جابجا احیاء العلوم مطبُوعہ موجود ہے۔ غرض انگریزی قدم کی برکت سے لوگوں کی دینی آنکھ بھی کھُل گئی ہے۔ اور خدا تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ اس سلطنت کے ذریعہ دین کی کس قدر اعانت ہوئی ہے۔ کہ کسی سلطنت میں ممکن ہی نہیں۔ پریس کی برکت اور قسم قسم کے کاغذ کی ایجاد سے ہر قسم کی کتابیں تھوڑی قیمت پر میسّر آسکتی ہیں۔ اور پھر ڈاک خانہ کے طفیل سے کہیں سے کہیں گھر بیٹھے بٹھائے پہنچ جاتی ہیں۔ اور یوں دین کی صداقتوں کی تبلیغ کی راہ کس قدر سہل اور صاف ہو گئی ہے۔

مذہبی آزادی کے جسمانی اور روحانی فوائد

پھر منجملہ اُور برکات کے جو تائید دین میں اس گورنمنٹ کے عہد میں ملی ہیں۔ ایک یہ بھی ہے کہ عقلی قویٰ اور ذہنی طاقتوں میں بڑی ترقی ہوئی ہے۔ اور چونکہ گورنمنٹ نے ہر ایک مذہب کو اس کے مذہب کی اشاعت کی آزادی دی ہے۔ اس طرح پر لوگوں

کو ہر ایک مذہب کے اصُول اور دلائل پرکھنے اور اُن پر غور کرنے کا موقع مل گیا ہے۔ اسلام پر جب مختلف مذہب والوں نے حملے کئے تو اہلِ اسلام کو اپنے مذہب کی تائید اور صداقت کے لئے اپنی مذہبی کتابوں پر غور کرنے کا موقع ملا اور اُن کی عقلی قوتوں میں ترقی ہوئی۔ قاعدہ کی بات ہے کہ جیسے جسمانی قویٰ ریاضت کرنے سے بڑھتے ہیں۔ ایسے ہی رُوحانی قویٰ بھی ریاضت سے نشو ونما پاتے ہیں۔ جیسا گھوڑا چابک سوار کے نیچے آکر درُست ہوتا ہے۔ اسی طرح سے انگریزوں کے آنے سے مذہب کے اصُولوں پر غور کرنے کا موقع ملا۔ اور تدبّر کرنے والوں کو استقامت اور استحکام مذہب حق میں زیادہ مل گیا۔ اور جس جس موقع پر قرآن کریم کے مخالفوں نے انگشت رکھی۔ وہیں سے غور کرنے والوں کو ایک گنج معارف کا ملا۔ اور اس آزادی کی وجہ سے علمِ کلام نے مُعتد بہ ترقی کی اور وُہ مخصوصاً اِس جگہ ہوئی ہے۔ اب اگر روم یا شام کا رہنے والا خواہ وہ کیسا ہی عالم و فاضل کیوں نہ ہو۔ آجاوے تو وُہ عیسائیوں کے یا آریوں کے اعتراضات کا کافی جواب نہ دے سکیگا۔ کیونکہ اُس کو ایسی آزادی اور وسعت کے ساتھ مختلف مذاہب کے اصولوں کے موازنہ کرنے کا موقع نہیں ملا۔ غرض جیسے جسمانی طور پر گورنمنٹ انگلشیہ کی ملک میں امن ہوا۔ ایسے ہی رُوحانی امن بھی پوری طرح پھیلا۔ چونکہ ہمارا تعلق دینی اور روحانی باتوں سے ہے اس لئے ہم تو زیادہ تر ان امُور کا ذکر کریں گے جو فرائض مذہب کے ادا کرنے میں گورنمنٹ کی طرف سے ہم کو بطور احسان ملے ہیں۔

عبادات بجا لانے کے شرائط

پس یاد رکھنا چاہیئے کہ انسان پُوری آزادی اور اطمینان کے ساتھ عبادات کو تب ہی بجا لا سکتا ہے کہ اس میں چار شرطیں موجود ہوں۔

پہلی شرط

اوّل صحت، اگر کوئی شخص ایسا ضعیف ہو کہ چارپائی سے اُٹھ نہ سکے وہ صَوم و

صلوٰۃ کا کیا پابند ہو سکتا ہے۔ اسی طرح پر حج زکوٰۃ وغیرہ بہت سے ضروری امُور کی بجاآوری سے قاصر رہے گا۔ اب دیکھنا چاہیئے کہ گورنمنٹ کے طفیل سے ہم کو صحتِ جسمانی کے بحال رکھنے کے لئے کس قدر سامان ملے ہیں۔ ہر بڑے شہر اور قصبہ میں کوئی نہ کوئی ہسپتال ضرور ہے جہاں مریضوں کا علاج نہایت دلسوزی اور ہمدردی سے کیاجاتا ہے اور دَوا غذا وغیرہ مُفت دی جاتی ہے۔ بعض بیماروں کو ہسپتال میں رکھ کر ایسے طور پر اُن کی نگہداشت وغورو پرداخت کی جاتی ہے کہ کوئی اپنے گھر میں بھی ایسی آسانی اور سہولت اور آرام کے ساتھ علاج نہیں کر سکتا۔ حفظانِ صحت کا ایک الگ محکمہ بنا رکھا ہے۔ جس پر کروڑہا روپیہ سالانہ خرچ ہوتا ہے۔ قصبات اور شہروں کی صفائی کے بڑے بڑے سامان بہم پہنچائے ہیں۔ گندے پانی اور مواد ردّیہ مضرِ صحت کے دفع کرنے کے لئے الگ انتظام ہیں۔ پھر ہر قسم کی سریع الاثر ادویہ تیار کر کے بہت کم قیمت پر مہیا کی جاتی ہیں۔ یہانتک کہ ہر ایک آدمی چند دوائیں اپنے گھر میں رکھ کر بوقتِ ضرورت علاج کر سکتا ہے۔ بڑے بڑے میڈیکل کالج جاری کر کے طبّی تعلیم کو کثرت سے پھیلایا یہانتک کہ دیہات میں بھی ڈاکٹر ملتے ہیں۔ بعض خطرناک امراض چیچک، ہیضہ، طاعون وغیرہ کے دفعیہ کے لئے الگ محکمے ہیں۔ جو ابھی طاعون کے متعلق جس قدر کارروائی گورنمنٹ کی طرف سے عمل میں آئی ہے وہ بہت ہی کچھ شکر گذاری کے قابل ہے۔ غرض صحت کے لحاظ سے گورنمنٹ نے ہر قسم کی ضروری امداد دی ہے اور اس طرح پر عبادت کے لئے پہلی اور ضروری شرط کے پُورا کرنے کے واسطے بہت بڑی مدد دی ہے۔

دوسری شرط

دوسری شرط ایمان ہے۔ اگر خدا تعالیٰ اور اُس کے احکام پر ایمان ہی نہ رہا ہو اور اندر ہی اندر بے دینی اور الحاد کا جذام لگ گیا ہو۔ پھر بھی تعمیل احکام الٰہی نہیں ہوتی۔ جیسے بہت لوگ کہتے ہیں " ایہہ جگ مٹھا تے اگلا کن ڈِٹھا " افسوس ہے۔

دو آدمیوں کی شہادت پر ایک مجرم کو پھانسی مل سکتی ہے۔ بلکہ باوجودیکہ ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر اور بے انتہا ولیوں کی شہادت موجود ہے۔ لیکن ابھی تک اس قسم کا الحاد ان لوگوں کے دلوں سے نہیں گیا۔ ہر زمانہ میں خدا تعالیٰ اپنے مقتدر نشانوں اور معجزات سے اَنَا الْمَوْجُوْد کہتا ہے۔ مگر یہ کمبخت کان رکھتے ہوئے بھی نہیں سُنتے۔ غرض یہ شرط بھی بہت بڑی ضروری شرط ہے۔ اس کیلئے بھی ہمیں گورنمنٹ انگلشیہ کا شکر گزار ہونا چاہیئے۔ کیونکہ ایمان اور اعتقاد پختہ کرنے کے لئے عام تعلیم مذہبی کی ضرورت تھی۔ اور مذہبی تعلیم کا انحصار مذہبی کتابوں کی اشاعت سے وابستہ تھا۔ پریس، ڈاکخانہ کی برکت سے ہر قسم کی مذہبی کتابیں مل سکتی ہیں۔ اور اخبارات کے ذریعے تبادلۂ خیالات کا موقع ملتا ہے۔ سعید الفطرت لوگوں کے لئے بڑا بھاری موقع حاصل ہے کہ ایمان و اعتقاد میں رسوخ حاصل کریں۔ اِن باتوں کے علاوہ جو ضروری اور اشد ضروری بات ایمان کے رسوخ کے لئے ہے۔ وہ خدا تعالےٰ کے نشانات ہیں۔ جو اس شخص کے ہاتھ پر سرزد ہوتے ہیں جو خدا کی طرف سے مامُور ہو کر آتا ہے اور اپنے طرزِ عمل سے گُمشدہ صداقتوں اور معرفتوں کو زندہ کرتا ہے۔ سو خدا کا شکر کرنا چاہیئے کہ اس نے اِس زمانہ میں جس کو پھر ایمان زندہ کرنے کے لئے مامُور کیا اور اس لئے بھیجا کہ تا لوگ قوّتِ یقین میں ترقی کریں وہ بھی اسی مُبارک گورنمنٹ کے عہد میں آیا۔ وُہ کون؟ وُہی جو تم میں کھڑا ہوا بول رہا ہے۔ چونکہ یہ مسلّم بات ہے کہ جبتک پُورے طور پر ایمان نہ ہو۔ نیکی کے اعمال انسان علی الوجہ الاَتم بجا نہیں لا سکتا جس قدر کوئی پہلُو یا کنگرہ ایمان کا گرا ہوُا ہے۔ اسی قدر اعمال انسان میں سُست اور کمزور ہو گا۔ اِس بنا پر۔ وَلی وہ کہلاتا ہے جس کا ہر پہلُو سالم ہو اور وُہ کسی پہلُو سے کمزور نہ ہو۔ اس کی عبادات اکمل اَتم طور پر صادر ہوتی ہیں غرض دوسری شرط ایمان کی سلامتی ہے۔

تیسری شرط

تیسری شرط انسان کے لئے طاقتِ مالی ہے۔ مساجد کی تعمیر اور امُور متعلقہ اسلام

کی بجا آوری مالی طور پر منحصر ہے۔ اس کے سوا تمدّنی زندگی اور تمام اُمور کا اور خصوصاً مساجد کا انتظام بہت مشکل ہوتا ہے۔ اب اِس پہلو کے لحاظ سے گورنمنٹ اِنگلشیہ کو دیکھو گورنمنٹ نے ہر قسم کی تجارت کو ترقی دی۔ تعلیم پھیلا کر ملک کے باشندوں کو نوکریاں دیں اور بڑے بڑے عُہدے دیئے۔ سفر کے وسائل بہم پہنچا کر دوسرے ملکوں میں جا کر روپیہ کما لانے میں مدد دی۔ چنانچہ ڈاکٹر، پلیڈر، عدالتوں کے عُہدہ دار، سررشتہ تعلیم وغیرہ بہت سے ذریعوں سے لوگ معقول روپیہ کماتے ہیں اور تجارت کرنے والے سوداگر قسم قسم کے تجارتی مال سے ولایت اور دور دراز ملکوں افریقہ اور آسٹریلیا وغیرہ میں جا کر مالا مال ہو کر آتے ہیں۔ غرض روزگار عام کر دیا اور روپیہ کمانے کے بہت سے ذریعے پیدا کر دیئے۔

چوتھی شرط

چوتھی شرط امن ہے۔ یہ امن کی شرط انسان کے اپنے اختیار میں نہیں ہے جب سے دُنیا پیدا ہوئی ہے اس کا انحصار علی الخصُوص سلطنت پر رکھا گیا ہے۔ جس قدر سلطنت نیک نیّت اور اُس کا دل کھوٹ سے پاک ہوگا اسی قدر یہ شرط زیادہ صفائی سے پُوری ہوگی۔ اب اس زمانہ میں امن کی شرط اعلیٰ درجہ پر پُوری ہو رہی ہے۔ میں خوب یقین رکھتا ہوں کہ سِکھّوں کے زمانہ کے دِن انگریزوں کے زمانہ کی راتوں سے بھی کم درجہ پر تھے۔ یہاں سے قریب ہی بوٹر ایک گاؤں ہے۔ قادیان سے یہ گاؤں دو میل ہوگا وہاں اگر کوئی عورت جایا کرتی تھی تو رو رو کر جایا کرتی تھی۔ کہ خدا جانے پھر واپس آنا ہوگا کہ نہیں (سِکھّوں کے جور و ظلم کی یہ نشانی اب تک بھی قائم ہے کہ باوجودیکہ اب راستے صاف اور امن سے پُر ہیں لیکن پھر بھی اکثر جب کوئی سفر کو جاتا ہے تو رو رو کر پھرتا ہے۔ ایڈیٹر) اب یہ حالت ہے کہ زمین کی اِنتہا تک چلا جاوے، کسی قسم کا خطرہ نہیں۔ سفر کے وسائل ایسے آسان کر دیئے ہیں۔ کہ ہر ایک قسم کا آرام حاصل ہے۔ گویا گھر کی طرح ریل میں بیٹھا

ہوا یا سویا ہُوا جہاں چاہے چلا جاوے۔ مال و جان کی حفاظت کے لئے پولیس کا وسیع صیغہ موجُود ہے۔ حقوق کی حفاظت کے لئے عدالتیں کھُلی ہیں جہاں تک چاہے چلا جاوے۔ یہ کس قدر احسان ہیں جو ہماری عملی آزادی کا موجب ہوئے ہیں۔ پس اگر ایسی حالت میں جبکہ جسم و رُوح پر بے انتہا احسان ہو رہے ہیں۔ ہم میں صُلح کاری اور شکر گزاری کا مادہ پیدا نہیں ہوتا۔ تو تعجب کی بات ہے۔ جو مخلوق کا شکر نہیں کرتا۔ وہ خدا تعالیٰ کا بھی شکر ادا نہیں کرسکتا۔ وجہ کیا ہے؟ اس لئے کہ وُہ مخلوق بھی تو خدا ہی کا فرستادہ ہوتا ہے اور خدا ہی کے ارادہ کے تحت میں چلتا ہے۔ الغرض یہ سب امُور جو میں نے بیان کئے ہیں ایک نیک دل اِنسان کو مجبُور کر دیتے ہیں کہ وہ ایسے مُحسن کا شکر گذار ہو۔ یہی وجہ ہے کہ ہم بار بار اپنی تصنیفات میں اور اپنی تقریروں میں گورنمنٹ انگلشیہ کے احسانوں کا ذکر کرتے ہیں۔ کیونکہ ہمارا دِل واقعی اُس کے احسانات کی لذت سے بھرا ہوا ہے۔ احسان فراموش نادان اپنی مُنافقانہ فطرتوں پر قیاس کرکے ہمارے اس طریق عمل کو جو صدق اخلاق سے پیدا ہوتا ہے۔ جھوٹی خوشامد پر حمل کرتا ہے۔

سچی توحید

اب میں پھر اُس اصل بات کی طرف عود کرکے بتلانا چاہتا ہوں کہ پہلے اس صُورت میں خدا تعالیٰ نے ربّ النّاس فرمایا پھر ملک النّاس آخر میں اِلٰہ النّاس فرمایا۔ جو اصلی مقصُود اور مطلُوب انسان کا ہے۔ اِلٰہ کہتے ہیں مقصُود، معبُود، مطلُوب کو۔ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کے معنی یہی ہیں۔ کہ لَامَعْبُوْدَ لِیْ وَلَامَقْصُوْدَ لِیْ وَلَامَطْلُوْبَ لِیْ اِلَّا اللّٰہُ یہی سچی توحید ہے کہ ہر مدح و ستائش کا مستحق اللہ تعالیٰ کو ہی ٹھیرایا جاوے۔

خنّاس کون ہے؟

پھر فرمایا۔ مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ الْخَنَّاسِ[1]۔ لعنی وسوسہ ڈالنے والے خنّاس

[1] النّاس: ۵

کے شر سے پناہ مانگو۔ خنّاس عربی میں سانپ کو کہتے ہیں جیسے عبرانی میں نحاش کہتے ہیں۔ اِس لئے کہ اُس نے پہلے بھی بدی کی تھی۔ یہاں ابلیس یا شیطان نہیں فرمایا۔ تاکہ انسان کو اپنی ابتدا کی ابتلا یاد آوے۔ کہ کس طرح شیطان نے ان کے اَبَوَین کو دھوکا دیا تھا۔ اُس وقت اُس کا نام خنّاس ہی رکھا گیا تھا۔ یہ ترتیب خدا نے اس لئے اختیار فرمائی ہے تاکہ انسان کو پہلے واقعات پر آگاہ کرے کہ کس طرح شیطان نے خدا کی اطاعت سے انسان کو فریب دے کر رُوگردان کیا۔ ویسے ہی وہ کسی وقت مَلِکِ وقت کی اطاعت سے بھی عاصی اور رُوگردان نہ کرا دے۔ یوں انسان ہر وقت اپنے نفس کے ارادوں اور منصُوبوں کی جانچ پڑتال کرتا رہے۔ کہ مجھ میں مَلِکِ وقت کی اطاعت کس قدر ہے اور کوشش کرتا رہے اور خدا تعالیٰ سے دُعا مانگتا رہے کہ کسی مَدخل سے شیطان اُس میں داخل نہ ہو جائے۔ اب اِس سُورۃ میں جو اطاعت کا حکم ہے وہ خدا تعالیٰ کی اطاعت کا حکم ہے کیونکہ اصلی اطاعت اُسی کی ہے مگر والدین مُرشد ہادی اور بادشاہِ وقت کی اطاعت کا بھی حکم ہے۔ کیونکہ اُن کی اطاعت کا بھی حکم خُدا ہی نے دیا ہے اور اطاعت کا فائدہ یہ ہوگا کہ خنّاس کے قابُو سے بچ جاؤ گے۔ پس پناہ مانگو کہ خنّاس کی وسوسہ اندازی کے شر سے محفوظ رہو۔ کیونکہ مومن ایک ہی سُوراخ سے دو مرتبہ نہیں کاٹا جاتا۔ ایک بار جس راہ سے مصیبت آئے دوبارہ اس میں نہ پھنسو پس اس سُورۃ میں صریح اشارہ ہے کہ بادشاہِ وقت کی اطاعت کرو۔ خنّاس میں خواص اسی طرح ودیعت رکھے گئے ہیں۔ جیسے خدا تعالےٰ نے درخت پانی آگ وغیرہ چیزوں اور عناصر میں خواص رکھے ہیں۔ عنصر کا لفظ اصل میں عَنِیْ سرّ ہے۔ عربی میں ص اور س کا بدل ہو جاتا ہے یعنی یہ چیز اسرار الٰہی میں سے ہے۔ درحقیقت یہاں آکر انسان کی تحقیقات رُک جاتی ہے۔ غرض ہر ایک چیز خُدا ہی کی طرف سے ہے۔ خواہ وہ بسائط کی قسم سے ہو خواہ مرکبات کی قسم سے۔ جبکہ یہ بات ہے کہ ایسے بادشاہوں کو بھیجکر اُس

نے ہزارہا مشکلات سے ہم کو چھڑایا اور ایسی تبدیلی بخشی کہ ایک آتشی تنور سے نکال کر ایسے باغ میں پہنچا دیا۔ جہاں فرحت افزا پودے ہیں اور ہر طرف ندیاں جاری ہیں۔ اور ٹھنڈی خوش گوار ہوائیں چل رہی ہیں۔ پھر کس قدر ناشکری ہو گی۔ اگر کوئی اُس کے احسانات کو فراموش کر دے۔ خاصکر ہماری جماعت کو جس کو خُدا نے بصیرت دی ہے اور اُن میں نِفاق نہیں ہے۔ کیونکہ اُنہوں نے جس سے تعلق پیدا کیا ہے۔ اس میں نِفاق نہیں۔ شکر گزاری کا بڑا عُمدہ نمونہ بننا چاہیئے۔

جماعت کی فراست کا ثبُوت

مجھے کامل یقین ہے کہ میری جماعت میں نفاق نہیں ہے اور میرے ساتھ تعلق پَیدا کرنے میں اُن کی فراست نے غلطی نہیں کی اس لئے کہ میں درحقیقت وُہی ہوں جس کے آنے کو ایمانی فراست نے ملنے پر متوجہ کیا ہے اور خدا تعالیٰ گواہ اور آگاہ ہے کہ میں وُہی صادِق اور امین اور موعُود ہوں جس کا وعدہ لوگوں کو ہمارے سیّد و مولیٰ صادق و مصدوق صلی اللہ علیہ وسلّم کی زبان مبارک سے دیا گیا تھا۔ مگر جنہوں نے مجھ سے تعلق پیدا نہیں کیا وُہ اس نعمت سے محرُوم ہیں۔ فراست گویا ایک کرامت ہے۔ یہ لفظ فِراست بفتح الفار بھی ہے اور بکسر الفار بھی۔ زبر کے ساتھ اس کے معنی ہیں گھوڑے پر چڑھنا۔ مومن فراست کے ساتھ اپنے نفس کا چابک سوار ہوتا ہے۔ خدا کی طرف سے اس کو نوُر ملتا ہے۔ جس سے وُہ راہ پاتا ہے۔ اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا۔ اِتّقوا فراسة المؤمن فانّهٗ ینظر بنور اللّٰہِ ۔ یعنی مومن کی فراست سے ڈرو کیونکہ وہ نوراللہ سے دیکھتا ہے۔ غرض ہماری جماعت کی فراست حقّہ کا بڑا ثبوت یہ ہے کہ اُنہوں نے خدا کے نور کو شناخت کیا۔"

اسی طرح میں امید رکھتا ہوں کہ ہماری جماعت عملی حالت میں ترقی کرے گی۔ کیونکہ وہ منافق نہیں۔ اور وہ ہمارے مخالفوں کے اس طرز عمل سے بالکل پاک ہے کہ جب حکّام

سے ملتے ہیں تو اُن کی تعریفیں کرتے ہیں اور جب گھر میں آتے ہیں تو کافر بتلاتے ہیں

بہترین نصیحت

سُنو اور یاد رکھو کہ خدا اس طرزِ عمل کو پسند نہیں فرماتا۔ تم جو میرے ساتھ تعلق رکھتے ہو۔ اور محض خدا کے لئے رکھتے ہو۔ نیکی کرنے والوں کے ساتھ نیکی کرو۔ اور بَدی کرنے والوں کو مُعاف کرو۔ کوئی شخص صِدّیق نہیں ہو سکتا۔ جب تک کہ وُہ یکرنگ نہ ہو۔ جو مُنافقانہ چال چلتا ہے۔ اور دورنگی اختیار کرتا ہے وہ آخر پکڑا جاتا ہے۔ مثل مشہور ہے۔ دروغ گورا حافظہ نباشد۔ اس وقت میں ایک ضروری بات کہنا چاہتا ہوں۔ اور وہ یہ ہے کہ سلاطین کو اکثر مہمیں پیش آتی ہیں اور وہ بھی رعایا کے ہی بچاؤ اور حفاظت کے لئے ہوتی ہیں۔ تم نے دیکھا ہے کہ ہماری گورنمنٹ کو سرحد پر کئی بار جنگ کرنی پڑی ہے۔ گو سرحدی لوگ مسلمان ہیں مگر ہمارے نزدیک وہ حق پر نہیں ہیں۔ اُن کا انگریزوں کے ساتھ جنگ کرنا کسی مذہبی حیثیت اور پہلُو سے درست نہیں ہے اور نہ وہ حقیقتاً مذہبی پہلُو سے لڑتے ہیں۔ کیا وُہ بتلا سکتے ہیں کہ گورنمنٹ نے مسلمانوں کو آزادی نہیں دے رکھی۔ بیشک دے رکھی ہے۔ اور ایسی آزادی دے رکھی ہے۔ جس کی نظیر کابل اور نواحِ کابل میں رہ کر بھی نہیں مل سکتی۔ امیر کے حالات اچھے سُننے میں نہیں آتے۔ ان سرحدی مجنونوں کے لڑنے کی کوئی وجہ بجز پیٹ کے نہیں ہے۔ دس روپے مل جاویں تو وہ غازی پن غرق ہو جاتا ہے۔ یہ لوگ ظالم طبع ہیں جو اسلام کو بدنام کرتے ہیں۔

اسلام میں بادشاہ اور محسن کے حقوق

اسلام بادشاہِ وقت اور محسن کے حقُوق قائم کرتا ہے۔ دنی الطبع لوگ اپنے پیٹ کی خاطر حدودُ اللہ کو توڑتے ہیں۔ اور ان کی رذالت اور سفاہت اور سفّاکی کا بڑا ثبوت یہ ہے کہ ایک روٹی کے لئے بآسانی ایک انسان کا خُون کر دیتے ہیں۔ ایسا ہی آجکل

ہماری گورنمنٹ کو ٹرانسوال کی ایک چھوٹی سی جمہوری سلطنت کے ساتھ مقابلہ ہے۔ وہ سلطنت پنجاب سے بڑی نہیں ہے اور یہ سراسر اُس کی حماقت ہے کہ اس قدر بڑی سلطنت کے ساتھ مقابلہ شروع کیا ہے۔ لیکن اس وقت جبکہ مقابلہ شروع ہو گیا ہے ہر ایک مسلمان کا حق ہے کہ انگریزوں کی کامیابی کے لئے دُعا کرے۔ ہم کو ٹرانسوال سے کیا غرض۔ جس کے ہم پر ہزاروں احسان ہیں۔ ہمارا فرض ہے کہ اُس کی خیر خواہی کریں۔ ایک ہمسایہ کے اتنے حقوق ہیں کہ اُس کی تکلیف سُنکر اس کا پتہ پانی ہو جاتا ہے۔ تو کیا اب ہمارے دلوں کو سرکارِ انگلشیہ کے وفادار سپاہیوں کے مصائب پڑھ کر صدمہ نہیں پہنچتا۔ میرے نزدیک وہ بڑا سیاہ دل ہے جسے گورنمنٹ کے دُکھ اپنے دُکھ معلوم نہیں ہوتے۔ یاد رکھو جذام کئی قسم کے ہوتے ہیں۔ جس کو کوڑھ کہتے ہیں۔ اور ایک جذام رُوح کو لگ جاتا ہے۔ ہمارے یہاں ایک شخص بازار میں رہا کرتا تھا۔ اگر کوئی مقدمہ کسی پر ہو جاتا۔ تو پُوچھا کرتا تھا۔ کہ مقدمہ کی کیا صورت ہے۔ اگر کسی نے کہہ دیا کہ وہ بَری ہو گیا یا اچھی صورت ہے۔ تو اس پر آفت آجاتی اور چُپ ہو جاتا۔ اگر کوئی کہہ دیتا کہ فرد قرارداد جُرم لگ گئی۔ تو بہت خوش ہوتا اور اُس کو پاس بٹھا کر سارا قِصّہ سُنتا۔ غرض بعض آدمیوں کی فطرت میں بداندیشی کا مادہ ہوتا ہے کہ وہ بُری خبریں سُننا چاہتے ہیں اور کسی کی بُرائی پر خوش ہوتے ہیں۔ چونکہ شیطان کی سیرت اُن کے اندر ہوتی ہے۔ پس بدخواہی کسی انسان کی بھی اچھی نہیں۔ چہ جائیکہ مُحسن کی ہو۔ لہذا میں اپنی جماعت کو کہتا ہوں کہ وہ ایسے لوگوں کا نمونہ اختیار نہ کریں۔ بلکہ پُوری ہمدردی اور سچّی خیر خواہی کے ساتھ برٹش گورنمنٹ کی کامیابی کے لئے دُعا کریں اور عملی طور پر بھی وفاداری کے نمونے دکھائیں

مُحسن کا شکر کرو

ہم یہ باتیں کسی صِلہ یا انعام کی خاطر نہیں کرتے۔ ہم کو صِلہ اور انعامات اور دنیادی خطابات سے کیا غرض۔ ہماری نیّات کو علیم خدا خوب جانتا ہے۔ کہ ہمارا

کام محض اُس کے لئے اور اُسی کے امر سے ہے۔ اُس نے ہم کو تعلیم دی ہے کہ محسن کا شکر کرو۔ ہم اس شکرگذاری میں اپنے مولا کریم کی اطاعت کرتے ہیں اور اسی سے انعام کی امید رکھتے ہیں۔ سو تم جو میری جماعت ہو۔ اپنی محسن گورنمنٹ کی خوب قدر کرو۔ اب مَیں چاہتا ہوں کہ ٹرانسوال کی جنگ کے لئے ہم دعا کریں۔"

اور اس کے بعد حضرت اقدسؑ نے نہایت جوش اور خلوص کے ساتھ دُعا کے لئے ہاتھ اٹھائے اور سب حاضرین نے جن کی تعداد ایک ہزار سے متجاوز تھی۔ دُعا کی۔

(الحکم جلد ۴ نمبر ۵ صفحہ ۳ تا ۱۰ مورخہ ۱۰ر فروری ۱۹۰۰ء)

۱۱ر اپریل ۱۹۰۰ء۔ یوم العرفات کو دُعا

یوم العرفات کو علی الصبح حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بذریعہ ایک خط کے حضرت مولانا نورالدین صاحب کو اطلاع دی۔ کہ

"میں آج کا دن اور رات کا کسی قدر حصّہ اپنے اور اپنے دوستوں کے لئے دُعا میں گذارنا چاہتا ہوں۔ اِس لئے وہ دوست جو یہاں موجود ہیں۔ اپنا نام مع جائے سکونت لکھ کر میرے پاس بھیجدیں۔ تاکہ دُعا کرتے وقت مجھے یاد رہے۔"

اس پر تعمیل ارشاد میں ایک فہرست احباب کی ترتیب دے کر حضورؑ کیخدمت میں بھیجدی گئی۔ اس کے بعد اَور احباب باہر سے آگئے۔ جنہوں نے زیارت و دُعا کے لئے بیقراری ظاہر کی۔ اور رقعے بھیجنے شروع کر دیئے۔ حضورؑ نے دوبارہ اطلاع بھیجی۔ کہ

"میرے پاس اب کوئی رقعہ وغیرہ نہ بھیجے۔ اِس طرح سخت ہرج ہوتا ہے۔"

مغرب وعشا میں حضورؑ تشریف لائے جو جمع کرکے پڑھی گئیں۔ بعد فراغت فرمایا:۔

"چونکہ میں خدا تعالیٰ سے وعدہ کر چکا ہوں کہ آج کا دن اور رات کا حصّہ دعاؤں میں گذاروں۔ اس لئے میں جاتا ہوں تاکہ تخلف وعدہ نہ ہو۔"

یہ فرما کر حضورؑ تشریف لے گئے۔ اور دُعاؤں میں مشغول ہوگئے۔ دوسری صبح عید کے

دن مولوی عبدالکریم صاحب نے اندر جا کر تقریر کرنے کے لئے خصوصیت سے عرض کی۔ اس پر حضورؑ نے فرمایا۔ "خُدا نے ہی حکم دیا ہے۔" اور پھر فرمایا۔ کہ

"رات الہام ہوا ہے کہ مجمع میں کچھ عربی فقرے پڑھو۔ میں کوئی اَور مجمع سمجھتا تھا۔ شاید یہی مجمع ہو۔"

خطبہ الہامیہ کا نشان

یہ خطبہ جو اللہ تعالیٰ کے القاء و ایماء کے موافق حضورؑ نے عربی زبان میں پڑھا۔ یہ خطبہ آیات اللہ میں سے ایک زبردست آیت اور لانظیر نشان ہے۔ جو ایک عظیم الشان گروہ کے سامنے پورا ہوا۔ اور "خطبہ الہامیہ" کے نام سے شائع فرمادیا گیا۔

جب حضرت اقدسؑ عربی خطبہ پڑھنے کے لئے تیار ہوئے۔ تو حضرت مولوی عبدالکریم صاحب اور حضرت مولوی نورالدین صاحب کو حکم دیا۔ کہ وہ قریب تر ہو کر اس خُطبہ کو لکھیں۔ جب حضرات مولوی صاحبان تیار ہو گئے تو حضورؑ نے یَاعِبَادَاللّٰہِ کے لفظ سے عربی خُطبہ شروع فرمایا۔ اثناء خُطبہ میں حضرت اقدسؑ نے یہ بھی فرمایا۔

"اب لکھ لو پھر یہ لفظ جاتے ہیں"

جب حضرت اقدسؑ خُطبہ پڑھ کر بیٹھ گئے تو اکثر احباب کی درخواست پر مولانا مولوی عبدالکریم صاحب اُس کا ترجمہ سُنانے کے لئے کھڑے ہوئے۔ اس سے پیشتر کہ مولانا موصوف ترجمہ سُنائیں حضرت اقدسؑ نے فرمایا۔ کہ

"اس خُطبہ کو کل عرفہ کے دن اور عید کی رات میں جو میں نے دُعائیں کی ہیں ان کی قبولیت کے لئے نشان رکھا گیا تھا۔ کہ اگر میں یہ خُطبہ عربی زبان میں ارتجالاً پڑھ گیا تو وہ ساری دُعائیں قبول سمجھی جائیں گی۔ الحمدللہ کہ وہ ساری دُعائیں بھی خدا تعالیٰ کے وعدہ کے موافق قبول ہو گئیں۔"

"سجدۂ شکر مُبارک"

ابھی مولانا عبدالکریم صاحب ترجمہ سُنا ہی رہے تھے۔ کہ حضرت اقدسؑ فرطِ جوش کیساتھ سجدۂ شکر میں جا پڑے۔ حضور کے ساتھ تمام حاضرین نے سجدۂ شکر ادا کیا۔ سجدہ سے سر اُٹھا کر حضرت اقدسؑ نے فرمایا۔

"ابھی میں نے سُرخ الفاظ میں لکھا دیکھا ہے۔ کہ "مُبارک" یہ گویا قبولیت کا نشان ہے۔"

(الحکم۔ جلد ۴ نمبر ۱۴۔ پرچہ ۱۷ اپریل ۱۹۰۰ء)

۱۲ اپریل ۱۹۰۰ء۔

حضرت اقدسؑ کی دلی آرزو

حضرت اقدس امام ہمام علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دلی آرزو اور تمنا رہتی تھی کہ ہمارے احباب کو دارالامان میں بار بار آنے کا موقع ملے اور اِس طرح پر یہاں رہ کر ہر ایک شخص کو اپنے تزکیۂ نفس اور تصفیۂ باطنی اور تجلیۂ رُوح کے لئے عملی ہدایتیں مل سکیں۔ اس غرض کے پُورا کرنے کے لئے حضورؑ نے سال میں تین جلسے مقرر کر رکھے تھے۔ عیدین اور بڑے دن کی تعطیلوں میں۔ **روئداد جلسہ عید الاضحیہ** درج ذیل ہے۔

عید الاضحیہ کی آنحضرتؐ اور مسیح موعودؑ سے مناسبت

فرمایا:۔

"آج عید الضحیٰ کا دن ہے اور یہ عید ایک ایسے مہینے میں آتی ہے جس پر اسلامی مہینوں کا خاتمہ ہوتا ہے یعنی پھر محرّم سے نیا سال شروع ہوتا ہے۔ یہ ایک سِر کی بات ہے کہ ایسے مہینہ میں عید کی گئی ہے۔ جس پر اسلامی مہینہ کا یا زمانہ کا خاتمہ ہے۔ اور یہ اس طرف اشارہ ہے کہ اِس کو ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم اور آنیوالے مسیح سے بہت مناسبت ہے۔ وہ مناسبت کیا ہے؟ ایک یہ کہ ہمارے نبی کریم محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلّم آخر زمانہ کے نبی تھے۔ اور آپ کا وجُود باجود اور وقت بعینہٖ

گویا عید الضحیٰ کا وقت تھا۔ چنانچہ یہ امر مسلمانوں کا بچّہ بچّہ بھی جانتا ہے۔ کہ آپؐ نبی آخر الزّمان تھے۔ اور یہ مہینہ بھی آخر الشہور ہے۔ اس لئے اس مہینہ کو آپ کی زندگی اور زمانہ سے مناسبت ہے۔

دوسری مناسبت

دوسری مناسبت۔ چونکہ یہ مہینہ قربانی کا مہینہ کہلاتا ہے۔ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلّم بھی حقیقی قربانیوں کا کامل نمونہ دکھانے کے لئے تشریف لائے تھے۔ جیسے آپ لوگ بکری، اونٹ، گائے، دُنبہ ذبح کرتے ہو۔ ویسا ہی وُہ زمانہ گذرا ہے۔ جو آج سے تیرہ سَو سال ۱۳۰۰ پیشتر خدا تعالیٰ کی راہ میں انسان ذبح ہوئے۔ حقیقی طور پر عید الضحیٰ وُہی تھی۔ اور اسی میں ضحیٰ کی روشنی تھی۔

قربانی کا مفہوم

یہ قربانیاں اس کا لُب نہیں۔ پوست ہیں۔ رُوح نہیں جسم ہیں۔ اس سہولت اور آرام کے زمانے میں ہنسی خوشی سے عید ہوتی ہے۔ اور عید کی انتہا ہنسی خوشی اور قسم قسم کی تعیّشات قرار دیئے گئے ہیں۔ عورتیں اسی روز تمام زیورات پہنتی ہیں۔ عُمدہ سے عُمدہ کپڑے زیب تن کرتی ہیں۔ مرد عُمدہ پوشاکیں پہنتے ہیں۔ اور عُمدہ سے عُمدہ کھانے بہم پہنچاتے ہیں۔ اور یہ ایسا مسرّت اور راحت کا دن سمجھا جاتا ہے کہ بخیل سے بخیل انسان بھی آج گوشت کھاتا ہے۔ خصوصاً کشمیریوں کے پیٹ تو بکروں کے مدفن ہوجاتے ہیں۔ گو اَور لوگ بھی کمی نہیں کرتے۔ الغرض ہر قسم کے کھیل کُود۔ لہو و لعب کا نام عید سمجھا گیا ہے۔ مگر افسوس ہے کہ حقیقت کی طرف مُطلق توجہ نہیں کیجاتی۔

بڑا امر

درحقیقت اس دن میں بڑا امر یہ تھا۔ کہ حضرت ابراہیمؑ نے جس قربانی کا بیج بویا تھا اور مخفی طور پر بویا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم نے اُس کے لہلہاتے کھیت

دکھائے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹے کے ذبح کرنے میں خدا تعالیٰ کے حکم کی تعمیل میں دریغ نہ کیا۔ اس میں مخفی طور پر یہی اشارہ تھا۔ کہ انسان ہمہ تن خدا کا ہو جائے۔ اور خدا کے حکم کے سامنے اُس کی اپنی جان اپنی اولاد اپنے اقربا و اعزا کا خون بھی خفیف نظر آئے رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں جو ہر ایک پاک ہدایت کا کامل نمونہ تھے کیسی قربانی ہوئی۔ خُونوں سے جنگل بھر گئے۔ گویا خون کی ندیاں بہہ نکلیں۔ باپوں نے اپنے بچّوں کو، بیٹوں نے اپنے باپوں کو قتل کیا۔ اور وہ خوش ہوتے تھے۔ کہ اسلام اور خدا کی راہ میں قیمہ قیمہ اور ٹکڑے بھی کئے جاویں تو اُن کی راحت ہے۔ مگر آج غور کر کے دیکھو کہ بجز ہنسی اور خوشی اور لہو ولعب کے رُوحانیت کا کونسا حِصّہ باقی ہے۔ یہ عیدالضحیٰ پہلی عید سے بڑھ کر ہے اور عام لوگ بھی اس کو بڑی عید تو کہتے ہیں۔ مگر سوچکر بتلاؤ کہ عید کی وجہ سے کس قدر ہیں۔ جو اپنے تزکیۂ نفس اور تصفیۂ قلب کی طرف متوجّہ ہوتے ہیں اور رُوحانیّت سے حصّہ لیتے ہیں۔ اور اُس روشنی اور نُور کو لینے کی کوشش کرتے ہیں جو اِس ضُحٰی میں رکھا گیا ہے۔ عید رمضان اصل میں ایک مجاہدہ ہے اور ذاتی مجاہدہ ہے۔ اور اس کا نام بذل الرُّوح ہے۔ مگر یہ عید جس کو بڑی عید کہتے ہیں۔ ایک عظیم الشّان حقیقت اپنے اندر رکھتی ہے۔ اور جس پر افسوس کہ توجہ نہیں کی گئی۔ خدا تعالیٰ نے جس کے رحم کا ظہور کئی طرح پر ہوتا ہے۔ امت محمّدیہ صلی اللہ علیہ وسلّم پر ایک یہ بڑا بھاری رحم کیا ہے۔ کہ اَور اُمتوں میں جس قدر باتیں پوست اور قشر کے رنگ میں تھیں۔ اُن کی حقیقت اس اُمّتِ مرحومہ نے دکھلائی ہے۔ سورۃ الفاتحہ میں جو خدا تعالیٰ کی یہ چار صفات بیان ہوئی ہیں۔ کہ ربّ العالمین، رحمٰن، رحیم، ملٰک یوم الدین اگرچہ عام طور پر یہ صفات اس عالم پر تجلّی کرتی ہیں۔ لیکن اُن کے اندر حقیقت میں پیشگوئیاں ہیں۔ جن پر کہ لوگ بہت کم توجہ کرتے ہیں۔

صفاتِ الٰہیّہ کے مظہرِ صرف آنحضرتؐ تھے

اور وُہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان چاروں صفتوں کا نمونہ دکھایا۔ کیونکہ کوئی حقیقت بغیر نمونہ کے سمجھ میں نہیں آسکتی۔ رب العالمین کی صفت نے کس طرح پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم میں نمونہ دکھایا۔ آپ نے عَین ضُعف میں پرورش پائی۔ کوئی موقع مدرسہ مکتب نہ تھا۔ جہاں آپ اپنے رُوحانی اور دینی قویٰ کو نشوونما دے سکتے۔ کبھی کسی تعلیمیافتہ قوم سے ملنے کا موقع ہی نہ ملا۔ نہ کسی موٹی سوٹی تعلیم کا ہی موقع پایا۔ اور نہ فلسفہ کے باریک اور دقیق علوم کے حاصِل کرنے کی فرُصت ملی۔ پھر دیکھو کہ باوجود ایسے مواقِع کے نہ ملنے کے قرآن شریف ایک ایسی نعمت آپ کو دی گئی۔ جس کے علُوم عالیہ اور حقّہ کے سامنے کسی اَور علم کی ہستی ہی کچھ نہیں۔ جو انسان ذرا سی سمجھ اور فِکر کے ساتھ قرآن کریم کو پڑھیگا۔ اس کو معلوم ہو جاویگا کہ دُنیا کے تمام فلسفے اور علُوم اس کے سامنے ہیچ ہیں اور سب حکیم اور فلاسفر اس سے بہت پیچھے رہ گئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم سے پیشتر دو عظیم الشّان نبی گزرے ہیں۔ ایک حضرت موسٰی علیہ السّلام اور دوسرے حضرت عیسٰی علیہ السّلام۔ مگر اُن دونوں کو تعلیم حاصِل کرنے کا موقعہ مِلا۔ اُن میں سے کِسی کی نسبت نبی امّی ہونے کا دعوےٰ نہیں کیا گیا۔ یہ تحدّی اور دعوٰی ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کی نسبت ہوا۔ چنانچہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ مَا كُنْتَ تَدْرِیْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِیْمَانُ وَلٰكِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا نَّهْدِیْ بِهٖ مَنْ نَّشَآءُ مِنْ عِبَادِنَا[1] الآیۃ

حضرت موسٰی علیہ السّلام نے تو گویا شاہزادوں کی طرح تعلیم پائی تھی اور فرعون کی گود میں شاہانہ نشوونما پایا۔ اُن کے لئے اتالیق مقرر کئے گئے۔ کیونکہ اس زمانہ میں بھی اتالیق مقرر ہوتے تھے۔ اور اگر حضرت موسٰی علیہ السّلام کو فقر نہ ملتا۔ تو گویا فرعون کے بعد گدی نشین آپ ہی تھے۔ اور اگر خدا کا فضل نہ ہوتا۔ تو نعوذ باللہ آپؑ

[1] الشوریٰ: ۵۳

کو فرعون بھی بننا تھا۔

یاد رہے کہ فرعونؔ کا لفظ بُرا نہیں۔ اصل میں شاہانِ مصر کا یہ لقب تھا جس طرح پر قیصر و کسریٰ شاہانِ رُوم و ایران کا لقب تھا۔ اور جس طرح پر آج زارؔ روس اور سلطانؔ رُوم کا لقب ہے۔ میرا مطلب اس بیان سے صرف یہ ہے۔ کہ اگر خدا تعالیٰ یہ دوسرا سلسلہ نہ شروع کر دیتا۔ تو ضرور تھا کہ وُہی تخت نشین ہوتے۔ اور یہ بھی سچی بات ہے کہ گو موسیٰؑ کی ماں کو بھی ایک درد اور دُکھ پہنچا تھا۔ کہ جیتی جان کو دریا میں ڈالا۔ لیکن اُس کی راحت اور مُسرت کی کیا اِنتہار ہو سکتی ہے۔ جب کہ خود خدا تعالیٰ نے موسیٰؑ کی واپسی کا اس کو وعدہ دیا تھا۔ الغرض مُوسیٰؑ کی تعلیم تو یوں شاہانہ رنگ میں ہوئی۔

حضرت عیسٰی علیہ السّلام کی تعلیم بھی باقاعدہ ہوئی۔ میرے پاس ایک یہودی مصنف
۵۱ کی کتاب ہے۔ اُس نے صاف اور واضح طور پر لکھا ہے۔ بلکہ مسیح کے اُستاد کا نام تک بتایا ہے۔ اور پھر زد بھی کی ہے کہ اسی وقت سے توریت اور صحفِ انبیار کے مضامین پسند آئے تھے۔ اور جو کچھ اِنجیل میں ہے وہ صحفِ انبیار سے زائد نہیں۔ اس نے بتلایا ہے کہ ایک مدت دراز تک وہ یہُود کے شاگرد رہے تھے۔ مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت کسی یہودی، نصاریٰ، ہندی سے پُوچھو کہ آپؐ نے بھی کہیں تعلیم پائی تھی۔ تو وہ صاف کہیگا کہ ہرگز نہیں!!! کتنی بڑی رُوبیّت کا مظہر ہے۔ انسان جب بچپن کی حالت سے آگے نکلتا ہے جو بلوغ سے پہلے ہے تو عام طور پر مکتب میں بٹھا دیا جاتا ہے۔ یہ پہلا قدم ہوتا ہے۔ مگر آپؐ کی زندگی کا پہلا قدم ہی گویا اعجاز تھا۔ چونکہ آپؐ کو خاتم الانبیار ٹھیرایا تھا۔ اس لئے آپؐ کے وجود میں حرکات و سکنات میں بھی اعجاز رکھ دیئے تھے آپؐ کی طرز زندگی کہ الفؔ۔ بےؔ تک نہیں پڑھا اور قرآن جیسی بے نظیر نعمت لائے۔ اور ایسا عظیم الشّان مُعجزہ اُمت کو دیا۔ پہلے نبی آئے اور ایک خاص وقت تک دنیا میں رہ کر چل

دیئے۔ اور دین وہیں کالعدم ہو گیا۔ اور خدا کو اُن کا محو کرنا ہی منظور تھا۔ مگر اس دین کے اظلال و آثار کا قیام منظور تھا۔ اور چونکہ کوئی دین معجزات کے بدُوں وہ نہیں سکتا۔ ورنہ چند روز تک سماعی باتوں پر یقین رہتا ہے۔ پھر کہہ دیتے ہیں کہ "ایہہ جہان مِٹھا اگلا کن ڈِٹھا" اِس لئے خدا نے چاہا کہ اِسلام کے ساتھ زندہ مُعجزہ ہو۔

صداقت اسلام کا نشان

کس قوت اور تحدی اور تعیین سے بتایا گیا تھا۔ اور اس ذریعہ سے اِسلام کا نور ابد تک درخشاں رہے۔ چنانچہ اِس زندہ نور کی تصدیق کے لئے اس زمانہ میں ہی دیکھو کہ لیکھرام کے قتل ہونے سے پیشتر کہ وہ چھ سال کے اندر ہلاک ہو جاوے گا۔ غور کرو۔ کہ وقت۔ مدّت۔ صورت موت کا بتا دینا کیا انسان کے اپنے اختیار میں ہے۔ اور پھر وہ اُسی طرح مارا گیا جیسا کہ دعویٰ کیا گیا تھا۔ جب یہ پیشگوئی کی گئی۔ تھوڑے ہی عرصہ میں کروڑہا انسانوں میں مشہور ہو گئی۔ ہندو، مُسلمان، عیسائی، سکھ ہر قوم و ملت کے لوگ اس سے واقف ہو گئے۔ یہانتک کہ عام بازاری لوگوں سے لیکر گورنمنٹ تک کو اطلاع ہو گئی۔ اور خود آریوں نے بڑے زور و شور کے ساتھ مشتہر کیا اور جہاں لیکھرام خود جاتا اس پیشگوئی کا ذکر کرتا اور شہرت دیتا۔ اور جب پیشگوئی پوری ہوئی تو ایک عام شور برپا ہو گیا۔ یہاں تک کہ ہماری بھی خانہ تلاشی ہوئی۔ تاکہ اس کی صداقت اور شُہرت اس خاص ذریعہ سے اَور بھی ہو اور یہ نشان ہمیشہ صفحۂ دہر پر ثبت رہے۔ پھر مقدمات کے دوران میں سرکاری کاغذات اور مثلوں میں اس پیشگوئی کے متعلق بیانات اور کاغذات درج اور شامل ہوئے۔ الغرض یہ ایسا عظیم الشان نشان ہے۔ جس کی نظیر کوئی قوم دکھلا نہیں سکتی۔ کیا کسی انسانی طاقت اور فراست کا کام ہے۔ کہ وہ کسی کی نسبت چار دن کی خبر بھی دے کہ فلاں وقت پر فلاں موت سے مرجاوے گا۔ مگر یہاں چھ سال پہلے وقت، صُورت موت وغیرہ سے

اطلاع دی گئی حالانکہ وہ تیس برس کا ایک مضبوط جوان آدمی تھا اور اس نے بھی تو میری نسبت کہا کہ میں تین سال کے اندر ہیضہ سے مر جاؤں گا۔ اور میں اُس کی نسبت عمر میں بہت بڑا اور ضعیف اور قریباً دائم المریض تھا۔ مگر خدا تعالیٰ نے اپنے ہاتھ کی چمکار دکھلائی۔ اور اس کو ہلاک کر کے اپنے سچے دین کی صداقت پر مُہر کر دی۔

آریوں میں خدا شناسی نہیں

اصل بات یہ ہے کہ یہ لوگ جو آریہ کہلاتے ہیں۔ اصلاً خدا کو پہچانتے ہی نہیں۔ پھر اُن میں خدا شناسی اور خدا بینی اور خدا نمائی کی قوت کیونکر پیدا ہو۔ اُن کا تو پہلا قدم ہی غلط ہے۔ اُن کے نزدیک تو مرنا جینا، عورت یا مرد ہونا۔ بکری یا بیل بننا یہ سب کچھ شامت اعمال کا نتیجہ ہے جبکہ یہ جنم اور اشیاء اعمال ہی کا نتیجہ ہیں تو پھر خدا کیا اور اس کے وجود کے اثبات کے لئے نئے نئے نشان اور معجزات کیا۔ اور اُن کی ضرورت ہی کیا رہی۔ ان کا مذہب ہے کہ خدا پیدا کرنے والا نہیں۔ بلکہ صرف جوڑنے جاڑنے والا ہے۔ جیسے معمار یا کمہار ہوتے ہیں۔ مادہ موجود تھا۔ ارواح بھی اتفاق سے موجود تھیں۔ پرمیشر نے جھٹ جوڑ جاڑ کر مخلوق بنا لی۔ نعوذ باللہ۔ مگر ہم پوچھتے ہیں۔ کہ جبکہ ارواح اور ذرات قدیم سے موجود ہیں۔ تو اس پر کیا دلیل ہو سکتی ہے کہ جوڑنا جاڑنا پرمیشر کے بدُون نہ ہو۔ بلکہ طبعی طور پر دلیل تو یہ ملتی ہے۔ کہ اشیاء کو طبعی طور پر تجاذب کی طرف میلان ہوتا ہے۔ اگر یہ تجاذب اور کشش نہ ہو۔ تو نہ اینٹ بن سکے اور نہ مکان رہ سکے۔ اور نہ کوئی اَور چیز دُنیا میں موجود بوجُود رہ سکے۔ پس جبکہ آریہ لوگوں کے عقیدہ کے موافق رُوح اور مادہ قدیم سے ہیں۔ اور طبعیات سے دلیل ملتی ہے کہ یہ تجاذب کا خاصہ ہے تو آریوں کو پرمیشر سے تو فراغت اور فرصت ہو گئی۔ اب آریہ کے پاس پرمیشر کے ہونے کا کیا ثبوت اور نشان ہے۔

ایک طرف تو یہ ناپاکی ہے کہ خدا ہی کا پتہ نہیں۔ چہ جائیکہ خدا بینی اور خدا نمائی

کی راہیں بیان کر سکیں۔ پھر یہ ظلمِ عظیم کہ ہر قسم کی چیزوں میں رُوحیں اعمال کا بدلہ پانے کے لئے آتی ہیں۔ کبھی سوٗر بنتے ہیں۔ کبھی کُتّا، کبھی بلّی وغیرہ۔

تناسخ کا گندہ نتیجہ

اس پر سوال ہوتا ہے کہ اگر کسی کی ماں مرجائے جبکہ وہ ابھی بچہ ہی تھا۔ اور اس نے دوسری کسی جگہ پر جنم لیا۔ اور جب دونو بلوغ کو پہنچے اور باہم رشتہ ناطہ ہو کر بیاہ ہوگیا اور ہمبستری ہو کر اولاد کا سلسلہ چلا۔ اس سے تو بڑی بے شرمی اور بدلے درجہ کی بے حیائی کی بنیاد پڑی اور نہایت قابل شرم مذہب یہ مذہب ٹھیر گیا۔ پرمیشر نے کوئی فہرست تو دی نہیں۔ کہ اس قسم کے نشان سے ماں بہن شناخت ہو جائے گی۔ اور حق تو یہ تھا کہ وید کے ذمہ یہ فرض تھا کہ جہاں اُس نے یہ پاکیزگی اور اخلاق کی جڑھ کاٹنے والا مسئلہ ایجاد کیا تھا۔ اگر اُسے کوئی سُوجھ اور سوچ بچار کی طاقت ہوتی تو ساتھ ہی علامات بھی بیان کر دیتا۔ جس سے ایسے رشتوں سے اجتناب کرنے کی کلید ہاتھ میں آریوں کے آجاتی۔ مگر ضروری تھا کہ وید کی تعلیم کی پیشانی پر نقص کا داغ لگا رہتا۔ تاکہ ہر زمانہ میں تدبّر کرنے والے اس کے بطلان میں جا سکیں۔ ایک طرف تو یہ حال ہے کہ نانی اور پڑنانی تک کے رشتہ میں ناطہ نہیں کرتے۔ اور ہم لوگوں میں جو چچا یا ماموں کی بیٹی سے رشتہ کرتے ہیں۔ اس پر اعتراض کرتے ہیں۔ مگر دوسری طرف آپ ماں بہن کے بیاہ لانے پر کوئی دلیل نہیں دیتے۔ یا تو ہزاروں کوس چلے گئے۔ یا ماں بہن کو بھی بیاہ لائے کسی قوم میں ایسا اندھیر نہیں۔ افسوس ان کے پرمیشر نے اُن کو ناپاکی میں تو ڈال دیا اور پھر کوئی فہرست بھی نہ دی۔ اور نہ بتایا کہ فلاں گدھے یا بیل سے کام نہ لینا۔ یہ تیرے فلاں رشتہ دار ہیں۔ اور فلاں فلاں علامت والی عورت سے رشتہ نہ کرنا کہ وہ تیری حقیقی ماں یا دادی یا خالہ یا بہن یا بھتیجی جنم لیکر دوبارہ آئی ہے۔ اصل میں یہ لوگ تو معذور ہیں۔ یہ سارا ظلم

پرمیشر کی گردن پر ہے۔ جس نے فہرست نہ دی۔

نیوگ کی گندی تعلیم

پھر تیسری ناپاکی جو ویدوں کی تعلیم کا عرق اور گُل سرسبد بتائی گئی ہے نیوگ ہے۔ جس کی تفسیر یہ ہے کہ ایک عورت جیتے جاگتے خاوند کے رُوبرو گیارہ آدمیوں سے ہمبستر ہو سکتی ہے۔ اگر مرد عورت جوان ہوں اور چند سال شادی پر گزر جائیں۔ اور اولاد نہ ہو۔ تو دوسرے کا نُطفہ لینے کے لئے عورت اُس سے ہمبستر ہو۔ اس لئے کہ بدُوں اولاد کے سُرگ کا ملنا محال ہے۔ اور دیّوث شوہر کو لازم ہے کہ بیرج داتا کے لئے عُمدہ معجُونات اور لطیف مقویات تیار کرائے تاکہ وُہ تھک نہ جائے۔ اور کوئی ضُعف اُسے لاحق نہ ہو جائے۔ اور وید کی رُو سے بستر، رضائی اور چارپائی سب اُسی کی ہو۔ اور غذا بھی اُسی کی کھاوے اور نصف بچے بھی لیلے۔ سوچو! یہ کیسا خاوند ہے۔ کہ ایک کوٹھڑی میں آپ دیّوث ہے۔ اور دوسری کوٹھڑی میں اس کی بیاہتا بیوی غیر مرد سے مُنہ کالا کرا رہی ہے۔ اور آریہ ان کی حرکات کی آوازیں سُنتا ہے۔ اور دل میں خوش ہو رہا ہے۔ کہ اب اِس پانی سے اُس کی اُمید کا کھیت ہرا بھرا ہو جائیگا۔ حیف ایسے مذہب پر! خدا پر وہ ظُلم!! عزّت و آبرُو پر یہ ظُلم!!! وید ایسے کاموں کی اجازت دیتا ہے۔ کہ ناپاک سے ناپاک آدمی بھی اُن کے ارتکاب سے شرم کرتے ہیں۔ دیانند نے لکھا ہے۔ کہ یہ شبھ کرم یعنی مُبارک کام بیچ میں ترک ہو گیا تھا۔ اب آریہ ورت کے آریہ جاری کریں کہ اس میں ثواب ملتا ہے۔ ہم کو ضرورت نہیں کہ اس کو طُول دیں۔ آریوں کی کتب مذہبی اور معتقدات کو کوئی دیکھے اور خود انہی بزرگوں سے پُوچھ دیکھے۔ امید ہے۔ کہ بڑے فخر سے اس فعل عجیب کی خوبیاں بیان کریں گے۔

اسلام بمقابلہ دیگر مذاہب

اِن تمام مذاہب کو سامنے رکھ کر اور ان کی تعلیمات اور عقاید کی خوب چھان

بین کرکے اسلام کی ضرورت اور عزت محسوس ہوتی ہے اور خدا تعالیٰ کے عظیم فضل کا اعتراف کرنا پڑتا ہے۔ کہ اُس نے اسلام کو ایسے ناپاک عقیدوں سے پاک رکھا۔ اور اُس کی تعلیم کے ہر شعبہ میں کمال اور اعجاز کا جلوہ دکھایا۔ چنانچہ موسےٰ علیہ السلام کی تعلیم میں قصاص پر بڑا زور تھا کہ دانت کے بدلے دانت۔ کان کے بدلے کان۔ آنکھ کے بدلے آنکھ ہو۔ اور مسیح علیہ السلام کی تعلیم میں اس بات پر زور تھا کہ بدی کا مقابلہ نہ کیا جاوے۔ اگر کوئی ایک گال پر طمانچہ مارے تو دوسری بھی پھیر دے۔ کوئی ایک کوس بیگار لے جائے تو دو کوس چلا جاوے۔ کرتہ مانگے تو چادر بھی دیدے۔ وغیرہ وغیرہ۔ اب ہم کو دکھلاؤ کہ کیا کوئی پادری اِس پر عمل بھی کرتا ہے۔ کوئی کسی پادری کے مُنہ پر طمانچہ مار کر تو دیکھ لے۔ یقیناً دوسرا گال پھیرنے کی بجائے کچہری میں گھسیٹ کر لے جائے گا۔ اور ہر قسم کے جھوٹ اور فریب سے سزا دلانے کی فکر کریگا۔ مگر اسلام نے یہ تعلیم نہیں دی بلکہ وہ پاک تعلیم دی جو دنیا کی جان ہے۔ اور انسان فطرتاً اس پر عمل کرتا ہے۔ اور وہ یہ ہے۔

جزاؤا سیئة سیئة مثلها فمن عفا و اصلح فاجرہ علی اللّٰہ[1]

یعنی بدی کی جزا اسی قدر بدی ہے۔ لیکن اگر کوئی عفو کرے مگر وہ عفو بے محل نہ ہو بلکہ اس عفو سے اصلاح مقصود ہو۔ تو اُس کا اجر اللہ کے ذمّہ ہے۔ مثلاً اگر چور کو چھوڑ دیا جاوے تو وہ دلیر ہو کر ڈاکہ زنی کریگا۔ اُس کو سزا ہی دینی چاہیئے۔ لیکن اگر دو نوکر ہوں اور ایک اُن میں سے ایسا ہو کہ ذرا سی چشم نمائی ہی اُس کو شرمندہ کر دیتی اور اس کی اصلاح کا مُوجب ہوتی ہو۔ تو اُس کو سخت سزا مناسب نہیں۔ مگر دوسرا عمداً شرارت کرتا ہے۔ اُس کو عفو کریں۔ تو بگڑتا ہے۔ اُس کو سزا ہی دی جاوے۔ تو بتاؤ مناسب حُکم وہ ہے جو قرآن کریم نے دیا ہے یا وہ جو انجیل پیش کرتی ہے۔ قانُون قدرت کیا چاہتا ہے؟ وہ تقسیم و رویّت محل چاہتا ہے۔ یہ تعلیم کہ عفو سے اصلاح مدنظر ہو، ایسی تعلیم

[1] الشوریٰ : ۴۱

ہے جس کی نظیر نہیں اور اسی پر آخر متمدّن انسان کو چلنا پڑتا ہے۔ اور یہی تعلیم ہے جس پر عمل کرنے سے انسان میں قوت اجتہاد اور تدبّر اور فراست بڑھتی ہے گویا یوں کہا گیا ہے کہ ہر طرح کی شہادت سے دیکھو اور فراست سے غور کرو۔ اگر عفو سے فائدہ ہو تو مُعاف کرو۔ لیکن اگر خبیث اور شریر ہے تو پھر جزاؤا سیّئۃ سیئۃ مثلھا پر عمل کرو۔ اسی طرح پر اسلام کی دوسری پاک تعلیمات ہیں جو ہر زمانہ میں روز روشن کی طرح ظاہر ہیں۔ آفتاب پر بھی کسی وقت بادل آجاتا ہے اور بظاہر ایک قسم کا دُھندلا سا نظر آتا ہے۔ لیکن اسلام کا چہرہ اس سے بھی مصفا ہے۔ عدم معرفت نے لوگوں کو اندھا کر دیا ہے۔ اور بُغض کی نظر سے دیکھتے ہیں اس لئے موتیابند کی حالت سے بھی گئے گزرے ہیں۔ پھر کیا فیصلہ کریں۔

یسُوع کی کمزور حالت

جس قدر مذہب دُنیا میں موجُود ہیں۔ سب کے سب بے برکت اور بے نُور اور مُردہ ہیں۔ اور پاک تعلیم سے بے بہرہ محض ہیں۔ ہندوؤں نے مذہب کا وہ نمونہ دکھایا۔ عیسائیوں نے یہ نمونہ دکھایا کہ ایک عاجز بندہ کو خدا بنا دیا۔ جس نے یہودیوں جیسی تباہ حال قوم سے جو ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ[1] کی مصداق تھی۔ ماریں کھائیں۔ اور آخر صلیب پر لٹکایا گیا۔ اور اُن کے عقیدہ کے موافق ملعُون ہو کر ایلی ایلی لما سبقتنی کہتے ہوئے جان دے دی۔ غور تو کرو کیا ایسی صفات والا کبھی خدا ہو سکتا ہے۔ وہ تو خدا پرست بھی نہیں ہو سکتا۔ چہ جائیکہ وہ خود خدا ہو۔ عیسائی دکھاتے ہیں کہ اُس کی وہ ساری رات کی پُرسوز دعا محض بے اثر گئی۔ اس سے زیادہ بے برکتی کا ثبوت کیا ہو سکتا ہے۔ اور اس سے کیا توقع ہو سکتی ہے کہ وہ دوسروں کے لئے شفیع ہو سکتا ہے۔ ہم کو یاد نہیں کہ دو گھنٹے بھی دُعا کے لئے ملے ہوں اور وہ دُعا قبول نہ ہوئی ہو۔ ابن اللہ بلکہ خود خدا کا معاذاللہ یہ حال

[1] البقرۃ ۶۲

ہے۔ کہ ساری رات رو رو کر چلا چلا کر خود بھی دُعا کرتا رہا اور دوسروں سے بھی دُعا کراتا رہا اور کہتا رہا کہ اَے خدا تیرے آگے کوئی چیز انہونی نہیں۔ اگر ہو سکے تو یہ پیالہ ٹل جائے۔ مگر وہ دُعا قبول ہی نہیں ہوئی۔ اگر کوئی کہے کہ وہ کفارہ ہونے کے واسطے آئے تھے۔ اس لئے یہ دُعا قبول نہیں ہوئی ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ جب اُن کو معلوم تھا کہ وہ کفارہ کے لئے آئے ہیں۔ پھر اس قدر بزدلی کے کیا معنی ہیں۔ اگر ایک افسر طاعون کی ڈیوٹی پر بھیجا جاوے اور وہ کہدے کہ یہاں خطرے کا محل ہے۔ مجھے فلاں جگہ بھیجدو تو کیا وہ احمق نہ سمجھا جائیگا۔ جبکہ مسیح کو معلوم تھا کہ وہ صرف کفارہ ہی ہونے کو بھیجے گئے ہیں۔ تو اس قدر لمبی دُعاؤں کی کیا ضرورت تھی؟ ابھی کیا کفارہ زیر تجویز امر تھا۔ یا ایک مقرر شدہ امر تھا۔ غرض ایک داغ ہو۔ دو داغ ہوں، جس پر بے شمار داغ ہوں کیا وہ خدا ہو سکتا ہے؟ خدا تو کیا وہ عظیم الشّان انسان بھی نہیں ہو سکتا۔ یہودی بیچارے خود ضربت علیھم الذلّۃ کے مصداق۔ اُن کی وہ حالت تھی کہ صورت بیں حالش مپرس۔ دُنیا پرستی کے سوا کچھ جانتے ہی نہیں۔ ہمارے یہاں ایک اسرائیلی محمد سلیمٰن مسلمان ہوا ہے۔ اُس سے پُوچھو۔ یہودیوں نے کھانے پینے کے سوا اور کوئی مقصود ہی نہیں رکھا۔ خدا کی قدرت ہے جب ضربت علیھم الذلّۃ کی حالت آئی تو وہ افعال بھی آگئے جو ذلّت کے جالب اور ذلّت کے نتائج تھے۔ اگر وہ تائب ہو جاتے۔ تو پھر ضربت کیونکر صادق آتا۔

مردِ صالح معزّز ہوتا ہے

اس پیشگوئی سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ شامت اعمال اُن کے گلے کا ہار رہیگی۔ مرد صالح کے ساتھ ذلّت اور بے رزقی نہیں ہوتی۔ خدا کا نام عزیز ہے۔ خدا میں ہو کر زندگی بسر کرنیوالا ذلیل ہو نہیں سکتا۔ یہودیوں کی زندگی اگر ناپاکیوں

کا مجموعہ نہ تھی۔ تو پھر ضربت علیھم الذلۃ کی مار اُن پر کیونکر پڑتی۔ اس پر خوب غور کرو۔ اس کے اندر یہ مخفی اسرار ہیں اور پتہ ملتا ہے کہ یہودی قوم کے اطوار بگڑ جائیں گے۔

اب اِن مذاہب پر نظر ڈال کر صدق دل سے بتاؤ کہ کیا اسلام کے سوا کوئی اَور طریق ہے جس سے تمہارے دِل ٹھنڈے ہو سکتے ہیں۔ کیا ضربت علیہم الذلۃ کے مصداق یہودیوں سے کوئی روشنی اور نور پا سکتے ہو؟ کیا ایسے عیسائی جو ایک عاجز کمزور ناتوان نامُراد انسان کو خدا بناتے ہیں کوئی کامیابی کسی کو دے سکتے ہیں جس کی اپنی ساری رات کی دُعائیں اکارت اور بیسُود گئی ہیں وہ دوسروں کی دُعاؤں پر کون سے ثمرات مترتّب کر سکتا ہے۔ جو خود ایلی ایلی لما سبقتنی کہہ کر اقرار کرتا ہے کہ خدا نے اُسے چھوڑ دیا وہ دوسروں کو کب خدا سے ملا سکتا ہے؟

اسلام اپنے اندر برکات رکھتا ہے

دیکھو اور غور سے سُنو! یہ صرف اسلام ہی ہے جو اپنے اندر برکات رکھتا ہے اور انسان کو مایُوس اور نامُراد ہونے نہیں دیتا۔ اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ میں اُس کے برکات اور زندگی اور صداقت کے لئے نمونہ کے طور پر کھڑا ہوں۔ کوئی عیسائی نہیں جو یہ دکھا سکے کہ اس کا کوئی تعلق آسمان سے ہے۔ وہ نشانات جو ایمان کے نشان ہیں اور مومن عیسائی کے لئے مقرر ہیں۔ کہ اگر پہاڑ کو کہیں تو جگہ سے ٹل جاوے۔ اب پہاڑ تو پہاڑ کوئی عیسائی نہیں، جو ایک اُلٹی ہوئی جُوتی کو سیدھا کر دکھاوے۔ مگر میں نے اپنے پُرزور نشانوں سے دکھایا ہے اور صاف صاف دکھایا ہے کہ زندہ برکات اور زندہ نشانات صرف اسلام کے لئے ہیں۔ میں نے بیشمار اشتہار دیئے ہیں۔ اور ایک مرتبہ سولہ ہزار اشتہار شائع کئے۔ اب ان لوگوں کے ہاتھ میں بجز اس کے اور کچھ نہیں کہ جھوٹے مقدمات کئے اور قتل کے الزام دیئے

اور اپنی طرف سے ہمارے ذلیل کرنے کے منصوبے گانٹھے مگر عزیز خدا کا بندہ ذلیل کیونکر ہو سکتا ہے۔ جس میں ان لوگوں نے ہماری ذلت چاہی۔ اسی ذلت سے ہمارے لئے عزت نکلی۔ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ۚ[1] دیکھو۔ اگر کلارک کا مقدمہ نہ ہوتا تو ابراء کا الہام کیونکر پورا ہوتا۔ جو مقدمہ سے بھی پہلے سینکڑوں انسانوں میں شائع ہو چکا تھا۔ یہ اسلام ہی ہے۔ جس کے ساتھ معجزات اور ثبوت ہیں۔ اسلام دوسرے چراغ کا محتاج نہیں۔ بلکہ خود ہی چراغ ہے۔ اور اس کے ثبوت ایسے اجلیٰ بدیہیات ہیں کہ اُن کا نمونہ کسی مذہب میں نہیں۔ غرض اسلام کی کوئی تعلیم ایسی نہ ہوگی جس کا نمونہ موجود نہ ہو۔

آنحضرتؐ صفاتِ الٰہی کا مظہر ہیں

میں نے سورۃ الفاتحہ (جس کو اُمّ الکتاب اور مثانی بھی کہتے ہیں اور قرآن شریف کی عکسی تصویر اور خلاصہ ہے) کے صفات اربعہ میں دکھانا چاہا ہے کہ وہ چاروں نمونے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں موجود ہیں۔ اور خدا تعالیٰ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود میں اُن صفات اربعہ کا نمونہ دکھایا۔ گویا وہ صفات دعویٰ تھیں اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود بطور دلیل کے ہے چنانچہ ربوبیت کا آپ کے وجود میں کیسا ثبوت دیا کہ مکہ کے جنگلوں کا سرگردان اور دس برس تک حیران پھرنے والا جس کے لئے کوئی راہ کھلی نظر نہ آتی تھی۔ اُس کی تربیت کا کس کو خیال تھا کہ اسلام رُوئے زمین پر پھیل جائیگا۔ اور اس کے ماننے والے ۹۰ کروڑ تک پہنچیں گے۔ مگر آج دیکھو کہ دُنیا کا کوئی آباد قطعہ ایسا نہیں جہاں مسلمان نہیں۔ پھر الرحمٰن کی صفت کو دیکھو جس کا منشاء یہ ہے کہ عمل کے بدُوں کامیابی اور ضرورتوں کے سامان بہم پہنچائے۔ کیسی رحمانیت تھی کہ آپؐ کے آنے سے پیشتر ہی استعدادیں پیدا کر دیں۔ عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ بچوں کی طرح کھیلتا تھا۔ ابوبکر رضی

[1] الجمعة : ۵

اللہ عنہ جو کافروں کے گھر میں پیدا ہوا تھا۔ اور ایسا ہی اور بہت سے صحابہ آپؐ کے ساتھ ہو گئے گویا اُن کو آپؐ کے لئے رحمانیت الٰہی نے پہلے ہی تیار کر رکھا تھا۔ اور اس قدر امُور رحمانیّت کے اسلام کے ساتھ ہیں۔ کہ ہم اُن کو مفصّل بیان بھی نہیں کر سکتے۔ اُمیّت رحمانیّت کو چاہتی ہے۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کی نسبت فرمایا۔ هُوَالَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا[1]۔ رحمانیّت کا منشاء اس ضرب المثل سے خُوب ظاہر ہے:۔

"کردے کرا دے اور اُٹھانیوالا ساتھ دے"

اسلام گویا خدا کی گود میں بچّہ ہے

اور یہ ظہُور اسلام کے ساتھ تھا۔ اسلام گویا خدا کی گود میں بچّہ ہے۔ اُس کا سارا کام کاج سنوارنے والا اور اس کے سارے لوازم بہم پہنچانے والا خود خدا ہے۔ کسی مخلوق کا بار احسان اُس کی گردن پر نہیں۔ اسی طرح رحیم جو محنتوں کو ضائع نہ کرے۔ اُس کے خِلاف یہ ہے کہ محنت کرتا رہے۔ اور ناکام رہے۔ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے ساتھ رحیمیّت کا اظہار دیکھو۔ کیسے واضح طور پر ہوا۔ کوئی لڑائی ایسی نہیں جس میں فتح نہ پائی ہو۔ تھوڑا کام کر کے بہت اجر پایا ہے۔ بجلی کے کوندنے کی طرح فتوُحات چمکیں۔ فتوحات الشام، فتوحات المصر ہی دیکھو۔ صفحۂ تاریخ میں کوئی ایسا انسان نہیں جس نے صحیح معنوں میں کامیابیاں پائی ہوں۔ جیسے کامیابیاں ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ملیں۔

صحابہؓ نے دنیا میں کامیابی حاصل کی

پھر مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ جزا سزا کا مالک، اچھے کام کرنے والوں کو جزا دی جاوے۔ اگرچہ کامل طور پر یہ آخرت کے لئے ہے اور سب قومیں جزا و سزا کو آخرت

[1] الجمعہ ۳

ہی پر ڈالتی ہیں۔ مگر خدا نے اس کا نمونہ اسلام کے لئے اس دنیا میں رکھا۔ ابو بکرؓ جو دوپہر کی دُھوپ میں گھر بار مال ومتاع چھوڑ کر اُٹھ کھڑا ہوا تھا اور جس نے ساری جائداد کو دیکھ کر کہدیا۔ برباد شد، برباد شد۔ سب سے انقطاع کر کے ساتھ ہی ہو لیا تھا۔ اُس نے یہ مزہ پایا کہ آپؐ کے بعد سب سے پہلا خلیفہ بلا فصل یہی ہوا حضرت عمرؓ جو صدق اخلاص سے بھر گئے تھے۔ انہوں نے یہ مزہ پایا کہ اُن کے بعد خلیفہ ثانی ہوئے۔ غرض اس طرح پر ہر ایک صحابی نے پُوری عزت پائی۔ قیصر و کسریٰ کے اموال اور شاہزادیاں اُن کے ہاتھ آئیں۔ لکھا ہے ایک صحابی کسریٰ کے دربار میں گیا۔ ملازمان کسریٰ نے سونے چاندی کی کُرسیاں بچھوا دیں اور اپنی شان و شوکت دکھائی۔ اُس نے کہا کہ ہم اس مال کے ساتھ فریفتہ نہیں ہوئے۔ ہم کو تو وعدہ دیا گیا ہے کہ کسریٰ کے کڑے بھی ہمارے ہاتھ آجائیں گے۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے وہ کڑے ایک صحابی کو پہنا دیئے تاکہ وہ پیشگوئی پوری ہو۔

ضالین و مغضُوب کی راہ اور اسلام کا جادۂ اعتدال

مذہب اسلام چونکہ اعتدال پر واقع ہوا ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے تعلیم یہی دی ہے۔ اور مغضُوب اور ضالّین سے بچنے کی ہدایت فرمائی ہے۔ ایک سچا مسلمان نہ مغضُوب ہو سکتا ہے نہ ضالّین کے زُمرہ میں شامل ہو سکتا ہے۔ مغضُوب وہ قوم ہے جس پر خدا تعالیٰ کا غضب بھڑکا۔ چونکہ وہ خود غضب کرنے والے تھے۔ اسلئے خدا کے غضب کو کھینچ لائے۔ اور وُہ یہودی ہیں اور ضالّ سے مُراد عیسائی ہیں۔

غضب کی کیفیت قوت سبعی سے پیدا ہوتی ہے اور ضلالت وہمی قوت سے پیدا ہوتی ہے۔ اور وہمی قوت حد سے زیادہ محبت سے پیدا ہوتی ہے۔ بیجا محبت والا انسان ہلاک ہو جاتا ہے۔ حبك الشيئ يعمى ويصم اس کا مُبداء اور منشا قوت وہمی ہے۔ اس کی مثال یہ ہے کہ چادر کو بَیل سمجھتا ہے اور رَسّی کو سانپ بناتا ہے

یہی وجہ ہے کہ کسی شاعر نے اپنا معشوق ایسا قرار نہیں دیا جو دوسروں سے بڑھ کر نہ ہو۔ ہر ایک کے واہمہ نے نئی تصویر ایجاد کی۔

قوت بہیمی میں جوش ہو کر انسان جادۂ اعتدال سے نکل جاتا ہے چنانچہ غضب کی حالت میں درندہ کا جوش بڑھ جاتا ہے۔ مثلاً کُتّا پہلے آہستہ آہستہ بھونکتا ہے پھر کوٹھا سر پر اُٹھا لیتا ہے۔ آخر کار درندے طیش میں آکر نوچتے اور پھاڑ کھاتے ہیں۔ یہود نے بھی اسی طرح ظلم و تعدّی کی بُری عادتیں اختیار کیں اور غضب کو حد تک پہنچا دیا۔ آخر خود مغضوب ہو گئے۔ قوت وہمی کو جب استیلاء ہوتا ہے۔ تو انسان رَسّی کو سانپ بناتا اور درخت کو ہاتھی بتلاتا ہے۔ اور اس پر کوئی دلیل نہیں ہوتی۔ یہ قوت عورتوں میں زیادہ ہوتی ہے۔ اسی واسطے عیسائی مذہب اور بُت پرستی کا بڑا سہارا عورتیں ہیں۔ غرض اسلام نے جادۂ اعتدال پر رہنے کی تعلیم دی۔ جس کا نام الصراط المستقیم ہے۔

میں اب چند فقرے عربی میں سُناؤں گا۔ کیونکہ مجھے اللہ تعالیٰ نے مجمع میں کچھ عربی فقرے بولنے کا حکم دیا تھا۔ پہلے میں نے خیال کیا کہ شاید کوئی اَور مجمع ہوگا۔ جس میں یہ خدا کی بات پُوری ہو۔ مگر خدا تعالیٰ مولوی عبدالکریم صاحبؓ کو جزائے خیر دے کہ انہوں نے تحریک کی اور اس تحریک سے زبردست قوت دل میں پیدا ہوئی۔ اور امید ہے کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ اور نشان آج پُورا ہو۔"

(الحکم جلد ۴ نمبر ۱۴ صفحہ ۲-۸ مورخہ ۱۷ اپریل ۱۹۰۰ء)

اپریل ۱۹۰۰ء

باہمی خلّت و اخوّت

مولانا عبدالکریم صاحب نے عرض کیا۔ کہ حضور کچھ جماعت کے باہمی اتفاق و محبت پر بھی فرمایا جاوے۔ اس پر حضرت اقدسؑ نے مندرجہ ذیل تقریر فرمائی:-

جماعت کے باہم اتفاق و محبت پر میں پہلے بہت دفعہ کہہ چکا ہوں۔ کہ تم باہم اتفاق رکھو اور اجتماع کرو۔ خدا تعالیٰ نے مسلمانوں کو یہی تعلیم دی تھی کہ تم وجود واحد رکھو ورنہ ہوا نکل جائیگی۔ نماز میں ایک دوسرے کے ساتھ جُڑ کر کھڑے ہونے کا حکم اسی لئے ہے کہ باہم اتحاد ہو۔ برقی طاقت کی طرح ایک کی خیر دوسرے میں سرایت کرے گی۔ اگر اختلاف ہو۔ اتحاد نہ ہو۔ تو پھر بے نصیب رہو گے۔ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ کہ آپس میں محبت کرو۔ اور ایک دوسرے کے لئے غائبانہ دعا کرو۔ اگر ایک شخص غائبانہ دُعا کرے۔ تو فرشتہ کہتا ہے کہ تیرے لئے بھی ایسا ہی ہو کیسی اعلیٰ درجہ کی بات ہے۔ اگر انسان کی دُعا منظور نہ ہو۔ تو فرشتہ کی تو منظور ہوتی ہے۔ میں نصیحت کرتا ہوں اور کہنا چاہتا ہوں کہ آپس میں اختلاف نہ ہو۔

میں دو ہی مسئلے لیکر آیا ہوں۔ اوّل خدا کی توحید اختیار کرو۔ دوسرے آپس میں محبت اور ہمدردی ظاہر کرو۔ وہ نمونہ دکھلاؤ کہ غیروں کے لئے کرامت ہو یہی دلیل تھی جو صحابہؓ میں پیدا ہوئی تھی۔ كُنْتُمْ اَعْدَاءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ[1]۔ یاد رکھو۔ تالیف ایک اعجاز ہے۔ یاد رکھو۔ جبتک تم میں ہر ایک ایسا نہ ہو۔ کہ جو اپنے لئے پسند کرتا ہے وُہی اپنے بھائی کے لئے پسند کرے۔ وہ میری جماعت میں سے نہیں ہے۔ وہ مصیبت اور بلا میں ہے۔ اُس کا انجام اچھا نہیں۔ میں ایک کتاب بنانیوالا ہوں۔ اس میں ایسے تمام لوگ الگ کر دیئے جائیں گے۔ جو اپنے جذبات پر قابُو نہیں پا سکتے۔ چھوٹی چھوٹی باتوں پر لڑائی ہوتی ہے۔ مثلاً ایک شخص کہتا ہے کہ کسی بازیگر نے دس گز کی چھلانگ ماری ہے۔ دوسرا اُس پر بحث کرنے بیٹھتا ہے اور اس طرح پر کینہ کا وجُود پیدا ہو جاتا ہے۔ یاد رکھو۔ بغض کا جُدا ہونا مہدی کی علامت ہے اور کیا وہ علامت پُوری نہ ہو گی۔ وہ ضرور ہو گی۔ تم کیوں صبر نہیں کرتے۔ جیسے طبّی مسئلہ ہے کہ جبتک بعض امراض میں قلع قمع نہ کیا جاوے، مرض دفعہ نہیں ہوتا۔

[1] آلِ عمران: ۱۰۴

میرے وجود سے انشاء اللہ ایک صالح جماعت پیدا ہوگی۔ باہمی عداوت کا سبب کیا ہے۔ بخل ہے۔ رعونت ہے۔ خود پسندی ہے۔ اور جذبات ہیں۔ میں نے بتلایا ہے کہ میں عنقریب ایک کتاب لکھوں گا۔ اور ایسے تمام لوگوں کو جماعت سے الگ کردوں گا جو اپنے جذبات پر قابو نہیں پا سکتے اور باہم محبت اور اخوت سے نہیں رہ سکتے جو ایسے ہیں وہ یاد رکھیں کہ وہ چند روزہ مہمان ہیں۔ جبتک کہ عمدہ نمونہ نہ دکھائیں میں کسی کے سبب سے اپنے اوپر اعتراض لینا نہیں چاہتا۔ ایسا شخص جو میری جماعت میں ہو کر میرے منشار کے موافق نہ ہو وہ خشک ٹہنی ہے۔ اس کو اگر باغبان کاٹے نہیں تو کیا کرے۔ خشک ٹہنی دوسری سبز شاخ کے ساتھ رہ کر پانی تو چوستی ہے مگر وہ اس کو سرسبز نہیں کر سکتا بلکہ وہ شاخ دوسری کو بھی لے بیٹھتی ہے۔ پس ڈرو میرے ساتھ وہ نہ رہے گا۔ جو اپنا علاج نہ کرے گا۔ چونکہ یہ سب باتیں میں کتاب میں مفصل لکھوں گا۔ اس لئے اب میں چند عربی فقرے کہہ کر فرض ادا کرتا ہوں۔"

(الحکم جلد ۴۔ نمبر ۱۴۔ صفحہ ۹ مورخہ ۱۷ اپریل ۱۹۰۰ء)

دو انگریزوں کا قتل

علاقہ پشاور میں ان دنوں کسی سفاک پٹھان نے دو بے گناہ انگریزوں کو قتل کر دیا۔ اس پر ایک مجمع میں حضرت اقدسؑ نے فرمایا۔

"یہ جو دو انگریزوں کو مار دیا ہے۔ یہ کیا جہاد کیا ہے؟ ایسے نابکار لوگوں نے اسلام کو بدنام کر رکھا ہے۔ چاہیئے تو یہ تھا۔ کہ ان لوگوں کی ایسی خدمت کرتا اور ایسے عمدہ طور پر ان سے برتاؤ کرتا کہ وہ اُس کے اخلاق اور حسن سلوک کو دیکھ کر مسلمان ہو جاتے۔ مومن کا کام تو یہ ہے کہ اپنی نفسانیت کو کچل ڈالے۔ لکھا ہے کہ حضرت علیؓ ایک کافر سے لڑے۔ حضرت علیؓ نے اُس کو نیچے گرا لیا اور اُس کا پیٹ چاک کرنے کو تھے کہ اُس نے حضرت علیؓ پر تھوکا۔ حضرت علیؓ یہ دیکھ کر اُس کے

سینے پر سے اُتر آئے۔ وہ کافر حیران ہوا۔ اور پُوچھا کہ اے علیؓ! یہ کیا بات ہے؟ آپؓ نے فرمایا کہ میرا جنگ تیرے ساتھ خدا کے واسطے تھا۔ لیکن جب تُو نے میرے مُنہ پر تھُوکا۔ تو میرے نفس کا بھی کچھ حصّہ مل گیا۔ اس پر میں نے تجھے چھوڑ دیا۔ حضرت علیؓ کے اس فعل کا اُس پر بڑا اثر ہوا۔

میں جب کبھی اِن لوگوں کی بابت ایسی خبریں سُنتا ہُوں تو مجھے سخت رنج ہوتا ہے۔ کہ یہ لوگ قرآن کریم سے بہت دُور جا پڑے ہیں اور بے گُناہ انسانوں کا قتل ثواب کا مُوجب سمجھتے ہیں۔

بعض مولوی مجھے اِس لئے دجّال کہتے ہیں۔ کہ میں انگریزوں کے ساتھ محاربہ جائز نہیں رکھتا۔ مگر مجھے سخت افسوس ہے کہ یہ لوگ مولوی کہلا کر اِسلام کو بدنام کر رہے ہیں۔ کوئی اِن سے پُوچھے کہ انگریزوں نے تمہارے ساتھ کیا بُرائی کی ہے۔ اور کیا دُکھ دیا ہے۔ شرم کی بات ہے کہ وُہ قوم جس کے آنے سے ہم کو ہر قسم کی راحت اور آرام مِلا۔ جس نے آکر ہم کو سِکھوں کے خُونخوار پنجہ سے نجات دی۔ اور ہمارے مذہب کی اشاعت کے لئے ہر قسم کے مواقع اور سہُولتیں دیں۔ اُن کے احسان کا یہ شکر ہے کہ بے گُناہ انگریزی افسروں کو قتل کر دیا جائے۔ میں تو صاف طور پر کہتا ہوں کہ وہ لوگ جو خُون ناحق سے نہیں ڈرتے۔ اور مُحسن کے حقُوق ادا نہیں کرتے۔ وہ خدا تعالیٰ کے حضُور سخت جوابدہ ہیں۔ اِن مولویوں کا فرض ہونا چاہیئے۔ کہ وُہ اپنے جمہوری اتفاق سے اِس مسئلہ کو اچھی طرح شائع کریں اور ناواقف اور جاہل لوگوں کو فہمائش کریں کہ گورنمنٹ برطانیہ کے زیر سایہ وُہ امن اور آزادی سے زندگی بسر کرتے ہیں۔ اور اُس کے عطیات سے ممنون منّت اور مرہُون احسان ہیں۔ اور یہ مبارک سلطنت نیکی اور ہدایت پھیلانے میں کامل مددگار ہے۔ پس اُس کے خلاف محاربہ کے خیالات رکھنے سخت بغاوت ہے۔ اور یہ قطعی حرام ہے۔ وُہ اپنے قلم اور زبان

سے جاہلوں کو سمجھائیں اور اپنے دین کو بدنام کر کے دُنیا کو ناحق کا ضرر نہ پہنچائیں۔ہم تو گورنمنٹ برطانیہ کو آسمانی برکت سمجھتے ہیں اور اُس کی قدر کرنا اپنا فرض۔

افسوس ہے مولویوں نے خود تو اس کام کو کیا نہیں۔ اور ہم نے جب ان جاہلانہ خیالات کو دِلوں سے مٹانا چاہا۔ تو ہم کو دجّال کہا۔صرف اِس واسطے کہ ہم محُسن گورنمنٹ کے شکرگزار ہیں۔مگر اُن کی مخالفت ہمارا کیا بگاڑ سکتی ہے۔ہم نے بیسیوں رسالے اس مضمون کے عربی، فارسی، اردو، انگریزی میں شائع کئے اور ہزاروں اشتہار مختلف بلاد و امصار میں تقسیم کر دیئے ہیں۔ اس لئے نہیں۔ کہ گورنمنٹ سے ہم کوئی عزّت چاہتے ہیں۔ بلکہ خدا تعالیٰ خوب جانتا ہے۔ کہ ہم اس کام کو اپنا ضروری فرض سمجھتے ہیں۔ اور اگر ہم کو اس خدمت کے بجالانے میں تکلیف بھی ہو تو ہم پرواہ نہیں کرتے۔کیونکہ خدا نے فرمایا ہے کہ احسان کی جزا احسان ہے۔پس پُوری اطاعت اور وفاداری گورنمنٹ برطانیہ کی مسلمانوں کا فرض ہے۔"

(الحکم جلد ۴۔نمبر ۱۴۔صفحہ ۱۰-۱۱ مورخہ ۱۷ اپریل ۱۹۰۰ء)

مئی ۱۹۰۰ء

نبی کی کیفیّت قلبی

نبی کا آنا ضروری ہوتا ہے۔اس کے ساتھ قوت قدسی ہوتی ہے۔ اور اس کے دل میں لوگوں کی ہمدردی، نفع رسانی اور عام خیر خواہی کا بیتاب کر دینے والا جوش ہوتا ہے رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ[1]۔ یعنی کیا تُو اپنی جان کو ہلاک کر دیگا اس خیال سے کہ وہ مومن نہیں ہوتے۔اس کے دو پہلو ہیں ایک کافروں کی نسبت کہ وہ مسلمان کیوں نہیں ہوتے۔ دوسرا مسلمانوں کی نسبت کہ اُن میں وُہ اعلیٰ درجہ کی رُوحانی قوت کیوں نہیں پیدا ہوتی۔

[1] الشعراء: ۴

جو آپؐ چاہتے ہیں۔

صحابہؓ کی ترقیات

چونکہ ترقی تدریجاً ہوتی ہے۔ اس لئے صحابہ کی ترقیاں بھی تدریجی طور پر ہوئی تھیں مگر انبیاء کے دل کی بناوٹ بالکل ہمدردی ہی ہوتی ہے۔ اور پھر ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تو جامع جمیع کمالات نبوت تھے۔ آپؐ میں یہ ہمدردی کمال درجہ پر تھی۔ آپؐ صحابہ کو دیکھ کر چاہتے تھے۔ کہ پوری ترقیات پر پہنچیں۔ لیکن یہ عروج ایک وقت پر مقدر تھا۔ آخر صحابہ نے وہ پایا جو دنیا نے کبھی نہ پایا تھا۔ اور وہ دیکھا جو کسی نے نہ دیکھا تھا۔

سارا مدار مجاہدہ پر ہے

سارا مدار مجاہدہ پر ہے۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَالَّذِیْنَ جَاهَدُوْا فِیْنَا لَنَهْدِیَنَّهُمْ سُبُلَنَا[1] جو لوگ ہم میں ہو کر کوشش کرتے ہیں۔ ہم اُن کے لئے اپنی تمام راہیں کھول دیتے ہیں۔ مجاہدہ کے بدُوں کچھ بھی نہیں ہو سکتا۔ جو لوگ کہتے ہیں کہ سید عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک نظر میں چور کو قطب بنا دیا۔ دھوکے میں پڑے ہوئے ہیں اور ایسی ہی باتوں نے لوگوں کو ہلاک کر دیا ہے۔ لوگ سمجھتے ہیں۔ کہ کسی کی جھاڑ پھونک سے کوئی بزرگ بن جاتا ہے۔

جو لوگ خدا کے ساتھ جلدی کرتے ہیں۔ وہ ہلاک ہو جاتے ہیں۔ دُنیا میں ہر چیز کی ترقی تدریجی ہے۔ رُوحانی ترقی بھی اسی طرح ہوتی ہے۔ اور بدُوں مجاہدہ کے کچھ بھی نہیں ہوتا۔ اور مجاہدہ بھی وہ ہو جو خدا تعالیٰ میں ہو۔ یہ نہیں کہ قرآن کریم کے خلاف خود ہی بیفائدہ ریاضتیں اور مجاہدہ جوگیوں کی طرح تجویز کر بیٹھے۔ یہی کام ہے جس کے لئے خُدا نے مجھے مامور کیا ہے۔ تاکہ میں دُنیا کو دکھلا دُوں۔ کہ کس طرح پر انسان اللہ تعالیٰ تک پہنچ سکتا ہے۔ یہ قانُونِ قدرت ہے۔ نہ سب محرُوم رہتے ہیں اور نہ سب ہدایت پاتے ہیں۔" (الحکم جلد ۴۔ نمبر ۱۶۔ صفحہ ۶ مورخہ یکم مئی ۱۹۰۰ء)

[1] العنکبوت : ۷۰

۱۴ر مئی سنہ ۱۹۰۰ء

صحبت صالحین کی غرض

بات یہ ہے کہ مُردوں سے مدد مانگنے کے طریق کو ہم نہایت نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ یہ ضعیف الایمان لوگوں کا کام ہے کہ مُردوں کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ اور زندوں سے دُور بھاگتے ہیں۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ حضرت یُوسف علیہ السّلام کی زندگی میں لوگ اُن کی نبوّت کا اِنکار کرتے رہے۔ اور جس روز انتقال کر گئے تو کہا۔ کہ آج نبوّت ختم ہو گئی۔ اللہ تعالیٰ نے کہیں بھی مُردوں کے پاس جانے کی ہدایت نہیں فرمائی۔ بلکہ کُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ[1] کا حکم دے کر زِندوں کی صُحبت میں رہنے کا حُکم دیا۔ یہی وجہ ہے کہ ہم اپنے دوستوں کو بار بار یہاں آنے اور رہنے کی تاکید کرتے ہیں۔ اور ہم جو کسی دوست کو یہاں رہنے کیواسطے کہتے ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ محض اُس کی حالت پر رحم کر کے ہمدردی اور خیر خواہی سے کہتے ہیں۔ میں سچ سچ کہتا ہوں کہ ایمان درست نہیں ہوتا جب تک انسان صاحبِ ایمان کی صُحبت میں نہ رہے اور یہ اس لئے کہ چُونکہ طبیعتیں مختلف ہوتی ہیں۔ ایک ہی وقت میں ہر قسم کی طبیعت کے موافقِ حال تقریر ناصح کے مُنہ سے نہیں نکلا کرتی۔ کوئی وقت ایسا آجاتا ہے کہ اس کی سمجھ اور فہم کے مطابق اُس کے مذاق پر گفتگو ہو جاتی ہے۔ جس سے اُس کو فائدہ پہنچ جاتا ہے اور اگر آدمی بار بار نہ آئے۔ اور زیادہ دنوں تک نہ رہے تو ممکن ہے کہ ایک وقت ایسی تقریر ہو جو اُس کے مذاق کے موافق نہیں ہے اور اُس سے اس کی بدظنی پیدا ہو اور وہ حُسنِ ظن کی راہ سے دُور جا پڑے اور ہلاک ہو جاوے۔

غرض قرآن کریم کے منشا کے موافق تو زندوں ہی کی صُحبت میں رہنا ثابت ہوتا ہے۔ اور استعانت کے متعلق یہ بات یاد رکھنا چاہیئے کہ اصل استمداد کا حق اللہ تعالیٰ ہی کو حاصِل ہے۔

[1] التوبہ: ۱۱۹

مدد خدا تعالیٰ سے طلب کی جائے

اور اسی پر قرآن کریم نے زور دیا ہے۔ چنانچہ فرمایا کہ اِیَّاكَ نَعْبُدُ وَاِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ[1] پہلے صفاتِ الٰہی ربّ، رحمٰن، رحیم، مالکِ یوم الدین کا اظہار فرمایا۔ پھر سکھایا۔ اِیَّاكَ نَعْبُدُ وَاِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ۔ یعنی عبادت بھی تیری کرتے ہیں اور استمداد بھی تجھ ہی سے چاہتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ اصل حق استمداد کا اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہے۔ کسی انسان حیوان۔ چرند پرند غرضیکہ کسی مخلوق کے لئے نہ آسمان پر نہ زمین پر یہ حق نہیں ہے مگر ہاں دوسرے درجہ پر ظلّی طور سے یہ حق اہل اللہ اور مردانِ خدا کو دیا گیا ہے۔ ہم کو نہیں چاہیئے کہ کوئی بات اپنی طرف سے بنا لیں۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کے فرمودہ اور رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے اندر اندر رہنا چاہیئے۔ اسی کا نام صراطِ مُستقیم ہے۔ اور یہ امر لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ سے بھی بخُوبی سمجھ میں آسکتا ہے۔ اس کے پہلے حِصّے سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان کا محبُوب و معبُود اور مطلُوب اللہ تعالیٰ ہی ہونا چاہیئے اور دوسرے حصّے سے رسالت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقت کا اظہار ہے۔

رسالت کا صحیح مفہوم

یہ بات یاد رکھنی چاہیئے۔ کہ رسالت میں ایک امر ظاہر ہوتا ہے اور ایک مخفی ہوتا ہے۔ مثلاً لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ ایک کلمہ ہے جسے رسالت مآب نے بایں الفاظ لوگوں کو پہنچایا ہے۔ لوگ مانیں یا نہ مانیں۔ یعنی رسالت کا کام صرف پہنچا دینا تھا۔ مگر رسالت کے یہ ظاہری معنی ہیں۔ ہم جب اَور زیادہ غور کرکے بطُون کی طرف جاتے ہیں تو اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں۔ کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت جو لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کے ساتھ بطور ایک جزو غیر منفک کے شامل ہوتی ہے۔ یہ صُورت ابلاغ تک ہی محدود نہیں بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی قوت قدسیہ کے زور سے اس تبلیغ کو باثر بنانے میں لانظیر نمونہ دکھایا ہے اور قرآن کریم سے یہ بھی پتہ لگتا ہے۔ کہ آپؐ کو کس قدر سوزش

[1] الفاتحہ: ۵

اور گدازش لگی ہوئی تھی۔ چنانچہ فرمایا۔ لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ[1]
یعنی کیا تُو اپنی جان کو ہلاک کر دے گا اس فکر میں کہ یہ مومن کیوں نہیں بنتے۔ یہ پکی بات ہے کہ ہر نبی صرف لفظ لیکر نہیں آتا بلکہ اپنے اندر وُہ ایک درد اور سوز و گداز بھی رکھتا ہے جو اپنی قوم کی اصلاح کے لئے ہوتا ہے۔

نبی کی مادرانہ عطوفت سے مشابہت

اور یہ درد اور اضطراب کبھی بناوٹ سے نہیں ہوتا بلکہ فطرتاً اضطراری طور پر اُس سے صادر ہوتا ہے، جیسے ایک ماں اپنے بچّے کی پرورش میں مصروف ہوتی ہے۔ اگر بادشاہ کی طرف سے اُس کو حکم بھی دیا جاوے کہ اگر وُہ اپنے بچّے کو دُودھ نہ بھی دے اور اس طرح پر اُس کے ایک دو بچّے مر بھی جاویں تو اُس کو مُعاف ہیں اور اس سے کوئی بازپُرس نہ ہوگی تو کیا بادشاہ کے ایسے حکم پر کوئی ماں خوش ہو سکتی ہے؟ ہرگز نہیں۔ بلکہ بادشاہ کو گالیاں دے گی۔ اور دُودھ دینے سے رُک سکتی ہی نہیں۔ یہ بات اس کی طبیعت میں طبعًا موجود ہے۔ اور دُودھ دینے میں اُس کو کبھی بھی بہشت میں جانا یا اُس کا معاوضہ پانا مرکوز اور ملحوظ نہیں ہوتا۔ اور یہ جوش طبعی ہے جو اُس کو فطرت نے دیا ہے۔ ورنہ اگر یہ بات نہ ہوتی تو چاہیئے تھا کہ جانوروں کی مائیں بکری بھینس یا گائے یا پرندوں کی مائیں اپنے بچّوں کی پرورش سے علیحدہ ہو جاتیں۔ ایک فطرت ہوتی ہے، ایک عقل ہوتی ہے اور ایک جوش ہوتا ہے۔ ماؤں کا اپنے بچّوں کی پرورش میں مصروف ہونا یہ فطرت ہے اسی طرح پر مامُورین جو آتے ہیں۔ اُن کی فطرت میں بھی ایک بات ہوتی ہے۔ وُہ کیا؟ مخلوق کے لئے دلسوزی اور بنی نوع انسان کی خیرخواہی کے لئے ایک گدازش۔ وہ طبعی طور پر چاہتے ہیں۔ کہ لوگ ہدایت پا جاویں اور خدا تعالیٰ میں زندگی حاصل کریں۔

عام پیغام رساں اور رسُول میں فرق

پس یہ وہ سِر ہے جو لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ کے دُوسرے حِصّہ میں یعنی

[1] الشعراء : ۴

اظہار رسالت محمدیہ میں رکھا ہوا ہے۔جیسے پیغام پہنچانے والے عام طور پر پیغام پہنچا دیتے ہیں۔ اور اس بات کی پر۔واہ نہیں کرتے کہ اس پر عمل ہو یا نہ ہو۔گویا وہ تبلیغ صرف کان ہی تک محدود ہوتی ہے۔ برخلاف اس کے ماموُرین الٰہی کان تک بھی پہنچاتے ہیں۔ اور اپنی قدُسی قوت کے زور اور ذریعہ سے دل تک بھی پہنچاتے ہیں اور یہ بات کہ جذب اور عقدِ ہمّت ایک انسان کو اس وقت دیا جاتا ہے جبکہ وہ خدا تعالیٰ کی چادر کے نیچے آجاتا ہے اور ظِلُّ اللہ بنتا ہے۔ پھر وُہ مخلوق کی ہمدردی اور بہتری کے لئے اپنے اندر ایک اضطراب پاتا ہے۔ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم اس مرتبہ میں کل انبیاء علیہم السّلام سے بڑھے ہوئے تھے۔ اس لئے آپؐ مخلوق کی تکلیف دیکھ نہیں سکتے تھے چنانچہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ عَزِیْزٌ عَلَیْہِ مَا عَنِتُّمْ[۱] یعنی یہ رسُولؐ تمہاری تکالیف کو دیکھ نہیں سکتا۔ وہ اس پر سخت گراں ہے۔ اور اُسے ہر وقت اس بات کی تڑپ لگی رہتی ہے کہ تم کو بڑے بڑے منافع پہنچیں۔ ان ساری باتوں کو یکجائی طور پر دیکھنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اوّل خدا تعالیٰ مدد دیتا ہے۔ پھر دوسرے درجہ پر ماموُر من اللہ۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دل میں جوش ڈالا ہے۔ اور وہ اِسی جوش اور تقاضائے فطرت کے ساتھ مخلوق کی بہتری میں ہر ایک قسم کی کوشش کرتے ہیں۔ جیسے ماں اپنے بچّے کو دُودھ دیتی ہے۔ بلکہ اس سے بھی بڑھ کر۔ اس لئے کہ والدہ کا نفس مزکّی نہیں ہے اور یہ مزکّی النّفس لوگ ہوتے ہیں۔ انہیں کو صادقین اس آیت کُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ[۲] میں فرمایا گیا ہے۔

منعم علیہ گروہ

اب میں سُورہ فاتحہ کی طرف رجُوع کر کے کہتا ہوں کہ اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ[۳] میں اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ[۴] کی راہ طلب کی گئی ہے۔ اور میں نے کئی مرتبہ یہ بات بیان کی ہے کہ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ میں چار گروہوں کا ذکر ہے۔ نبی۔ صدّیق۔ شہید۔ صالح۔ پس جبکہ ایک مومن یہ دُعا مانگتا ہے۔ تو اُن کے اخلاق اور عادات اور علوم کی درخواست کرتا ہے۔

[۱] التوبۃ: ۱۲۸ [۲] التوبۃ: ۱۱۹ [۳] الفاتحۃ: ۶ [۴] الفاتحۃ: ۷

اس پر اگر ان چار گروہوں کے اخلاق حاصل نہیں کرتا تو یہ دُعا اُس کے حق میں بے ثمر ہوگی۔ اور وُہ بیجان لفظ بولنے والا حیوان ہے۔ یہ چار طبقے اُن لوگوں کے ہیں جنہوں نے خدا تعالیٰ سے علُومِ عالیہ اور مراتب عظیمہ حاصل کئے ہیں۔ نبی وہ ہوتے ہیں جن کا تبتل اِلَی اللہ اس حد تک پہنچ جاتا ہے کہ وُہ خدا سے کلام کرتے اور وحی پاتے ہیں۔ اور صدیق وہ ہوتے ہیں جو صِدق سے پیار کرتے ہیں۔ سب سے بڑا صدق لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ ہے۔ اور پھر دُوسرا صدق مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ ہے۔ وہ صِدق کی تمام راہوں سے پیار کرتے ہیں۔ اور صدق ہی چاہتے ہیں۔ تیسرے وہ لوگ ہیں۔ جو شہید کہلاتے ہیں۔ وہ گویا خدا تعالیٰ کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ شہید وُہی نہیں ہوتا جو قتل ہو جائے۔ کسی لڑائی یا وبائی امراض میں مارا جائے۔ بلکہ شہید ایسا قوی الایمان انسان ہوتا ہے جس کو خدا تعالیٰ کی راہ میں جان دینے سے بھی دریغ نہ ہو۔ صالحین وہ ہوتے ہیں جن کے اندر سے ہر قسم کا فساد جاتا رہتا ہے۔ جیسے تندرست آدمی جب ہوتا ہے تو اُس کی زبان کا مزہ بھی درست ہوتا ہے پُورے اعتدال کی حالت میں تندرست کہلاتا ہے۔ کسی قسم کا فساد اندر نہیں رہتا۔

اسی طرح پر صالحین کے اندر کسی قسم کی رُوحانی مرض نہیں ہوتی اور کوئی مادہ فساد کا نہیں ہوتا۔ اُس کا کمال اپنے نفس میں نفی کے وقت ہے۔ اور شہید۔ صدیق۔ نبی کا کمال ثبوتی ہے۔ شہید ایمان کو ایسا قوی کرتا ہے۔ گویا خدا کو دیکھتا ہے۔ صدیق عملی طور پر صِدق سے پیار کرتا اور کِذب سے پرہیز کرتا ہے۔ اور نبی کا کمال یہ ہے کہ وہ ردائے الٰہی کے نیچے آجاتا ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ کمال کسی دُوسرے کو حاصل نہیں ہو سکتے۔ اور مولوی یا علماء کہتے ہیں۔ کہ بس ظاہری طور پر کلمہ پڑھ لے اور نماز روزہ کے احکام کا پابند ہو جاوے۔ اس سے زیادہ ان احکام کے ثمرات اور نتائج کچھ نہیں اور نہ ان میں کچھ حقیقت ہے۔ یہ بڑی بھاری غلطی ہے۔ اور ایمانی کمزوری ہے۔ اُنہوں نے رسالت کے منشا کو نہیں سمجھا۔ اللہ تعالیٰ جو ماموروں اور مُرسلوں کو خلق اللہ کی ہدایت کے واسطے بھیجتا

ہے۔ کیا اس لئے بھیجتا ہے کہ لوگ اُن کی پرستش کریں۔ نہیں۔ بلکہ اُن کو نمونہ بنا کر بھیجا جاتا ہے۔ اس کی ایسی ہی مثال ہے۔ جیسے بادشاہ اپنے مُلک کے کاریگروں کو کوئی تلوار دے تو اس کی مُراد یہی ہے کہ وُہ بھی ویسی تلوار بنانے کی کوشش کریں۔

ماموُرین کی غرض

اللہ تعالیٰ اُن لوگوں کو جو ماموُر اور مُرسل ہوتے ہیں۔ اخلاق فاضلہ اور اوصاف حمیدہ سے متّصف بناتا ہے اور دُنیا کی طرف ماموُر کرتا ہے۔ تا لوگ اُن کے اخلاق اور کمالات سے حِصّہ لیں۔ اور اسی طرز و روش پر چلیں۔ کیونکہ یہ لوگ اُس وقت تک فائدہ پہنچاتے ہیں جبتک زِندہ ہوں۔ گذرنے کے بعد تبتّل ہو جاتا ہے۔ اس واسطے صُوفی لوگ کہتے ہیں کہ زندہ بلّی مُردہ شیر سے بہتر ہوتی ہے۔ خدا تعالیٰ اپنے پاک کلام میں فرماتا ہے۔ الٓرٰ کِتٰبٌ اُحْکِمَتْ اٰیٰتُهٗ[1] الف سے مراد اللّٰہ۔ اور لؔ سے مراد جبرائیل اور رؔ سے مراد رُسل ہیں۔ چونکہ اس میں یہی قِصّہ ہے۔ کہ کونسی چیزیں انسانوں کو ضروری ہیں۔ اس لئے فرمایا۔ کِتٰبٌ اُحْکِمَتْ اٰیٰتُهٗ۔ یہ کتاب ایسی ہے۔ کہ اُس کی آیات پکّی اور استوار ہیں۔

استحکام کتاب اللہ

قرآن کریم کی تعلیموں کو اللہ تعالیٰ نے کئی طرح پر مستحکم کیا۔ تا کہ کِسی قِسم کا شک نہ رہے۔ اور اسی لئے شروع میں ہی فرمایا۔ لَا رَیْبَ فِیْهِ[2] یہ استحکام کئی طور پر کیا گیا ہے۔

اوّلاً۔ قانُون قدرت سے استواری اور استحکام قرآنی تعلیموں کا قانونِ قدرت سے کیا گیا۔ جو کچھ قرآن کریم میں بیان کیا گیا ہے، قانُون قدرت اُس کو پُوری مدد دیتا ہے گویا جو قرآن میں ہے۔ وُہی کتاب مکنُون میں ہے۔ اس کا راز انبیاء علیہم السلام کی پیروی کے بدُوں سمجھ میں نہیں آسکتا اور یہی وہ سِرّ ہے جو لَا یَمَسُّهٗۤ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ[3]

[1] ھود: ۲ [2] البقرۃ: ۳ [3] الواقعہ: ۸۰

میں رکھا گیا ہے۔ غرض پہلے قرآنی تعلیم کو قانون قدرت سے مستحکم کیا ہے۔ مثلاً قرآن کریم نے اللہ تعالیٰ کی صفت وحدہٗ لاشریک بتائی۔ جب ہم قانون قدرت میں نظر کرتے ہیں تو ماننا پڑتا ہے کہ ضرور ایک ہی خالق و مالک ہے۔ کوئی اُس کا شریک نہیں۔ دل بھی اسے ہی مانتا ہے اور دلائل قدرت سے بھی اسی کا پتہ لگتا ہے۔ کیونکہ ہر ایک چیز جو دُنیا میں موجود ہے۔ وہ اپنے اندر کُرویت رکھتی ہے۔ جیسے پانی کا قطرہ اگر ہاتھ سے چھوڑ دیا تو وہ کُروی شکل کا ہوگا اور کُروی شکل توحید کو مُستلزم ہے اور یہی وجہ ہے کہ پادریوں کو بھی ماننا پڑا کہ جہاں تثلیث کی تعلیم نہیں پہنچی وہاں کے رہنے والوں سے توحید کی پرسش ہوگی۔ چنانچہ پادری فنڈر نے اپنی تصنیفات میں اس امر کا اعتراف کیا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کریم دُنیا میں نہ بھی ہوتا۔ تب بھی ایک ہی خدا کی پرستش ہوتی۔ اس سے معلوم ہوا کہ قرآن کریم کا بیان صحیح ہے کیونکہ اُس کا نقش انسانی فطرت اور دِل میں موجود ہے اور دلائل قدرت سے اس کی شہادت ملتی ہے۔ برخلاف اس کے انجیلی تثلیث کا نقش نہ دل میں ہے نہ قانون قدرت اس کا مؤید ہے۔

اُحْکِمَتْ کا مفہوم

یہی معنے ہیں کِتٰبٌ اُحْکِمَتْ اٰیٰتُہٗ کے۔ یعنی قانون قدرت سے اُس کی تعلیموں کو ایسا مستحکم اور استوار کیا گیا ہے کہ مُشرک وعیسائی کو بھی ماننا پڑا کہ انسان کے مادۂ فطرت سے توحید کی بازپُرس ہوگی۔

دُوسری وجہ استحکام کی خدا تعالیٰ کے نشانات ہیں۔ کوئی نبی، کوئی مامور دُنیا میں ایسا نہیں آتا جس کے ساتھ تائیدات الٰہی شامل نہ ہوں۔ اور یہ تائیدات اور نشانات ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بہت پُرشوکت اور پُرقوت تھے۔ آپؐ کے حرکات سکنات میں کلام میں نشانات تھے۔ گویا آپؐ کا وجود از سرتاپا نشاناتِ الٰہی کا پُتلا تھا۔

تیسرا احکام نبی کا پاک چال چلن اور راستبازی ہے یہ منجملہ اُن باتوں کے ہے جو عقلمندوں کے نزدیک امین ہونا بھی ایک دلیل ہے۔ جیسے حضرت ابوبکر صدیق رضؓ نے اس سے دلیل پکڑی۔

چوتھا احکام جو ایک زبردست وجہ استواری اور استحکام کی ہے۔ نبی کی قوت قدسیہ ہے۔ جس سے فائدہ پہنچتا ہے۔ جیسے طبیب خواہ کتنا ہی دعویٰ کرے کہ میں ایسا ہوں۔ اور ویسا ہوں اور اس کو سدیدی خواہ نوک زبان ہی کیوں نہ ہو۔ لیکن اگر لوگوں کو اُس سے فائدہ نہ پہنچے تو یہی کہیں گے کہ اُس کے ہاتھ میں شفا نہیں ہے۔ اسی طرح پر نبی کی قوت قُدسی جس قدر زبردست ہو۔ اسی قدر اُس کی شان اعلیٰ اور بلند ہوتی ہے۔ قرآن کریم کی تعلیم کے استحکام کے لئے یہ پشتیبان بھی سب سے بڑا پشتیبان ہے۔

آنحضرتؐ کا مقام دیگر انبیاءؑ کے مقابلہ میں

ہمارے پیغمبر صلعم کی قوت قدسی اس درجہ پر پہنچی ہوئی ہے کہ اگر تمام انبیار علیہم السلام کے مقابلہ میں دیکھیں تو معلوم ہوگا کہ کسی نے آپؐ کے مقابلہ میں کچھ نہیں کیا یہودی دنیا کے کُتے ہیں۔ عیسائیوں کو دیکھو تو وہ اللہ تعالیٰ کی توحید کے چشمے سے دُور جا پڑے۔ کوئی حضرت مریمؑ کی پرستش کرتا ہے۔ کوئی مسیحؑ کو خدا جانتا ہے۔ اور دُنیا پرستی ہی شب و روز کا شغل اور کام ہے۔ آنحضرت صلعم کی تیار کردہ جماعت کو اگر دیکھا جاوے تو وہ ہمہ تن خدا ہی کے لئے نظر آتے ہیں۔ اور اپنی عملی زندگی میں کوئی نظیر نہیں رکھتے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مُبارک اور کامیاب زندگی کی تصویر یہ ہے کہ آپؐ ایک کام کے لئے آئے اور اُسے پورا کرکے اس وقت دنیا سے رخصت ہوئے جس طرح بندوبست والے پُورے کاغذات پانچ برس میں مرتب کرکے آخری رپورٹ کرتے ہیں اور پھر چلے جاتے ہیں۔ اسی طرح پر رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں نظر آتا ہے۔ اُس دن سے لے کر جب قُمْ فَاَنْذِرْ[1] کی آواز آئی۔ پھر

[1] المدثر: ۳

اِذَا جَآءَ نَصۡرُ اللّٰہِ[1] اور اَلۡیَوۡمَ اَکۡمَلۡتُ لَکُمۡ دِیۡنَکُمۡ[2] کے دن تک نظر کریں تو آپؐ کی لانظیر کامیابی کا پتہ ملتا ہے۔ ان آیات سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ خاص طور پر مامور تھے۔ حضرت موسیٰؑ کو اپنی زندگی میں کامیابی نصیب نہ ہوئی جو اُن کی رسالت کا منتہا تھی۔ اور ارضِ مقدس اور موعود سرزمین کو اپنی آنکھ سے نہ دیکھ سکے بلکہ راہ ہی میں فوت ہو گئے۔ کافر کب مان سکتا ہے۔ اور ایک بے ایمان آدمی راہ میں فوت ہو جانے اور وعدہ کی زمین میں نہ پہنچ سکنے کی وجوہات کب سُننے لگا۔ وہ تو یہی کہیگا کہ اگر مامور تھے تو وُہ وعدے زندگی میں کیوں پُورے نہ ہوئے۔

پردہ پوش انبیاء

سچی بات یہی ہے کہ سب نبیوں کی نبوت کی پردہ پوشی ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے ہوئی ،

تصویر یسُوع

ایسا ہی مسیح علیہ السّلام کی زندگی پر نظر کرو۔ ساری رات خود دُعا کرتے رہے۔ دوستوں سے کراتے رہے۔ آخر شکوہ پر اُتر آئے۔ اور ایلی ایلی لما سبقتنی بھی کہہ دیا۔ یعنی اے میرے خدا۔ تُونے مجھے کیوں چھوڑ دیا۔ اب ایسی حسرت بھری حالت کو دیکھ کر کون کہہ سکتا ہے۔ کہ یہ مامور من اللہ ہے جو نقشہ پادریوں نے مسیح کی آخری حالت کا جما کر دکھایا ہے۔ وہ تو بالکل مایُوسی بخشتا ہے۔ لافیں تو اتنی تھیں کہ خدا کی پناہ اور کام کچھ بھی نہ کیا۔ ساری عُمر میں کل ایکسو بیس آدمی تیار کئے اور وہ بھی ایسے پست خیال اور کم فہم جو خدا کی بادشاہت کی باتوں کو سمجھ ہی نہ سکتے تھے۔ اور سب سے بڑا مصاحب جس کی بابت یہ فتویٰ تھا کہ جو زمین پر کرے۔ آسمان پر ہوتا ہے اور بہشت کی کُنجیاں جس کے ہاتھ میں تھیں۔ اُسی نے سب سے پہلے لعنت کی۔ اور وہ جو امین اور خزانچی بنایا ہوا تھا جس کو چھاتی پر لٹاتے تھے۔ اُسی نے تیس درم لے کر پکڑوا دیا۔ اب

[1] النصر: ۲ [2] المائدۃ: ۴

ایسی حالت میں کب کوئی کہہ سکتا ہے کہ مسیحؑ نے واقعی ماموریت کا حق ادا کیا۔

تصویر نبیؐ

اور اس کے مقابل ہمارے نبی کریمؐ کا کیسا پکا کام ہے۔ اس وقت سے جب کہا کہ میں ایک کام کرنے کے لئے آیا ہوں۔ جبتک یہ نہ سُن لیا۔ کہ اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ[1] آپؐ دُنیا سے نہ اُٹھے۔ جیسے یہ دعویٰ کیا تھا کہ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ اِلَیْکُمْ جَمِیْعًا۔[2] اس دعوے کے مُناسب حال یہ ضروری تھا۔ کہ کل دُنیا کے مکر و مکاید متفق طور پر آپ کی مخالفت میں کئے جاتے۔ آپؐ نے کس حوصلہ اور دلیری کے ساتھ مخالفوں کو مخاطب کرکے کہا کہ فَکِیْدُوْنِیْ جَمِیْعًا[3] یعنی کوئی دقیقہ مکر کا باقی نہ رکھو۔ سارے فریب مکر استعمال کرو۔ قتل کے منصوبے کرو۔ اخراج اور قید کی تدبیریں کرو۔ مگر یاد رکھو۔ سَیُھْزَمُ الْجَمْعُ وَ یُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ[4] آخر فتح میری ہے۔ تمہارے سارے منصوبے خاک میں مل جائیں گے۔ تمہاری ساری جماعتیں منتشر اور پراگندہ ہو جاویں گی اور پیٹھ دے نکلیں گی۔ جیسے وہ عظیم الشان دعویٰ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ اِلَیْکُمْ جَمِیْعًا کسی نے نہیں کیا اور جیسے فَکِیْدُوْنِیْ جَمِیْعًا کہنے کی کسی کو ہمت نہ ہوئی۔ یہ بھی کسی کے مُنہ سے نہ نکلا۔

سَیُھْزَمُ الْجَمْعُ وَیُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ۔

یہ الفاظ اُسی منہ سے نکلے جو خدا تعالیٰ کے سائے کے نیچے الُوہیت کی چادر میں لپٹا ہوا پڑا تھا۔

غرض ان وجوہات پر ایک اجنبی آدمی بھی نظر ڈالے تو اُس کو معلوم ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے کیسے صاف اور واضح طور پر کتاب اللہ کو مستحکم فرمایا ہے۔ اگر کوئی قانونِ قدرت پر نظر کرتا ہے تو قول اور فعل الٰہی کو باہم مطابق پاتا ہے۔ پھر اگر خوارق پر نظر کرتا ہے۔ تو اس قدر کثرت سے ہیں کہ حدِ شمار سے باہر ہیں۔ یہانتک کہ آپؐ کا قول فعل و حرکات و سکنات سب خوارق ہیں۔ قوت قدسیہ کو دیکھنا ہے۔ تو صحابہ کرامؓ

[1] المائدۃ: ۴ [2] الاعراف: ۱۵۹ [3] ھود: ۵۶ [4] القمر: ۴۶

کی پاک تبدیلی حیرت میں ڈالتی ہے پھر کامیابی کو دیکھتا ہے تو دُنیا بھر کے ماموروں اور مُرسلوں سے بڑھ کر تھے۔

ان وجُوہاتِ احکامِ آیات کے علاوہ میرے نزدیک اَور بھی بہت سے وجُوہات ہیں منجملہ ان کے ایک اَلْ کے لفظ ز سے پتہ لگتا ہے کہ یہ لفظ مجدّدوں اور مرسلوں کے سلسلۂ جاریہ کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ جو قیامت تک جاری رہے۔ اب اس سلسلہ میں آنیوالے مجدّدوں کے خوارق، ان کی کامیابیوں، ان کی پاک تاثیروں وغیرہ وجُوہات احکامِ آیات کو گن بھی نہیں سکتے۔

تابع کا کام متبوع کا ہی کام ہوتا ہے

اور یہ سب خوارق اور کامیابیاں جو رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے بعد آپؐ کے متّبعین مجدّدوں کے ذریعہ سے ہوئیں۔ اور قیامت تک ہوں گی درحقیقت رسُول اللہ صلعم کی ہی کامیابیاں ہیں۔ غرض ہر صدی کے سر پر مجدّد کا آنا صاف طور پر بتلا رہا ہے۔ کہ مُردوں سے استمداد خدا تعالیٰ کی منشار کے موافق نہیں۔ اگر مُردوں سے مدد کی ضرورت ہوتی۔ تو پھر زندوں کے آنے کی کیا ضرورت تھی؟ ہزاروں ہزار جو اولیار اللہ پیدا ہوئے۔ اس کا کیا مطلب تھا۔ مجدّدین کا سلسلہ کیوں جاری کیا جاتا؟ اگر اسلام مُردوں کے حوالے کیا جاتا تو یقیناً سمجھو کہ اس کا نام و نشان مِٹ گیا ہوتا۔ یہودیوں کا مذہب مُردوں کے حوالے کیا گیا۔ نتیجہ کیا ہُوا؟ عیسائیوں نے مُردہ پرستی سے بتلاؤ کیا پایا؟ مُردوں کو پُوجتے پُوجتے خود مُردہ ہو گئے۔ نہ مذہب میں زندگی کی رُوح رہی نہ ماننے والوں میں زندگی کے آثار باقی رہے۔ اوّل سے لے کر آخر تک مُردوں ہی کا مجمع ہو گیا۔

اسلام کا زندہ خُدا

اسلام ایک زندہ مذہب ہے۔ اسلام کا خدا حیّ و قیُّوم خُدا ہے۔ پھر وہ مُردوں سے پیار کیوں کرنے لگا۔ وہ حیّ و قیُّوم خدا تو بار بار مُردوں کو جِلاتا ہے۔ یُحْیِ الْاَرْضَ

بَعْدَ مَوْتِہَا.[1] تو کیا مُردوں کے ساتھ تعلق پیدا کرا کر جلاتا ہے؟ نہیں، ہرگز نہیں۔ اسلام کی حفاظت کا ذمّہ اسی حیّ و قیّوم خدا نے اِنَّا لَہٗ لَحَافِظُوْنَ[2] کہہ کر اُٹھایا ہوا ہے۔ پس ہر زمانہ میں یہ دین زندوں سے زندگی پاتا ہے اور مُردوں کو جلاتا ہے۔ یاد رکھو اِس میں قدم قدم پر زندے آتے ہیں۔ پھر فرمایا۔ ثُمَّ فُصِّلَتْ.[3] ایک تو وُہ تفصیل ہے جو قرآن کریم میں ہے۔ دوسری یہ کہ قرآن کریم کے معارف و حقایق کے اظہار کا سلسلہ قیامت تک دراز کیا گیا ہے۔

ہر آن زِندہ معارف

ہر زمانے میں نئے معارف اور اسرار ظاہر ہوتے ہیں۔ فلسفی اپنے رنگ میں، طبیب اپنے مذاق پر، صُوفی اپنے طرز پر بیان کرتے ہیں۔ اور پھر یہ تفصیل بھی حکیم و خبیر خدا نے رکھی ہے۔ حکیم اس کو کہتے ہیں کہ جن چیزوں کا علم مطلوب ہو وہ کامل طور پر ہو۔ اور پھر عمل بھی کامل ہو۔ ایسا کہ ہر ایک چیز کو اپنے اپنے محل و موقع پر رکھ سکے۔ حکمت کے معنی وضع الشیئ فی محلہ اور خبیر مبالغہ کا صیغہ ہے۔ یعنی ایسا وسیع علم کہ کوئی چیز اس کی خبر سے باہر نہیں۔ چونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کتاب مجید کو خاتم الکتب ٹھہرایا تھا اور اس کا زمانہ قیامت تک دراز تھا۔ وہ خوب جانتا تھا کہ کس طرح پر یہ تعلیمیں ذہن نشین کرنی چاہئیں۔ چنانچہ اسی کے مطابق تفاصیل کی ہیں۔ پھر اس کا سلسلہ جاری رکھا کہ جو مجدد و مُصلح احیاءِ دین کے لئے آتے ہیں وہ خود مفصّل آتے ہیں۔ اس کے بعد ایک عجیب بات سوال مقدّر کے جواب کے طور پر بیان کی گئی ہے یعنی اس قدر تفاصیل جو بیان کی جاتی ہیں۔ ان کا خُلاصہ اور مغز کیا ہے۔

انسانی پیدائش کی غرض

اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰہَ.[4] خُدا تعالےٰ کے سوا ہرگز ہرگز کسی کی پرستش نہ کرو۔ اصل

[1] الحدید: ۱۸ [2] الحجر: ۱۰ [3] ھود: ۲ [4] ھود: ۳

بات یہ ہے کہ انسان کی پیدائش کی علت غائی یہی عبادت ہے۔ جیسے دوسری جگہ فرمایا
ہے وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ[1]۔ عبادت اصل میں اس کو کہتے ہیں۔
کہ انسان ہر قسم کی قساوت۔ کجی کو دُور کر کے دل کی زمین کو ایسا صاف بنا دے جیسے
زمیندار زمین کو صاف کرتا ہے۔ عرب کہتے ہیں۔ مور معبّد۔ جیسے سُرمہ کو باریک کر کے
آنکھوں میں ڈالنے کے قابل بنا لیتے ہیں۔ اسی طرح جب دل کی زمین میں کوئی کنکر، پتھر
ناہمواری نہ رہے اور ایسی صاف ہو کہ گویا رُوح ہی رُوح ہو۔ اس کا نام عبادت ہے
چنانچہ اگر یہ درستی اور صفائی آئینہ کی کی جاوے تو اُس میں شکل نظر آ جاتی ہے۔ اور اگر
زمین کی کی جاوے تو اُس میں انواع و اقسام کے پھل پیدا ہو جاتے ہیں۔ پس انسان
جو عبادت کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔ اگر دل صاف کرے اور اس میں کسی قسم کی کجی اور
ناہمواری، کنکر، پتھر نہ رہنے دے تو اُس میں خُدا نظر آئیگا۔

مقام صفا

میں پھر کہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کی محبت کے درخت اُس میں پیدا ہو کر نشوونما
پائیں گے اور وُہ اثمارِ شیریں و طیب ان میں لگیں گے۔ جو اُکُلُھَا دَآئِمٌ[2] کے مصداق
ہوں گے۔ یاد رکھو کہ یہ وُہی مقام ہے۔ جہاں صُوفیوں کے سلوک کا خاتمہ ہے۔ جب
سالک یہاں پہنچتا ہے تو خُدا ہی خُدا کا جلوہ دیکھتا ہے۔ اس کا دل عرش الٰہی بنتا
ہے اور اللہ تعالیٰ اُس پر نزُول فرماتا ہے۔ سلوک کی تمام منزلیں یہاں آ کر ختم ہو جاتی
ہیں۔ کہ انسان کی حالت تعبّد درست ہو جس میں رُوحانی باغ لگ جاتے ہیں۔ اور
آئینہ کی طرح خدا نظر آتا ہے۔ اسی مقام پر پہنچکر انسان دُنیا میں جنّت کا نمُونہ پاتا ہے
اور یہاں ہی ھٰذَا الَّذِیْ رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ وَاُتُوْا بِہٖ مُتَشَابِھًا[3] کہنے کا حظ اور لُطف اُٹھاتا ہے

مقام تبشیر و انذار

غرض حالت تعبّد کی درستی کا نام عبادت ہے۔ پھر فرمایا۔ اِنَّنِیْ لَکُمْ مِّنْهُ نَذِیْرٌ

[1] الذّاریات: ۵۷ [2] الرعد: ۳۶ [3] البقرۃ: ۲۶

وَّ بَشِيْرٌ[1] چونکہ یہ تعبّد تام کا عظیم الشان کام انسان بدوں کسی اُسوہ حسنہ اور نمونہ کاملہ کے اور کسی قوت قدسی کے کامل اثر کے بغیر نہیں کرسکتا تھا۔ اس لئے رسُول اللہ صلعم فرماتے ہیں کہ میں اُسی خدا کی طرف سے نذیر اور بشیر ہو کر آیا ہوں۔ اگر میری اطاعت کروگے اور مجھے قبول کروگے تو تمہارے لئے بڑی بڑی بشارتیں ہیں کیونکہ میں بشیر ہوں اور اگر رَدّ کرتے ہو تو یاد رکھو کہ میں نذیر ہو کر آیا ہوں۔ پھر تم کو بڑی بڑی عقوبتوں اور دُکھوں کا سامنا ہوگا۔

بہشتی زندگی

اصل بات یہ ہے کہ بہشتی زندگی اِسی دُنیا سے شروع ہو جاتی ہے اور اسی طرح پر کورانہ زیست جو خدا تعالیٰ اور اس کے رسُول سے بالکل الگ ہو کر بسر کی جائے۔ جہنمی زندگی کا نمونہ ہے۔ اور وہ بہشت جو مرنے کے بعد ملیگا۔ اسی بہشت کا اصل ہے۔ اور اسی لئے تو بہشتی لوگ ثمار جنت کے حظ اُٹھاتے وقت کہیں گے۔ هٰذَا الَّذِيْ رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ[2]۔ دُنیا میں انسان کو جو بہشت حاصل ہوتا ہے قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا[3] پر عمل کرنے سے ملتا ہے۔ جب انسان عبادت کا اصل مفہوم اور مغز حاصل کرلیتا ہے۔ تو خدا تعالیٰ کے انعام و اکرام کا پاک سلسلہ جاری ہو جاتا ہے۔ اور جو نعمتیں آئندہ بعد مُردن ظاہری۔ مرئی اور محسوس طور پر ملیں گی وہ اب رُوحانی طور پر پاتا ہے۔ پس یاد رکھو کہ جبتک بہشتی زندگی اسی جہاں سے شروع نہ ہو۔ اور اس عالم میں اُس کا حظ نہ اُٹھاؤ۔ اس وقت تک سیر نہ ہو۔ اور تسلّی نہ پکڑو۔ کیونکہ وُہ جو اِس دُنیا میں کچھ نہیں پاتا اور آئندہ جنت کی امید کرتا ہے وہ طمع خام کرتا ہے۔ اصل میں وُہ مَنْ كَانَ فِيْ هٰذِهٖۤ اَعْمٰى فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى[4] کا مصداق ہے۔ اس لئے جبتک ماسوی اللہ کے کنکر اور سنگریزے زمین دل سے دُور نہ کرلو۔ اور اُسے آئینہ کی طرح مُصفّا اور سُرمہ کی طرح باریک نہ بنالو۔ صبر نہ کرو۔

[1] هود: ۳ [2] البقرة: ۲۶ [3] الشمس: ۱۰ [4] بنی اسرائیل: ۷۳

عملی نمونہ کی ضرورت

ہاں یہ سچ ہے کہ انسان کسی زکی النفس کی امداد کے بغیر اس سلوک کی منزل کو طے نہیں کر سکتا۔ اسی لئے اس کے انتظام و انصرام کے لئے اللہ تعالیٰ نے کامل نمونہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا بھیجا اور پھر ہمیشہ کے لئے آپؐ کے سچے جانشینوں کا سلسلہ جاری فرمایا۔ تاکہ ناعاقبت اندیش براہموؤں کا رد ہو۔ جیسے یہ امر ایک ثابت شدہ صداقت ہے کہ جو کسان کا بچہ نہیں ہے۔ نلائی (گوڈی دینے) کے وقت اصل درخت کو کاٹ دیگا۔ اسی طرح پر یہ زمینداری جو رُوحانی زمینداری ہے۔ کامل طور پر کوئی نہیں کر سکتا۔ جب تک کسی کامل انسان کے ماتحت نہ ہو۔ جو تخم ریزی۔ آبپاشی۔ نلائی کے تمام مرحلے طے کر چکا ہو۔ اسی سے معلوم ہوتا ہے کہ مُرشد کامل کی ضرورت انسان کو ہے۔ مُرشد کامل کے بغیر انسان کا عبادت کرنا اسی رنگ کا ہے۔ جیسے ایک نادان و ناواقف بچہ ایک کھیت میں بیٹھا ہوا اصل پودوں کو کاٹ رہا ہے اور اپنے خیال میں سمجھتا ہے۔ کہ وہ گوڈی کر رہا ہے۔ یہ گمان ہرگز نہ کرو کہ عبادت خود ہی آجائیگی۔ نہیں۔ جبتک رسُول نہ سکھلائے۔ انقطاع الی اللہ اور تبتل تام کی راہیں حاصل نہیں ہو سکتیں۔ پھر طبعًا سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ مشکل کام کیونکر حل ہو۔ اس کا علاج خود ہی بتلایا

استغفار کا فائدہ

وَاَنِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ[1]۔ یاد رکھو کہ دو چیزیں اس اُمّت کو عطا فرمائی گئی ہیں۔ ایک قوت حاصل کرنے کے واسطے۔ دوسری حاصل کردہ قوت کو عملی طور پر دکھانے کے لئے۔ قوت حاصل کرنے کے واسطے استغفار ہے۔ جس کو دوسرے لفظوں میں استمداد اور استعانت بھی کہتے ہیں۔ صُوفیوں نے لکھا ہے کہ جیسے ورزش کرنے سے مثلاً مگدروں اور موگریوں کے اُٹھانے اور پھیرنے سے جسمانی قوت اور طاقت بڑھتی ہے۔ اسی طرح پر رُوحانی مگدر استغفار ہے۔ اس کے ساتھ رُوح کو ایک قوت ملتی ہے۔ اور

[1] ھود: ٤

دل میں استقامت پیدا ہوتی ہے۔ جسے قوت یعنی مطلوب ہو وہ استغفار کرے۔ غفر ڈھانکنے اور دبانے کو کہتے ہیں۔ استغفار سے انسان اُن جذبات اور خیالات کو ڈھانپنے اور دبانے کی کوشش کرتا ہے۔ جو خدا تعالیٰ سے روکتے ہیں۔ پس استغفار کے یہی معنے ہیں۔ کہ زہریلے مواد جو حملہ کر کے انسان کو ہلاک کرنا چاہتے ہیں۔ اُن پر غالب آوے۔ اور خدا تعالیٰ کے احکام کی بجا آوری کی راہ کی روکوں سے بچ کر انہیں عملی رنگ میں دکھائے۔

یہ بات بھی یاد رکھنی چاہیئے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے انسان میں دو قسم کے مادے رکھے ہیں۔ ایک سمّی مادہ ہے۔ جس کا موکّل شیطان ہے اور دوسرا تریاقی مادہ ہے۔ جب انسان تکبّر کرتا ہے۔ اور اپنے تئیں کچھ سمجھتا ہے۔ اور تریاقی چشمہ سے مدد نہیں لیتا۔ تو سمّی قوت غالب آجاتی ہے۔ لیکن جب اپنے تئیں ذلیل وحقیر سمجھتا ہے۔ اور اپنے اندر اللہ تعالیٰ کی مدد کی ضرورت محسوس کرتا ہے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک چشمہ پیدا ہو جاتا ہے۔ جس سے اس کی رُوح گداز ہو کر بہہ نکلتی ہے۔ اور یہی استغفار کے معنی ہیں۔ یعنی یہ کہ اُس قوت کو پا کر زہریلے مواد پر غالب آجاوے۔

غرض اِس کے معنی یہ ہیں کہ عبادت پر یُوں قائم رہو۔ اوّل۔ رسُول کی اطاعت کرو۔ دوسرے ہر وقت خُدا سے مدد چاہو۔ ہاں پہلے اپنے ربّ سے مدد چاہو۔ جب قوت مل گئی۔ تو تُوْبُوْٓا اِلَیْہِ[1] یعنی خدا کی طرف رجُوع کرو۔

توبہ اور استغفار میں فرق

استغفار اور توبہ دو چیزیں ہیں۔ ایک وجہ سے استغفار کو توبہ پر تقدم ہے۔ کیونکہ استغفار مدد اور قوت ہے جو خُدا سے حاصل کی جاتی ہے اور توبہ اپنے قدموں پر کھڑا ہونا ہے۔ عادۃ اللہ یہی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ سے مدد چاہے گا۔ تو خدا تعالیٰ ایک قوت دے دیگا۔ اور پھر اس قوت کے بعد انسان اپنے پاؤں پر کھڑا ہو جاوے گا۔ اور نیکیوں کے کرنے کے لئے اُس میں ایک قوت پیدا ہو جاوے گی جس کا نام تُوْبُوْٓا اِلَیْہِ

[1] ھود : ۴

ہے۔ اس لئے طبعی طور پر بھی یہی ترتیب ہے۔ غرض اس میں ایک طریق ہے جو سالکوں کے لئے رکھا ہے کہ سالک ہر حالت میں خدا سے اِستمداد چاہے۔ سالک جب تک اللہ تعالیٰ سے قوت نہ پائے گا۔ کیا کر سکے گا۔ توبہ کی توفیق استغفار کے بعد ملتی ہے۔ اگر استغفار نہ ہو۔ تو یقیناً یاد رکھو کہ توبہ کی قوت مر جاتی ہے۔ پھر اگر اس طرح پر استغفار کرو گے اور پھر توبہ کرو گے تو نتیجہ یہ ہو گا۔ يُمَتِّعْكُمْ مَّتَاعًا حَسَنًا إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى[1] سُنّت اللہ اسی طرح پر جاری ہے۔ کہ اگر استغفار اور توبہ کرو گے تو اپنے مراتب پا لو گے۔ ہر ایک حس کے لئے ایک دائرہ ہے۔ جس میں وہ مدارج ترقی کو حاصل کرتا ہے۔ ہر ایک آدمی نبی۔ رسول۔ صدّیق۔ شہید نہیں ہو سکتا۔

غرض اس میں شک نہیں کہ تفاضل درجات امر حق ہے۔ اس کے آگے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ کہ ان اُمور پر مواظبت کرنے سے ہر ایک سالک اپنی اپنی استعداد کے موافق درجات اور مراتب کو پا لیگا۔ یہی مطلب ہے اس آیت کا۔ وَيُؤْتِ كُلَّ ذِي فَضْلٍ فَضْلَهُ[1] لیکن اگر زیادت لیکر آیا ہے۔ تو خدا تعالیٰ اس مجاہدہ میں اس کو زیادت دے دیگا۔ اور اپنے فضل کو پالے گا۔ جو طبعی طور پر اُس کا حق ہے۔ ذی الفضل کی اضافت ملکی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ خدا تعالیٰ محروم نہ رکھے گا۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ میاں ہم نے ولی بننا ہے؟ جو ایسا کہتے ہیں وہ دنی الطبع کافر ہیں۔ انسان کو مناسب ہے کہ قانونِ قدرت کو ہاتھ میں لے کر کام کرے۔

مُردہ سے استعانت جائز نہیں

اب ساری بات کا خلاصہ یہ ہے کہ مُردوں سے مدد مانگنے کا خدا نے کہیں ذکر نہیں کیا بلکہ زندوں ہی کا ذکر فرمایا۔ خدا تعالیٰ نے بڑا فضل کیا جو اسلام کو زندوں کے سپرد کیا۔ اگر اسلام کو مُردوں پر ڈالتا تو نہیں معلوم کیا آفت آتی۔ مُردوں کی قبریں کہاں کم ہیں۔ کیا ملتان میں کم قبریں ہیں۔ "گرد و گرما گدا و گورستان" اُس کی نسبت مشہور

[1] ھود : ۴

ہے۔ میں بھی ایک بار مُلتان گیا۔ جہاں کسی قبر پر جاؤ مجاور کپڑے اتارنے کو گرد ہو جاتے ہیں۔ پاک پٹن میں مُردوں کے فیضان سے دیکھ لو کیا ہو رہا ہے۔ اجمیر میں جا کر دیکھو۔ بدعات اور محدثات کا بازار کیا گرم ہے۔ غرض مُردوں کو دیکھو گے اس نتیجہ پر پہنچو گے کہ اُن کے مشاہدہ میں سوا بدعات اور ارتکاب مناہی کے کچھ نہیں۔ خدا تعالیٰ نے جو صراط مستقیم مقرر فرمایا ہے وہ زندوں کی راہ ہے مُردوں کی راہ نہیں۔ پس جو چاہتا ہے کہ خدا کو پائے اور حیّ و قیوم خدا کو ملے تو وُہ زندوں کو تلاش کرے کیونکہ ہمارا خدا زندہ خدا ہے نہ مُردہ۔ جن کا خدا مُردہ، جن کی کتاب مُردہ، وہ مُردوں سے برکت چاہیں تو کیا تعجب ہے لیکن اگر سچّا مسلمان جس کا خُدا زندہ خُدا، جس کا نبی زندہ نبی، جس کی کتاب زندہ کتاب ہے۔ اور جس دین میں ہمیشہ زندوں کا سلسلہ جاری ہو۔ اور ہر زمانہ میں ایک زندہ انسان خدا تعالیٰ کی ہستی پر زندہ ایمان پیدا کرنیوالا آتا ہو وہ اگر اُس زندہ کو چھوڑ کر بوسیدہ ہڈیوں اور قبروں کی تلاش میں سرگرداں ہو تو البتہ تعجب اور حیرت کی بات ہے !!!

بارآور ہونے کا طریق

پس تم کو چاہیئے کہ تم زندوں کی صُحبت تلاش کرو۔ اور بار بار اُس کے پاس آکر بیٹھو ہاں ہم یہ بھی کہتے ہیں کہ ایک دو مرتبہ میں تاثیر نہیں ہوتی۔ سُنّت اللہ اسی طرح پر جاری ہے۔ کہ ترقی تدریجاً ہوتی ہے۔ جیسے رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے سلسلہ میں تدریجی ترقی ہوئی۔ جو سلسلہ منہاج نبوۃ پر قائم ہوگا۔ اس میں بھی تدریجی ترقی کا قانُون کام کرتا ہوگا۔ پس چاہیئے کہ صحابہؓ کی طرح اپنے کاروبار چھوڑ کر یہاں آکر بار بار اور عرصہ تک صُحبت میں رہو تاکہ تم دیکھو جو صحابہؓ نے دیکھا اور وہ پاؤ جو ابوبکرؓ اور عمرؓ اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم نے پایا۔ کسی نے کیا سچ کہا ہے۔

یا تُوں لوڑ مقدمی یا تُوں اللہ نوُں لوڑ

تُم دیکھتے ہو کہ میں بیعت میں یہ اقرار لیتا ہوں کہ دین کو دُنیا پر مقدّم رکھوں گا۔

یہ اس لئے تاکہ میں دیکھوں کہ بیعت کنندہ اس پر کیا عمل کرتا ہے۔ ذرہ سی نئی زمین کسی کو مل جاوے تو وُہ گھر بار چھوڑ کر وہاں جا بیٹھتا ہے اور ضروری ہوتا ہے۔ کہ وہ وہاں رہے تاکہ وہ زمین آباد ہو۔ محمد حسین جیسے کو بھی بار میں جا کر ٹھیرنے کی ضرورت آپڑی پھر ہم جو ایک نئی زمین اور ایسی زمین دیتے ہیں۔ جس میں اگر صفائی اور محنت سے کاشت کی جاوے تو ابدی پھل لگ سکتے ہیں، کیوں یہاں آکر لوگ گھر نہیں بناتے اور اگر اس بے احتیاطی کے ساتھ اس زمین کو کوئی لیتا ہے کہ بیعت کے بعد یہاں آنا اور چند روز ٹھہرنا بھی دو بھر اور مُشکل معلوم دیتا ہے تو پھر اُس کی فصل کے پکنے اور بارآور ہونے کی کیا اُمید ہو سکتی ہے۔ خدا تعالیٰ نے قلب کا نام بھی زمین رکھا ہے۔ اِعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يُحْيِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا۔[1] زمین کا کس قدر تردّد کرنا پڑتا ہے۔ بیل خریدتا ہے۔ ہل چلاتا ہے۔ تخم ریزی کرتا ہے۔ آبپاشی کرتا ہے۔ غرضیکہ بہت بڑی محنت کرتا ہے۔ اور جب تک خود دخل نہ دے کچھ بھی نہیں بنتا۔ لکھا ہے کہ ایک شخص نے پتھر پر لکھا دیکھا۔ زرع زرہی زر ہے۔ کھیتی تو کرنے لگا مگر نوکروں کے سپرد کردی۔ لیکن جب حساب لیا۔ کچھ وصول ہونا تو درکنار کچھ واجب الادا ہی نکلا۔ پھر اُس کو اس موقعہ پر شک پیدا ہوا تو کسی دانشمند نے سمجھایا کہ نصیحت تو سچی ہے لیکن تمہاری بیوقوفی ہے۔ خود مہتمم بنو تب فائدہ ہوگا۔ ٹھیک اسی طرح پر ارضِ دل کی خاصیت ہے جو اُس کو بیعزتی کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔ اس کو خدا تعالیٰ کا فضل اور برکت نہیں ملتی۔ یاد رکھو۔ میں جو اصلاح خلق کیلئے آیا ہوں جو میرے پاس آتا ہے وہ اپنی استعداد کے موافق ایک فضل کا وارث بنتا ہے لیکن میں صاف طور پر کہتا ہوں کہ وہ جو سرسری طور پر بیعت کرکے چلا جاتا ہے اور پھر اُس کا پتہ بھی نہیں ملتا کہ کہاں ہے اور کیا کرتا ہے۔ اُس کے لئے کچھ نہیں ہے وہ جیسا تہیدست آیا تھا۔ تہیدست جاتا ہے۔

یہ فضل اور برکت صحبت میں رہنے سے ملتی ہے۔ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم

[1] الحدید: ۱۸

کے پاس صحابہؓ بیٹھے۔ آخر نتیجہ یہ ہوا۔ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ اللہ اللہ فی اصحابی۔ گویا صحابہؓ خدا کا رُوپ ہو گئے۔ یہ درجہ ممکن نہ تھا کہ اُن کو ملتا اور دُور ہی بیٹھے رہتے۔ یہ بہت ضروری مسئلہ ہے۔ خدا تعالیٰ کا قُرب بندگانِ خدا کا قُرب ہے اور خدا تعالیٰ کا ارشاد کُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ[1] اس پر شاہد ہے۔ یہ ایک سِرّ ہے جس کو تھوڑے ہیں جو سمجھتے ہیں۔ مامُور من اللہ ایک ہی وقت میں ساری باتیں کبھی بیان نہیں کر سکتا بلکہ وُہ اپنے دوستوں کے امراض کی تشخیص کر کے حسب موقع اُنکی اصلاح بذریعہ وعظ و نصیحت کرتا رہتا ہے اور وقتاً فوقتاً وہ اُن کے امراض کا ازالہ کرتا رہتا ہے۔ اب جیسے آج میں ساری باتیں بیان نہیں کر سکتا۔ ممکن ہے کہ بعض آدمی ایسے ہوں۔ جو آج ہی تقریر سُنکر چلے جاویں اور بعض باتیں اُن میں اُن کے مذاق اور مرضی کے خلاف ہوں تو وہ محرُوم گئے۔ لیکن جو متواتر یہاں رہتا ہے۔ وُہ ساتھ ساتھ ایک تبدیلی کرتا جاتا ہے اور آخر اپنے مقصد کو پا لیتا ہے۔ ہر ایک آدمی سچی تبدیلی کا محتاج ہے۔ جس میں تبدیلی نہیں ہے۔ وہ مَنْ کَانَ فِیْ ھٰذِہٖٓ اَعْمٰی کا مصداق ہے۔ مجھے بہت سوز و گداز رہتا ہے کہ جماعت میں ایک پاک تبدیلی ہو۔ جو نقشہ اپنی جماعت کی تبدیلی کا میرے دل میں ہے وہ ابھی پیدا نہیں ہوا۔ اور اس حالت کو دیکھ کر میری وُہی حالت ہے۔ لَعَلَّکَ بَاخِعٌ نَّفْسَکَ اَلَّا یَکُوْنُوْا مُؤْمِنِیْنَ۔[2]

صرف وفاتِ مسیحؑ مقصد نہیں

میں نہیں چاہتا کہ چند الفاظ طوطے کی طرح بیعت کے وقت رَٹ لئے جاویں۔ اس سے کچھ فائدہ نہیں۔ تزکیہ نفس کا علم حاصل کرو۔ کہ ضرورت اسی کی ہے۔ ہماری یہ غرض ہرگز نہیں کہ مسیحؑ کی وفات حیات پر جھگڑے اور مباحثہ کرتے پھرو۔ یہ ایک ادنیٰ سی بات ہے۔ اسی پر بس نہیں ہے۔ یہ تو ایک غلطی تھی۔ جس کی ہم نے اصلاح کر دی۔ لیکن ہمارا کام اور ہماری غرض ابھی اس سے بہت دُور ہے۔ اور وُہ یہ ہے کہ تم اپنے اندر ایک تبدیلی

[1] التوبۃ: ۱۱۹ [2] الشعراء: ۴

پیدا کرو۔ اور بالکل ایک نئے انسان بن جاؤ۔ اس لئے ہر ایک کو تم میں سے ضروری ہے کہ وہ اس راز کو سمجھے۔ اور ایسی تبدیلی کرے کہ وہ کہہ سکے کہ میں اَور ہوں۔ میں پھر کہتا ہوں۔ کہ یقیناً یقیناً جبتک ایک مدت تک ہماری صحبت میں رہ کر کوئی یہ نہ سمجھے کہ میں اَور ہو گیا ہوں اسے فائدہ نہیں پہنچتا۔

فِطرت اور عقلی حالت اور جذبات کی حالت میں اعلیٰ درجہ کی صفائی حاصِل ہو جاوے تو کچھ بات ہے ورنہ کچھ بھی نہیں۔ میرا مطلب یہ نہیں۔ کہ دُنیا کے اشغال چھوڑ دو۔

ترکِ دُنیا کا مطلب

خدا تعالیٰ نے دُنیا کے شغلوں کو جائز رکھا ہے۔ کیونکہ اس راہ سے بھی ابتلا آتا ہے۔ اور اسی ابتلا کی وجہ سے انسان چور، قمار باز۔ ٹھگ۔ ڈکیت بن جاتا ہے اور کیا کیا بُری عادتیں اختیار کرلیتا ہے۔ مگر ہر ایک چیز کی ایک حد ہوتی ہے۔ دُنیوی شغلوں کو اس حدتک اختیار کرو۔ کہ وُہ دین کی راہ میں تمہارے لئے مدد کا سامان پیدا کر سکیں۔ اور مقصود بالذات اُس میں دین ہی ہو۔ پس ہم دُنیوی شغلوں سے بھی منع نہیں کرتے اور یہ بھی نہیں کہتے کہ دن رات دُنیا کے دھندوں اور بکھیڑوں میں منہمک ہو کر خدا تعالیٰ کا خانہ بھی دُنیا ہی سے بھر دو۔ اگر کوئی ایسا کرتا ہے تو وہ محرُومی کے اسباب بہم پہنچاتا ہے۔ اور اس کی زبان پر نِرا دعویٰ ہی رہ جاتا ہے۔ الغرض زندوں کی صحبت میں رہو تاکہ زندہ خدا کا جلوہ تم کو نظر آوے۔" (الحکم جلد ۶ نمبر ۲۶ صفحہ ۵-۱۲ مورخہ ۲۴ جولائی ۱۹۰۲ء)

۹ جولائی ۱۹۰۲ء — دعا بہترین ہمدردی ہے

یاد رکھو۔ ہمدردی تین قسم کی ہوتی ہے۔ اوّل جسمانی، دوم مالی۔ تیسری قسم ہمدردی کی دُعا ہے جس میں نہ صرف زر ہوتا ہے اور نہ زور لگانا پڑتا ہے۔ اور اس کا فیض بہت ہی وسیع ہے کیونکہ جسمانی ہمدردی تو اس صورت میں ہی انسان کر سکتا ہے جبکہ اُس میں طاقت بھی ہو۔ مثلاً ایک ناتواں مجروح مسکین اگر کہیں پڑا تڑپتا ہو۔ تو کوئی شخص جس میں خود طاقت اور توانائی نہیں ہے کب اُس کو اٹھا کر مدد دے سکتا ہے اسی

طرح پر اگر کوئی بیکس دبے بس بے سروسامان انسان بھوک سے پریشان ہو تو جبتک مال نہ ہو۔ اس کی ہمدردی کیونکر ہوگی۔ مگر دعا کے ساتھ ہمدردی ایک ایسی ہمدردی ہے کہ نہ اس کیواسطے کسی مال کی ضرورت ہے اور نہ کسی طاقت کی حاجت بلکہ جبتک انسان انسان ہے۔ وہ دوسرے کیلئے دعا کرسکتا ہے اور اس کو فائدہ پہنچا سکتا ہے۔ اس ہمدردی کا فیض بہت وسیع ہے۔ اور اگر اس ہمدردی سے کام نہ لے تو سمجھو۔ بہت ہی بڑا بدنصیب ہے۔

دُعا سے دشمن بھی باہر نہ رہے۔

میں نے کہا ہے کہ مالی اور جسمانی ہمدردی میں انسان مجبور ہوتا ہے۔ مگر دعا کے ساتھ ہمدردی میں مجبور نہیں ہوتا۔ میرا تو یہ مذہب ہے کہ دعامیں دشمنوں کو بھی باہر نہ رکھے۔ جس قدر دعا وسیع ہوگی اسی قدر فائدہ دعا کرنے والے کو ہوگا۔ اور دعا میں جس قدر بخل کریگا۔ اسی قدر اللہ تعالےٰ کے قرب سے دور ہوتا جاوے گا۔ اور اصل تو یہ ہے کہ خدا تعالےٰ کے عطیہ کو جو بہت ہی وسیع ہے جو شخص محدود کرتا ہے اس کا ایمان بھی کمزور ہے۔

دوسروں کے لئے دُعا کرنے کا فائدہ

دوسروں کے لئے دُعا کرنے میں ایک عظیم الشان فائدہ یہ بھی ہے کہ عمر دراز ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں یہ وعدہ کیا ہے۔ کہ جو لوگ دوسروں کو نفع پہنچاتے ہیں اور مفید وجود ہوتے ہیں۔ اُن کی عمر دراز ہوتی ہے۔ جیسا کہ فرمایا۔ اَمَّا مَا یَنْفَعُ النَّاسَ فَیَمْکُثُ فِی الْاَرْضِ[1]۔ اور دوسری قسم کی ہمدردیاں چونکہ محدود ہیں۔ اس لئے خصوصیت کے ساتھ جو خیر جاری قرار دی جاسکتی ہے۔ وہ یہی دُعا کی خیر جاری ہے جبکہ خیر کا نفع کثرت سے ہے۔ تو ہر آیت کا فائدہ ہم سب سے زیادہ دُعا کے ساتھ اُٹھا سکتے ہیں۔

نافع کی عُمر لمبی ہوتی ہے۔

اور یہ بالکل سچی بات ہے کہ جو دُنیا میں خیر کا مُوجب ہوتا ہے۔ اس کی عُمر دراز ہوتی ہے۔ اور جو شر کا مُوجب ہوتا ہے۔ وہ جلدی اُٹھا لیا جاتا ہے۔ کہتے ہیں۔

[1] الرعد: ۱۸

نیر سنگھ چڑیوں کو زندہ پکڑ کر آگ پر رکھا کرتا تھا۔ وہ دو برس کے اندر ہی مارا گیا۔ پس انسان کو لازم ہے کہ وہ خیر النّاس من ینفع النّاس بننے کے واسطے سوچتا رہے اور مطالعہ کرتا رہے۔ جیسے طبابت میں جبلہ کام آتا ہے۔ اسی طرح نفع رسانی اور خیر میں بھی جبلہ ہی کام دیتا ہے۔ اس لئے ضروری ہے۔ کہ انسان ہر وقت اس تاک اور فکر میں لگا رہے۔ کہ کس راہ سے دوسرے کو فائدہ پہنچا سکتا ہے۔

سائل کو محروم نہ پھرایا جائے

بعض آدمیوں کی عادت ہوتی ہے کہ سائل کو دیکھ کر چڑ جاتے ہیں اور کچھ مولویت کی رگ ہو۔ تو اس کو بجائے کچھ دینے کے سوال کے مسائل سمجھانا شروع کر دیتے ہیں۔ اور اس پر اپنی مولویت کا رُعب بٹھا کر بعض اوقات سخت سُست بھی کہہ بیٹھتے ہیں۔ افسوس ان لوگوں کو عقل نہیں اور سوچنے کا مادہ نہیں رکھتے۔ جو ایک نیک دل اور سلیم الفطرت انسان کو ملتا ہے۔ اتنا نہیں سوچتے کہ سائل اگر باوجود صحت کے سوال کرتا ہے تو وہ خود گناہ کرتا ہے۔ اس کو کچھ دینے میں تو گناہ لازم نہیں آتا۔ بلکہ حدیث شریف میں لَوْ اَتَاکَ رَاکِبًا کے الفاظ آئے ہیں۔ یعنی خواہ سائل سوار ہو کر بھی آوے۔ تو بھی کچھ دے دینا چاہیئے۔ اور قرآن شریف میں وَاَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنْهَرْ کا ارشاد آیا ہے۔ کہ سائل کو مت جھڑک۔ اس میں یہ کوئی صراحت نہیں کی گئی کہ فلاں قسم کے سائل کو مت جھڑک اور فلاں قسم کے سائل کو جھڑک۔ پس یاد رکھو کہ سائل کو نہ جھڑکو۔ کیونکہ اس سے ایک قسم کی بداخلاقی کا بیج بویا جاتا ہے۔ اخلاق یہی چاہتا ہے کہ سائل پر جلد ہی ناراض نہ ہو۔ یہ شیطان کی خواہش ہے۔ کہ وہ اس طریق سے تم کو نیکی سے محروم رکھے۔ اور بدی کا وارث بنا دے۔

ایک نیکی دوسری نیکی پیدا کرتی ہے

غور کرو کہ ایک نیکی کرنے سے دوسری نیکی پیدا ہوتی ہے اور اسی طرح پر ایک

بُدی دوسری بَدی کا موجب ہو جاتی ہے۔ جیسے ایک چیز دوسری کو جذب کرتی ہے۔ اسی طرح خدا تعالیٰ نے یہ تجاذب کا سلسلہ ہر فعل میں رکھا ہوا ہے۔ پس جب سائل سے نرمی کے ساتھ پیش آئے گا۔ اور اس طرح پر اخلاقی صدقہ دے دیگا تو قبض دُور ہو کر دوسری نیکی بھی کرلے گا اور اُس کو کچھ دے بھی دے گا۔

اخلاق نیکیوں کی کلید ہے

اخلاق دوسری نیکیوں کی کلید ہے۔ جو لوگ اخلاق کی اصلاح نہیں کرتے۔ وہ رفتہ رفتہ بے خیر ہو جاتے ہیں۔ میرا تو یہ مذہب ہے کہ دُنیا میں ہر ایک چیز کام آتی ہے۔ زہر اور نجاست بھی کام آتی ہے۔ اسٹرکنیا بھی کام آتا ہے۔ اعصاب پر اپنا اثر ڈالتا ہے۔ مگر انسان جو اخلاق فاضلہ کو حاصل کر کے نفع رساں ہستی نہیں بنتا۔ ایسا ہو جاتا ہے کہ وہ کسی بھی کام نہیں آسکتا۔ مُردار حیوان سے بھی بدتر ہو جاتا ہے کیونکہ اس کی تو کھال اور ہڈیاں بھی کام آجاتی ہیں۔ اُس کی تو کھال بھی کام نہیں آتی۔ اور یہی وہ مقام ہوتا ہے۔ جہاں انسان بَلْ هُمْ اَضَلُّ کا مصداق ہو جاتا ہے۔ پس یاد رکھو کہ اخلاق کی درستی بہت ضروری چیز ہے۔ کیونکہ نیکیوں کی ماں اخلاق ہی ہے۔

خَلق اور خُلق

خیر کا پہلا درجہ جہاں سے انسان قوت پاتا ہے۔ اخلاق ہے۔ دو لفظ ہیں۔ ایک خَلق اور دوسرا خُلق۔ خَلق ظاہری پیدائش کا نام ہے اور خُلق باطنی پیدائش کا۔ جیسے ظاہر میں کوئی خوبصورت ہوتا ہے اور کوئی بہت ہی بدصورت۔ اسی طرح پر کوئی اندرونی پیدائش میں نہایت حسین اور دلربا ہوتا ہے اور کوئی اندر سے مجذوم اور مبروص کی طرح مکروہ۔ لیکن ظاہری صورت چونکہ نظر آتی ہے اس لئے ہر شخص دیکھتے ہی پہچان لیتا ہے۔ اور خوبصورتی کو پسند کرتا ہے۔ اور نہیں چاہتا کہ بدصورت اور بد وضع ہو۔ مگر چونکہ اس کو دیکھتا ہے اس لئے اُس کو پسند کرتا ہے اور خُلق کو چونکہ دیکھا نہیں۔ اس لئے اُس کی خوبی

سے نا آشنا ہو کر اُس کو نہیں چاہتا۔ ایک اندھے کے لئے خوبصورتی اور بدصورتی دونوں ایک ہی ہیں۔ اسی طرح پر وُہ انسان جس کی نظر اندرُونہ تک نہیں پہنچتی۔ اُس اندھے کی ہی مانند ہے۔

خَلق تو ایک بدیہی بات ہے۔ مگر خُلق ایک نظری مسئلہ ہے اگر اخلاقی بدیاں اور اُن کی لعنت معلوم ہو۔ تو حقیقت کھُلے۔

غرض اخلاقی خوبصورتی ایک ایسی خوبصورتی ہے۔ جس کو حقیقی خوبصورتی کہنا چاہیئے بہت تھوڑے ہیں جو اس کو پہچانتے ہیں۔ اخلاق نیکیوں کی کلید ہے جیسے باغ کے دروازے پر قفل ہو دُور سے پھَل پھُول نظر آتے ہیں مگر اندر نہیں جا سکتے۔ لیکن اگر قفل کھول دیا جاوے۔ تو اندر جا کر پُوری حقیقت معلوم ہوتی ہے اور دل و دماغ میں ایک سرُور اور تازگی آتی ہے۔ اخلاق کا حاصل کرنا گویا اس قفل کو کھول کر اندر داخل ہونا ہے۔

ترکِ اخلاق ہی بدی اور گُناہ ہے

کسی کو اخلاق کی کوئی قوت نہیں دی گئی مگر اُس کو بہت سی نیکیوں کی توفیق ملی ترکِ اخلاق ہی بدی اور گُناہ ہے۔ ایک شخص جو مثلاً زنا کرتا ہے۔ اُس کو خبر نہیں کہ اُس عورت کے خاوند کو کس قدر صدمہ عظیم پہنچتا ہے۔ اب اگر یہ اُس تکلیف اور صدمہ کو محسُوس کر سکتا اور اس کو اخلاقی حصہ حاصل ہوتا تو ایسے فِعلِ شنیع کا مُرتکب نہ ہوتا۔ اگر ایسے نابکار انسان کو یہ معلوم ہو جاتا کہ اس فعلِ بد کے ارتکاب سے نوعِ انسان کے لئے کیسے کیسے خطرناک نتائج پیدا ہوتے ہیں تو ہٹ جاتا۔ ایک شخص جو چوری کرتا ہے۔ کمبخت ظالم اتنا بھی تو نہیں کرتا۔ کہ رات کے کھانے کیواسطے ہی چھوڑ جائے۔ اکثر دیکھا گیا ہے کہ ایک غریب کی کئی سالوں کی محنت کو ملیامیٹ کر دیتا ہے اور جو کچھ گھر میں پاتا ہے۔ سب کا سب لے جاتا ہے۔ ایسی قبیح بدی کی اصل جڑھ کیا ہے؟ اخلاقی قوت کا نہ ہونا۔ اگر رحم ہوتا اور وہ یہ سمجھ سکتا۔ کہ بچے بھُوک سے بلبلائیں گے۔ جن کی چیخوں سے

دشمن کا بھی کلیجہ لرزتا ہے اور یہ معلوم کر کے کہ رات سے بھوکے ہیں اور کھانے کو ایک سوکھا ٹکڑا بھی نہیں ملا۔ تو پتہ پانی ہو جاتا ہے۔ اب اگر ان حالتوں کو محسوس کرتا۔ اور اخلاقی حالت سے اندھا نہ ہوتا۔ تو کیوں چوری کرتا۔ آئے دن اخبارات میں دردناک موتوں کی خبریں پڑھنے میں آتی ہیں۔ کہ فلاں بچہ زیور کے لالچ سے مارا گیا۔ فلاں جگہ کسی عورت کو قتل کر ڈالا۔ میں خود ایک مرتبہ اسیسر ہو کر گیا تھا۔ ایک شخص نے بارہ آنے یا عمہ میں ایک بچہ کا خون کیا تھا۔ اب سوچ کر دیکھو کہ اگر اخلاقی حالت درست ہو۔ تو ایسی مصیبتیں کیوں آئیں؟ ممکن ہے کہ اپنے جیسے انسان پر مصیبت آئے اور یہ محسوس نہ کرے۔ یَاْکُلُوْنَ کَمَا تَاْکُلُ الْاَنْعَامُ[1]۔ چارپایوں کی طرح کھاتے ہیں اسکے کئی پہلو ہیں۔

چارپائے کے بدخصائل

اوّل چارپایہ کیفیت اور کمیت میں فرق نہیں کر سکتا اور جو کچھ آگے آتا ہے۔ اور جس قدر آتا ہے کھاتا ہے۔ جیسے کتا اس قدر کھاتا ہے کہ آخر قے کرتا ہے۔

دوسرا یہ کہ انعام حلال اور حرام میں تمیز نہیں کرتے۔ ایک بیل کبھی یہ تمیز نہیں کرتا کہ یہ ہمسایہ کا کھیت ہے۔ اس میں نہ جاؤں۔ ایسا ہی ہر ایک امر جو کھانے کے لحاظ سے ہو نہیں کرتا۔ کتے کو ناپاکی پاکی کے متعلق کوئی لحاظ نہیں۔ اور پھر چارپایہ کو اعتدال نہیں۔

یہ لوگ جو اخلاقی اصولوں کو توڑتے ہیں اور پرواہ نہیں کرتے کہ گویا انسان نہیں۔ پاک پلید کا تو یہ حال، عرب میں مُردے کتے کھا لیتے تھے۔ ابتک اکثر ممالک میں یہ حال ہے کہ چوہوں اور کتوں اور بلیوں کو بڑے لذیذ کھانے سمجھ کر کھایا جاتا ہے چوڑھے چمار مُردار خوار قومیں یہاں بھی موجود ہیں۔

پھر یتیموں کا مال کھانے میں کوئی تردد و تامل نہیں۔ جیسے یتیم کا گھاس گائے کے سامنے رکھ دیا جاوے۔ بلا تردد کھا لے گی۔ ایسا ہی ان لوگوں کا حال ہے۔ یہی معنے

[1] محمد : ۱۳

ہیں وَالنَّارُ مَثْوًى لَّهُمْ[1] ان کا ٹھکانا دوزخ ہو گا۔ غرض یاد رکھو کہ دو پہلو ہیں۔ ایک عظمت الٰہی کا جو اُس کے خلاف ہے، وہ بھی اخلاق کے خلاف ہے۔ اور دوسرا شفقت علیٰ خلق اللہ کا۔ پس جو نوع انسان کے خلاف ہو، وہ بھی اخلاق کے برخلاف ہے۔ آہ! بہت تھوڑے لوگ ہیں۔ جو ان باتوں پر جو انسان کی زندگی کا اصل مقصد اور غرض ہیں غور کرتے ہیں۔

صُوفیوں اور سجادہ نشینوں کے خودساختہ وظائف و اذکار

بڑے بڑے صُوفیوں، سجّادہ نشینوں نے اپنا کمال اِس میں سمجھ رکھا ہے کہ بڑے لمبے چوڑے وظائف اور اذکار و اشغال خود ہی تجویز کر لئے ہیں۔ اور اُن میں پڑ کر اصل کو بھی کھو بیٹھے ہیں۔ پھر بڑے سے بڑا کام کیا تو یہ کر لیا کہ چِلّہ کرتے ہیں۔ کچھ جَو ساتھ لے جاتے ہیں۔ ایک آدمی مقرر کر لیتے ہیں جو ہر روز دودھ یا کوئی اَور چیز پہنچا آتا ہے۔ ایک تنگ و تاریک گندی سی کوٹھڑی یا غار ہوتی ہے اور اُس میں پڑے رہتے ہیں۔ خُدا جانے وہ اس میں کِس طرح رہتے ہیں۔ پھر بُری بُری حالتوں میں باہر نکلتے ہیں۔ یہ اسلام رہ گیا ہے۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ ان چِلّہ کشیوں سے اسلام اور مسلمانوں یا عام لوگوں کو کیا فائدہ پہنچتا ہے۔ اور اس میں اخلاق میں کیا ترقی ہوتی ہے۔

حالتِ عرب اور آنحضرتؐ کی قوّتِ تاثیر

سب عزّتوں سے بڑھ کر رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی عزّت ہے۔ جس کا کُل اسلامی دُنیا پر اثر ہے۔ آپ ہی کی عزّت نے پھر دنیا کو زندہ کیا۔ عرب جن میں زنا، شراب اور جنگ جوئی کے سوا کچھ رہا نہ تھا اور حقوقُ العباد کا خوُن ہو چکا تھا۔ ہمدردی اور خیر خواہی نوعِ انسان کا نام و نشان تک مِٹ چکا تھا۔ اور نہ صرف حقوق العباد ہی تباہ ہو چکے تھے بلکہ حقوق اللہ پر اس سے بھی زیادہ تاریکی چھا گئی تھی۔ اللہ تعالیٰ کی صفات پتھروں بوٹیوں اور ستاروں کو دی گئی تھیں۔ قِسم قِسم کا شرک پھیلا ہوا تھا۔ عاجز انسان

[1] محمد: ۱۳

اور انسان کی شرمگاہوں تک کی پوجا دنیا میں ہو رہی تھی۔ ایسی حالت مکروہ کا نقشہ اگر ذرا دیر کیلئے بھی ایک سلیم الفطرت انسان کے سامنے آجاوے تو وہ ایک خطرناک ظلمت اور ظلم و جَور کے بھیانک اور خوفناک نظارہ کو دیکھے گا۔ فالج ایک طرف گرتا ہے۔ مگر یہ فالج ایسا فالج تھا کہ دونو طرف گرا تھا۔ فساد کامل دنیا میں برپا ہو چکا تھا۔ نہ بحر میں امن و سلامتی تھی اور نہ بَر پر سکون و راحت۔ اب اس تاریکی اور ہلاکت کے زمانہ میں ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھتے ہیں۔ آپؐ نے آکر کیسے کامل طور پر اس میزان کے دونو پہلو درست فرمائے کہ حقوق اللہ اور حقوق العباد کو اپنے اصلی مرکز پر قائم کر دکھایا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اخلاقی طاقت کا کمال اس وقت ذہن میں آ سکتا ہے جبکہ اُس زمانہ کی حالت پر نگاہ کی جائے۔ مخالفوں نے آپؐ کو اور آپؐ کے متبعین کو جس قدر تکالیف پہنچائیں اور اس کے بالمقابل آپؐ نے ایسی حالت میں جبکہ آپؐ کو پورا اقتدار اور اختیار حاصل تھا۔ ان سے جو کچھ سلوک کیا۔ وہ آپؐ کی علوِّ شان کو ظاہر کرتا ہے۔

ابوجہل اور اس کے دوسرے رفیقوں نے کونسی تکلیف تھی۔ جو آپؐ کو اور آپؐ کے جاں نثار خادموں کو نہیں دی۔ غریب مُسلمان عورتوں کو اُونٹوں سے باندھ کر مخالف جہات میں دوڑایا اور وُہ چیری جاتی تھیں۔ محض اِس گناہ پر کہ وہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ پر کیوں قائل ہوئیں۔ مگر آپؐ نے اس کے مقابل صبر و برداشت سے کام لیا۔ اور جبکہ مکّہ فتح ہوا۔ تو لَا تَثْرِیْبَ عَلَیْکُمُ الْیَوْمَ[1] کہہ کر مُعاف فرمایا۔ یہ کس قدر اخلاقی کمال ہے۔ جو کسی دُوسرے نبی میں نہیں پایا جاتا۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ

غرض بات یہ ہے۔ کہ اخلاق فاضلہ حاصل کرو۔ کہ نیکیوں کی کلید اخلاق ہی ہیں۔

(الحکم جلد ۴ نمبر ۲۵ صفحہ ۱-۵ مورخہ ۹ جولائی ۱۹۰۰ء)

[1] یوسف: ۹۳

۱۶؍ جولائی ۱۹۰۱ء

دو لطیف شعر

ہر کہ روشن شد دل و جان و درون از حضرتش
کیمیا باشد بسر بردن دمے در صحبتش

چیست دنیا چوں شب تار و زماں ابر سیاہ
آفتابی رہنما یک ساعتی در خدمتش

عزیر نبی کی دوبارہ زندگی کا راز

مسیح علیہ السلام کی وفات کے منکر اپنے دلائل میں حضرت عزیرؑ کی زندگی کا سوال پیش کرتے ہیں۔ کہ وہ سو برس مر کر پھر زندہ ہوا۔

مگر یاد رہے کہ یہ احیاء بعد الاماتت ہے اور احیار کی کئی قسمیں ہیں۔ اوّل یہ کہ کوئی آدمی مرنے کے بعد ایسے طور پر زندہ ہو جاوے کہ قبر پھٹ جاوے اور وہ اپنا بوریا بدھنا استر بستر اُٹھا کر دنیا میں آجاوے۔ دوّم یہ کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ایک نئی زندگی بخشے جیسے اہل اللہ کو ایک دوسری زندگی دی جاتی ہے جس طرح پر ایک شخص نے خدا سے ڈر کر کہا تھا کہ میری راکھ اڑا دی جاوے۔ اس پر خدا تعالیٰ نے اُس کو زندہ کیا یہ راکھ کا اکٹھا کرنا بھی ایک جسمانی زندگی تھی۔ مرنے کے بعد جو زندگی ملتی ہے۔ وہاں تو راکھ کا اکٹھا کرنا نہیں ہے۔

ہم کہتے ہیں کہ سب کچھ ہوا۔ مگر اپنے گھر تو نہ آیا۔ مولوی صاحب نے کہا تھا کہ تسلی کے لئے ایک بات باقی ہے کہ ہم تجھ کو لوگوں کے لئے نشان بنا دیں گے۔ میں نے کہا تھا کہ یہ ضروری نہیں ہے کہ لوگوں کے سمجھے ہوئے کے موافق نشان ہو۔ اور ایسا ہو۔ کہ قبر پھٹ جاوے اور مُردہ نکل آوے یہ غلط بات ہے۔

بعض آدمی حجۃ اللہ آیات اللہ کہلاتے ہیں۔ بعض وجود ہی نشان ہوتے ہیں۔ بعض کے مرنے کے بعد نشان قائم رہتے ہیں۔ یہ بیان کرنا ضروری تھا کہ اس اعتراض کا منشا ر کیا ہے۔ جس راہ کو ہم نے اختیار کیا ہے اس کے خلاف ہے۔ ہمارے مخالفوں کا مسیح کی نسبت تو یہ اعتقاد ہے کہ وہ زندہ ہی آسمان پر گئے اور زندہ ہی واپس آئیں گے۔ عزیر کے قصہ سے اس کو کیا تعلق اور کیا مشابہت ہے۔

یہ مشابہت تو تب ہوتی۔ اگر معترض کا یہ مذہب ہوتا کہ مسیح علیہ السلام قبر پھٹ کر نکلیں گے جبکہ ان کا یہ مذہب ہی نہیں تو پھر تعجب کی بات ہے کہ اس قصہ کو جو قیاس مع الفارق ہے، کیوں پیش کرتے ہیں۔

اُن کے معتقدات میں تو یہ ہے کہ کوئی اور شخص مسیح کا ہم شکل بن کر پھانسی ملا۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام زندہ اسی جسم سمیت اور اسی لباس میں آسمان پر اُٹھائے گئے اور پھر یہ بھی تو نہیں بتلاتے کہ وہ آسمان پر بیٹھے کرتے کیا ہیں بہشت میں نجاری کا کام ہی کرتے اور بہشتیوں کے لئے تخت بناتے۔ خیر ہم کو اس سے بحث نہیں ہے مگر جو نقشہ پیش کرتے ہیں اس کو عزیر کے قصہ سے کیا تعلق اور نسبت ہے؟

غرض اس سلسلہ میں یعنی مسیح کے قصہ میں عزیر کا قصہ داخل کرنا خلط مبحث ہے ہمارا یہ مذہب ہے کہ عزیر کے قصہ کو مسیح کے آنے نہ آنے سے کچھ تعلق نہیں ہے۔ ہاں اگر رنگ سوال اَور ہو تو اَور بات ہے یعنی عزیر کیونکر زندہ ہوا؟ ہم اس قسم کی حیات کے منکر ہیں اور سارا قرآن اوّل سے آخر تک مُنکر ہے۔

اللہ تعالیٰ نے جو تجویز بندوں کے لئے رکھی ہے۔ کہ خدا تعالیٰ، اُس کے فرشتوں اُس کی کتابوں وغیرہ پر ایمان رکھ کر خاتمہ اِس طرح پر ہوتا ہے کہ فرشتہ ملک الموت آکر قبض رُوح کر لیتا ہے۔ اور پھر اَور واقعات پیش آتے ہیں۔ منکر نکیر آتے ہیں۔ اعمال آتے ہیں۔ پھر کھڑکی نکالی جاتی ہے۔ پھر قرآن کریم کہتا ہے کہ مَوتٰی قیامت ہی کو اٹھیں گے۔

یبعث اللہ الموتی۔ معالم میں لکھا ہے کہ رجُوع مَوتی نہیں ہوتا۔

قرآن کریم کے دو حصے ہیں۔ کوئی بات قصہ کے رنگ میں ہوتی ہے۔ اور بعض احکام ہدایت کے رنگ میں ہوتے ہیں۔

بہ حیثیت ہدایت جو پیش کرتا ہے اس کا منشا ہے کہ مان لو جیسے اَنْ تَصُوْمُوْا خَیْرٌ لَّکُمْ۔[1] اب صوم شتر مرغ کی بیٹ کو کہتے ہیں۔ مگر اس کا یہ مطلب نہیں۔ احکام میں صفائی ہوتی ہے۔ جبکہ اس ہدایت کے سلسلہ میں یہ فرمایا۔ کہ ملک الموت آتا ہے اور پھر رفع ہوتا ہے اور حدیث میں اس کی تائید آئی ہے۔ ایک جگہ فرمایا ہے۔ فیمسك التی قضٰی علیھا الموت[2]۔ یعنی جس نفس پر مَوت کا حکم دیدیتا ہے۔ اُس کو واپس آنے نہیں دیتا۔ دیکھو۔ یہ خدا کا کلام ہے۔ قصہ کے رنگ میں نہیں بلکہ ہدایت کے رنگ میں ہے۔

جو لوگ قصص اور ہدایات میں تمیز نہیں کرتے۔ اُن کو بڑی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اور قرآن کریم میں اختلاف ثابت کرنے کے مُوجب ہوتے ہیں اور گویا اپنی عملی صورت میں قرآن کریم کو ہاتھ سے دے بیٹھے ہیں۔ کیونکہ قرآن شریف کی نسبت تو خدا تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ لَوْ کَانَ مِنْ عِنْدِ غَیْرِ اللّٰہِ لَوَجَدُوْا فِیْہِ اخْتِلَافًا کَثِیْرًا[3] اور عدم اختلاف اُس کے منجانب اللہ ہونے کی دلیل ٹھہرائی گئی ہے۔ لیکن یہ ناعاقبت اندیش قصص اور ہدایات میں تمیز نہ کرنے کی وجہ سے اختلاف پیدا کر کے اس کو من عند غیر اللہ ٹھیراتے ہیں۔ افسوس ان کی دانش پر!!!

ان لوگوں سے پوچھنا چاہیئے۔ کہ مقدم ہدایات ہیں یا قصص؟ اور اگر دونوں میں تناقض پیدا ہو تو مقدم کس کو رکھو گے؟ اللہ تعالیٰ بار بار فرماتا ہے کہ جو مَر جاتے ہیں وہ واپس نہیں آتے اور ترمذی میں حدیث موجود ہے کہ ایک صحابی شہید ہوئے۔ اُنھوں نے عرض کی کہ یا الٰہی مجھے دُنیا میں پھر بھیجو۔ تو خدا تعالیٰ نے جواب یہی دیا۔ قَدْ سَبَقَ الْقَوْلُ مِنِّیْ[4] حَرَامٌ عَلٰی قَرْیَۃٍ اَھْلَکْنٰھَا اَنَّھُمْ لَا یَرْجِعُوْنَ[5]۔

[1] البقرۃ: ۱۸۵ [2] الزمر: ۴۳ [3] النساء: ۸۳ [4] الحدیث [5] الانبیاء: ۹۶

اب قرآن کریم موجود ہے۔ اُس کی شرح حدیث شریف میں صاف الفاظ میں موجود ہے۔ اُس کے مقابلہ میں ایک خیالی اور فرضی کہانی کی کیا وقعت ہو سکتی ہے؟ ہم پوچھتے ہیں کہ اُس کے بعد کیا چاہتے ہو۔ ہم قرآن اور حدیث پیش کرتے ہیں۔ پھر عقلِ سلیم اور تجربہ بھی اس کا شاہد ہے۔ ہماری طرف سے خود ساختہ بات ہوتی تو تم قصہ پیش کر دیتے۔ مگر یہاں تو ہدایت اور اُس کی تائید میں حدیث پیش کیجاتی ہے۔ اس کے بعد اَور کیا چاہیئے۔ فماذا بعد الحق الاّ الضلال[۱]۔

قصّوں کے حقائق بتانے خدا تعالیٰ کو ضرور نہیں۔ اُن پر ایمان لاؤ۔ اور اُن کی تفاسیر حوالہ بخدا کرو۔

قوم کے لئے تو اعرابی بھی پُوچھتے تھے۔ ہر آیت میں حق ظاہر ہوتا ہے۔

قصّوں میں یہ بات ضرور نہیں۔ مثلاً اب یہ ضرور نہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السّلام کے مخالف بُت پرستوں کا حُلیہ بھی بتایا جاوے۔ اس قسم کے خیالات سُوءِ ادبی پر مبنی ہوتے ہیں۔ غرض یاد رکھو کہ قصص قرآنی میں بیہودہ چھیڑ چھاڑ درست نہیں ہے۔ انسان پابند ہدایت نہیں ہو سکتا۔ جبتک کہ تصریح نہ ہو۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم نے ہدایتوں کو آسان کر دیا۔ اسی طرز پر اللہ تعالیٰ نے یہ صراحت کی ہے۔ کہ مُردے واپس نہیں آتے۔

ہمارے مخالفوں میں اگر دیانت اور خدا ترسی ہو تو عزیر کا قصہ بیان کرتے وقت ضرور ہے کہ وہ ان آیات کو بھی ساتھ رکھیں۔ جس میں لکھا ہے کہ مُردے واپس نہیں آتے۔ پھر ہم بطریق تنزل ایک اَور جواب دیتے ہیں۔

اس بات کو ہم نے بیان کر دیا ہے اور پھر کہتے ہیں۔ کہ قصّوں کے لئے اجمالی ایمان کافی ہے۔ ہدایات میں چونکہ عملی رنگ لانا ضروری ہوتا ہے۔ اس لئے اُس کا سمجھنا ضروری ہے۔ ماسوا اس کے یہ جو لکھا ہے۔ کہ سَو برس تک مُردہ رہے۔ اَمَاتَ کے

[۱] یونس: ۳۳

معنے اَنَامَ بھی آئے ہیں اور قوتِ نامیہ اور حسیہ کے زوال پر بھی موت کا لفظ قرآن کریم میں بولا گیا ہے۔ بہرحال ہم سونے کے معنے بھی اصحاب کہف کے قصہ کی طرح کر سکتے ہیں۔ اصحاب کہف اور عزیر کے قصہ میں فرق اتنا ہے کہ اصحاب کہف کے قصہ میں ایک کتا ہے اور یہاں گدھا ہے۔ اور نفس کتے اور گدھے دونوں سے مشابہت رکھتا ہے۔ خدا نے یہودیوں کو گدھا بنایا ہے اور کتے کو بلعم کے قصہ میں بیان فرمایا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ نفس پیچھا نہیں چھوڑتا۔ جو بیہوش ہوتا ہے۔ اُس کے ساتھ یا کتا ہوگا یا گدھا۔

غرض دوسرے طریق پر جس کا ہم نے ذکر کیا ہے۔ اَمَاتَ کے معنی اَنَامَ کرتے ہیں۔ اور ہم اس پر ایمان رکھتے ہیں۔ کہ سو برس چھوڑ کوئی دو لاکھ برس تک سویا رہے ہماری بحث یہ ہے کہ رُوح ملک الموت لے جاوے پھر واپس دُنیا میں نہیں آتی۔ سونے میں بھی قبض رُوح تو ہوتا ہے۔ مگر اس کو ملک الموت نہیں لے جاتا۔

اور عرصہ دراز تک سوئے رہنا ایک ایسا امر ہے کہ اس پر کسی قسم کا اعتراض نہیں ہو سکتا۔ ہندوؤں کی کتابوں میں دَم سادھنے (حبس دَم کرنے) کی ترکیبیں لکھی ہوئی ہیں۔ اور جوگ ابھیاس کی منزلوں میں دَم سادھنا بھی ہے۔ ابھی تھوڑا عرصہ گذرا ہے۔ کہ اخبارات میں لکھا تھا کہ ریل کی سڑک تیار ہوتی تھی کہ ایک سادھو کی کٹیا نکلی۔ ایسا ہی اخبارات میں ایک لڑکے کی بیس سال تک سوئے رہنے کی خبر گشت کر رہی تھی۔ غرض یہ کوئی تعجب خیز بات نہیں ہے۔ کہ ایک آدمی سو سال تک سویا رہے۔

لَمْ یَتَسَنَّهْ کی حقیقت

پھر یہ لفظ لَمْ یَتَسَنَّهْ[1] قابلِ غور ہے۔ اور موجودہ زمانہ کے تجربہ پر لحاظ کرنے کے بعد لَمْ یَتَسَنَّهْ کی حقیقت سمجھ لینا کچھ بھی مشکل نہیں ہے۔ ایک ثقہ آدمی لکھتا ہے کہ میں نے گوشت کھایا ہے۔ جو میری پیدائش سے ۳۰ برس پہلے کا پکا ہوا تھا۔ ہوا

[1] البقرة : ۲۶۰

نکال کر بند کر لیا گیا تھا۔

اب ولایت یورپ اور امریکہ سے ہر روز ہزاروں لاکھوں بوتلوں میں لم یتسنہ کھانے پکائے چلے آتے ہیں۔ لم یتسنہ کا اثر تو ہندوؤں کے جوگ پر پڑتا ہے۔ اور آج کل کی علمی بلند پروازیوں کی حقیقت کھولتا ہے کہ قرآن کریم میں پہلے سے درج ہے۔

اصل بات یہ ہے کہ جیسے ہوا کے ایک خاص اثر سے کھانا مر جاتا ہے۔ اسی طرح انسان پر بھی اس کا اثر ہوتا ہے۔ اب اگر خاص ترکیب سے کھانے کو اس ہوا کے اثر سے محفوظ رکھ کر زندہ رکھا جاتا ہے۔ تو اس میں تعجب کی کونسی بات ہے۔

ممکن ہے کہ آئندہ کسی زمانہ میں یہ حقیقت بھی کھل جائے کہ انسان پر کھانے کی طرح عمل ہو سکتا ہے۔ یہ علوم ہیں۔ اُن کے ماننے سے کوئی حرج لازم نہیں آتا۔

آجکل کی تحقیقات اور علمی تجربوں نے ایسے موزے بنا لئے ہیں۔ کہ انسان اُن کو پہن کر دریا پر چل سکتا ہے اور ایسے کوٹ ایجاد ہو گئے ہیں کہ آگ یا بندوق کی گولی اُن پر اپنا اثر نہیں کر سکتی۔ اسی طرح سے لم یتسنہ کی حقیقت جو قرآن کریم کے اندر مرکوز ہے، علمی طور پر بھی ثابت ہو جاوے۔ تو کیا تعجب ہے! ہوا کا اثر کھانے کو تباہ کرتا ہے اور انسان کے لئے بھی ہوا کا بڑا تعلق ہے۔ ہوا کے دو حصے ہیں۔ ایک قسم کی ہوا اندر جاتی ہے۔ تو اندر تازگی پیدا ہوتی ہے۔ دوسری دم کے ساتھ باہر آتی ہے۔ جو جلی ہوئی متعفن ہوا ہوتی ہے۔ غرض اگر لم یتسنہ والی بات نکل آوے۔ تو ہمارا تو کچھ بھی حرج نہیں۔ بلکہ جسقدر علوم طبعی پھیلتے جاتے ہیں اور پھیلیں گے۔ اسی قدر قرآن کریم کی عظمت اور خوبی ظاہر ہو گی۔

ہم تو آئے دن دیکھتے ہیں کہ ولایت کے پکے ہوئے شوربے اور گوشت ہندوستان میں آتے ہیں اور بگڑتے نہیں۔ ولایتی ادویات ہزاروں میل سے آتی ہیں۔ اور مہینوں برسوں پڑی رہتی ہیں۔ خراب نہیں ہوتی ہیں مجھے ایک شخص نے بتلایا کہ اگر انڈے کو سرسوں کے

تیل میں رکھ چھوڑیں تو نہیں بگڑتا۔

اس طرح پر ممکن ہے کہ انسان کے شباب اور طاقتوں پر بھی اثر پڑے بعض مسلمانوں نے بھی دَم سادھنے کی کوشش کی ہے۔ خود میرے پاس ایک شخص آیا۔ اور اُس نے کہا کہ میں دن میں دو بار سانس لیتا ہوں۔ یہ عملی شہادت ہے کہ ہَوا کو سڑنے میں دخل ہے اس قسم کی ہَوا سے جب بچایا جاوے تو انسان کی عُمر بڑھ جاوے تو حرج کیا ہے اور عُمر کا بڑھنا مان لیں تو کیا حرج ہے۔

قاعدہ کی بات ہے کہ جس قدر حکمتیں ایجاد ہوتی ہیں یا تو طبعی طور پر خدا نے قاعدہ رکھا ہوا ہے یا عناصر کے نظام میں بات رکھی ہوتی ہے۔ کوئی محقق دیکھ کر بات نکال لیتا ہے۔ ہم کو اس پر کوئی بحث نہیں ہے۔

ہمارا تو مذہب یہ ہے کہ علوم طبعی جس قدر ترقی کریں گے اور عملی رنگ اختیار کریں گے۔ قرآن کریم کی عظمت دُنیا میں قائم ہوگی۔

(الحکم جلد ۴ نمبر ۲۶ صفحہ ۱ - ۴ مورخہ ۱۶ جولائی ۱۹۰۰ء)

۱۷ اگست ۱۹۰۰ء

مولانا عبدالکریمؓ کا خطبہ اور حضرتؑ کی تعریف

مولانا عبدالکریم صاحب نے جو خطبہ ۱۷ اگست ۱۹۰۰ء کو پڑھا۔ حضرت اقدسؑ نے اُس کی تعریف فرمائی۔ مولانا نے دوبارہ اس خطبہ کو اپنے قلم سے لکھا ہے۔ اور کہا کہ کاش مجھے معلوم ہوتا۔ کہ میری یہ دل کی باتیں قبول کا شرف پائیں گی۔ کل صبح کی اذان سے قبل میں کیا دیکھتا ہوں کہ میرے داہنے کان کے ساتھ بہت سے ٹیلیفون لگے ہیں۔ اور مختلف شہروں سے مختلف دوستوں کی طرف سے آوازیں آرہی ہیں کہ جو کچھ آپ ہمارے مسیح موعودؑ کی نسبت کہتے ہیں۔ ہم اُس کو خوب سمجھتے ہیں۔" مجھے خیال پڑتا ہے کہ کسی نے یہ بھی کہا ہے۔ کہ " ہم اس کا اعتراف کرتے ہیں۔ اس بشریٰ سے مجھے

یقین ہوگیا کہ میرے دوست میری ان باتوں کی قدر کریں گے اور ان سے انشاءاللہ مستفید ہوں گے" تحدیث بالنعمت کے طور پر میں یہ بھی لکھنا ضروری سمجھتا ہوں کہ بعد نماز جمعہ حضرت اقدس سے کچھ عرض کرنے کے لئے اندر گیا۔ بعد اِدھر اُدھر کے ذکر کے مَیں نے خُطبہ کی نسبت حضور سے پُوچھا۔ فرمایا:۔

"یہ بالکل میرا مذہب ہے جو آپ نے بیان کیا" اور فرمایا:۔

"یہ خُدا تعالیٰ کا فضل ہے کہ آپ معارفِ الٰہیہ کے بیان میں بلند چٹان پر قائم ہوگئے ہیں"

(الحکم جلد ۴ نمبر ۳۰ صفحہ ۱۲ مورخہ ۲۴ اگست ۱۹۰۰ء)

۲۶-۲۵ اگست ۱۹۰۰ء کی درمیانی شب۔

پیر گولڑوی کا شور و غوغا

پیر گولڑوی کے فریب اور تزویر نے عجب رنگ دکھایا۔ جُمعہ کے دن لاہور اسٹیشن پر سب مختلف المشارب لوگ جو ہمارے بغض میں ایک گھاٹ پانی پینے لگ گئے ہیں۔ یُوں جمع ہوگئے۔ اور اُسے سوار کرا کر شہر کے اندر سے اس طرح پر تبرّا کرتے گزرے جیسے روافض سینہ پیٹتے اور قدوسیوں کو کوستے جاتے ہیں۔ بطلان نے اسی طرح رونق پیدا کر لی جیسے اُس دن جبکہ دوجہاں کے سردار کو مکّہ سے نکالا گیا تھا اور کفّار قریش نے چندروز کے لئے چراغاں کرکے جھوٹی خوشی منائی تھی۔ آج حق کو جھُوٹا کہا جا رہا ہے اور راستی پاؤں تلے کچلی جا رہی ہے۔ اور بہت سے شقی چاروں طرف سے اُٹھے ہیں۔ آج وُہ اِلہام پُورا ہوا۔ جو کچھ مدت ہوئی شائع کیا تھا۔

"وہ بیت الصّدق کو بیت التزویر بنانا چاہتے ہیں"

رات حضرت مرسل اللہ علیہ السّلام اس امر پہ دیر تک گفتگو فرماتے رہے۔ فرمایا:۔

"ان شوروں سے ہم پر کیا رُعب پڑ سکتا ہے۔ ہمیں تو یہ سارے شور ایک تمہید معلوم ہوتے ہیں۔ خدا تعالیٰ کی اس نُصرت کی آمد کے لئے جو دیر سے معرضِ التوا میں ہے۔ عادت اللہ ہمیشہ یُوں ہی ہے کہ جب تکذیب شدّت سے ہوتی ہے تو غیرتِ الٰہی بھی اسی قدر نُصرت کے لئے جوش مارتی ہے۔ آتھم کے شور پر جو ہماری تکذیب اور اہانت

ہوئی۔ خدا تعالیٰ کی غیرت نے بہت جلد لیکھرام کا نشان ظاہر کیا۔ اسی طرح ہم قوی اُمید رکھتے ہیں کہ یہ شور تکذیب پیش خیمہ ہے کسی زبردست نشان کا۔ ممکن ہے کہ کوئی بدقسمت اس شور کے رُعب میں آکر کٹ جائے۔ اُس کا علاج ہم کیا کر سکتے ہیں۔ اس لئے کہ سنّت اللہ یہی ہے۔"

(الحکم جلد ۱۰ نمبر ۳۵ صفحہ ۸ مورخہ ۱۰ راکتوبر ۱۹۰۶ء) (مکتوبات کریمیہ پہلا خط)

اگست ۱۹۰۰ء

حقیقی نفع رساں خدا کی ذات ہے

دُنیا میں لوگ حکّام یا دوسرے لوگوں سے کسی قسم کوئی نفع اٹھانے کی ایک خیالی اُمید پر اُن کو خوش کرنے کے واسطے کس کس قسم کی خوشامد کرتے ہیں۔ یہانتک کہ ادنیٰ ادنیٰ درجہ کے اردلیوں اور خدمت گاروں تک کو خوش کرنا پڑتا ہے۔ حالانکہ اگر وُہ حاکم راضی اور خوش بھی ہو جاوے۔ تو اس سے صرف چند روز تک یا کسی موقع مخصوص پر نفع پہنچنے کی اُمید ہو سکتی ہے۔ اس خیالی اُمید پر انسان اُس کے خدمتگاروں کی ایسی خوشامدیں کرتا ہے۔ کہ میں تو ایسی خوشامدوں کے تصوّر سے بھی کانپ اٹھتا ہوں اور میرا دل ایک رنج سے بھر جاتا ہے کہ نادان انسان اپنے جیسے انسان کی ایک وہمی اور خیالی اُمید پر اس قدر خوشامد کرتا ہے۔ مگر اس مُعطی حقیقی کی جس نے بدُوں کسی معاوضہ کے اور التجا کے اس پر بے انتہار فضل کئے ہیں۔ ذرا بھی پروا نہیں کرتا۔ حالانکہ اگر وُہ انسان اُس کو نفع پہنچانا بھی چاہے تو کیا؟ میں سچ سچ کہتا ہوں کہ کوئی نفع خدا تعالیٰ کے بدُوں پہنچ ہی نہیں سکتا۔ ممکن ہے کہ اس سے پیشتر کہ وہ نفع اُٹھائے نفع پہنچانے والا یا خود یہ اس دُنیا سے اُٹھ جائے یا کسی ایسی خطرناک مرض میں مُبتلا ہو جائے کہ کوئی حظّ اور فائدہ ذاتی اُس سے اُٹھا نہ سکے۔ غرض اصل بات یہی ہے کہ جبتک اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم انسان کے شامل حال نہ ہو۔ انسان

کسی سے کوئی فائدہ اُٹھا ہی نہیں سکتا۔ پھر جبکہ حقیقی نفع رساں اللہ تعالیٰ ہی کی ذات ہے۔ پھر کس قدر بیحیائی ہے۔ کہ انسان غیروں کے دروازے پر ناک رگڑتا پھرے۔ ایک خداترس مومن کی غیرت تقاضا نہیں کرتی کہ وُہ اپنے جیسے انسان کی ایسی خوشامد کرے۔ جو اُس کا حق نہیں ہے متّقی کے لئے خود اللہ تعالیٰ ہر ایک قسم کی راہیں نکال دیتا ہے۔ اُس کو ایسی جگہ سے رزق ملتا ہے کہ کسی دُوسرے کو علم بھی نہیں ہو سکتا۔ اللہ تعالیٰ خود اس کا ولی اور مربّی ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے بندے جو دین کو دُنیا پر مقدّم کر لیتے ہیں۔ اُن کے ساتھ وہ رأفت اور محبّت کرتا ہے۔ چنانچہ خود فرماتا ہے۔ وَاللّٰہُ رَءُوْفٌ بِالْعِبَادِ ۝[1]

خدا تعالےٰ کے بندے کون ہیں؟

یہ وُہی لوگ ہیں جو اپنی زندگی کو جو اللہ تعالیٰ نے اُن کو دی ہے۔ اللہ تعالےٰ ہی کی راہ میں وقف کر دیتے ہیں۔ اور اپنی جان کو خدا کی راہ میں قربان کرنا، اپنے مال کو اُس کی راہ میں صَرف کرنا اُس کا فضل اور اپنی سعادت سمجھتے ہیں۔ مگر جو لوگ دُنیا کی املاک و جائداد کو اپنا مقصود بالذّات بنا لیتے ہیں وہ ایک خوابیدہ نظر سے دین کو دیکھتے ہیں۔ مگر حقیقی مومن اور صادق مُسلمان کا یہ کام نہیں ہے۔ سچّا اسلام یہی ہے کہ اللہ تعالےٰ کی راہ میں اپنی ساری طاقتوں اور قوتوں کو مادام الحیات وقف کر دیں۔ تاکہ وہ حیاتِ طیّبہ کا وارث ہو۔ چنانچہ خود اللہ تعالیٰ اس الٰہی وقف کی طرف ایما کر کے فرماتا ہے۔ مَنْ اَسْلَمَ وَجْھَهٗ لِلّٰهِ وَھُوَ مُحْسِنٌ فَلَهٗٓ اَجْرُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ وَلَاخَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَاھُمْ یَحْزَنُوْنَ۝[2] اس جگہ اَسْلَمَ وَجْھَهٗ لِلّٰهِ کے معنی یہی ہیں کہ ایک نیستی اور تذلّل کا لباس پہن کر آستانہ اُلوہیت پر گرے اور اپنی جان، مال، آبرو غرض جو کچھ اُس کے پاس ہے۔ خدا ہی کے لئے وقف کرے۔ اور دُنیا اور اُس کی ساری چیزیں دین کی خادم بنا دے

[1] البقرۃ: ۲۰۸ [2] البقرۃ: ۱۱۳

حصولِ دُنیا میں مقصود بالذّات دین ہو

وقف کا مفہوم

کوئی یہ نہ سمجھ لیوے کہ انسان دُنیا سے کوئی غرض اور واسطہ ہی نہ رکھے۔ میرا یہ مطلب نہیں ہے۔ اور نہ اللہ تعالیٰ دنیا کے حصول سے منع کرتا ہے۔ بلکہ اسلام نے رہبانیت کو منع فرمایا ہے۔ یہ بُزدلوں کا کام ہے۔ مومن کے تعلقات دُنیا کے ساتھ جس قدر وسیع ہوں وہ اُس کے مراتب عالیہ کا مُوجب ہوتے ہیں کیونکہ اُس کا نصب العین دین ہوتا ہے۔ اور دُنیا، اُس کا مال وجاہ دین کا خادِم ہوتا ہے۔ پس اصل بات یہ ہے کہ دُنیا مقصُود بالذّات نہ ہو۔ بلکہ حصُول دُنیا میں اصل غرض دین ہو۔ اور ایسے طور پر دُنیا کو حاصل کیا جاوے کہ وُہ دین کی خادِم ہو۔ جیسے انسان کسی جگہ سے دوسری جگہ جانے کے واسطے سفر کے لئے سواری اور زادِ راہ کو ساتھ لیتا ہے تو اُس کی اصل غرض منزلِ مقصُود پر پہنچنا ہوتی ہے نہ خود سواری اور راستہ کی ضروریات۔ اسی طرح پر انسان دُنیا کو حاصِل کرے مگر دین کا خادِم سمجھ کر۔

رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَۃً وَّفِی الْاٰخِرَۃِ حَسَنَۃً

اللہ تعالیٰ نے جو یہ دُعا تعلیم فرمائی ہے کہ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَۃً وَّفِی الْاٰخِرَۃِ حَسَنَۃً [1] اس میں بھی دُنیا کو مقدم کیا ہے۔ لیکن کس دنیا کو ؟ حسنۃ الدُّنیا کو جو آخرت میں حسنات کا مُوجب ہو جاوے۔ اس دُعا کی تعلیم سے صاف سمجھ میں آ جاتا ہے کہ مومن کو دنیا کے حصُول میں حسنات الآخرۃ کا خیال رکھنا چاہیئے۔ اور ساتھ ہی حسنۃ الدنیا کے لفظ میں ان تمام بہترین ذرائع حصُولِ دُنیا کا ذکر آ گیا ہے جو ایک مومن مسلمان کو حصُولِ دنیا کے لئے اختیار کرنی چاہیئے۔ دنیا کو ہر ایسے طریق سے حاصِل کرو جس کے اختیار کرنے سے بھلائی اور خُوبی ہی ہو۔ نہ وُہ طریق جو کسی دوسرے بنی نوع

[1] البقرۃ : ۲۰۲

انسان کی تکلیف رسائی کا موجب ہو۔ نہ ہم جنسوں میں کسی عار و شرم کا باعث۔
ایسی دنیا بے شک حسنة الآخرت کا موجب ہوگی

وقف سُست نہیں بناتا

پس یاد رکھو کہ جو شخص خدا کے لئے زندگی وقف کر دیتا ہے۔ یہ نہیں ہوتا کہ وُہ بیدست وپا ہو جاتا ہے۔ نہیں۔ ہرگز نہیں۔ بلکہ دین اور للّٰہی وقف انسان کو ہوشیار اور چابکدست بنا دیتا ہے۔ سُستی اور کسل اُس کے پاس نہیں آتا۔ حدیث میں عمارہ بن خزیمہ سے روایت ہے کہ حضرت عمرؓ نے میرے باپ کو فرمایا کہ تجھے کس چیز نے اپنی زمین میں درخت لگانے سے منع کیا ہے تو میرے باپ نے جواب دیا۔ کہ میں بڈھا ہوں۔ کل مر جاؤں گا۔ پس اُس کو حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ تجھ پر ضرور ہے۔ کہ درخت لگائے۔ پھر میں نے حضرت عمرؓ کو دیکھا کہ خود میرے باپ کے ساتھ مل کر ہماری زمین میں درخت لگاتے تھے اور ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم ہمیشہ عجز اور کسل سے پناہ مانگا کرتے تھے۔ میں پھر کہتا ہوں کہ سُست نہ ہو۔ اللہ تعالےٰ حصول دنیا سے منع نہیں کرتا۔ بلکہ حسنة الدنیا کی دُعا تعلیم فرماتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نہیں چاہتا کہ انسان بیدست وپا ہو کر بیٹھ رہے۔ بلکہ اُس نے صاف فرمایا ہے۔ وَأَنْ لَيْسَ لِلْإِنْسَانِ إِلَّا مَا سَعَىٰ[1]۔ اس لئے مومن کو چاہیئے کہ وہ جد وجہد سے کام کرے۔ لیکن جس قدر مرتبہ مجھ سے ممکن ہے یہی کہوں گا کہ دُنیا کو مقصود بالذات نہ بنا لو۔ دین کو مقصود بالذات ٹھیراؤ اور دُنیا اس کے لئے بطور خادم اور مرکب کے ہو۔ دولت مندوں سے بسا اوقات ایسے کام ہوتے ہیں کہ غریبوں اور مُفلسوں کو وہ موقع نہیں ملتا۔ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں خلیفہ اوّلؓ نے جو بڑے ملک التجار تھے مسلمان ہو کر لانظیر مدد کی اور آپ کو یہ مرتبہ ملا کہ صدیق کہلائے۔ اور پہلے رفیق اور خلیفۂ اوّل ہوئے۔

◆ ◆ ◆

[1] النجم: ۴۰

حضرت ابو بکر صدیقؓ کا مسلمان ہونا

لکھا ہے کہ جب آپ تجارت سے واپس آئے تھے اور ابھی مکّہ میں نہ پہنچے تھے کہ راستہ میں ہی ایک شخص ملا۔ اس سے پوچھا کہ کوئی تازہ خبر سُناؤ۔ اس نے کہا کہ اَور تو کوئی تازہ خبر نہیں۔ ہاں یہ بات ضرور ہے کہ تمہارے دوست نے پیغمبری کا دعوٰے کیا ہے۔ ابو بکرؓ نے وہیں کھڑے ہو کر کہا کہ اگر اُس نے یہ دعویٰ کیا ہے تو سچا ہے۔ چنانچہ جب مکّہ میں پہنچے تو رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم سے ملے اور آپؐ سے دریافت کیا کہ کیا آپؐ نے واقعی پیغمبری کا دعویٰ کیا ہے؟ آپؐ نے فرمایا۔ ہاں۔ اُسی وقت مشرف باسلام ہو گئے"۔

(الحکم جلد ۴۔ نمبر ۲۹ صفحہ ۳۔ ۴ مورخہ ۱۶ اگست ۱۹۰۰ء)

اعجاز کی حاجت کیوں ہوتی ہے

حضرت ابو بکر صدیقؓ کو قبولِ اسلام کے لئے کسی اعجاز کی ضرورت نہ پڑی۔ اعجاز بینی کے خواہشمند وُہ لوگ ہوتے ہیں۔ جن کو تعارف ذاتی نہیں ہوتا۔ لیکن جس کو تعارف ذاتی ہو جاوے اُسے اعجاز کی ضرورت اور خواہش ہوتی ہی نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے معجزہ نہیں مانگا کیونکہ وہ رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلّم کے حالات سے خُوب واقف تھے اور خُوب جانتے تھے۔ کہ وُہ راستباز اور امین ہے جھوٹا اور مُفتری نہیں ہے۔ جبکہ کسی انسان پر کبھی افترا نہیں کرتا تو اللہ تعالےٰ پر افترا کرنے کی کبھی جُرأت نہیں کر سکتا۔

مُعجزہ طلب کرنا پسندیدہ بات نہیں

پس یہ بات یاد رکھنی چاہیئے۔ کہ نشان صرف اِس لئے مانگا جاتا ہے۔ کہ اِس بات کے امکان کا اندیشہ گذرتا ہو۔ کہ شاید جھُوٹ ہی بولا ہو۔ مگر جب یہ بات اچھی

طرح پر معلوم ہو کہ مدّعی صادق اور امین ہے۔ پھر نشان بینی کی کوئی ضرورت ہی نہیں رہتی۔ یہ بھی یاد رہے کہ جو لوگ نشان دیکھنے کے خواہشمند ہوتے ہیں اور اصرار کرتے ہیں۔ ایسے لوگ راسخ الایمان نہیں ہو سکتے۔ بلکہ ہر وقت خطرہ کے محل میں رہتے ہیں۔ ایمان بالغیب کے ثمرات اُن کو نہیں ملتے۔ کیونکہ ایمان بالغیب کے اندر ایک فعل نیکی کا حُسنِ ظن بھی ہے۔ جس سے وُہ جلد باز بے نصیب رَہ جاتا ہے۔ جو نشان دیکھنے کے لئے جلدی کرتا اور زور دیتا ہے۔ مسیح علیہ السلام کے حواریوں نے نزُول مائدہ کیلئے زور دیا تو خدا تعالےٰ نے اُن کو زجر بھی کیا ہے اور فرمایا ہے کہ ہم تو مائدہ نازل کریں گے لیکن بعد نزُول مائدہ جو انکار کرے گا اُس پر سخت عذاب نازل ہو گا۔ قرآن شریف میں اس قصّہ کے ذکر سے یہ فائدہ ہے کہ تا بتلایا جاوے کہ بہترین ایمان کونسا ہے۔ اور اصل یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ کے نشانات یُوں تو اجلیٰ بدیہیات سے ہوتے ہیں۔ لیکن اُن کے ساتھ ایک طرف اتمام حجت منظور ہوتا ہے اور دوسری طرف ابتلائے اُمّت۔ اس لئے بعض امُور ان میں ایسے بھی ہوتے ہیں جو اپنے ساتھ ایک ابتلا رکھتے ہیں۔ اور یہ قاعدہ کی بات ہے کہ نشان مانگنے والے لوگ مستعجل اور حُسن ظن سے حصّہ نہ رکھنے والے ہوتے ہیں۔ اور اُن کی طبیعت میں ایک احتمال اور شک پیدا کرنے کا مادہ ہوتا ہے۔ تب ہی تو وہ نشان مانگتے ہیں۔ اس لئے جب نشان دیکھتے ہیں۔ تو پھر بیہُودہ طور پر اُس کی تاویلیں کرنی شروع کر دیتے ہیں۔ اور اُس کو کبھی سحر کہتے ہیں کبھی کچھ نام رکھتے ہیں۔ غرض وہ وہم پیدا کرنے والی طبیعت اُن کو امرِ حق سے دُور لے جاتی ہے۔ اِس لئے میں تم کو نصیحت کرتا ہوں کہ تم وُہ ایمان پیدا کرو جو ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور صحابہ کا ایمان تھا۔ رضی اللہ عنہم۔ کیونکہ اس میں حُسنِ ظن اور صبر ہے۔ اور وہ بہت سے برکات اور ثمرات کا منتج ہے۔ اور نشان دیکھ کر ماننا اور ایمان لانا اپنے ایمان کو مشرُوط بنانا ہے۔ یہ کمزور ہوتا ہے اور عموماً بارور نہیں ہوتا۔ ہاں جب

انسان حسنِ ظن کے ساتھ ایمان لاتا ہے تو پھر اللہ تعالیٰ ایسے مومن کو وہ نشان دکھاتا ہے جو اس کے ازدیاد ایمان کا موجب اور انشراح صدر کا باعث ہوتے ہیں خود اُن کو نشان اور آیت اللہ بنا دیتا ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ اقتراحی نشان کسی نبی نے نہیں دکھلائے۔ مومن صادق کو چاہیئے کہ کبھی اپنے ایمان کو نشان بینی پر مبنی نہ کرے

مال اور دولت دین کا خادم ہو تو متقی کی ایک صفت ہے

میں پھر اصل بات کی طرف رجوع کر کے کہتا ہوں کہ دولت مند اور متموّل لوگ دین کی خدمت اچھی طرح کر سکتے ہیں۔ اسی لئے خدا تعالیٰ نے مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ[1] متقیوں کی صفت کا ایک جزو قرار دیا ہے۔ یہاں مال کی کوئی خصوصیت نہیں ہے۔ جو کچھ اللہ تعالیٰ نے کسی کو دیا ہے وہ اللہ کی راہ میں خرچ کرے۔ مقصود اس سے یہ ہے کہ انسان اپنے بنی نوع کا ہمدرد اور خادم ہے۔ اللہ تعالیٰ کی شریعت کا انحصار دو ہی باتوں پر ہے۔ تعظیم لامر اللہ اور شفقت علیٰ خلق اللہ۔ پس مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ میں شفقت علیٰ خلق اللہ کی تعلیم ہے۔ دینی خدمات کیلئے متموّل لوگوں کو بڑے بڑے موقعے مل جاتے ہیں۔

مال سے خدمت کا بہتر موقع مل سکتا ہے

ایک دفعہ ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے روپیہ کی ضرورت بتلائی۔ تو حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ گھر کا کُل اثاث البیت لے کر حاضر ہو گئے۔ آپؐ نے پوچھا ابوبکر! گھر میں کیا چھوڑ آئے۔ تو جواب میں کہا۔ اللہ اور رسول کا نام چھوڑ آیا ہوں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نصف لے آئے۔ آپ صلے اللہ علیہ وسلم نے پوچھا۔ عمر! گھر میں کیا چھوڑ آئے۔ تو جواب دیا کہ نصف۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ابوبکر و عمر کے فعلوں میں جو فرق ہے وہی اُن کے مراتب میں فرق ہے۔

دُنیا میں انسان مال سے بہت زیادہ محبت کرتا ہے۔ اسی واسطے علم تعبیر الرؤیا میں لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص دیکھے کہ اس نے جگر نکال کر کسی کو دے دیا ہے تو اس

[1] البقرہ: ۴

سے مُراد مال ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حقیقی اِتقار اور ایمان کے حصُول کے لئے فرمایا۔ لَنۡ تَنَالُوا الۡبِرَّ حَتّٰی تُنۡفِقُوۡا مِمَّا تُحِبُّوۡنَ ؕ[1] حقیقی نیکی کو ہرگز نہ پاؤ گے جبتک تم عزیز ترین چیز نہ خرچ کرو گے۔ کیونکہ مخلُوق الٰہی کے ساتھ ہمدردی اور سلوک کا ایک بڑا حِصّہ مال کے خرچ کرنے کی ضرورت بتلاتا ہے۔

ہمدردی کا تقاضا

اور ابنائے جنس اور مخلوق خدا کی ہمدردی ایک ایسی شئے ہے جو ایمان کا دوسرا جُزو ہے۔ جس کے بدُوں ایمان کامل اور راسخ نہیں ہوتا۔ جبتک انسان ایثار نہ کرے دوسرے کو نفع کیونکر پہنچا سکتا ہے۔ دوسرے کی نفع رسانی اور ہمدردی کے لئے ایثار ضروری شئے ہے۔ اور اس آیت میں لَنۡ تنالوا البر حتی تنفقوا مِمّا تحبونَ میں اسی ایثار کی تعلیم اور ہدایت فرمائی گئی ہے۔

پس مال کا اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنا بھی انسان کی سعادت اور تقویٰ شعاری کا معیار اور محک ہے۔ ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ کی زندگی میں للّٰہی وقف کا معیار اور محک وہ تھا جو رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلّم نے ایک ضرورت بیان کی۔ اور وہ کُل اثاث البیت لے کر حاضر ہو گئے۔

انبیاء علیہم السّلام کو ضرورتیں کیوں لاحق ہوتی ہیں

میں یہاں ایک ضروری امر بیان کرنا چاہتا ہوں کہ انبیاء علیہم السلام کو ضرورتیں کیوں لاحق ہوتی ہیں؟ اللہ تعالےٰ اس بات پر قادر ہے کہ اُن کو کوئی ضرورت پیش نہ آوے۔ مگر یہ ضرورتیں اس لئے لاحق ہوتی ہیں تا کہ للّٰہی وقف کے نمُونے مثال کے طور قائم ہوں اور ابوبکرؓ کی زندگی کا وقف ثابت ہو۔ اور دنیا میں خدائے مُقتدر کی ہستی پر ایمان پیدا ہو اور ایسے للّٰہی وقف کرنے والے دُنیا کے لئے بطور آیت اللہ کے ٹھہریں۔ اور اس مخفی لذّت اور محبّت پر دُنیا کو اطلاع ملے۔ جس کے سامنے مال و

[1] آل عمران: ۹۳

دولت جیسی محبوب اور مرغوب شیئے بھی آسانی اور خوشی کے ساتھ قربان ہو سکتی ہے اور پھر مال و دولت کے خرچ کے بعد للّٰہی وقف کو مکمل کرنے کے واسطے وہ قوت اور شجاعت ملے کہ انسان جان جیسی شئے کو بھی خدا تعالےٰ کی راہ میں دینے سے دریغ نہ کرے

غرض انبیاء علیہم السلام کی ضرورتوں کی اصل غرض دُنیا کی جھوٹی محبتوں اور فانی چیزوں سے مُنہ موڑنے کی تعلیم دینے۔ اللہ تعالیٰ کی ہستی پر لذیذ ایمان پیدا کرنے اور ابنائے جنس کی بہتری اور خیر خواہی کیلئے ایثار کی قوت پیدا کرنے کیواسطے ہوتا ہے۔ ورنہ یہ پاک گروہ خزائن السمٰوات والارض کے مالک کی نظر میں چلتا ہے۔ اُن کو کسی چیز کی ضرورت ہو سکتی ہے؟ وہ ضرورتیں تعلیم کو کامل اور انسان کے اخلاق اور ایمان کے رسُوخ کے لئے پیش آتی ہیں۔"

(الحکم جلد ۴ نمبر ۳۰ صفحہ ۳-۴ مورخہ ۲۴ اگست ۱۹۰۰ء)

یقین سے کیا مراد ہے

مفسر کہتے ہیں کہ یقین سے مراد مَوت ہے مگر مَوت رُوحانی مراد ہے اور یہ ظاہری بات ہے کہ اس کا مقصود بالذات کیا ہو جس کی تلاش کرنے کے لئے یہاں ایما اور اشارہ ہے۔

مگر میں کہتا ہوں کہ وہ رُوحانی مَوت ہو یا تمہاری زندگی خدا ہی کی راہ میں وقف ہو۔ مومن کو لازم ہے۔ کہ اس وقت تک عبادت سے نہ تھکے اور سُست نہ ہو۔ جب تک یہ جھوٹی زندگی بھسم نہ ہو جاوے اور اس کی جگہ نئی زندگی جو ابدی اور راحت بخش زندگی ہے۔ اُس کا سلسلہ شروع نہ ہو جاوے۔ اور جب تک اسی عارضی حیات دنیا کی سوزش اور جلن دُور ہو کر ایمان میں ایک لذت اور رُوح میں ایک سکینت اور استراحت پیدا نہ ہو۔ یقیناً سمجھو کہ جب تک انسان اس حالت تک نہ پہنچے۔ ایمان کامل اور ٹھیک

نہیں ہوتا۔ اسی واسطے اللہ تعالیٰ نے یہاں فرمایا کہ تُو عبادت کرتا رہ جب تک کہ تجھے یقین کامل کا مرتبہ حاصل نہ ہو۔ اور تمام حجاب اور ظلماتی پردے دُور ہو کر یہ سمجھ میں آجاوے کہ اب میں وہ نہیں ہوں۔ جو پہلے تھا۔ بلکہ اب تو نیا ملک، نئی زمین، نیا آسمان ہے اور میں بھی کوئی نئی مخلوق ہوں۔ یہ حیات ثانی وہی ہے جس کو صوفی بقاء کے نام سے موسُوم کرتے ہیں جب انسان اس درجہ پر پہنچ جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی رُوح کا نفخ اس میں ہوتا ہے۔ ملائکہ کا اُس پر نزول ہوتا ہے۔ یہی وُہ راز ہے۔ جس پر پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نسبت فرمایا کہ اگر کوئی چاہے کہ مُردہ میت کو زمین پر چلتا ہوا دیکھے تو وُہ ابوبکرؓ کو دیکھے۔ اور ابوبکرؓ کا درجہ اُس کے ظاہری اعمال سے ہی نہیں بلکہ اِس بات سے ہے جو اُس کے دل میں ہے۔

ایمان ایک راز ہے

مگر یاد رکھو۔ ایمان ایک راز ہوتا ہے جو مومن اور اللہ تعالیٰ کے درمیان ہوتا ہے اور جس کو مخلوق میں سے اس مومن کے سوا دُوسرا نہیں جان سکتا۔ اَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِیْ بِیْ کی حقیقت یہی ہے۔ بعض اوقات وُہ لوگ جو علوم حقہ اور معارف الٰہیہ سے بہرہ وَر نہیں ہوتے۔ کسی مومن کے ان تعلقات کے عدمِ علم کی وجہ سے جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ اُس کو ہوتے ہیں۔ اُس کی بعض حالتوں مثلاً معاملات رزق و معاش پر حیرت اور تعجب ظاہر کرتے ہیں۔ اور کبھی یہ تعجب اُن کو بدظنی اور گمراہی تک لے جاتا ہے اس لئے اُن کی نظر اپنے ہی محدُود اسباب تک ہوتی ہے۔ اور وہ اس راز اور بھید سے جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ وہ رکھتا ہے۔ ناواقف ہوتے ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ ہمارے دوست اللہ تعالیٰ کے ساتھ اپنے اس راز کو ایسا بنائیں جو صحابہ کرامؓ کا تھا۔

وقف زندگی

غرض یہ ہے کہ انسان کو ضروری ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں اپنی زندگی کو وقف

کرے۔ میں نے بعض اخبارات میں پڑھا ہے کہ فلاں آریہ نے اپنی زندگی آریہ سماج کے لئے وقف کر دی ہے اور فلاں پادری نے اپنی عمر مشن کو دے دی ہے۔ مجھے حیرت آتی ہے کہ کیوں مسلمان اسلام کی خدمت کے لئے اور خدا کی راہ میں اپنی زندگی کو وقف نہیں کر دیتے۔ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے مبارک زمانہ پر نظر کر کے دیکھیں۔ تو اُن کو معلوم ہو کہ کس طرح اسلام کی زندگی کے لئے اپنی زندگیاں وقف کی جاتی تھیں۔

یاد رکھو کہ خسارہ کا سَودا نہیں ہے۔ بلکہ بے قیاس نفع کا سَودا ہے۔ کاش مسلمانوں کو معلوم ہوتا اور اس تجارت کے مفاد اور منافع پر اُن کو اطّلاع ملتی جو خدا کے لئے اس کے دین کی خاطر اپنی زندگی وقف کرتا ہے۔ کیا وُہ اپنی زندگی کھوتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ فَلَهٗۤ اَجْرُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ وَ لَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَ لَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ[1]۔ اس لِلّٰہی وقف کا اجر اُن کا ربّ دینے والا ہے۔ یہ وقف ہر قسم کے ہمُوم و غمُوم سے نجات اور رہائی بخشنے والا ہے۔

مجھے تو تعجب ہوتا ہے کہ جبکہ ہر ایک انسان بالطّبع راحت اور آسائش چاہتا ہے۔ اور ہمُوم و غمُوم اور کرب و افکار سے خواستگار نجات ہے۔ پھر کیا وجہ ہے کہ جب اس کو ایک مجرّب نسخہ اس مرض کا پیش کیا جاوے تو اس پر توجہ ہی نہ کرے۔ کیا لِلّٰہی وقف کا نسخہ ۱۳۰۰ برس سے مجرّب ثابت نہیں ہوا! کیا صحابہ کرامؓ اسی وقف کی وجہ سے حیاتِ طیّبہ کے وارث اور اَبدی زندگی کے مستحق نہیں ٹھیرے؟ پھر اب کونسی وجہ ہے کہ اس نُسخہ کی تاثیر سے فائدہ اُٹھانے میں دریغ کیا جاوے۔

بات یہی ہے کہ لوگ اس حقیقت سے ناآشنا اور اس لذّت سے جو اس وقف کے بعد ملتی ہے۔ ناواقف محض ہیں۔ ورنہ اگر ایک شمّہ بھی اس لذّت اور سرُور سے اُن کو مِل جاوے تو بے انتہا تمناؤں کے ساتھ وُہ اس میدان میں آئیں۔

میں خود جو اس راہ کا پورا تجربہ کار ہوں اور محض اللہ تعالےٰ کے فضل اور فیض سے

[1] البقرۃ: ۱۱۳

میں نے اس راحت اور لذت سے حظ اٹھایا ہے۔یہی آرزو رکھتا ہوں کہ اللہ تعالےٰ کی راہ میں زندگی وقف کرنے کے لئے اگر مَر کے پھر زندہ ہوں اور پھر مُروں اور زندہ ہوں تو ہر بار میرا شوق ایک لذت کے ساتھ بڑھتا ہی جاوے۔

اپنا ذاتی تجربہ اور وقف کی وصیت

پس میں چونکہ خود تجربہ کار ہوں اور تجربہ کر چکا ہوں اور اس وقف کیلئے اللہ تعالیٰ نے مجھے وہ جوش عطا فرمایا ہے کہ اگر مجھے یہ بھی کہدیا جاوے کہ اس وقف میں کوئی ثواب اور فائدہ نہیں ہے بلکہ تکلیف اور دُکھ ہوگا۔ تب بھی میں اسلام کی خدمت سے رُک نہیں سکتا اس لئے میں اپنا فرض سمجھتا ہوں کہ اپنی جماعت کو وصیت کروں اور یہ بات پہنچا دوں آئندہ ہر ایک کا اختیار ہے کہ وہ اُسے سُنے یا نہ سُنے کہ اگر کوئی نجات چاہتا ہے اور حیات طیبہ یا ابدی زندگی کا طلبگار ہے تو وہ اللہ کے لئے اپنی زندگی وقف کرے اور ہر ایک اس کوشش اور فکر میں لگ جاوے کہ وُہ اس درجہ اور مرتبہ کو حاصل کرے۔ کہ کہہ سکے۔ کہ میری زندگی، میری موت، میری قربانیاں، میری نمازیں اللہ ہی کے لئے ہیں۔ اور حضرت ابراہیمؑ کی طرح اُس کی رُوح بول اٹھے۔ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعَالَمِیْنَ[1] جبتک انسان خُدا میں کھویا نہیں جاتا۔ خدا میں ہو کر نہیں مَرتا وُہ نئی زندگی پا نہیں سکتا۔

پس تم جو میرے ساتھ تعلق رکھتے ہو تم دیکھتے ہو کہ خدا کے لئے زندگی کا وقف مَیں اپنی زندگی کی اصل غرض سمجھتا ہوں۔ پھر تم اپنے اندر دیکھو کہ تم میں سے کتنے ہیں جو میرے اِس فعل کو اپنے لئے پسند کرتے اور خدا کے لئے زندگی وقف کرنے کو عزیز رکھتے ہیں۔" (الحکم نمبر ۳۱ جلد ۴ صفحہ ۳-۴ مورخہ ۳۱ اگست ۱۹۰۰ء)

وَلَقَدْ ذَرَاْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيرًا مِّنَ الْجِنِّ وَالْإِنسِ[2]

۱۵۱

انسان اگر اللہ تعالیٰ کے لئے زندگی وقف نہیں کرتا۔ تو وُہ یاد رکھے۔ کہ ایسے

[1] البقرۃ: ۱۳۲ [2] الاعراف: ۱۸۰

لوگوں کے لئے اللہ تعالےٰ نے جہنّم کو پیدا کیا ہے۔ اس آیت سے یہ صاف طور پر معلوم ہوتا ہے۔ کہ جیسا کہ بعض خام خیال کوتاہ فہم لوگوں نے سمجھ رکھا ہے۔ کہ ہر ایک آدمی کو جہنّم میں ضرور جانا ہوگا۔ یہ غلط ہے۔ یہ غلط ہے۔ ہاں اس میں شک نہیں۔ کہ تھوڑے ہیں جو جہنّم کی سزا سے بالکل محفوظ ہیں اور یہ تعجب کی بات نہیں۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے قَلِیْلٌ مِّنْ عِبَادِیَ الشَّکُوْرُ۔[1]

جہنّم کیا ہے؟

اب سمجھنا چاہیئے کہ جہنّم کیا چیز ہے؟ ایک جہنّم تو وہ ہے۔ جس کا مرنے کے بعد اللہ تعالےٰ نے وعدہ دیا ہے اور دُوسرے یہ زندگی بھی اگر خدا تعالیٰ کے لئے نہ ہو۔ تو جہنّم ہی ہے۔ اللہ تعالیٰ ایسے انسان کا تکلیف سے بچانے اور آرام دینے کیلئے متولّی نہیں ہوتا۔ یہ خیال مت کرو کہ کوئی ظاہر دولت یا حکومت، مال و عزّت، اولاد کی کثرت کسی شخص کے لئے کوئی راحت یا اطمینان، سکینت کا مُوجب ہو جاتی ہے۔ اور وہ دَم نقد بہشت ہی ہوتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ وہ اطمینان اور وہ تسلّی اور وہ تسکین جو بہشت کی انعامات میں سے ہیں۔ ان باتوں سے نہیں ملتی وہ خدا ہی میں زندہ رہنے اور مرنے سے مل سکتی ہے۔ جس کے لئے انبیاء علیہم السلام خصوصاً ابراہیم اور یعقوب علیہما السلام کی یہی وصیّت تھی کہ لَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ۔[2] لذّاتِ دُنیا تو ایک قسم کی ناپاک حرص پیدا کر کے طلب اور پیاس کو بڑھا دیتی ہیں۔ اِستسقاء کے مریض کی طرح پیاس نہیں بجھتی۔ یہاں تک کہ وُہ ہلاک ہو جاتے ہیں۔ پس یہ بے جا آرزوؤں اور حسرتوں کی آگ بھی منجملہ اسی جہنّم کی آگ کے ہے۔ جو انسان کے دل کو راحت اور قرار نہیں لینے دیتی بلکہ اُس کو ایک تذبذب اور اضطراب میں غلطان و پیچان رکھتی ہے۔ اس لئے میرے دوستوں کی نظر سے یہ امر ہرگز پوشیدہ نہ رہے۔ کہ انسان مال و دولت یا زن و فرزند کی محبّت کے جوش اور نشے میں ایسا دیوانہ اور از خود رفتہ نہ ہو

---

[1] سبا ۱۴: [2] البقرہ ۱۳۳:

جاوے کہ اُس میں اور خدا تعالیٰ میں ایک حجاب پیدا ہو جاوے۔ مال اور اولاد اسی لئے تو فتنہ کہلاتی ہے۔ اُن سے بھی انسان کے لئے ایک دوزخ تیار ہوتا ہے اور جب وہ اُن سے الگ کیا جاتا ہے تو سخت بے چینی اور گھبراہٹ ظاہر کرتا ہے۔ اور اس طرح پر یہ بات کہ نَارُ اللّٰہِ الْمُوْقَدَۃُ الَّتِیْ تَطَّلِعُ عَلَی الْاَفْـِٕدَۃِ[1] منقولی رنگ میں نہیں رہتا بلکہ معقولی شکل اختیار کر لیتا ہے پس یہ آگ جو انسانی دل کو جلا کر کباب کر دیتی ہے۔ اور ایک جلے ہوئے کوئلے سے بھی سیاہ اور تاریک بنا دیتی ہے۔ یہ وُہی غیر اللہ کی محبت ہے۔

دو چیزوں کے باہم تعلق اور رگڑ سے ایک حرارت پیدا ہوتی ہے۔ اسی طرح پر انسان کی محبت اور دُنیا اور دُنیا کی چیزوں کی محبت کی رگڑ سے الٰہی محبت جل جاتی ہے۔ اور دل تاریک ہو کر خُدا سے دُور ہو جاتا اور ہر قسم کی بیقراری کا شکار ہو جاتا ہے۔ لیکن جبکہ دُنیا کی چیزوں سے جو تعلق ہو وُہ خدا میں ہو کر ایک تعلق ہو۔ اور اُن کی محبت خدا کی محبت میں ہو کر ہو۔ اُس وقت باہمی رگڑ سے غیر اللہ کی محبت جل جاتی ہے۔ اور اس کی جگہ ایک روشنی اور نُور بھر دیا جاتا ہے۔ پھر خُدا کی رضا اُس کی رضا اور اس کی رضا خدا کی رضا کا منشاء ہو جاتا ہے۔ اس حالت پر پہنچ کر خُدا کی محبت اُس کے لئے بمنزلہ جان ہوتی ہے اور جس طرح زندگی کے واسطے لوازمِ زندگی ہیں۔ اُس کی زندگی کے واسطے خدا اور صرف خدا ہی کی ضرورت ہوتی ہے۔ دوسرے لفظوں میں یُوں کہہ سکتے ہیں کہ اُس کی خوشی اور راحت خدا ہی میں ہوتی ہے۔ پھر دُنیا داروں کے نزدیک اگر اُسے کوئی رنج اور کرب پہنچے تو پہنچے۔ لیکن اصل یہی بات ہے کہ اس ہمّ و غم میں بھی وہ اطمینان اور سکینت سے الٰہی لذت لیتا ہے جو کسی دُنیا دار کی نظر کے بڑے سے بڑے فارغ البال کو بھی نصیب نہیں۔

برخلاف اس کے جو کچھ حالت انسان کی ہے۔ وہ جہنم ہے گویا خُدا تعالیٰ کے

[1] الھمزۃ: ۷، ۸

سوا زندگی بسر کرنا یہ بھی جہنم ہے۔

پھر حدیث شریف سے یہ بھی پتہ لگتا ہے کہ تپ بھی حرارت جہنم ہی ہے۔ امراض اور مصائب جو مختلف قسم کے انسان کو لاحق حال ہوتے ہیں یہ بھی جہنم ہی کا نمونہ ہوتے ہیں اور یہ اس لئے کہ تا دوسرے عالم پر گواہ ہوں۔ اور جزا و سزا کے مسئلہ کی حقیقت پر دلیل ہوں اور کفارہ جیسے لغو مسئلہ کی تردید کریں۔ مثلاً جذام ہی کو دیکھو کہ اعضاء گر گئے ہیں اور رقیق مادہ اعضاء سے جاری ہے۔ آواز بیٹھ گئی ہے۔ ایک تو یہ بجائے خود جہنم ہے۔ پھر لوگ نفرت کرتے ہیں۔ اور چھوڑ جاتے ہیں۔ عزیز سے عزیز بیوی، فرزند، ماں باپ تک کنارہ کش ہو جاتے ہیں۔ بعض اندھے اور بہرے ہو جاتے ہیں۔ بعض اور خطرناک امراض میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ پتھریاں ہو جاتی ہیں۔ اور پیٹ میں رسولیاں ہو جاتی ہیں۔ یہ ساری بلائیں اس لئے انسان پر آتی ہیں کہ وہ خدا سے دور ہو کر زندگی بسر کرتا ہے۔ اور اس کے حضور شوخی اور گستاخی کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی باتوں کی عزت اور پرواہ نہیں کرتا ہے۔ اس وقت ایک جہنم پیدا ہو جاتا ہے۔

اب پھر میں اصل مطلب کی طرف رجوع کر کے کہتا ہوں کہ خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ہم نے جہنم کے لئے اکثر انسانوں جنوں کو پیدا کیا ہے اور پھر فرمایا کہ وہ جہنم انہوں نے خود ہی بنا لیا ہے۔ ان کو جنت کی طرف بلایا جاتا ہے۔ پاک دل پاکیزگی سے باتیں سنتا ہے۔ اور ناپاک خیال انسان اپنی کورانہ عقل پر عمل کر لیتا ہے پس آخرت کا جہنم بھی ہوگا اور دنیا کے جہنم سے بھی مخلصی اور رہائی نہ ہوگی کیونکہ دنیا کا جہنم تو اس جہنم کے لئے بطور دلیل اور ثبوت کے ہے۔" (الحکم جلد ۴ نمبر ۳۳ مورخہ ۱۴ ستمبر ۱۹۰۰ء)

منصب وعظ اور زمانہ حاضرہ

نا اہل پلید لوگ سچی اور حق و حکمت کی بات سن ہی نہیں سکتے اور جب کبھی کوئی

بات معرفت اور حکمت کی اُن کے سامنے پیش کی جاوے تو وُہ اس پہ توجہ نہیں کرتے بلکہ لاپرواہی سے ٹال دیتے ہیں۔

اس میں شک نہیں کہ وُہ لوگ جو حق کہیں وہ بھی تھوڑے ہیں۔ محض اللہ تعالیٰ کے لئے کسی کو حق کہنے والے لوگوں کی تعداد بہت ہی کم ہے۔ گویا ہے ہی نہیں۔ علی العموم واعظ وعظ کہتے ہیں۔ لیکن اُن کی اصل غرض اور مقصود صرف یہ ہوتا ہے۔ کہ لوگوں سے کچھ وصول کریں اور دُنیا کما دیں۔ یہ غرض جب اُس کی باتوں کے ساتھ ملتی ہے۔ تو حقانیت اور للّٰہیت کو اپنی تاریکی میں چھپا لیتی ہے اور وہ لذّت اور معرفت کی خوشبُو جو کلام الٰہی کے سُننے سے دل و دماغ میں پہنچتی اور رُوح کو معطر کر دیتی ہے وہ خود غرضی اور دنیا پرستی کے تعفّن میں دَب کر رہ جاتی ہے۔ اور اسی مجلس میں لوگ کہہ اُٹھتے ہیں۔ میاں یہ ساری باتیں ٹکڑا کمانے کی ہیں۔

اس میں شک نہیں کہ اکثر لوگوں نے امر بالمعرُوف اور نہی عن المنکر کو ذریعہ معاش قرار دے لیا ہے لیکن ہر ایک ایسا نہیں ہے۔

اَیسے پاک دل انسان بھی ہوتے ہیں جو صرف اِس لئے خدا اور اُس کے رسُول صلی اللہ علیہ وسلم کی باتیں لوگوں تک پہنچاتے ہیں کہ امر بالمعرُوف اور نہی عن المنکر کے لئے وہ مامُور ہیں اور اُس کو فرض سمجھتے ہیں۔ اور وُہ چاہتے ہیں کہ اس طرح پر اللہ تعالےٰ کی رضا کو حاصل کریں۔ وعظ کا منصب ایک اعلےٰ درجہ کا منصب ہے۔ اور وہ گویا شان نبوّت اپنے اندر رکھتا ہے۔ بشرطیکہ خدا ترسی کو کام میں لایا جاوے۔

وعظ کہنے والا اپنے اندر خاص قسم کی اصلاح کا موقعہ پا لیتا ہے کیونکہ لوگوں کے سامنے یہ ضروری ہوتا ہے کہ کم از کم اپنے عمل سے بھی ان باتوں کو کر کے دکھاوے جو وہ کہتا ہے۔

بہرحال اگر ایک آدمی اپنی ہی غرض و منشاء کے لئے کوئی بھلی بات کہے تو اس

سے یہ لازم نہیں آتا کہ اُس سے اس لئے اعراض کیا جاوے کہ وُہ اپنے کسی ذاتی غرض کی بنا پر کہہ رہا ہے۔ وہ بات جو کہتا ہے وہ تو بجائے خود ایک عُمدہ بات ہے۔ نیک دل انسان کو لازم ہے کہ وُہ اِس بات پر غور کرے جو وُہ کہہ رہا ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ ان اغراض و مقاصد پر بحث کرتا رہے جن کو ملحوظ رکھ کر وعظ کہہ رہا ہے۔ سعدیؒ نے کیا خُوب کہا ہے۔ ؎

مرد باید کہ گیرد اندر گوش
گر نوشت ہست پند بر دیوار

قائل کی بجائے قول کی طرف دیکھو

یہ بالکل سچی بات ہے کہ قول کی طرف دیکھو۔ قائل کی طرف مت خیال کرو۔ اس طرح پر انسان سچائی کے لینے سے محروم رہ سکتا ہے۔ اور اندر ہی اندر ایک عُجب و نخوت کا بیج پرورش پا جاتا ہے۔ کیونکہ یہ اگر صرف سچائی اور صداقت کا طالب ہے تو پھر دوسروں کی عَیب شماری سے اس کو کیا غرض۔

واعظ اپنے لئے کوئی ایک بات نکال لے مگر تم کو اس سے کیا غرض۔ تمہارا مقصود اصلی تو طلب حق ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ لوگ بے موقع بے محل بے ربط بات شروع کر دیتے ہیں اور پند و نصیحت کرتے وقت اُمور مقتضائے وقت کا ذکر نہیں کرتے اور نہ اُن امراض کا لحاظ رکھتے ہیں۔ جن میں مخاطب مبتلا ہوتے ہیں۔ بلکہ اپنے سوال کو ہی مختلف پیرایوں میں بیان کرتے ہیں۔

رسُول اللہ کا طرز خطابت

رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے طرز بیان کو اگر غور سے دیکھتے تو اُن کو وعظ کہنے کا بھی ڈھنگ آ جاتا۔ ایک شخص رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس آتا ہے اور پوچھتا ہے کہ سب سے بہتر نیکی کونسی ہے۔ آپ اُس کو جواب دیتے ہیں کہ سخاوت۔ دوسرا آکر

یہی سوال کرتا ہے۔ تو اُس کو جواب ملتا ہے۔ ماں باپ کی خدمت۔ تیسرا آتا ہے۔ اُس کو جواب کچھ اَور ملتا ہے۔ سوال ایک ہی ہوتا ہے۔ جواب مختلف۔ اکثر لوگوں نے یہاں پہنچ کر ٹھوکر کھائی ہے اور عیسائیوں نے بھی ایسی حدیثوں پر بڑے بڑے اعتراض کئے ہیں۔ مگر احمقوں نے رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلّم کے اس مُفید اور مُبارک طرزِ جواب پر غور نہیں کی۔

اس میں سِرّ یہی تھا کہ رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلّم کے پاس جس قسم کا مریض آتا تھا۔ اُس کے حسب حال نُسخہ شِفا بتلا دیتے تھے جس میں مثلاً بُخل کی عادت تھی اس کے لئے بہترین نیکی یہی ہو سکتی تھی کہ اُس کو ترک کرے۔ جو ماں باپ کی خدمت نہیں کرتا تھا۔ بلکہ اُن کے ساتھ سختی کے ساتھ پیش آتا تھا۔ اُس کو اسی قسم کی تعلیم کی ضرورت تھی کہ وہ ماں باپ کی خدمت کرے۔

حقانی واعظوں کی کمی کا نتیجہ

طبیب کے لئے جیسا ضروری ہے کہ تشخیص عُمدہ طور پر کرے۔ اسی طرح پر واعظ کے منصب کا یہ فرض ہے کہ وعظ و پند سے پہلے اُن لوگوں کے امراض کو مدّنظر رکھے جن میں وہ مُبتلا ہیں۔ مگر مشکل تو یہی ہے کہ یہ فراست اور یہ معرفت حقّانی واعظ کے سوا دوسرے کو ملتی ہی کم ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ ملک میں باوصفیکہ سینکڑوں ہزاروں واعظ پھرتے ہیں۔ لیکن عملی حالت مُلک کی دن بدن پستی کی طرف جا رہی ہے۔ ہر قسم کی اعتقادی، ایمانی، اخلاقی غلطیاں اور کمزوریاں اپنا اثر کرتی جاتی ہیں۔ یہ اس لئے کہ وعظوں میں حقانیت نہیں روح نہیں۔ یہ سب کچھ ہے۔ مگر میں اس وقت اپنے دوستوں کو پھر یہی بتلانا چاہتا ہوں کہ چُونکہ انہوں نے اللہ تعالٰی کے فضل سے اپنے دلوں میں طلبِ حق کی پیاس کو محسُوس کیا ہے۔ وہ راستی اور صداقت کے لینے میں مضائقہ نہ کریں۔ گو واعظ مختلف رنگوں اور پیرایوں میں اپنا سوال ہی پیش کرے۔ مگر تم کو نہیں چاہیئے

کہ صرف اس ایک وجہ سے اصل حکمت کو چھوڑ دو۔ کیونکہ وُہ جوان کے سوال کو سُنکر اُن کو حقارت کی نگاہ سے دیکھتا ہے وہ بھی تو غلطی پر ہے۔ کیا کسی لعل اور گوہر نایاب کو محض اس لئے پھینک دیا جا سکتا ہے کہ وہ کسی بد بُو دار اور مَیلی کُچیلی ٹلّی (دھجّی کپڑے کی) میں بندھا ہوا ہے؟ ہرگز نہیں۔ اِس کے سوا اگر واعظ سوال کرتا ہے۔ تو کیا تمہیں خبر نہیں کہ تمہیں تو یہ حکم دیا۔ وَاَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنْهَرْ[1] اور سائل خواہ گھوڑے پر ہی ہو کر آیا ہو پھر بھی واجب نہیں کہ اُس کو ردّ کیا جاوے۔ تیرے لئے یہ حکم ہے کہ تو اُس کو جھڑک نہیں۔ ہاں خدا تعالیٰ نے اُس کو بھی حکم دیا ہے کہ وہ سوال نہ کرے۔ وہ اپنی خلاف ورزی کی خود سزا پا لیگا۔ لیکن تمہیں یہ مناسب نہیں کہ تم خدا تعالیٰ کے ایک واجب العزت حکم کی نافرمانی کرو۔ غرض اُس کو کچھ دے دینا چاہیئے۔ اگر پاس ہو۔ اور اگر پاس کچھ نہ ہو تو نرم الفاظ سے اُس کو سمجھا دو۔"

(الحکم جلد ۴ نمبر ۳۴ صفحہ ۴-۵ مورخہ ۲۴ ستمبر ۱۹۰۰ء)

فساد کی بُنیاد

فساد اس سے شروع ہوتا ہے کہ انسان ظنُون فاسدہ اور شکُوک سے کام لینا شروع کرے۔ اگر نیک ظن کرے تو پھر کچھ دینے کی توفیق بھی مل جاتی ہے جب پہلی ہی منزل پر خطا کی تو پھر منزل مقصُود پر پہنچنا مشکل ہے۔ بدظنّی بہت بُری چیز ہے انسان کو بہت سی نیکیوں سے محروم کر دیتی ہے۔ اور پھر بڑھتے بڑھتے یہانتک نوبت پہنچ جاتی ہے کہ انسان خُدا پر بدظنّی شروع کر دیتا ہے۔

تائیدی نشانات اور عُلماءِ زمانہ

اگر بدظنّی کا مرض نہ بڑھ گیا ہوتا تو بتلاؤ کہ اُن مولویوں کو جنہوں نے میری تکفیر اور ایذ دہی میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا اور کوئی کسر باقی نہیں چھوڑی۔ کونسی وجُوہ کفر کی اور میری تکذیب کی نظر آئی تھی۔ میں نے پُکار پُکار کر اور خدا کی قسمیں کھا کھا کر کہا۔ کہ میں

[1] الضُّحٰی: ۱۱

مُسلمان ہوں۔ قرآن کریم کو خاتم الکُتب اور رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم الانبیاء مانتا ہوں۔ اور اسلام کو ایک زندہ مذہب اور حقیقی نجات کا ذریعہ قرار دیتا ہوں۔ خدا تعالیٰ کی مقادیر اور قیامت کے دن پر ایمان لاتا ہوں۔ اسی قبلہ کی طرف مُنہ کرکے نماز پڑھتا ہوں۔ اتنی ہی نمازیں پڑھتا ہوں۔ رمضان کے پُورے روزے رکھتا ہُوں پھر وہ کونسی نرالی بات تھی جو اُنہوں نے میرے کُفر کے لئے ضروری سمجھی۔ صریح ظلم ہے۔ وہ اپنے گندے اعمال اور زندگی کو نہیں دیکھتے۔ وہ زمین اور آسمان پر غور اور تدبّر کرکے یہ نہیں سمجھ سکتے کہ ان مصنُوعات کا خالق ہے۔ لیکھرام کے نشان سے مولویوں نے کیا فائدہ اُٹھایا؟ پھر آتھم کی پیشگوئی سے کیا فائدہ حاصل کیا۔ اللہ اللہ کیسی صاف تھی بلکہ اُس کو مشکوک کرنے کی سعی کی۔ حالانکہ اُس میں اگر کوئی الزام باقی ہے تو آتھم پر جس نے اپنی خاموشی اور ہمارے مُطالبات کے جواب نہ دینے سے اُس کی سچائی پر مُہر کردی جبکہ اس میں صریح شرط موجود تھی۔ پھر ایک قانونی طبیعت کا آدمی بھی اس کے دو ہی معنی کرے گا۔ ایک یہ کہ اگر شرط کی رعایت کرے تو بچ رہے ورنہ مَر جاوے۔ پھر بَچ جانے کی صورت میں مومن کو چاہیئے تھا کہ وہ اِس امر کو تنقیح طلب قرار دیتا کہ آیا اُس نے رعایت کی یا نہیں؟

انذاری پیشگوئی شرطی ہوتی ہے

یاد رکھو۔ یہاں تو صریح اور صاف شرط موجُود تھی کہ بشرطیکہ حق کی طرف رجوع نہ کرے لیکن بعض انذاری پیشگوئیاں ایسی بھی ہوتی ہیں کہ بظاہر اُن میں کوئی شرط نہیں ہوتی اور حقیقت میں وہ مشرُوط ہوتی ہیں۔ یونسؑ نبی کا قصّہ صاف موجود ہے۔ تفسیروں میں دیکھ لو کیا لکھّا ہُوا ہے۔ باوصفیکہ ایک ایسی نظیر قرآن شریف اور کتب سابقہ میں موجُود ہے۔ لیکن ہمارے معاملہ میں اسی بدظنّی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے ایک مقرّرہ قانون کی بھی پرواہ نہیں کرتے حالانکہ اُس میں صریح شرط موجود ہے اور اُس کا زندہ رہنا اور بچ جانا اس امر کی دلیل ہے کہ اُس نے اس شرط سے فائدہ اُٹھایا مگر اس شرط سے فائدہ اُٹھانے

کے ہمارے پاس اس سے بھی بڑھ کر دلائل ہیں جو ایک موٹی عقل کا آدمی بھی سمجھ سکتا ہے۔ ہماری طرف سے متواتر اشتہار پر اشتہار جاری ہوئے اور اس کی دعوت کی گئی کہ تم قسم کھاؤ اور اگر جھوٹی قسم کی پاداش میں ایک سال کے اندر ہلاک نہ ہو جاؤ تو میں اپنے آپ کو جھوٹا قرار دوں گا۔ اور اس قسم کے لئے چار ہزار روپے تک انعام بھی دینا چاہا اور یہ بھی ثابت کر کے دکھلایا کہ بائبل سے ایسی قسم کا کھانا گناہ نہیں بلکہ انکار کرنا گناہ ہے اور یہ بھی کہا گیا کہ اگر ہم جھوٹے ہیں تو ہم پر نالش کرو۔ پادریوں نے بھی اس کو اکسایا اور ترغیب دی کہ تم نالش کرو لیکن اس قدر کوششوں پر بھی وہ میدان میں نہ آیا۔ اور اپنی خاموشی اور اسلام پر نکتہ چینی اور اس کے خلاف تحریروں کی اشاعت سے رُک کر اُس نے بتلا دیا کہ حقیقت میں پیشگوئی کے موافق اُس نے شرط سے فائدہ اُٹھایا۔

پیشگوئی میں شرط کا موجود ہونا خود ایک پیشگوئی ہے۔ اگر اُس نے شرط سے فائدہ نہیں اُٹھانا تھا تو اس کو مشروط کرنے کے معنی ہی کیا ہوئے۔

اب ایک متدین اور خُدا ترس کو چاہیئے کہ سوچے کہ آیا آتھم نے رجوع الی الحق کی شرط سے فائدہ اُٹھایا ہے یا نہیں اور قسم کھانا خلافِ شرع تھا تو کلارک اور پریم داس وغیرہ عیسائیوں نے قسم کھائی تھی یا نہیں۔ علاوہ ازیں ہم نے تو ثابت کر کے دکھا دیا تھا کہ فیصلہ صحیحہ کے لئے قسم کھانا عیسائی پر واجب ہے۔

آتھم والی پیشگوئی شرطی تھی

غرض یہ پیشگوئی مشروط تھی۔ وہ سراسیمہ رہا شہر بشہر پھرتا رہا۔ اگر اس کو خُداوند مسیح پر پُورا یقین اور بھروسہ ہوتا پھر اس قدر گھبراہٹ کے کیا معنی؟ لیکن ساتھ ہی جب اُس نے اخفاءِ حق کیا اور ایک دنیا کو گمراہ کرنا چاہا کیونکہ اخفاءِ حق بعض ناواقفوں کی راہ میں ٹھوکر کا پتھر ہو سکتا تھا تو اللہ تعالیٰ نے اپنے صادق وعدہ کے موافق ہمارے آخری اشتہار سے سات مہینے کے اندر اُس کو دُنیا سے اُٹھا لیا۔ اور جس موت سے وہ ڈرتا اور بھاگتا پھرتا تھا اُس نے اُس کو آلیا۔

میری سمجھ میں نہیں آتا کہ آتھم کے معاملہ میں لوگوں کو کیا مشکل پیش آسکتی ہے۔ اس قدر قوی قرائن موجود ہیں۔ اور پھر انکار!!! قرائنِ قویہ سے تو عدالتیں مجرموں کو پھانسی دے دیتی ہیں۔ غرض یہ آتھم کا ایک بڑا نشان تھا اور براہین احمدیہ میں اس فتنہ کی طرف صاف اور واضح لفظوں میں الہام درج ہو چکا ہے۔

نشان مہوتسو

پھر جلسہ مذاہب کا نشان ایک بڑا نشان ہے خواجہ کمال الدین صاحب اور بہت سے دوست اس بات کے گواہ ہیں اور وہ قسم کھا کر بتلا سکتے ہیں کہ قبل از وقت ان کو بتلا دیا گیا تھا۔ اور اشتہار چھاپ کر شائع کر دیا گیا تھا کہ ہمارا مضمون بالا رہا۔ اور ٹھیک اسی الہام کے موافق یہ نشان ہزارہا انسانوں کے روبرو پورا ہوا۔ اور اردو انگریزی اخبارات نے متفق اللفظ ہو کر اقرار کیا۔ کہ ہمارا مضمون سب سے بڑھ کر رہا۔

پھر جو مقدمہ مجھ پر اقدام قتل عمد کا قائم ہوا۔ جس میں ڈاکٹر کلارک جیسے لوگ شامل تھے اور مولوی محمد حسین نے بھی جا کر گواہی دی۔ اور رام بھجدت وکیل مشہور آریہ بھی پیروی مقدمہ کے لئے آیا۔ کئی سو آدمی اس امر کے گواہ موجود ہیں کہ کس طرح پر قبل از وقت اس مقدمہ کی ساری کیفیت اور صورت سے اطلاع دی گئی اور آخر بریت کی بھی اطلاع دی جو اللہ تعالیٰ نے اِبْرَاء (بے قصور ٹھہرانا) کے الہام سے خبر دی تھی یہ خدا کے غیب کی باتیں ہیں۔ کیا انسانی طاقت میں ہے کہ اس طرح پر پیشگوئی کر سکے اور ایسے وقت میں کہ ابھی مقدمہ کا نام و نشان بھی نہیں۔ اُس کا سارا نقشہ کھینچ کر دکھلایا جاوے۔

لیکھرام کا نشان

پھر لیکھرام کا نشان ایک شمشیر برہنہ کی طرح تھا۔ پانچ سال پیشتر بذریعہ اشتہارات فریقین کی طرف سے یہ پیشگوئی شائع کی گئی اور خود لیکھرام جہاں جاتا۔ اس پیشگوئی کو سناتا اس میں کوئی شرط نہ تھی اور وہ صاف تھی۔ اگر وہ زندہ رہتا تو بے شک قیامت برپا ہو جاتی لیکن یہ تب ہوتا۔ اگر خدا تعالیٰ کی باتیں نہ ہوتیں۔ بے شک پھر انجام رسوائی کے ساتھ ہوتا کیا محمد حسین چُپ رہتا؟ اب بھی جبکہ یہ نشان پورا ہو گیا۔ اور لاکھوں انسانوں نے اس پیشگوئی کی صداقت کو تسلیم کر لیا۔ وہ کہتا ہے کہ جماعت کے کسی آدمی نے قتل کر دیا ہوگا۔ افسوس یہ لوگ اتنا نہیں سمجھتے۔ کہ وہ مُرید کیسا خوش اعتقاد ہوگا۔ جو ایسے پیر پر بھی اعتقاد رکھ سکتا ہے جو اسے قتل کی ترغیب دے اور اپنی پیشگوئیوں کو اپنی صداقت کا معیار قائم کرے اور پھر اُن کے پورا کرنے کے لئے مُریدوں کو ناجائز وسائل

اختیار کرنے کی تعلیم دے؟ شرم ہے ایسے خیالات پر۔

جو لوگ اس قسم کا خیال رکھتے ہیں وہ گویا ہماری نیک نہاد، انصاف پرور، اور ہوشیار گورنمنٹ کو بھی بدنام کرنا چاہتے ہیں۔ گورنمنٹ نے اپنی طرف سے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔ لیکھرام کے قتل کے متعلق اُس نے پُوری سرگرمی سے تحقیقات کی۔ لیکن ہمارا اور ہماری جماعت کا دامن اُس خُون سے بالکل پاک صاف ثابت ہوا۔

لیکھرام نے نبی کریمؐ کی ہتک کی تھی

افسوس یہ لوگ اتنا نہیں سمجھتے کہ کیا لیکھرام نے میرے کسی باپ اور دادا کو قتل کر دیا تھا؟ اس نے میری ذات کو کسی قسم کی تکلیف اور ایذا نہیں دی۔ ہاں **اُس نے رسُول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک ذات پر وہ گستاخانہ حملے کئے اور وہ بے ادبیاں کیں کہ میرا دل کانپ اُٹھا۔ اور میرا جگر پارہ پارہ** ہو گیا۔ میں نے اُس کی بے ادبیوں اور شوخیوں کو ٹکڑے ہوئے ہوئے دل کے ساتھ خدا کے حضور پیش کیا۔ اُس نے اِن شوخیوں اور گستاخیوں کے عوض میں اس کی نسبت مجھے یہ پیشگوئی عطا فرمائی۔ پھر اس پیشگوئی میں اُس کی موت، وقت، صورت موت وغیرہ امُور کو بخوبی بتلایا گیا تھا۔ ہاتھ کا نشان بنایا جانا اور "بترس از تیغ بران محمدؐ" کہنا یہ سب امُور واضح طور پر درج ہیں۔ اب کوئی بتلاوے کہ کیا اُس وقت کہ جبکہ وہ ابھی چوبیس پچیس برس کا نوجوان تھا۔ پانچ سال پیشتر اس قسم کی اطلاع دینا انسانی منصوبہ کا دخل ہو سکتا ہے۔ ہرگز نہیں۔ یہ خدا تعالےٰ کا فعل ہے۔ انسانی طاقت، انسانی فہم و فراست سے بالاتر اور بالاتر ہے۔ (الحکم نمبر ۳۷ جلد ۴ صفحہ ۲-۳ مورخہ یکم اکتوبر ۱۹۰۰ء)

اب بتلاؤ کہ کیا یہ نشانات اپنی صداقت اور ثبوت میں کسی اور خارجی دلیل کے محتاج ہیں۔ حضرت عیسٰی علیہ السلام نے کہا کہ معجزات میں سے ایک ہی کافی ہے چنانچہ جب اُن سے معجزہ مانگا گیا۔ تو یہی کہتے رہے کہ یُونس نبی کے نشان کے سوا اور

کوئی نشان نہ دیا جا دے گا۔

من گھڑت نشانات

میں نے پہلے بتلا دیا ہے کہ جو لوگ اندرونی حالات سے واقف ہوتے ہیں۔ اُن کے لئے نشانات کی بڑی ضرورت نہیں ہوتی۔ اللہ تعالےٰ صرف رحم کر کے اُن کے مزید اطمینان اور اپنی ہستی منوانے کے لئے نشانات ظاہر فرماتا ہے۔ مجھ کو تعجب پر تعجب اور حیرت پر حیرت ہوتی ہے کہ لوگ اَولیاء اللہ کے مُعجزات کے قائل ہیں۔ اور ایسے ایسے خوارق اُن کے بیان کرتے ہیں۔ جن کے لئے نہ کوئی دلیل ہے نہ عقلی یا نقلی ثبوت ہے۔ اور وہ بطور کتھا اور کہانی کے اُن کے زمانہ کے بہت عرصہ بعد لوگوں میں مشہور ہوئے ہیں۔ مثلاً اگر شیعہ ہی سے حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے معجزات مانگو تو وہ اس قدر بیان کرینگے کہ گنتے گنتے تھک جائیں۔ مگر جب ثبوت مانگیں تو کچھ بھی نہیں۔ سید عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے خوارق بکثرت بیان کئے جاتے ہیں۔ مگر اُن کی کسی کتاب میں منقول نہیں ہیں۔ اب لوگ خدا سے ڈریں اور سوچکر جواب دیں کہ جو باتیں صدہا سال بعد لکھی گئی ہیں۔ اُن کی تو تصدیق کی جاتی ہے۔ لیکن جو آنکھوں سے دیکھے گئے ہیں، اُن کی تکذیب کی جاتی ہے۔ افسوس یہ لوگ اتنا بھی تو نہیں سوچتے کہ خبر معائنہ کے برابر نہیں ہوتی۔ سُنی ہوئی بات کسی واقعہ صحیحہ کی برابری نہیں کر سکتی۔ اب میرے نشانات دیکھ کر جو ان نشانوں کی تکذیب کی جاتی ہے۔ یہ میری تکذیب نہیں یہ واقعات صحیحہ کی تکذیب ہے۔ نہیں بلکہ خدا تعالےٰ کی تکذیب ہے۔ یہ یاد رکھو کہ یہ مصیبت اس لئے آئی ہے کہ تقویٰ اور طہارت اُٹھ گیا۔ اور قانُون الٰہی یہی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کا خوف اور خشیت اُٹھ جاتی ہے اور دلوں میں رقت اور رُوح میں گدازش نہیں رہتی۔ اس وقت مُنذر نشان پیدا ہوتے ہیں۔ یہ مقام تو ڈرنے کا تھا۔ مگر افسوس ان لوگوں نے اندھے اور بہرے ہو کر

ان نشاناتِ الٰہیہ کو جو تضرع اور ابتہال پیدا کر سکتے تھے۔ ایمان میں ایک نئی زندگی بخش سکتے تھے۔ چھوڑ دیا۔ اور صُمٌّ بُکْمٌ ہو کر گزر گئے۔ ایسے لوگوں کے لئے ہم کیا کر سکتے ہیں۔ ایسے لوگوں پر خدا تعالےٰ کا فتویٰ لگ چکا ہے۔ صُمٌّ بُکْمٌ عُمْیٌ فَھُمْ لَا یَرْجِعُوْنَ[1]

ہماری جماعت کا فرض

مگر ہماری جماعت جس نے مجھے پہچانا ہے۔ کا فرض ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ان نشانات کو باسی نہ ہونے دیں۔ اس سے قوتِ یقین پیدا ہوتی ہے۔ اس لئے ہماری جماعت کو چاہیئے۔ کہ وہ اِن نشانات کو پوشیدہ نہ رکھے اور جس نے دیکھے ہیں۔ وہ اُن کو بتلا دے جو غائب ہیں۔ تاکہ بُرائیوں سے بچیں۔ اور خدا پر تازہ ایمان پیدا کریں۔ اور ان نشانات کو عُمدہ براہین سے سجا سجا کر پیش کریں۔ یاد رکھو۔ خدا کے دلائل اور براہین کو جو غور سے نہیں دیکھتے وہ اندھے ہوتے ہیں اور حق کو دیکھ نہیں سکتے۔ اور اُن کے سُننے کے کان نہیں ہوتے۔ یہ لوگ چارپائے بلکہ اُن سے بھی بدتر ہوتے ہیں اور خدا اُن کی زندگی کا متکفل نہیں ہوتا۔ خدا تعالےٰ مومن اور متّقی کی زندگی کا ذمہ دار ہے۔ ھو یتولّی الصالحین[2]۔ اور وُہ لوگ جو اللہ تعالیٰ کی راہ سے دُور اور چوپاؤں کے مشابہ ہیں۔ اُن کی زندگی کا کفیل نہیں۔ بھلا بتاؤ تو سہی کہ کوئی آدمی ذبح ہوتے ہوئے بکروں کے سر پر بھی بیٹھ کر روتا ہے؟ پھر جو لوگ بکروں سے بھی گئے گذرے ہیں۔ ان کی زندگی کی کیا پرواہ ہو سکتی ہے؟

جانوروں کی زندگی دیکھ لو کہ محنتیں اُن سے لی جاتی ہیں اور ان کو ذبح کیا جاتا ہے۔ پس جو انسان خدا تعالےٰ سے قطع تعلق کرتا ہے۔ اس کی زندگی کی ضمانت نہیں رہتی۔ چنانچہ فرمایا۔ قُلْ مَا یَعْبَؤُا بِکُمْ رَبِّیْ لَوْلَا دُعَآؤُکُمْ[3] یعنی اگر تم اللہ کو نہ پکارو تو میرا رب تمہاری پرواہ ہی کیا رکھتا ہے۔

یاد رکھو جو دُنیا کے لئے خدا کی عبادت کرتے ہیں یا اُس سے تعلق نہیں رکھتے

۱؎ البقرۃ: ۱۹ ۲؎ الاعراف: ۱۹۷ ۳؎ الفرقان: ۷۸

اللہ تعالیٰ اُن کی کچھ پرواہ نہیں کرتا۔"

(الحکم جلد ۴ نمبر ۳۶ صفحہ ۳ مورخہ ۱۰ اکتوبر ۱۹۰۰ء)

یکم ستمبر ۱۹۰۰ء

خدا کی صفت غنار کا تقاضا

جناب مسیح علیہ السلام نے خدا تعالیٰ کے غنار ذاتی پر بہت مؤثر اور ڈر دلانے والی تقریر فرمائی۔ فرمایا:-

" اگرچہ خدا تعالیٰ کا وعدہ ہے۔ اِنَّہٗ اٰوَی الْقَرْیَۃَ۔ مگر خدا تعالیٰ کسی کا محکوم رہنا نہیں چاہتا۔ اس کی صفت غِنا ہر دَم تقاضا کرتی ہے کہ انسان کبھی امین اور مطمئن ہو کر نہ بیٹھ رہے۔ اُس کا منشا رہے کہ انسان خوف و ہراس میں اَوقات بسر کرے۔ تاکہ ذِلّ عبودیت کی حالت قائم رہے۔" فرمایا

" ہیضہ خدا تعالیٰ کی تلوار ہے۔ بہت بہت دُعائیں مانگو کہ اللہ تعالیٰ اس سے اس گاؤں کو محفوظ رکھے۔ اس لئے کہ مخالفوں کے نزدیک اَور جگہوں کے لوگ تو شہید ہوتے ہیں۔ مگر خدا نہ کرے جو یہاں پڑے تو یہی کہیں گے کہ ان پر غضب الٰہی پڑا۔"

(الحکم جلد ۱۰ نمبر ۳۵ صفحہ ۹ مورخہ ۱۰ اکتوبر ۱۹۰۶ء)
از مکتوبات کریمیہ نمبر ۳

۳ ستمبر ۱۹۰۰ء

تحفہ گولڑویہ کے متعلق الہامی بشارت

تحفہ گولڑویہ میں بڑے بڑے دقائق معارف بیان فرمائے ہیں۔ حضرت اقدسؑ نے فرمایا۔

" خدا تعالیٰ کی طرف سے ایک الہام ہوا ہے جس کے یہ معنی ہیں۔ کہ یہ رسالہ بڑا بابرکت ہوگا۔ اسے پُورا کرو۔ اور پھر الہام ہوا۔ قُلْ رَبِّ زِدْنِیْ عِلْمًا۔

چونکہ مضامین کی آمد بہت ہے اور وُہ چاہتی ہے کہ درمیانی سلسلہ ٹوٹنے نہ پائے۔ اس لئے کہ ٹوٹنے میں بسا اوقات پیش آمد مضمون فوت ہوجاتا ہے۔ مناسب ہے کہ جمعرات تک پھر نمازیں ظہر و عصر جمع کر کے پڑھی جائیں"

چنانچہ رسول کریمؐ کی وہ پیشگوئی تجمع لہ الصلوٰۃ یوں ثابت اور پوری ہوگئی۔

(الحکم جلد ۱۰ نمبر ۳۵ صفحہ ۹ مورخہ ۱۰ اکتوبر ۱۹۰۶ء مکتوبات کریمیہ نمبر ۳)

۱۴ ستمبر ۱۹۰۱ء

بڑا ثواب

حضرتؑ نے ایک دن مولانا عبدالکریم صاحب کو مخاطب ہو کر فرمایا۔ کہ

"اب تو آپ بھی ہمارے ساتھ گالیوں میں شامل ہوگئے۔ بڑا ثواب ہے۔"

(الحکم جلد ۱۰ نمبر ۳۵ صفحہ ۱۰ مورخہ ۱۰ اکتوبر ۱۹۰۶ء)

۷ ستمبر ۱۹۰۰ء

ایک الہام

حضرتؑ کو کل درد سر کے وقت بار بار یہ الہام ہوا۔

"اِنِّیْ مَعَ الْاُمَرَاءِ اٰتِیْکَ بَغْتَةً"

یعنی میں امیروں کے ساتھ تیری طرف اچانک اُوں گا۔"

(اس الہام سے بشارت ملتی ہے کہ اللہ تعالیٰ اب امیروں کو اس آسمانی سلسلہ کی طرف توجہ دلانی چاہتا ہے)

۸ ستمبر ۱۹۰۰ء

کلام الٰہی کے تین طریقے

رات مولانا نورالدین صاحب نے اس آیت کے معنے پُوچھے۔ وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ أَنْ يُكَلِّمَهُ اللّٰهُ إِلَّا وَحْيًا أَوْ مِنْ وَرَآئِ حِجَابٍ أَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا[1]۔ مولوی صاحب نے عرض کی کہ اس آیت پر بہت ساجھگڑا ہوا۔ حضرت اقدسؑ نے فرمایا:۔

"قبل اس کے کہ اس آیت کے حل کی طرف ہم متوجہ ہوں۔ ہم عملاً دیکھتے ہیں۔ کہ تین ہی طریقے ہیں خدا تعالیٰ کے کلام کرنے کے۔ چوتھا کوئی نہیں۔ (۱) رؤیا (۲) مکاشفہ (۳) وحی۔" پھر نماز عشا کا سلام پھیرنے کے بعد فرمایا:۔

"مولوی صاحب! اس آیت کے معنی خوب کھل گئے۔ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ سے مُراد رؤیا کا ذریعہ ہے۔ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ کے معنی یہ ہیں کہ اس پر استعارے غالب رہتے ہیں۔ جو حجاب کا رنگ رکھتے ہیں۔ اور یہی رؤیا کی ہیئت ہے۔

يُرْسِلَ رَسُوْلًا سے مراد مکاشفہ ہے۔ رسول کا تمثل بھی مکاشفہ میں ہی ہوتا ہے۔ اور مکاشفہ کی حقیقت یہی ہے کہ وہ تمثلات ہی کا سلسلہ ہوتا ہے۔"

اس کے بعد بڑے جوش اور خوشی سے فرمایا کہ

"قرآن کریم کیسے کیسے حقیقی اور عظیم علوم بیان فرماتا ہے۔ اس آیت کے ہم رنگ انجیل و توریت میں تو ڈھونڈ کر بتاؤ۔"

مولوی صاحب نے پوچھا تھا۔ اس تفسیر سے پہلے کہ من وراء حجاب سے یہ مطلب ہو۔ کہ خدا تعالیٰ کا نظر آنا کوئی ضروری نہیں۔ فرمایا۔

"یہ مطلب نہیں۔ یہ معنی ہی رؤیا کے ہیں اور لفظ من وراءِ حجاب نے تو حقیقت رؤیا کے فلسفہ کی بیان کی ہے۔"

(الحکم جلد ۱۰ نمبر ۳۵ صفحہ ۱۰ مورخہ ۱۰ اکتوبر ۱۹۰۶ء۔ مکتوبات کرمیہ نمبر ۵)

[1] الشوریٰ: ۵۲

۸ستمبر ۱۹۰۰ء

شیخ رحمت اللہ صاحب کا خط دربارہ کسی ابتلا کے حضرت اقدسؑ کی خدمت میں پہنچا۔ جس پر حضورؑ نے فرمایا:۔

"میں اس ابتلا میں اُن کے لئے بہت دُعا کرتا ہوں۔ اس سے مجھے بہت خوشی ہوئی درحقیقت ابتلا بڑی رحمت کا مُوجب ہوتے ہیں۔ کہ ایک طرف عبُودیت مُضطر ہو کر اور چاروں طرف سے کٹ کر اُسی اکیلے سبب ساز کی طرف توجہ ہو جاتی ہے۔ اور اُدھر سے اُلوہیت اپنے فضلوں کے لشکر لے کر اُس کی تسلّی کے لئے قدم بڑھاتی ہے۔ میں ہمیشہ یہ سنّت انبیاء علیہم السلام اور سنّت اللہ میں دیکھتا ہوں۔ کہ جس قدر اس گرامی جماعت کی رافت و رحمت ابتلا کے وقت اپنے خدّام کی نسبت جوش مارتی ہے آرام و عافیّت کے وقت وہ حالت نہیں ہوتی۔"

(الحکم جلد ۱۰ نمبر ۳۵ صفحہ ۱۰ مورخہ ۱۰ راکتوبر ۱۹۰۶ء مکتوبات کریمیہ نمبر ۵)

۹ستمبر ۱۹۰۰ء

ایذارسانی پر صبر کریں،

حضرت اقدسؑ نے قبل از نماز ظہر بڑی لطیف تقریر فرمائی۔ اور مولانا عبدالکریم صاحب سے مخاطب ہو کر فرمایا۔ کہ

"جو کچھ ہو رہا ہے۔ ارادۂ الٰہی کے موافق ہو رہا ہے۔ ضروری تھا کہ یہ لوگ اپنے ہاتھوں سے ان آثار کی صداقت پر مُہر لگا دیتے۔ جن میں لکھا ہے کہ مہدی موعود کے وقت بڑا شور برپا ہوگا۔ اور اس کو سلف و خلف کے عقائد کے خلاف باتیں بنانے والا کہہ کر کافر ٹھیرایا جائیگا۔ اس وقت ہمارے احباب کو ایسا ہی صبر کرنا چاہیئے۔ جیسا کہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحابؓ نے مکہ معظمہ میں کیا۔ کوئی

حرکت اُن سے ایسی سرزد نہ ہوئی جو انہیں حکّام تک پہنچاتی۔ اِس وقت کسی پر بھروسہ نہ کریں۔ کہ فلاں شخص ہماری مدد کریگا۔ یاد رکھیں۔ اس وقت خُداوند جلّ وعلا کے سِوا کوئی ولی ونصیر نہیں۔"

(الحکم جلد ۱۰ نمبر ۳۵ مورخہ ۱۰ اکتوبر ۱۹۰۶ء۔ مکتوبات کریمیہ نمبر ۴)

مخالفانہ رنگ کا نتیجہ سلب ایمان

ایک شخص کسی شیخ عبدالرحمٰن کشمیری بازار کا شائع کیا ہوا لمبا چوڑا اشتہار لے کر حضرت اقدسؑ کی خدمت میں پہنچا۔ حضرت اقدسؑ نے اس پر فرمایا:-

"اب ہماری باتیں اِن لوگوں کو سمجھ میں نہیں آتیں۔ اور در حقیقت جب تک آسمان سے نُور نازل ہو کر قلوب کو بافہم نہ بنائے۔ کوئی نہ سمجھا سکتا ہے۔ اور نہ کوئی سمجھ ہی سکتا ہے۔ یہ ایام ابتلا کے ایام ہیں" پھر فرمایا:-

"کیا ہی سچ ہے کہ خدا تعالیٰ کے اولیاء سے جنگ کرنے کے سبب سے نہ صرف ایمان ہی سلب ہو جاتا ہے بلکہ عقلیں بھی سلب ہو جاتی ہیں۔ اِس وقت جو بولتا ہے یہی بولتا ہے اور بیسیوں خط اطراف سے اس مضمون کے آتے ہیں کہ مہر علی شاہ نے مرزا صاحب کی ساری شرطیں منظور کر لیں۔ پھر وہ مقابلہ کے لئے کیوں نہ آئے۔ اللہ اللہ۔ ایک طُوفان بے تمیزی برپا ہے۔ کوئی غور کرتا ہی نہیں۔ کہ اصل بات کیا ہے۔" (الحکم جلد ۱۰ نمبر ۳۵ صفحہ ۱۰ مورخہ ۱۰ اکتوبر ۱۹۰۶ء۔ مکتوبات کریمیہ نمبر ۴)

۱۵ ستمبر ۱۹۰۰ء

کلامِ الٰہی کے اقسام

مطابق بستم جمادی الاولےٰ ۱۳۱۸ھ بعد ادائے نماز مغرب شرف دیدار مبارک حضرت اقدسؑ

حاصل گردید۔ فرمودند:۔

"کلامِ الٰہی بر سہ قسم است۔ وحی۔ رؤیا۔ کشف۔ وحی آنکہ بلا واسطہ شخصے بر قلب مُطہرۂ نبوی فرود آید و آں کلام اجلٰی و روشن مے باشد۔ نظیرش بیان فرمودند کہ مثلاً حافظ صاحب نابینا کہ پیشِ ما نشستہ اند۔ در سماعِ کلامِ ما ہرگز غلطی نمے خوانند و نمے دانند کہ آوازِ مسموع کلام غیرِ ما باشد۔ اگرچہ از چشمِ ظاہر ما را نمے بینند۔ دیگر رؤیا، و منام ست کہ آں کلام رنگین و لطیف و کنایہ دارد و ذوی الوجوہ است۔ چوں دیدن رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سوارین در دستِ مبارک خویش یا معائنہ فرمودن یکے زوجہ مطہرہ خود را اطولُ یدَین و دیدن بقرہ وغیرہ ایں چنیں کلامِ الٰہی تعبیر طلب است۔ سوم کشف است و آں تمثل است خواہ بصُورت جبرائیل باشد یا فرشتہ یا دیگر اشیاء۔ پس آیت شریفہ خواندند اَنْ یُّکَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْیًا اَوْ مِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ اَوْ یُرْسِلَ رَسُوْلًا[1] (سورۃ الشوریٰ)۔ ارشاد شد کہ سوائے امورِ ثلاثہ مذکورہ کلامِ الٰہی را طریقے نیست۔"

(الحکم جلد ۵ نمبر ۱۱ صفحہ ۷ مورخہ ۲۴ر مارچ ۱۹۰۱ء۔ مکتوبہ مولوی محمد سعید حیدرآبادی)

۱۳ر اکتوبر ۱۹۰۰ء

بیماری میں الٰہی مصالح

عصر کے وقت فرمایا۔ "طبیعت بہت علیل ہے۔ دُعا کرنی چاہیئے۔"

اس پر مولانا عبدالکریم صاحب نے عرض کیا کہ آپ وُہ ہیں جن کی نسبت خدا تعالیٰ کہہ چکا ہے۔ اَنْتَ الْمَسِیْحُ الَّذِیْ لَا یُضَاعُ وَقْتُهٗ۔ میں امید کرتا ہوں کہ خدا تعالیٰ کو آپ کے درجات کی ترقی بہت ہی منظور ہے۔ کہ ایک طرف تو آپ کے سپرد اس کثرت سے کام کر دیئے ہیں کہ ان کے تصور سے قوی سے قوی زہرہ آدمی کی پیٹھ ٹوٹ جاتی ہے اور اُس پر اِس قدر بیماریوں کا ہجوم۔ مُسکرا کر فرمایا:۔

[1] الشوریٰ : ۵۲

"ہاں یہ تو ہمیں یقین ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ کے بہت سے مصالح ملحوظ ہیں۔"

پیشگوئی متعلقہ احمد بیگ

احمد بیگ والی پیشگوئی پر اعتراض کے متعلق فرمایا:۔

"اگر کوئی شخص خدا تعالیٰ کے خوف سے غور کرے کہ چار شخصوں کی موت کی نسبت ہماری پیشگوئی تھی۔ جن میں سے تین ہلاک ہو چکے ہیں۔ اور ایک (داماد) باقی ہے۔ تو اُس کی رُوح کانپ جائیگی کہ کس دلیری سے اور کیوں وہ اعتراض کرسکتا ہے اسے سمجھ لینا چاہیئے۔ کہ خدا تعالےٰ کے مصالح اس میں ہیں۔ خدا تعالیٰ کی عادت ہے۔ کہ راستبازوں کے مخالفوں کی عمریں بھی اُن کے کارخانہ کی رونق کے لئے لمبی کردیتا ہے۔ خدا تعالےٰ قادر تھا کہ ابوجہل اور اس کے امثال پر مکہ معظمہ میں یک جا اور ناگہاں بجلی پڑجاتی اور بہت بڑی ایذا پہنچانے سے قبل اُن کا استیصال ہو جاتا مگر اُن کا تار و پود درہم برہم نہ ہوا۔ جبتک بدر کا یوم نہ آیا۔ اگر ایسی ایسی کارروائیاں جلد جلد پُوری ہو جائیں۔ تو نبی بہت جلد ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ جاوے اور وہ گرمی ہنگامہ کیونکر رنگ آرائے چہرہ ہستی ہو۔ جس کے قیام کے بغیر طرح طرح کے علوم اور حکمتیں برُوئے کار نہیں آسکتیں۔ خدا تعالیٰ صادق کو نہیں اُٹھاتا۔ جبتک اُس کا صادق ہونا آشکارا نہ کر دے۔ اور اُن الزاموں سے اُس کی تطہیر نہ کر دے۔ جو ناعاقبت اندیش اُس پر لگاتے ہیں۔"

بعد نماز عشا فرمایا:۔

خُونی مہدی کی حدیثیں وضعی ہیں

میں آج کنز العمال کو دیکھ رہا تھا۔ مہدی اور دجّال کی نسبت ۵۸ حدیثیں اُس میں جمع کی گئی ہیں۔ سب حدیثوں میں یہی ہے کہ وُہ آتے ہی یُوں خُونریزی کریگا اور یُوں خلق خدا کے خُون سے رُوئے زمین کو رنگین کرے گا۔ خُدا جانے اِن لوگوں کو

جو ان احادیث کے وضّاع تھے۔ سفاکی کی کس قدر پیاس اور خلقِ خدا کی جان لینے کی کتنی بھوک تھی۔ اور اس وقت عقلیں کس قدر موٹی اور سطحی ہو گئی تھیں۔ یہ بات اُن کی سمجھ میں نہ آئی کہ اصُول تبلیغ اور ماُموریّت کے قطعًا خلاف ہے کہ کوئی ماُمور آتے ہی بلا اتمام حجّت کے تیغ زنی شروع کر دے۔ تعجب کی بات ہے۔ کہ ایک طرف تو آخری زمانہ کو حضرت خیر الانام رسُول کریم صلے اللہ علیہ وسلّم کے زمانہ سے اتنا دُور قرار دیا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ جتنا بُعد زمانہ نبوّت سے ہوگا۔ اتنی ہی غفلت اور کسل اور اعراض عن اللہ کا مرض شدید ہوگا۔ باینہمہ آخری زمانہ کا مُصلح اور ماُمور ایسا شخص قرار دیا ہے جو آتے ہی تلوار سے کام لے اور اتمام حجّت کا ایک لفظ بھی مُنہ پر نہ لائے۔ وہ مُصلح ہی کیا ہوا۔ وہ خونریز مُفسد ہوا۔ افسوس آتا ہے کہ اس قدر تناقضات کا مجموعہ وہ حدیثیں ہیں۔ کہ اس سے زیادہ ہفوات اور لغویات میں بھی تناقض ممکن نہیں۔ مگر ان لوگوں کی دانشیں اُن کی بیہودگی کی تہ تک نہ جا سکیں۔

میں ان حدیثوں کو پڑھ کر کانپ اُٹھا اور دل میں گزرا۔ اور بڑے درد کے ساتھ گزرا کہ اگر اب خدا تعالیٰ خبر نہ لیتا۔ اور یہ سلسلہ قائم نہ کرتا۔ جس نے اصل حقیقت سے خبر دینے کا ذمّہ اٹھایا ہے۔ تو یہ مجموعہ حدیثوں کا اور تھوڑے عرصہ کے بعد بے شمار مخلوق کو مرتد کر دیتا۔ ان حدیثوں نے تو اسلام کی بیخکنی اور خطرناک ارتداد کی بنیاد رکھدی ہوئی ہے۔ جبکہ حدیثیں یونہی نامُراد رہتیں اور اُن کی بے بنیاد پیشگوئیاں جو محض دروغ بے فروغ اور باطل افسانے ہیں۔ اور کچھ مدّت کے بعد آنیوالی نسلوں کے سامنے اسی طرح نامُراد پیش ہوتیں۔ تو صاف شک پڑ جاتا کہ اسلام بھی اور جھوٹے مہا بھارتی مذہبوں کی طرح بزاکھتوں پر مبنی اور بے سر و پا مذہب ہے اور آئندہ نسلیں سخت ہنسی اور استہزار سے اس بات کے کہنے کا بڑی دلیری سے موقع پاتیں کہ دجّال کو خدا بنانے والا اور خُدا کی صفات کاملہ مستجمعہ سے پُورا

حصّہ دینے والا مذہب بھی کبھی مذہب حق اور مذہب توحید کہلانے کا استحقاق رکھ سکتا ہے"

(الحکم جلد ۴ نمبر ۳۷ صفحہ ۱-۳ مورخہ ۱۷ اکتوبر ۱۹۰۰ء خط مولانا عبدالکریم صاحب)

لفظ قرآن میں پیشگوئی ہے

"اگر ہمارے پاس قرآن نہ ہوتا۔ اور حدیثوں کے یہ مجموعے ہی مایۂ نازِ ایمان و اعتقاد ہوتے تو ہم قوموں کو شرمساری سے مُنہ بھی نہ دکھا سکتے۔ میں نے قرآن کے لفظ میں غور کی تب مجھ پر کھُلا کہ اس مُبارک لفظ میں ایک زبردست پیشگوئی ہے۔ وہ یہ ہے کہ یہی قرآن یعنی پڑھنے کے لائق کتاب ہے اور ایک زمانہ میں تو اَور بھی زیادہ یہی پڑھنے کے قابل کتاب ہوگی۔ جبکہ اَور کتابیں بھی پڑھنے میں اُس کے ساتھ شریک کی جائیں گی۔ اُس وقت اسلام کی عزت بچانے کے لئے اور بُطلان کا استیصال کرنے کے لئے یہی ایک کتاب پڑھنے کے قابل ہوگی۔ اور دیگر کتابیں قطعاً چھوڑ دینے کے لائق ہوں گی۔ فُرقان کے بھی یہی معنے ہیں۔ یعنی یہی ایک کتاب حق و باطل میں فرق کرنے والی ٹھہرے گی۔ اور کوئی حدیث کی یا اَور کوئی کتاب اِس حیثیت اور پایہ کی نہ ہوگی۔ اِسلئے اب سب کتابیں چھوڑ دو اور رات دن کتاب اللہ ہی کو پڑھو۔ بڑا بے ایمان ہے وُہ شخص جو قرآن کریم کی طرف التفات نہ کرے اور دوسری کتابوں پر ہی رات دن جھکا رہے۔ ہماری جماعت کو چاہیئے کہ قرآن کریم کے شغل اور تدبّر میں جان و دل سے مصروف ہو جائیں۔ اور حدیثوں کے شغل کو ترک کریں۔ بڑے تاسّف کا مقام ہے کہ قرآن کریم کا وہ اعتنا اور تدارس نہیں کیا جاتا جو احادیث کا کیا جاتا ہے۔ اس وقت قرآن کریم کا حربہ ہاتھ میں لو تو تمہاری فتح ہے۔ اس نُور کے آگے کوئی ظُلمت ٹھہر نہ سکے گی۔"

(الحکم جلد ۴ نمبر ۳۷ صفحہ ۵ مورخہ ۱۷ اکتوبر ۱۹۰۰ء)

(خط مولانا عبدالکریم صاحب)

۱۳؍اکتوبر ۱۹۰۷ء۔ اَرْسَلَ رَسُوْلَہٗ اور مسیح موعُود

میری سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ کس قسم کی اصلاح ہے حالت تو یہ ہے کہ بعد زمانہ ہی بجائے خود بہت کچھ قابل رحم حالت ہوتی ہے اور اُس پر تو اسوقت ہزاروں اور فتنے اور آفتیں بھی ہوں گی پھر قتال سے کیا فائدہ۔ اخیر میں یہ بھی لکھ دیا ہے۔ لَا مَھْدِیَ اِلَّا عِیْسٰی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نجات قرآن ہی سے ہے۔ جب ہم اس ترتیب کو دیکھتے ہیں کہ ایک طرف تو رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلّم کی زندگی کے دو ہی مقصد بیان فرمائے ہیں۔ یعنی تکمیل ہدایت اور تکمیل اشاعت ہدایت۔ اوّل الذکر کی تکمیل چھٹے دن یعنی جُمعہ کے دن ہوئی جبکہ آیت الیوم اکملت لکم[1] نازل ہوئی۔ اور دوسری تکمیل کے لئے بالاتفاق مانا گیا ہے کہ وہ مسیح ابن مریم یعنی مسیح موعودؑ کے زمانہ میں ہوگی۔ سب مفسّرین نے بالاتفاق لکھ دیا ہے کہ آیت ھو الذی ارسل رسولہٗ بالھدٰی[2] کی تکمیل مسیح موعود کے زمانہ میں ہوگی اور جبکہ ہدایت کی تکمیل چھٹے دن ہوئی تو اشاعت ہدایت کی تکمیل بھی چھٹے دن ہی ہونی چاہیئے تھی۔ اور قرآنی دن ایک ہزار برس کا ہوتا ہے گویا مسیح موعود چھٹے ہزار میں ظاہر ہوگا۔

قرآن شریف ہی پڑھنے کے قابل ہے۔ کیونکہ قرآن کے معنی ہی یہ ہیں۔ آریوں نے قرآن کریم کے الفاظ نہ سمجھنے ہی کی وجہ سے خیر الماکرین وغیرہ الفاظ پر اعتراض کئے ہیں۔ حالانکہ خود وید میں اِندر کو بڑا مکار رکھا ہے۔ مہدی کی حدیثوں کی نسبت فرمایا:۔ سلطنت کے خیال سے وضع کی گئی تھیں۔

(الحکم جلد ۱۲ نمبر ۴۴ مورخہ ۲۶ جولائی ۱۹۰۸ء)

۱۴؍اکتوبر ۱۹۰۷ء

خلق آدمؑ اور زُحل کی تاثیرات

صبح کی سیر کے وقت حضرت اقدسؑ نے فرمایا:۔

[1] المائدۃ: ۴ [2] الصف: ۱۰

آدم علیہ السلام عصر کے وقت چھٹے دن پیدا ہوئے تھے۔ اُس وقت مشتری کا دَورہ ختم ہو کر زُحل کا شروع ہونے والا تھا۔ چونکہ زُحل کی تاثیرات خونریزی اور سفاکی ہیں۔ اس لئے ملائکہ نے اس خیال سے کہ یہ زُحل کی تاثیرات کے اندر پیدا ہوگا۔ یہ کہا۔ اتجعل فیھا من یفسد فیھا[1] (سورۃ بقرہ)۔ اور یہ قاعدہ کی بات ہے کہ جس طرح انسان ارضی تاثیرات اور بُوٹیوں کے خواص سے واقف ہوتا ہے۔ اسی طرح پر آسمانی مخلوق آسمانی تاثیرات سے باخبر ہوتی ہے۔

پھر فرمایا ایاک نعبد[2] میں جہاں الرّب۔ الرّحمٰن۔ الرّحیم۔ مالک یوم الدّین کے حُسن و احسان کی طرف تحریک ہوتی ہے۔ وہاں انسان کی عاجزی اور بے کسی بھی ساتھ ہی محرک ہوتی ہے۔ اور وہ ایاک نستعین[3] کہہ اُٹھتا ہے۔

بہترین دُعا

بہترین دُعا وہ ہوتی ہے جو تمام خیروں کی جامع ہو۔ اور تمام مضرات سے مانع ہو۔ اس لئے انعمت علیھم کی دُعا میں حضرت آدمؑ سے لے کر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلّم کے زمانہ تک کے کُل مُنعَم علیہم لوگوں کے انعامات کے حصُول کی دُعا ہے۔ اور غیر المغضوب علیھم ولا الضالین[4] میں ہر قسم کی مضرتوں سے بچنے کی دُعا ہے۔

اسلام تلوار سے نہیں پھیلا

اسلام کی نسبت جو اعتراض کیا جاتا ہے۔ کہ تلوار سے پھیلایا گیا ہے۔ یہ بالکل غلط ہے۔ اسلام نے تلوار اس وقت تک نہیں اُٹھائی جبتک کہ سامنے تلوار نہیں دیکھی۔ قرآن شریف میں صاف طور پر لکھا ہے۔ کہ جس قسم کے ہتھیاروں سے دشمن اسلام پر حملہ کرے۔ اسی قسم کے ہتھیار استعمال کرو۔ مہدی کے بارہ میں کہتے ہیں کہ آکر تلوار سے کام لے گا۔ یہ صحیح نہیں۔ اب تلوار کہاں ہے جو تلوار نکالی جاوے۔ پھر افسوس تو یہ ہے کہ باوجودیکہ مسیح ان لوگوں کے مسلّمات کو تسلیم کریگا۔ اور فرشتوں کے ساتھ آسمان

[1] البقرۃ: ۳۱ [2] الفاتحہ: ۴ [3] الفاتحہ: ۵ [4] الفاتحہ: ۷

سے اُترے گا۔ مگر پھر بھی اس پر کُفر کا فتویٰ دیا جائے گا۔ جیسا کہ کتابوں سے ثابت ہے بلکہ ایک شخص اُٹھ کر کہہ دے گا۔ ان ھذا الرّجل غیّر دیننا۔

ہم چاہتے ہیں کہ ہماری جماعت کے لوگ ان دلائل سے باخبر ہوں۔ تاکہ کسی محفل میں اُن کو شرمندہ نہ ہونا پڑے۔ میر محمد سعید صاحب حیدر آبادی اور یعقوب علی صاحب اور چند دوست ایسی کتابیں سوال و جواب کے طور پر تالیف کریں جو ہمارے مقاصد کو لئے ہوئے ہوں اور مدرسہ میں رائج کی جاویں۔"

(الحکم جلد ۱۲۔ نمبر ۴۴ مورخہ ۲۶ جولائی ۱۹۰۸ء)

---

۱۷ اکتوبر ۱۹۰۰ء کی صبح کو حضرت اقدس علیہ السلام حسب معمول سیر کو تشریف لیگئے اور فرمایا:۔

پیغمبر خداؐ سے عالم کشف میں استفادہ

"بہت دفعہ ایسا اتفاق ہوتا ہے کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم ایک بات بتلاتے ہیں۔ میں اس کو سُنتا ہوں۔ مگر آپؐ کی صُورت نہیں دیکھتا ہوں۔ غرض یہ ایک حالت ہوتی ہے جو بَین الکَشفِ وَالاِلہام ہوتی ہے۔"

مسیح موعودؑ کے دو نشان

رات کو آپؑ نے مسیح موعود کے متعلق یہ فرمایا ہے:۔

"یضع الحرب ویصالح النّاس۔ یعنی ایک طرف تو جنگ و جدال اور حَرب کو اُٹھا دے گا۔ دوسری طرف اندرُونی طور پر مصالحت کرا دے گا۔ گویا مسیح موعودؑ کے لئے دو نشان ہوں گے۔ اوّل بیرونی نشان کہ حَرب نہ ہوگی۔ دوسرا۔ اندرونی نشان کہ باہم مصالحت ہو جاوے گی۔ پھر اس کے بعد فرمایا۔ سلمان منّا اھل البیت۔ سلمان یعنی دو صُلحیں اور پھر فرمایا علیٰ مشرب الحسن۔ یعنی حضرت حسنؓ میں

بھی دو ہی صُلحیں تھیں۔ ایک صُلح تو اُنہوں نے حضرت معاویہؓ کے ساتھ کرلی۔ دوسری صحابہؓ کی باہم صُلح کرادی۔ اس سے معلوم ہوا کہ مسیح موعود حسنی المشرب ہے۔ حجج الکرامہ میں نواب صدیق حسن خاں نے لکھا بھی ہے کہ بعض روایتوں میں آیا ہے۔ کہ مہدی حسنی ہوگا۔ اس کے بعد فرمایا۔ حسنؓ کا دُودھ پئے گا۔

مہدی کا کام

جو لوگ کہتے ہیں کہ مہدی آپؐ کی آل میں سے ہوگا۔ یہ مسئلہ اس الہام سے حل ہوگیا۔ اور مسیح موعود کا جو مہدی بھی ہے۔ کام بھی معلوم ہوگیا۔ پس وہ جو لوگ کہتے ہیں۔ کہ وہ آتے ہی تلوار چلائے گا اور کافروں کو قتل کرے گا۔ جھوٹے ہیں۔ اصل بات یہی ہے۔ جو اس الہام میں بتلائی گئی ہے۔ کہ وہ دو صلحوں کا وارث ہوگا۔ یعنی بیرُونی طور پر بھی صُلح کریگا۔ اور اندرونی طور پر بھی مصالحت ہی کرا دے گا۔ اور آل کا لفظ اپنے اندر ایک حقیقت رکھتا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ آل چونکہ وارث ہوتی ہے۔ اس لئے انبیاء علیہم السلام کے وارث یا آل وہ لوگ ہوتے ہیں۔ جو اُن کے علُوم کے رُوحانی وارث ہوں۔ اسی واسطے کہا گیا ہے کہ کل تقی و نقی آلی۔

آیت مَاکَفَرَ سُلَیْمٰنُ کی تفسیر

مولوی جمال دین صاحب ساکن سیدوالہ نے قرآن کی اس آیت کی تفسیر پوچھی۔ مَاکَفَرَ سُلَیْمٰنُ[1]۔ فرمایا:۔

بعض نابکار قومیں حضرت سُلیمان علیہ السلام کو بُت پرست کہتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس آیت میں اُن کی تردید کرتا ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ قرآن شریف واقعات پر بحث کرتا ہے۔ اور قرآن کُل دنیا کی صداقتوں کا مجموعہ ہے اور سب دین کی کتابوں کا فخر ہے جیسے فرمایا ہے۔ فِیْھَا کُتُبٌ قَیِّمَةٌ[2]۔ اور یَتْلُوْا صُحُفًا مُّطَھَّرَةً[3]۔ پس قرآن کریم کے معنی کرتے وقت خارجی قصّوں کو نہ لیں۔ بلکہ واقعات کو مدّنظر رکھنا چاہیئے۔

[1] البقرة: ۱۰۳ [2] البیّنة: ۴ [3] البیّنة: ۳

مثلاً قرآن کریم نے جو سُورۃ فاتحہ کو الحمد للہ رب العالمین۔ الرحمن۔ الرحیم مالک یوم الدین اسماء سے شروع کیا ہے۔ تو اُس میں کیا راز تھا۔ چونکہ بعض قومیں اللہ تعالیٰ کی ہستی پر اُس کی صفات ربّ۔ رحیم۔ رحمٰن۔ مالک یوم الدین سے مُنکر تھیں۔ اس لئے اس طرز کو لیا۔ یہ یاد رکھو کہ جس نے قرآن کریم کے الفاظ اور فقرات کو جو قانونی ہیں۔ ہاتھ میں نہیں لیا۔ اُس نے قرآن کا قدر نہیں سمجھا۔

اب دیکھو یہاں خالق العالمین نہیں فرمایا۔ بلکہ ربّ العالمین فرمایا۔ (اور ربّ العالمین اسلئے بھی فرمایا تاکہ یہ ثابت کرے کہ وہ بسائط اور عالم امر کا بھی ربّ ہے۔ کیونکہ بسیط چیزیں امر سے ہیں اور مرکب خلق سے) اس لئے کہ بعض قومیں ربُوبیت کی منکر ہیں۔ اور کہتی ہیں کہ ہم کو جو کچھ ملتا ہے مثلاً اگر دُودھ ملتا ہے۔ تو اگر ہم کوئی گُناہ کر کے گائے یا بھینس وغیرہ کی جُون میں نہ جاتے۔ تو دُودھ ہی نہ ہوتا اور خلق چونکہ قطع و بُرید کرنے کا نام ہے۔ اس لئے اس موقعہ پر ربّ العالمین کو جو اُس سے افضل تر ہے۔ بیان فرمایا۔ اسی طرح پر رحمانیت۔ رحیمیت کے منکر دنیا میں موجود ہیں۔

غرض قرآن کریم مذاہب باطلہ کے عقائد فاسدہ کو مدنظر رکھ کر ایک سلسلہ شروع فرماتا ہے۔ اسی طرح پر اس قِصّہ میں حضرت سلیمٰن علیہ السلام کی بریّت منظور ہے۔ اور اُن کو اس ناپاک الزام سے بَری کرنا مقصُود ہے جو اُن پر لگایا جاتا ہے۔ کہ وہ بُت پرست تھے۔ خدا تعالیٰ نے فرمایا۔ وَمَا كَفَرَ سُلَيْمٰنُ[1] سلیمان نے کُفر نہیں کیا۔

(الحکم جلد ۴۔ نمبر ۴۰ صفحہ ۳۔ ۴ مورخہ ۱۷؍ نومبر ۱۹۰۰ء)

۲۰؍ اکتوبر ۱۹۰۰ء

دو[2] قسم کی مخلوق

مولوی جمال الدین صاحب سید والہ نے اپنے واقعات سُنائے جس پر حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا۔

[1] البقرۃ : ۱۰۳

آج میں ایدناہ بروح القدس[1] کی بحث لکھتا تھا جس میں مَیں نے بتایا ہے کہ مسیح کی کوئی خصوصیت نہیں۔ رُوح القدس کے فرزند وہ تمام سعادتمند اور راستباز لوگ ہیں جن کی نسبت قرآن شریف میں اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَکَ عَلَیْھِمْ سُلْطَانٌ (سورہ حجر)[2] وارد ہے اور قرآن کریم سے دو قسم کی مخلوق ثابت ہوتی ہے۔ اوّل وہ جو رُوح القدس کے فرزند ہیں اور بن باپ پیدا ہونا کوئی خصوصیت نہیں۔ دوم شیطان کے فرزند۔

(الحکم جلد ۱۲ نمبر ۴۴ صفحہ ۳ مورخہ ۲۶ جولائی ۱۹۰۸ء)

۲۱ اکتوبر ۱۹۰۰ء۔

ایک اہم پیشگوئی

صبح کی سیر میں علماء سُوء کی حالت پر افسوس کرتے ہوئے فرمایا۔ کہ

"کوئی ایسا آدمی ہو۔ جو ان کو جا کر سمجھا دے اور کہے کہ تم کوئی نشان مل کر صدقِ دل سے دیکھو۔ پھر فرمایا۔ یہ لوگ کم ہی امید ہے کہ رجوع کریں مگر جو آئندہ ذریت ہوگی وہ ہماری ہی ہوگی۔

(الحکم جلد ۱۲ نمبر ۴۴ صفحہ ۳ مورخہ ۲۶ جولائی ۱۹۰۸ء)

۲۴ اکتوبر ۱۹۰۰ء

دوزخ عارضی ہے اور بہشت دائمی

صبح کی سیر میں بہشت و دوزخ کے مسئلہ پر گفتگو کرتے ہوئے فرمایا۔ کہ

"قرآن شریف میں جہاں کہیں اللہ تعالیٰ نے بہشت کا ذکر فرمایا ہے وہاں بہشت کے انعامات کی نسبت عطاءً غیر مجذوذ[3] فرمایا ہے اور ہونا بھی ایسا ہی چاہئیے تھا

[1] البقرۃ: ۸۸ [2] الحجر: ۴۳ [3] ھود: ۱۰۹

اگر ایسا نہ ہوتا تو اُمّید ہی نہ رہتی اور مایوسی پیدا ہوتی۔ اس لئے کہ بہشت کے دوامی انعاموں کو دیکھ کر مسرت بڑھتی ہے۔ اور دوزخ کے ایک معیّن عرصہ تک ہونے سے امید پیدا ہوتی ہے۔ جیسے ایک شاعر نے اس کو یوں بیان کیا ہے ؎

گویند کہ بحشر جُستجو خواہد بود
واں یار عزیز تُند خو خواہد بود
از خیر محض شرّے نیاید ہرگز
خوش باش کہ انجام بخیر خواہد بود

ہمارا ایمان یہی ہے کہ دوزخ میں انسان ایک عرصہ تک رہیں گے پھر نکل آئینگے گویا جن کی اصلاح نبوّت سے نہیں ہوسکی۔ اُن کی اصلاح دوزخ کرے گا۔ حدیث میں آیا ہے۔ یأتی علٰے جھنّم زمانٌ لیس فیھا احدٌ۔ یعنی جہنّم پر ایک زمانہ ایسا آئے گا۔ کہ اس میں کوئی متنفّس نہیں ہوگا۔ اور نسیم صبا اُس کے دروازوں کو کھٹکھٹائیگی۔

(الحکم جلد ۵ نمبر ۱۹ صفحہ ۳ مورخہ ۲۴ مئی سنہ ۱۹۰۱ء)

مُعجزات کے اقسام

مُعجزات مسیحؑ پر گفتگو کے سلسلہ میں فرمایا۔ کہ

"مُعجزات تین قسم کے ہوتے ہیں۔ دعائیہ۔ ارہاصیہ اور قوّت قدسیہ کے مُعجزات۔ ارہاصیہ میں دُعا کو دخل نہیں ہوتا۔ قوّت قدسیہ کے مُعجزات ایسے ہوتے ہیں جیسے رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلّم نے پانی میں اُنگلیاں رکھ دی تھیں اور لوگ پانی پیتے چلے گئے یا کنوئیں میں لب مبارک گرا دیا اور اس کا پانی میٹھا ہوگیا۔ مسیحؑ کے مُعجزات اس قسم کے بھی تھے۔ خود ہم کو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ بادشاہ تیرے کپڑوں سے برکت ڈھونڈیں گے۔"

(الحکم جلد ۱۲ نمبر ۴۴ صفحہ ۴ مورخہ ۲۶ جولائی سنہ ۱۹۰۸ء)

۲۴ر اکتوبر ۱۹۰۰ء

توجہ عام اور توجہ انبیاءؑ میں فرق

"توجہ اور انبیاء علیہم السّلام کی دُعا میں عظیم الشان فرق ہوتا ہے۔ وہ توجہ جو مسمریزم والے کرتے ہیں۔ وہ ایک کسب ہے۔ اور وہ توجہ جو دُعا سے پَیدا ہوتی ہے ایک موہبت الٰہی ہے۔ نبی جبکہ بنی نوع کی ہمدردی سے متاثر ہو جاتا ہے تو خدا تعالےٰ اُس کی فطرت کو ہمہ توجہ بنا دیتا ہے! اور اُس میں قبولیت کا نفخ رکھ دیتا ہے۔"

(الحکم جلد ۵ نمبر ۱۹ صفحہ ۴ مورخہ ۲۴ر مئی ۱۹۰۱ء)

اہلِ ایمان کی علامت

آں خُدائے کہ ازو اہلِ جہان بے خبر اند
برمَن اُو جلوہ نمُودست گر اہلی بپذیر

(مسیح موعود)

یہ تو ہر ایک قوم کا دعویٰ ہے کہ بہتیرے ہم میں سے ہیں کہ خدا تعالےٰ سے محبّت رکھتے ہیں۔ مگر ثبُوت طلب یہ بات ہے کہ خدا تعالیٰ اُن سے محبّت رکھتا ہے یا نہیں۔ اور خدا تعالےٰ کی محبّت یہ ہے کہ پہلے تو اُن دلوں سے پردہ اُٹھاوے جس پردہ کی وجہ سے اچھی طرح انسان خدا تعالیٰ کے وجُود پر یقین نہیں رکھتا اور ایک دُھندلی سی اور تاریک معرفت کے ساتھ اس کے وجود کا قائل ہوتا ہے بلکہ بسا اوقات امتحان کے وقت اُس کے وجُود سے ہی انکار کر بیٹھتا ہے۔ اور یہ پَردہ اُٹھایا جانا بجز مکالمہ الٰہیہ کے اور کسی صورت میں میسّر نہیں آسکتا۔ پس انسان حقیقی معرفت کے چشمہ میں اُس دن غوطہ مارتا ہے جبدن خدا تعالےٰ اُس کو مخاطب کر کے اَنَا الْمَوْجُوْد کی اس کو خود بشارت دیتا ہے۔ تب انسان

کی معرفت صرف اپنے قیاسی ڈھکوسلہ یا محض منقولی خیالات تک محدود نہیں رہتی۔ بلکہ خدا تعالےٰ سے ایسا قریب ہو جاتا ہے۔ کہ گویا اُس کو دیکھتا ہے۔ اور یہ سچ اور بالکل سچ ہے کہ خدا تعالےٰ پر کامل ایمان اُسی دن اُس کو نصیب ہوتا ہے کہ جب اللہ جل شانہٗ اپنے وجود سے اُس کو آپ خبر دیتا ہے۔ اور پھر دوسری علامت خدا تعالیٰ کی محبّت کی یہ ہے کہ اپنے پیارے بندوں کو صرف اپنے وجود کی خبر ہی نہیں دیتا۔ بلکہ اپنی رحمت اور فضل کے آثار بھی خاص طور پر اُن پر ظاہر کرتا ہے اور وُہ اس طرح پر کہ اُن کی دُعائیں جو ظاہری امیدوں سے بڑھکر ہوں۔ قبوُل فرما کر اپنے الہام اور کلام کے ذریعہ سے اُن کو اطّلاع دیتا ہے۔ تب اُن کے دل تسلّی پکڑ جاتے ہیں۔ کہ یہ ہمارا قادِر خدا ہے۔ جو ہماری دعائیں سُنتا ہے۔ اور ہم کو اطلاع دیتا اور مشکلات سے ہمیں نجات دیتا ہے۔ اسی روز سے نجات کا مسئلہ بھی سمجھ میں آتا ہے اور خدا تعالےٰ کے وجود کا بھی پتہ لگتا ہے اگرچہ جگانے اور متنبّہ کرنے کے لئے کبھی کبھی غیروں کو بھی سچّی خواب آسکتی ہے۔ مگر اس طریق کا مرتبہ اور شان اور رنگ اَور ہے۔ یہ خدا تعالیٰ کا مکالمہ ہے جو خاص مقرّبوں ہی سے ہوتا ہے۔ اور جب مقرّب انسان دُعا کرتا ہے۔ تو خدا تعالیٰ اپنی خُدائی کے جلال کے ساتھ اس پر تجلّی فرماتا ہے اور اپنی رُوح اُس پر نازل کرتا ہے اور اپنی محبّت سے بھرے ہوئے لفظوں کے ساتھ اس کو قبولیّت دعا کی بشارت دیتا ہے اور جس کسی سے یہ مکالمہ کثرت سے وقوُع میں آتا ہے اس کو نبی یا **مُحدَّث** کہتے ہیں اور سچے مذہب کی یہی نشانی ہے کہ اس مذہب کی تعلیم سے ایسے راستباز پیدا ہوتے ہیں جو محدّث کے درجہ تک پہنچ جائیں جن سے خدا تعالیٰ آمنے سامنے کلام کرے۔ اور اسلام کی حقیقت اور حقانیت کی اوّل نشانی یہی ہے کہ اس میں ہمیشہ ایسے راستباز جن سے خدا تعالیٰ ہم کلام ہو پیدا ہوتے ہیں۔ تَتَنَزَّلُ عَلَیْھِمُ الْمَلٰٓئِکَۃُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا[۱] (سورہ حٰم سجدہ) سو یہی معیار حقیقی سچے اور زندہ اور مقبوُل مذہب کا ہے اور ہم جانتے ہیں کہ یہ نُور صرف

[۱] حٰمٓ السجدہ : ۳۱

اسلام میں ہے۔ دُوسرے مذاہب اس رَوشنی سے بے نصیب ہیں۔ اور اُن مذاہب کے بُطلان کے لئے یہی دلیل ہزار دلائل سے بڑھ کر ہے۔ کہ مُردہ ہرگز زندہ کا مقابلہ نہیں کرسکتا اور نہ اندھا سوجاکھے کے ساتھ پُورا اتر سکتا ہے۔ (ونعم ماقیل)

کوئی مذہب نہیں ایسا کہ نشان دکھلائے
یہ ثمر باغ محمدؐ سے ہی کھایا ہم نے

(الحکم جلد ۵ نمبر ۱۹ صفحہ ۴ مورخہ ۲۴ مئی ۱۹۰۱ء)

بعثت کی غرض

"یہ عاجز تو محض اس غرض کے لئے بھیجا گیا ہے کہ تا یہ پیغام خلق اللہ کو پہنچا دے کہ تمام مذاہب موجُودہ میں سے وُہ مذہب حق پر اور خدا تعالیٰ کی مرضی کے موافق ہے۔ جو قرآن کریم لایا ہے اور دارالنجاۃ میں داخل ہونے کے لئے دروازہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ ہے۔"

(الحکم جلد ۵ نمبر ۱۹ صفحہ ۴ مورخہ ۲۴ مئی ۱۹۰۱ء)

تخلقوا باخلاق اللہ

"میرے دل میں یہ بات آئی ہے کہ الحمد للّٰہ رب العلمین الرحمن الرحیم مَالک یوم الدّین سے یہ ثابت ہے کہ انسان اِن صفات کو اپنے اندر لے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے لئے ساری صفتیں سزاوار ہیں جو ربّ العالمین ہے۔ یعنی ہر عالَم میں۔ نُطفہ میں مُضغہ وغیرہ سارے عالَموں میں غرض ہر عالَم میں۔ پھر رحمٰن ہے پھر رحیم ہے۔ اور مالک یوم الدّین ہے۔ اب اِیَّاکَ نَعْبُدُ جو کہتا ہے۔ تو گویا اس عبادت میں وہی ربُوبیّت۔ رحمانیّت۔ رحیمیّت اور مالکیّت صفات کا پرتَو انسان کو اپنے اندر لینا

چاہیئے۔کمال عبد انسان کا یہی ہے کہ تخلّقوا باخلاق اللہ یعنی اللہ تعالیٰ کے رنگ میں رنگین ہو جاوے اور جبتک اس مرتبہ تک نہ پہنچ جاوے نہ تھکے نہ ہارے۔اس کے بعد خود ایک کشش اور جذب پیدا ہو جاتا ہے جو عبادت الٰہی کی طرف اُسے لے جاتا ہے۔ اور وہ حالت اُس پر وارد ہو جاتی ہے جو یَفْعَلُوْنَ مَا یُؤْمَرُوْنَ[1] کی ہوتی ہے۔

(الحکم جلد ۵ نمبر ۱۹ صفحہ ۴ مورخہ ۲۴؍مئی ۱۹۰۱ء)

۳۰؍اکتوبر ۱۹۰۰ء۔حسب معمول حضرت اقدس امام ہمام علیہ السلام سیر کو تشریف لیگئے راستہ میں فرمایا:۔

نبوت اور قرآن شریف کی کلید

میرے دعویٰ کا فہم کلید ہے نبوت اور قرآن شریف کی۔جو شخص میرے دعوے کو سمجھ لے گا۔نبوت کی حقیقت اور قرآن شریف کے فہم پر اُس کو اطلاع دی جاوے گی۔اور جو میرے دعویٰ کو نہیں سمجھتا۔اُس کو قرآن شریف پر اور رسالت پر پورا یقین نہیں ہو سکتا۔

قرآن شریف میں جو یہ آیت آئی ہے۔اَفَلَا یَنْظُرُوْنَ اِلَی الْاِبِلِ کَیْفَ خُلِقَتْ[2] یہ آیت نبوت اور امامت کے مسئلہ کو حل کرنے کے واسطے بڑی مُعاون ہے۔اُونٹ کے عربی زبان میں ہزار کے قریب نام ہیں۔اور پھر ان ناموں میں سے ابل کے لفظ کو جو لیا گیا ہے۔ اس میں کیا سِرّ ہے؟ کیوں اِلَی الْجَمَلِ بھی تو ہو سکتا تھا؟

اصل بات یہ معلوم ہوتی ہے۔کہ جمل ایک اُونٹ کو کہتے ہیں اور ابل اسم جمع ہے۔ یہاں اللہ تعالیٰ کو چونکہ تمدنی اور اجماعی حالت کا دکھانا مقصود تھا۔اور جمل میں جو ایک اُونٹ پر بولا جاتا ہے۔یہ فائدہ حاصل نہ ہوتا تھا۔اس لئے ابل کے لفظ کو پسند فرمایا اُونٹوں میں ایک دوسرے کی پیروی اور اطاعت کی قوت رکھی ہے۔دیکھو۔اُونٹوں کی ایک لمبی قطار ہوتی ہے اور وہ کس طرح پر اُس اُونٹ کے پیچھے ایک خاص انداز اور رفتار سے چلتے ہیں۔ اور وہ اُونٹ جو سب سے پہلے بطور امام اور پیشرو کے ہوتا ہے۔وُہ ہوتا ہے جو بڑا تجربہ کار

[1] النحل: ۵۱ [2] الغاشیہ: ۱۸

اور راستہ سے واقف ہو۔ پھر سب اُونٹ ایک دوسرے کے پیچھے برابر رفتار سے چلتے ہیں۔ اور اُن میں سے کسی کے دل میں برابر چلنے کی ہوس پیدا نہیں ہوتی۔ جو دوسرے جانوروں میں ہے۔ جیسے گھوڑے وغیرہ میں۔ گویا اُونٹ کی سرشت میں اتباع امام کا مسئلہ ایک مانا ہوا مسئلہ ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے افلا ینظرون الی الابل کہہ کر اس مجموعی حالت کی طرف اشارہ کیا ہے۔ جبکہ اُونٹ ایک قطار میں جا رہے ہوں۔ اسی طرح پر ضروری ہے کہ تمدنی اور اتحادی حالت کو قائم رکھنے کے واسطے ایک امام ہو۔

پھر یہ بھی یاد رہے کہ یہ قطار سفر کے وقت ہوتی ہے۔ پس دُنیا کے سفر کو قطع کرنے کے واسطے جب تک ایک امام نہ ہو انسان بھٹک بھٹک کر ہلاک ہو جاوے۔

پھر اونٹ زیادہ بارکش اور زیادہ چلنے والا ہے۔ اس سے صبر و برداشت کا سبق ملتا ہے۔

پھر اُونٹ کا خاصہ ہے کہ وہ لمبے سفروں میں کئی کئی دنوں کا پانی جمع رکھتا ہے۔ غافل نہیں ہوتا۔ پس مومن کو بھی ہر وقت اپنے سفر کے لئے تیار اور محتاط رہنا چاہیئے۔ اور بہترین زادِ راہ تقویٰ ہے۔ فَاِنَّ خَیْرَ الزَّادِ التَّقْوٰی[1]

اُنْظُرْ کے لفظ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دیکھنا بچوں کی طرح دیکھنا نہیں ہے۔ بلکہ اس سے اتباع کا سبق ملتا ہے کہ جس طرح پر اُونٹ میں تمدنی اور اتحادی حالت کو دکھایا گیا ہے۔ اور ان میں اتباع امام کی قوّت ہے۔ اسی طرح پر انسان کے لئے ضروری ہے۔ کہ وہ اتباع امام کو اپنا شعار بنا دے کیونکہ اُونٹ جو اس کے خادم ہیں۔ اُن میں بھی یہ مادہ موجود ہے۔

"کَیْفَ خُلِقَتْ" میں ان فوائدِ جامع کیطرف اشارہ ہے جو ابل کی مجموعی حالت سے پہنچتے ہیں۔" (الحکم جلد ۴ نمبر ۴۲ صفحہ ۴-۵ مورخہ ۲۴ نومبر ۱۹۰۰ء)

[1] البقرۃ: ۱۹۸

مسئلہ تناسخ پر جرح

"تناسخ کا مسئلہ اللہ تعالیٰ کی سخت توہین کا باعث ہے۔ اور اخلاقی قوتوں کو خاک میں ملا دینے والا ہے۔ کیونکہ جب یہ مان لیا گیا کہ دُنیا میں جو کچھ ملتا ہے۔ وہ ہمارے اعمال کا نتیجہ ہے تو پھر یہ بھی ساتھ ہی ماننا پڑے گا کہ معاذاللہ خدا بالکل معطّل پڑا ہوا ہے۔ کیونکہ خلق کے متعلق یہ مان لیا گیا ہے کہ وُہ کچھ بھی پیدا نہیں کر سکتا۔ اور ایک ذرّہ کا بھی وہ خالق نہیں۔ اور اُدھر یہ مانا گیا کہ دُنیا میں جو کچھ ملتا ہے وہ اپنے عملوں ہی سے ملتا ہے۔ مثلاً اگر کوئی شخص ایسے بُرے عمل نہ کرے کہ وہ گائے یا بھینس کی جُون میں جاوے یا بھیڑ بکری بنے تو پھر دُودھ ہی نہ ملے اور اسی طرح پر کچھ بھی نہیں مل سکتا۔ پھر ایسا خدا جو نہ کچھ پیدا کرتا ہے اور نہ کسی کو کچھ دیتا ہے وہ ایک معطّل خُدا نہ ہوا تو اَور کیا ہوا۔ پھر اس تناسخ کے مسئلہ سے اخلاقی قوتوں پر یہ بڑی زد پڑتی ہے کہ انسان میں جو غیرت کی قوت رکھی گئی ہے اس کا ستیاناس ہوتا ہے۔ کیونکہ جب کوئی ایسی فہرست وید نے نہیں دی کہ فلاں شخص فلاں جُون میں چلا گیا ہے۔ تو یہ کیوں ممکن نہیں کہ ایک آدمی کسی وقت اور کسی جُون میں اپنی ماں بہن سے بھی شادی کر کے بچے پیدا کرے یا باپ گھوڑا بن جاوے۔ اور بیٹا اس پر سوار ہو کر چابکوں سے اُس کی خبر لے۔ غرض کہ یہ مسئلہ بہت ہی بُرے اور ناپاک نتیجوں کے پیدا کرنے والا ہے۔ تناسخ ہی کیا کم تھا جو آریوں نے نیوگ بھی ویدوں میں سے نکال لیا۔" (الحکم جلد ۴ نمبر ۴۲ صفحہ ۵ مورخہ ۲۴ نومبر ۱۹۰۰ء)

---

۳ نومبر ۱۹۰۰ء

نکات عشرہ

۱۔ رحمانیت و رحیمیت کا مظہر

رحمانیت کا مظہرِ تام محمد صلے اللہ علیہ وسلم ہے۔ کیونکہ محمدؐ کے معنے ہیں بہت تعریف

کیا گیا۔ اور رحمان کے معنی ہیں بلا مُزد و بن مانگے بلا تفریق مومن و کافر کو دینے والا۔ اور یہ صاف بات ہے کہ جو بن مانگے دیگا۔ اُس کی تعریف ضرور کی جائے گی۔ پس محمدؐ میں رحمانیت کی تجلّی تھی۔ اور اسم احمدؐ میں رحیمیت کا ظہور تھا۔ کیونکہ رحیم کے معنے ہیں محنتوں اور کوششوں کو ضائع نہ کرنے والا اور احمدؐ کے معنے ہیں تعریف کرنے والا۔ اور یہ بھی عام بات ہے کہ وہ شخص جو کسی کا عمدہ کام کرتا ہے۔ وہ اُس سے خوش ہو جاتا ہے اور اُس کی محنت پر ایک بدلہ دیتا ہے۔ اور اُس کی تعریف کرتا ہے۔ اِس لحاظ سے احمدؐ میں رحیمیت کا ظہور ہے۔ پس اللہ محمد (رحمٰن) احمد (رحیم) ہے۔ گویا رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی ان دو عظیم الشان صفات رحمانیت و رحیمیت کے مظہر تھے۔"

۲۔ دُنیا ایک ریل گاڑی

"دُنیا ایک ریل گاڑی ہے۔ اور ہم سب کو عُمر کے ٹکٹ دیئے گئے ہیں۔ جہاں جہاں کسی کا سٹیشن آتا جاتا ہے۔ اس کو اُتار دیا جاتا ہے۔ یعنی وہ مَر جاتا ہے۔ پھر انسان کِس زندگی پر خیالی پلاؤ پکاتا اور لمبی اُمیدیں باندھتا ہے۔"

۳۔ معراج کا سِرّ

"معراج انقطاع تام تھا اور سِرّ اس میں یہ تھا کہ تا رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نقطۂ نفسی کو ظاہر کیا جاوے۔ آسمان پر ہر ایک رُوح کے لئے ایک نقطہ ہوتا ہے۔ اس سے آگے وُہ نہیں جاتی۔ رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا نقطۂ نفسی عرش تھا۔ اور رفیق اعلےٰ کے معنے بھی خدا ہی کے ہیں۔ پس رسُول کریم صلے اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر اور کوئی معزّز و مکرّم نہیں ہے۔"

۴۔ نماز تعویذ ہے

"نماز انسان کا تعویذ ہے۔ پانچ وقت دُعا کا موقعہ ملتا ہے۔ کوئی دُعا تو سُنی جائیگی۔ اس لئے نماز کو بہت سنوار کر پڑھنا چاہیئے۔ اور مجھے یہی بہت عزیز ہے۔"

۵۔ فاتحہ کی سات آیات کی حکمت

"سورۃ فاتحہ کی سات آیتیں اسی واسطے رکھی ہیں کہ دوزخ کے سات دروازے ہیں پس ہر ایک آیت گویا ایک دروازہ سے بچاتی ہے۔"

۶۔ اصل جنّت

"اعلیٰ درجے کی خوشی خدا میں ملتی ہے۔ جس سے پرے کوئی خوشی نہیں ہے۔ جنّت پوشیدہ کو کہتے ہیں۔ اور جنّت کو جنّت اس لئے کہتے ہیں کہ وہ نعمتوں سے ڈھکی ہوئی ہے۔ اصل جنّت خدا ہے۔ جس کی طرف تردّد منسوب ہی نہیں ہوتا۔ اس لئے بہشت کے اعظم ترین انعامات میں رِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ[1] ہی رکھا ہے۔ انسان انسان کی حیثیت سے کسی نہ کسی دُکھ اور تردّد میں ہوتا ہے۔ مگر جس قدر قربِ الٰہی حاصل کرتا جاتا ہے اور تخلقوا باخلاق اللہ سے رنگین ہوتا جاتا ہے۔ اسی قدر اصل سُکھ اور آرام پاتا ہے۔ جس قدر قربِ الٰہی ہوگا۔ لازمی طور پر اُسی قدر خدا کی نعمتوں سے حصّہ لے گا۔ اور رَفع کے معنے اسی پر دلالت کرتے ہیں۔

نجات کا رَفع خدا ہی کی طرف مرفوع ہو کر ہوتی ہے۔ اور جس کا رفع نہ ہو وہ اَخْلَدَ إِلَى الْأَرْضِ[2] ہو جاتا ہے۔ پس رفعِ مسیحؑ سے مراد اُن کے نجات یافتہ ہونے کی طرف ایما ہے۔ اور یہ رُوحانی مراتب ہیں۔ جن کو ہر ایک آنکھ دیکھ نہیں سکتی کہ کیونکر ایک انسان آسمان کی طرف اُٹھایا جاتا ہے۔"

۷۔ نزُول سے مراد

"نزول سے مُراد عزّت و جلال کا اظہار ہوتا ہے۔ پس ہمارا نزُول بھی یہی شان رکھتا ہے۔ پھر نزُول سے پہلے منارہ کا وجود تو خود ہی ہو جائے گا۔ نزُول سے مراد محض بعثت نہیں ہوتی"

۸۔ سورۃ فاتحہ کی جامع تفسیر

"الحمد للہ سے قرآن شریف اسی لئے شروع کیا گیا ہے۔ تاکہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

[1] التوبۃ: ۷۲ [2] الاعراف: ۱۷۷

کے نام کی طرف ایما ہو۔ اِھۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِیۡمَ [1] سے پایا جاتا ہے۔ کہ جب انسانی کوششیں تھک کر رہ جاتی ہیں تو آخر اللہ تعالیٰ ہی کی طرف رجوع کرنا پڑتا ہے۔

دُعا کامل تب ہوتی ہے۔ کہ ہر قسم کی خیر کی جامع ہو۔ اور ہر شر سے بچاوے پس اِھۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِیۡمَ میں ساری خیر جمع ہیں۔ اور غَیۡرِ الۡمَغۡضُوۡبِ عَلَیۡہِمۡ وَلَا الضَّآلِّیۡنَ [2] میں سب شروں حتیٰ کہ دجّالی فتنہ سے بچنے کی دُعا ہے۔ مغضوب سے بالاتفاق یہودی اور الضالین سے نصاریٰ مُراد ہیں۔ اب اگر اس میں کوئی رمز اور حقیقت نہ تھی تو اس دُعا کی تعلیم سے کیا غرض تھی؟ اور پھر ایسی تاکید کہ اس دُعا کے بدُوں نماز ہی نہیں ہوتی۔ اور ہر رکعت میں اُس کا پڑھا جانا ضروری قرار دیا۔ بھید اس میں یہی تھا کہ یہ ہمارے زمانہ کی طرف ایما ر ہے۔ اس وقت صراط مستقیم یہی ہے جو ہماری راہ ہے۔"

۹۔ مسیحؑ کی شبیہ کا افسانہ

"کہتے ہیں کہ مسیحؑ کی شبیہ کو سُولی دی گئی۔ مگر میں کہتا ہوں کہ اس میں حصر عقلی یہی بتاتا ہے کہ وہ شخص جو مسیحؑ کی شبیہ بنایا گیا یا دشمن ہوگا یا دوست۔ اگر وہ دشمن تھا تو ضرور تھا کہ وہ شور مچاتا۔ کہ میں مسیح نہیں ہوں۔ اور میرے فلاں رشتہ دار موجود ہیں۔ میرا اپنی بیوی کے ساتھ فلاں راز ہے۔ مسیحؑ کو میں ایسا سمجھتا ہوں۔ غرض وہ شور مچا کر اپنی صفائی اور بریّت کرتا۔ حالانکہ کسی تاریخ صحیح سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ جو شخص صلیب پر لٹکایا گیا تھا۔ اُس نے شور مچا کر رہائی حاصل کر لی تھی۔

اور اگر وُہ مسیحؑ کا دوست اور حواری ہی تھا۔ پھر صاف بات ہے کہ وہ مومن باللہ تھا۔ اور وہ صلیب پر مرنے کی وجہ سے بلا وجہ ملعُون ہوا۔ اور خدا نے اُس کو ملعُون بنایا۔ رہی یہ بات کہ مصلُوب ملعُون کیوں ہوتا ہے؟ یہ عام بات ہے کہ جو چیز کسی فرقہ سے تعلق رکھتی ہے۔ وہ اُس کے ساتھ منسُوب ہو جاتی ہے۔ سُولی کو مجرموں کے ساتھ تعلق

[1] الفاتحہ : ۶ [2] الفاتحہ : ۷

ہے جو گویا کاٹ دینے کے قابل ہوتے ہیں۔ اور خدا کا تعلق مجرم کے ساتھ کبھی نہیں ہوتا۔ یہی لعنت ہے۔اس وجہ سے وُہ لعنتی ہوتا ہے۔

اس لئے یہ کبھی نہیں ہو سکتا کہ ایک مومن ناکردہ گُناہ ملعُون قرار دیا جاوے۔ پس یہ دونو باتیں غلط ہیں۔ اصل وُہی ہے جو اللہ تعالیٰ نے ہم پر ظاہر کی کہ مسیحؑ کی حالت غشی وغیرہ سے ایسی ہو گئی جیسے مُردہ ہوتے ہیں۔"

انبیاء خبیث امراض سے محفوظ رکھے جاتے ہیں

"انبیاء علیہم السلام اور اللہ تعالےٰ کے مامُور خبیث اور ذلیل بیماریوں سے محفوظ رکھے جاتے ہیں۔ مثلاً جیسے آتشک ہو جذام ہو۔ یا اور کوئی ایسی ذلیل مرض۔ یہ بیماریاں خبیث لوگوں ہی کو ہوتی ہیں۔ الخبیثات للخبیثین[1]۔ اس میں عام لفظ رکھا ہے اور نکات بھی عام ہیں۔ اس لئے ہر خبیث مرض سے اپنے مامُوروں اور برگزیدوں کو بچا لیتا ہے۔ یہ کبھی نہیں ہوتا کہ مومن پر جھُوٹا الزام لگایا جاوے اور وہ بَری نہ کیا جاوے خصوصاً مُصلح اور مامُور۔ اور یہی وجہ ہے کہ مُصلح یا مامُور حسب نسب کے لحاظ سے بھی ایک اعلیٰ درجہ رکھتا ہے۔ اگرچہ ہمارا مذہب یہی ہے اور یہی سچی بات ہے کہ خدا تعالےٰ کے نزدیک تکریم اور تعظیم کا معیار صرف تقویٰ ہی ہے۔ اور ہم یہ مانتے ہیں کہ چُوہڑا بھی مسلمان ہو کر اعلیٰ درجہ کا قرب اور درجہ اللہ تعالےٰ کے حضور حاصل کر سکتا ہے۔ اور وہاں کسی خاص قوم یا ذات کیلئے فضل مخصُوص نہیں ہے۔ مگر سُنّت اللہ اسی طرح پر جاری ہے کہ وہ جس کو مامُور یا مُصلح مقرر فرماتا ہے۔ اس کو ایک اعلےٰ خاندان میں ہونے کا شرف دیتا ہے۔ اور یہ اس لئے کہ لوگوں پر اُس کا اثر پڑے اور کوئی طعنہ نہ دے سکے۔"

(بروایت صاحبزادہ میاں محمود احمد صاحب درمجمع
تشحیذ الاذہان مندرجہ الحکم جلد ۵ نمبر ۶ صفحہ
۶-۷ مورخہ ۱۷ فروری ۱۹۰۱ء)

[1] النور : ۲۷

۱۵ر نومبر ۱۹۰۱ئہ

نبیؐ اور صُوفی کے نمونہ عمل میں فرق

خیانت اور ریاکاری دو ایسی چیزیں ہیں کہ اُن کی رفتار بہت ہی سُست اور دھیمی ہے۔ اگر کسی زاہد کو فاسق کہہ دیا جاوے تو اُسے ایک لذت آجائے گی اس واسطے کہ وُہ راز جو اُس کے اور اُس کے محبُوب و مَولیٰ کے درمیان ہے وہ مخفی معلوم دیگا۔ صُوفی کہتے ہیں کہ خالص مومن جبکہ عین عبادت میں مصرُوف ہو۔ اور وُہ اپنے آپ کو پوشیدہ کر کے کسی حجرہ یا کوٹھڑی کے دروازے بند کر کے بیٹھا ہو۔ ایسی حالت میں اگر کوئی شخص اُس پر چلا جاوے تو وہ ایسی طرح شرمندہ ہو جائے گا۔ جیسے ایک بدکار اپنی بدکاری کو چھپاتا ہے۔ جیسے کہ اس قسم کے مومن کو کسی کے فاسق کہنے سے ایک لذت آتی ہے۔ اسی طرح دیانت دار کو کسی کے بددیانت کہنے سے جوش میں نہیں آنا چاہیئے۔

ہاں ! انبیاءؑ میں ایک قسم کا اِستتار ہوتا ہے کیونکہ اگر وُہ اپنی عبادت اور افعال کو چھپائیں تو دُنیا ہلاک ہوجاوے۔ مثلاً اگر نبی نے نماز پڑھ لی ہو اور کوئی کہے کہ دیکھو اس نے نماز نہیں پڑھی۔ تو اُس کو چُپ رہنا مناسب نہیں ہوتا اور اُس کو بتلانا پڑتا ہے کہ تم غلط کہتے ہو۔ مَیں نے نماز پڑھ لی ہے اسلئے کہ اگر وہ نہ کہے دوسرے لوگ دھوکہ میں پڑ کر ہلاک ہو سکتے ہیں بس نبیوں کو ضرور ہوتا ہے کہ وہ اپنی عبادات کا ایک حصہ ظاہر طور پر کریں اور لوگوں کو دکھانا مقصُود ہوتا ہے۔ تاکہ ان کو سکھاویں۔ یہ ریا نہیں ہوتی۔ اگر کوئی کہے کہ خضر نے ایسے کام کیوں کئے۔ جن میں شریعت کی خلاف ورزی کا مظنّہ تھا۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ خضر صاحب شریعت نہ تھا ولی تھا۔ انبیاء علیہم السّلام کے لئے دو نو حصے ہوتے ہیں۔ اس لئے اُن کو سِرًّا وَّعَلَانِیَۃً نیکی کرنے کا حکم ہوتا ہے۔"

ایک شیعہ صاحب سے مُخاطبہ شیعہ سُنّی تنازعات میں خُدائی حَکَم

"میری حیثیت ایک معمولی مولوی کی حیثیت نہیں ہے بلکہ میری حیثیت سُننِ انبیاء کی سی حیثیت

ہے۔ مجھے ایک سماوی آدمی مانو۔ پھر یہ سارے جھگڑے اور تمام نزاعیں جو مسلمانوں میں پڑی ہوئی ہیں۔ ایک دم میں طے ہو سکتی ہیں۔ جو خدا کی طرف سے مامور ہو کر حَکَم بن کر آیا ہے جو معنے قرآن شریف کے وہ کریگا۔ وُہی صحیح ہوں گے اور جس حدیث کو وہ صحیح قرار دے گا۔ وُہی صحیح حدیث ہوگی۔

ورنہ شیعہ سُنّی کے جھگڑے آج تک دیکھو کب طے ہونے میں آتے ہیں۔ شیعہ اگر تبرا کرتے ہیں تو بعض ایسے بھی ہیں۔ جو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی نسبت کہتے ہیں۔

برخلافت دلش بسے مائل

لیک بوبکر شُد درمیاں حائل

مگر میں کہتا ہوں کہ جبتک یہ اپنا طریق چھوڑ کر مجھ میں ہو کر نہیں دیکھتے۔ یہ حق پر ہرگز نہیں پہنچ سکتے۔ اگر ان لوگوں کو اَور یقین نہیں تو اتنا تو ہونا چاہیئے۔ کہ آخر مرنا ہے۔ اور مَرنے کے بعد گند سے تو کبھی نجات نہیں ہو سکتی۔ سب وشتم جب ایک شریف آدمی کے نزدیک پسندیدہ چیز نہیں ہے۔ تو پھر خدائے قدوس کے حضور عبادت کب ہو سکتی ہے؟ اسی لئے تو میں کہتا ہوں کہ میرے پاس آؤ، میری سُنو تاکہ تمہیں حق نظر آوے میں تو سارا ہی چولہ اُتارنا چاہتا ہوں۔ سچی توبہ کر کے مومن بَن جاؤ۔ پھر جس امام کے تم منتظر ہو۔ میں کہتا ہوں وہ مَیں ہوں۔ اس کا ثبوت مجھ سے لو۔ اس لئے میں نے اس خلیفہ بلافصل کے سوال کو عزت کی نظر سے نہیں دیکھا۔ میں ایسے گندے سوال کو کیا کروں۔ انہیں گندوں کو نکالنے کے واسطے تو خدا نے مجھے بھیجا ہے۔

زندہ امام کو مانو

دیکھو۔ سُنّی اُن کی حدیثوں کو لغو ٹھہراتے ہیں۔ یہ اپنی حدیثوں کو مرفوع متصل اور آئمہ سے مَروی قرار دیتے ہیں۔ ہم کہتے ہیں یہ سب جھگڑے فضول ہیں۔ اب مُردہ باتوں کو چھوڑو۔ اور ایک زندہ امام کو شناخت کرو۔ کہ تمہیں زندگی کی رُوح ملے۔ اگر تمہیں خدا

کی تلاش ہے تو اُس کو ڈھونڈو۔ جو خدا کی طرف سے مامُور ہو کر آیا ہے۔ اگر کوئی شخص خُبث کو نہیں چھوڑتا۔ تو کیا ہم اندھے ہیں۔ مُنافق کے دل کی بَد بُو نہیں سُونگھتے۔ ہم انسان کو فوراً تاڑ جاتے ہیں۔ کہ اس کی بات اس بنا پر ہے۔ پس یاد رکھو۔ خدا نے یہی راہ پسند کی ہے جو میں بتاتا ہوں۔ اور یہ اقرب راہ اُسی نے نکالی ہے۔ دیکھو۔ جو ریل جیسی آرام دہ سواری کو چھوڑ کر ایک لنگڑے مریل ٹٹّو پر سوار ہوتا ہے وہ منزل پر پہنچ نہیں سکتا۔ افسوس یہ لوگ خدا کی باتوں کو چھوڑ کر زید بکر کی باتوں پر مَرتے ہیں۔ اُن سے پوچھو کہ وہ حدیثیں کِس نے دی ہیں۔

میں تو بار بار یہی کہتا ہوں کہ ہمارا طریق تو یہ ہے کہ نئے سر سے مُسلمان بنو۔ پھر اللہ تعالیٰ اصل حقیقت خود کھول دے گا۔ میں سچ کہتا ہوں کہ اگر وُہ امام جن کے ساتھ یہ اس قدر محبّت کا غلو کرتے ہیں زندہ ہوں تو اُن سے سخت بیزاری ظاہر کریں۔

زندہ علی

جب ہم ایسے لوگوں سے اعراض کرتے ہیں تو پھر کہتے ہیں کہ ہم نے ایسا اعتراض کیا جس کا جواب نہ آیا۔ اور پھر بعض اوقات اشتہار دیتے پھرتے ہیں۔ مگر ہم ایسی باتوں کی کیا پرواہ کر سکتے ہیں۔ ہم کو تو وُہ کرنا ہے۔ جو ہمارا کام ہے۔

اس لئے یاد رکھو کہ پُرانی خلافت کا جھگڑا چھوڑو۔ اب نئی خلافت لو۔ ایک زندہ علی تم میں موجود ہے اُس کو چھوڑتے ہو اور مُردہ علی کی تلاش کرتے ہو۔"

(الحکم جلد ۴ نمبر ۴۱۔ صفحہ ۱-۲ مورخہ ۱۰؍ نومبر ۱۹۰۰ء)

۸؍ دسمبر ۱۹۰۰ء۔

الہام

فرمایا۔ "کل رات میری اُنگلی کے پوٹے میں درد تھا اور اس شدّت کے ساتھ درد

تھا کہ مجھے خیال آیا تھا کہ رات کیونکر بسر ہو گی۔ آخر ذرا سی غنودگی ہوئی اور الہام ہوا۔ کُوْنِی بَرْدًا وَّ سَلَامًا۔ اور سلامًا کا لفظ ابھی ختم نہ ہونے پایا تھا۔ کہ معًا درد جاتا رہا ایسا کہ کبھی ہوا ہی نہیں تھا۔"

اپنی وحی پر یقین

نیز فرمایا۔ کہ

"ہم کو تو خدا تعالیٰ کے اس کلام پر جو ہم پر وحی کے ذریعہ نازل ہوتا ہے۔ اس قدر یقین اور علیٰ وجہ البصیرۃ یقین ہے کہ بیت اللہ میں کھڑا کر کے جس قسم کی چاہو قسم دیدو۔ بلکہ میرا تو یقین یہانتک ہے۔ کہ اگر میں اس بات کا اِنکار کروں۔ یا وہم بھی کروں کہ یہ خدا کی طرف سے نہیں تو معًا کافر ہو جاؤں۔"

(الحکم جلد ۴ نمبر ۴۴ صفحہ ۶ مورخہ ۱۰ دسمبر ۱۹۰۰ء)

---

۱۳ دسمبر ۱۹۰۰ء۔

کتاب "عصائے موسیٰ"

الٰہی بخش لاہوری مخالف کی کتاب "عصائے موسیٰ" تمام وکمال پڑھ کر حضرت اقدسؑ نے فرمایا:۔

"اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ اس کی فضولیات کو چھوڑ کر چند گھنٹوں کا کام ہے اس کا جواب دیدینا۔ لیکن میں محض ترحّم سے کچھ مدت تک اس کو چھوڑ دیتا ہوں۔ کہ وہ لوگ بھی خوش ہو لیں۔ آخر پُرانے رفیق تھے۔

سچے جھوٹے میں نصرت الٰہی فرق کرتی ہے

نیز اس اثنا میں بہت سے لوگوں کے فہم اور عقلیں اور ایمان ہمیں معلوم ہو جائینگے کہ کون کون اس پر ریویو کرتا ہے۔ اور کیا کرتا ہے۔ اور کون کون اس کے وسوسوں سے متاثر ہوتا ہے۔ بہر حال مصلحت یہی ہے کہ ایک وقت تک اس سے اغماض کیا جاوے۔

یہ مت سمجھو کہ ہمارے حق میں یہ کتاب شر ہے۔ یقینًا یاد رکھو کہ خدا تعالیٰ نے اس کے

ہماری بڑی خیر کا ارادہ فرمایا ہے۔ آخری فیصلہ کی راہ خدا تعالیٰ کی نصرتوں اور تائیدوں کے سوا کیا ہوسکتی ہے۔ جو اعتراض اُس نے ہم پر کئے ہیں۔ وُہی نصاریٰ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی ذاتیات پر کرتے ہیں۔ آخر اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا لِّيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ[1] نے فیصلہ کر دیا کہ سارے جُزوی اعتراض باطل تھے۔ حضرت موسیٰ پر آریوں نے کیا کیا اعتراض کئے کہ فرعونیوں کا مال اُنہوں نے غبن کیا۔ اور بچے مارے اور یہ کیا اور وُہ کیا۔ مگر نصرت الٰہی نے غرقِ فرعون اور آپؑ کی نجات سے فیصلہ کر دیا۔ کہ حق کِس کی طرف تھا۔ غرض نصرتِ الٰہی آخر کار بڑا فیصلہ کُن قاضی ہوتی ہے۔ ہمارے اور اُن کے درمیان یہی نصرتِ الٰہی اور تائیداتِ سماوی فیصلہ کُن ہونگی۔"

(الحکم جلد ۴ نمبر ۴ صفحہ ۲ مورخہ ۱۷ر دسمبر ۱۹۰۰ء از خط مولانا عبدالکریم صاحب)

۲۲ر دسمبر ۱۹۰۰ء۔

ڈاکٹر محمد اسماعیل صاحب آپکی نظر میں

ڈاکٹر محمد اسمٰعیل صاحب کو مخاطب کرکے فرمایا۔

"ڈاکٹر صاحب! ہمارے دوست دو قسم کے ہیں۔ ایک وہ جن کے ساتھ ہم کو کوئی حجاب نہیں۔ اور دوسرے وُہ جن کو ہم سے حجاب ہے۔ اس لئے اُن کے دل کا اثر ہم پر پڑتا ہے۔ اور ہم کو اُن سے حجاب رہتا ہے۔ جن لوگوں سے ہم کو کوئی حجاب نہیں ہے اُن میں سے ایک آپ بھی ہیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ ہمارے وہ دوست جن کو ہم سے کچھ حجاب نہیں رہا۔ وہ ہمارے پاس رہیں۔ کیونکہ موت کا کچھ اعتبار نہیں ہے۔ ہم سب کے سب عمر کی ایک تیز رفتار گاڑی پر سوار ہیں اور مختلف مقامات کے ٹکٹ ہمارے پاس ہیں کوئی دس برس کی منزل پر اُتر جاتا ہے۔ کوئی بیس۔ کوئی تیس اور بہت ہی کم ۸۰ برس کی منزل پر جبکہ یہ حال ہے تو پھر کیا بدنصیب وُہ انسان ہے۔ کہ وہ اُس وقت کی جو اُس کو دیا گیا

[1] الفتح: ۲، ۳

ہے۔ کچھ قدر نہ کرے۔ اور اُس کو ضائع کر دے۔

نماز میں خشوع

انسان کی زاہدانہ زندگی کا بڑا بھاری معیار نماز ہے۔ وہ شخص جو خدا کے حضور نماز میں گریاں رہتا ہے امن میں رہتا ہے۔ جیسے ایک بچہ اپنی ماں کی گود میں چیخ چیخ کر روتا ہے۔ اور اپنی ماں کی محبت اور شفقت کو محسوس کرتا ہے۔ اسی طرح پر نماز میں تضرع اور ابتہال کے ساتھ خدا کے حضور گڑگڑانے والا اپنے آپ کو ربوبیت کی عطوفت کی گود میں ڈال دیتا ہے۔ یاد رکھو اُس نے ایمان کا حظ نہیں اُٹھایا جس نے نماز میں لذت نہیں پائی۔ نماز صرف ٹکروں کا نام نہیں ہے۔ بعض لوگ نماز کو تو دو چار چونچیں لگا کر جیسے مرغی ٹھونگیں مارتی ہے۔ ختم کرتے ہیں۔ اور پھر لمبی چوڑی دُعا شروع کرتے ہیں۔ حالانکہ وہ وقت جو اللہ تعالیٰ کے حضور عرض کرنے کے لئے ملا تھا۔ اُس کو صرف ایک رسم اور عادت کے طور پر جلد جلد ختم کرنے میں گزار دیتے ہیں۔ اور حضور الٰہی سے نکل کر دُعا مانگتے ہیں۔ نماز میں دُعا مانگو۔ نماز کو دُعا کا ایک وسیلہ اور ذریعہ سمجھو۔

پوری تضرّع سے عرض حال کیا جائے

فاتحہ۔ فتح کرنے کو بھی کہتے ہیں۔ مومن کو مومن اور کافر کو کافر بنا دیتی ہے۔ یعنی دونوں میں ایک امتیاز پیدا کر دیتی ہے اور دل کو کھولنے، سینہ میں ایک انشراح پیدا کرتی ہے۔ اس لئے سورۂ فاتحہ کو بہت پڑھنا چاہیئے۔ اور اس دُعا پر خوب غور کرنا ضروری ہے۔ انسان کو واجب ہے۔ کہ وہ ایک سائل کامل اور محتاج مطلق کی صورت بنا دے اور جیسے ایک فقیر اور سائل نہایت عاجزی سے کبھی اپنی شکل سے اور کبھی آواز سے دوسرے کو رحم دلاتا ہے۔ اسی طرح سے چاہیئے۔ کہ پوری تضرّع اور ابتہال کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے حضور عرض حال کرے۔

پس جب تک نماز میں تضرّع سے کام نہ لے۔ اور دُعا کے لئے نماز کو ذریعہ قرار نہ

دے۔ نماز میں لذت کہاں۔

اپنی زبان میں دُعائیں کریں

یہ ضروری بات نہیں ہے کہ دعائیں عربی زبان میں کی جاویں۔ چونکہ اصل غرض نماز کی تضرع اور ابتہال ہے۔ اس لئے چاہیئے۔ کہ اپنی مادری زبان میں ہی کرے۔ انسان کو اپنی مادری زبان سے ایک خاص اُنس ہوتا ہے اور وہ پھر اس پر قادر ہوتا ہے۔ دوسری زبان سے خواہ اس میں کس قدر بھی دخل ہو اور مہارت کامل ہو۔ ایک قسم کی اجنبیت باقی رہتی ہے۔ اس لئے چاہیئے کہ اپنی مادری زبان ہی میں دعا مانگیے"۔

موت کو یاد رکھو کہ اچانک آجاتی ہے

کسی کو کیا معلوم ہے کہ ظہر کے بعد عصر کے وقت تک زندہ رہے۔ بعض وقت ایسا ہوتا ہے کہ یکدفعہ ہی دوران خون بند ہو کر جان نکل جاتی ہے۔ بعض دفعہ چنگے بھلے آدمی مر جاتے ہیں۔ وزیر محمد حسن خاں صاحب ہواخوری کر کے آئے تھے۔ اور خوشی خوشی زینے پر چڑھنے لگے۔ ایک دو زینے چڑھے ہونگے کہ چکر آیا بیٹھ گئے۔ نوکر نے کہا کہ میں سہارا دوں کہا نہیں۔ پھر دو تین زینے چڑھے پھر چکر آیا اور اسی چکر کیساتھ جان نکل گئی۔ ایسا ہی غلام محی الدین کونسل کشمیر کا ممبر یکدفعہ ہی مر گیا۔ غرض موت کے آجانے کا ہم کو کوئی وقت معلوم نہیں کہ کس وقت آجاوے۔ اسی لئے ضروری ہے کہ اس سے بے فکر نہ ہوں۔ پس دین کی غمخواری ایک بڑی چیز ہے جو سکرات الموت میں سرخرو رکھتی ہے۔ قرآن شریف میں آیا ہے۔ اِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَيْءٌ عَظِيْمٌ[1]۔ ساعت سے مراد قیامت بھی ہوگی۔ ہم کو اس سے انکار نہیں۔ مگر اس میں سکرات الموت ہی مراد ہے۔ کیونکہ انقطاعِ تام کا وقت ہوتا ہے۔ انسان اپنے محبوبات اور مرغوبات سے یک دفعہ الگ ہوتا ہے۔ اور ایک عجیب قسم کا زلزلہ اُس پر طاری ہوتا ہے گویا اندر ہی اندر وہ ایک شکنجہ میں ہوتا ہے۔ اس لئے انسان کی تمام تر سعادت یہی ہے کہ وہ موت

[1] الحج : ۲

کا خیال رکھے۔ اور دنیا اور اُس کی چیزیں اس کی ایسی محبوبات نہ ہوں جو اس آخری ساعت میں علیحدگی کے وقت اُس کی تکالیف کا مُوجب ہوں۔ دنیا اور اُس کی چیزوں کے متعلق ایک شاعر نے کہا ہے ؎

ایں ہمہ درکشتنت آہنگ
گاہ بصلح کشند و گاہ بجنگ

اِنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ کی تفسیر

قرآن کریم نے اس مضمون کو اس آیت میں ادا کردیا ہے۔ اَنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ[1]۔ اَموالکُم میں عورتیں داخل ہیں۔ عورت چونکہ پردہ میں رہتی ہے۔ اس لئے اس کا نام بھی پردہ ہی میں رکھا ہے۔ اور اس لئے بھی کہ عورتوں کو انسان مال خرچ کرکے لاتا ہے۔ مال کا لفظ مائل سے لیا گیا ہے یعنی جس کی طرف طبعاً توجہ اور رغبت کرتا ہے۔ عورت کی طرف بھی چونکہ طبعًا توجہ کرتا ہے۔ اس لئے اس کو مال میں داخل فرمایا ہے۔ مال کا لفظ اس لئے رکھا۔ تاکہ عام محبُوبات پر حادی نہ ہو۔ ورنہ اگر صرف نِسَاء کا لفظ ہوتا۔ تو اولاد اور عورت دو چیزیں قرار دی جاتیں۔ اور اگر محبُوبات کی تفصیل کی جاتی۔ تو پھر دس جزو میں بھی ختم نہ ہوتا۔ غرض مال سے مراد کُلَّ مَا يَمِيْلُ اِلَيْهِ الْقَلْبُ ہے۔ اولاد کا ذکر اس لئے کیا۔ کہ انسان اولاد کو جگر کا ٹکڑا اور اپنا وارث سمجھتا ہے۔

مختصر یہ کہ اللہ تعالےٰ اور انسان کے محبوبات میں ضد ہے۔ دونو باتیں ایک جا جمع نہیں ہوسکتیں۔

عورتوں سے حُسنِ سلوک

اس سے یہ مت سمجھو کہ پھر عورتیں ایسی چیزیں ہیں کہ ان کو بہت ذلیل اور حقیر

[1] الانفال: ۲۹

قرار دیا جاوے۔ نہیں نہیں۔ ہمارے ہادیٔ کامل رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ خیرکم خیرکم لاھلہ۔ تم میں سے بہتر وہ شخص ہے جس کا اپنے اہل کے ساتھ عمدہ سلوک ہو۔ بیوی کے ساتھ جس کا عمدہ چال چلن اور معاشرت اچھی نہیں۔ وہ نیک کہاں دوسروں کے ساتھ نیکی اور بھلائی تب کر سکتا ہے۔ جب وہ اپنی بیوی کے ساتھ عمدہ سلوک کرتا ہو۔ اور عمدہ معاشرت رکھتا ہو۔ نہ یہ کہ ہر ادنیٰ بات پر زدوکوب کرے۔ ایسے واقعات ہوتے ہیں۔ کہ بعض دفعہ ایک غصّہ سے بھرا ہوا انسان بیوی سے ادنیٰ سی بات پر ناراض ہو کر اُس کو مارتا ہے اور کسی نازک مقام پر چوٹ لگی ہے اور بیوی مرگئی ہے اس لئے اُن کے واسطے اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے۔ کہ وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ[۱]۔ ہاں اگر وہ بیجا کام کرے۔ تو تنبیہ ضروری چیز ہے۔

انسان کو چاہیئے کہ عورتوں کے دل میں یہ بات جما دے کہ وہ کوئی ایسا کام جو دین کے خلاف ہو کبھی بھی پسند نہیں کر سکتا اور ساتھ ہی وہ ایسا جابر اور ستم شعار نہیں کہ اس کی کسی غلطی پر بھی چشم پوشی نہیں کر سکتا۔

مرد کو کیا بننا چاہیئے

خاوند عورت کے لیئے اللہ تعالیٰ کا مظہر ہوتا ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے۔ کہ اگر اللہ تعالیٰ اپنے سوا کسی کو سجدہ کرنے کا حکم دیتا۔ تو عورت کو حکم دیتا کہ وہ اپنے خاوند کو سجدہ کرے۔ پس مرد میں جلالی اور جمالی رنگ دونو موجود ہونے چاہئیں۔ اگر خاوند عورت کو کہے کہ تو اینٹوں کا ڈھیر ایک جگہ سے اُٹھا کر دوسری جگہ رکھ دے۔ تو اس کا حق نہیں ہے کہ اعتراض کرے۔ ایسا ہی قرآن کریم اور حدیث شریف سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ مُرشد کے ساتھ مُرید کا تعلق ایسا ہونا چاہیئے۔ جیسا عورت کا تعلق مرد سے ہو۔ مُرشد کے کسی حکم کا اِنکار نہ کرے۔ اور اُس کی دلیل نہ پوچھے۔ یہی وجہ ہے۔ کہ قرآن کریم میں اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیھم[۲] فرمایا ہے۔ کہ منعم علیہ

[۱] النساء: ۲۰ [۲] الفاتحہ: ۶، ۷

کی راہ کے مقید رہیں۔ انسان چونکہ طبعاً آزادی کو چاہتا ہے پس حکم کر دیا۔ کہ اس راہ کو اختیار کرے۔ تجربہ کار ڈاکٹر اگر غلطی بھی کرے۔ تو جاہل کے علاج سے بہتر ہے ایک جاہل کے پاس اگر اعلےٰ درجہ کے تیز اوزار ہیں۔ لیکن ہاتھ حاذق ڈاکٹر کا نہ ہو۔ تو وہ اوزار کیا فائدہ پہنچا سکتے ہیں۔ کسی نے کہا ہے ؎

اگر دستِ سلیمانی نہ باشد
چہ خاصیت دہد نقش سلیمانی

پس قرآن کریم ایک تیز ہتھیار ہے۔ لیکن اس کے استعمال کے لئے اعلیٰ درجہ کے ڈاکٹر کی ضرورت ہے۔ جو خدا تعالیٰ کی تائیدات سے فیض یافتہ ہو۔

یہ ضروری بات ہے کہ دل پاک ہو۔ لیکن ہر جگہ یہ دولت میسر نہیں آسکتی تھی اس لئے اللہ تعالیٰ نے نبیوں کو پیدا کیا۔ مگر ہر شخص نبی نہیں ہوتا اور وہ مقدار کم ہے۔ آدمؑ ہی ایک ہے۔ جو نُطفہ کے بغیر پیدا ہوا ہے۔ اسی طرح میرا یہ الہام ہے۔ اردت ان استخلف فخلقتُ اٰدم۔

میرے الہام میں مجھے آدم کیوں کہا گیا

یہ اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ اس کو کسی کی بیعت اور مُریدی کی ضرورت نہ ہوگی بلکہ جیسے آدم کو خدا نے اپنے جمالی اور جلالی ہاتھ سے پیدا کیا ہے۔ یہ خلیفۃ اللہ بھی اسی کے ہاتھ کا تربیت یافتہ اور اسی کے ہاتھ پر بیعت کرنے والا ہوگا۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے مجھ کو ان سلسلوں سے الگ رکھا جو منہاج نبوت کے خلاف ہیں۔ اب جبکہ یہ حال ہے کہ دل کی پاکیزگی کا حاصل کرنا ضروری ہے۔ اور یہ حاصل نہیں ہوسکتی جبتک منہاج نبوت پر آئے ہوئے پاک انسان کی صُحبت میں نہ بیٹھے۔ اس کی صحبت کی توفیق نہیں مل سکتی جبتک اوّلاً انسان یہ یقین نہ کرے کہ وہ ایک مَرنے والی ہستی ہے۔ یہی ایک بات ہے۔ جو اس کو صادق کی صحبت کی توفیق عطا فرماوے۔ حدیث شریف میں آیا ہے

کہ جب اللہ تعالیٰ کسی بندہ کے لئے نیکی کا ارادہ کرتا ہے تو اُس کے دل میں ایک واعظ پیدا کر دیتا ہے۔ سب سے بڑھ کر واعظ یہ ہے کہ وہ کُونُوا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ[1] کی حقیقت کو سمجھ لے۔

صحابہ کرامؓ کا رنگ پیدا کرو

صحابہ کرامؓ کی حالت کو دیکھو کہ انہوں نے رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں رہنے کے لئے کیا کچھ نہ کیا۔ جو کچھ انہوں نے کیا۔ اسی طرح پر ہماری جماعت کو لازم ہے کہ وہی رنگ اپنے اندر پیدا کریں بدُوں اس کے کہ وہ اس اصلی مطلب کو جس کے لئے میں بھیجا گیا ہوں۔ پا نہیں سکتے۔ کیا ہماری جماعت کو زیادہ حاجتیں اور ضرورتیں لگی ہوئی ہیں جو صحابہؓ کو نہ تھیں۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ وہ رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھنے اور آپ کی باتیں سُننے کے واسطے کیسے حریص تھے۔

اللہ تعالیٰ نے اس جماعت کو جو مسیح موعودؑ کے ساتھ ہے یہ درجہ عطا فرمایا ہے۔ کہ وہ صحابہؓ کی جماعت سے ملنے والی ہے۔ وَاٰخَرِیْنَ مِنْھُمْ لَمَّا یَلْحَقُوْا بِھِمْ[2] مفسروں نے مان لیا ہے۔ کہ یہ مسیح موعودؑ والی جماعت ہے۔ اور یہ گویا صحابہؓ کی ہی جماعت ہوگی۔ اور وہ مسیح موعودؑ کے ساتھ نہیں۔ درحقیقت رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہی ساتھ ہیں۔ کیونکہ مسیح موعودؑ آپ ہی کے ایک جمال میں آئے گا۔ اور تکمیل تبلیغ اشاعت کے کام کے لئے وہ مامُور ہوگا۔

متبعین کے لئے دُعا

اس لئے ہمیشہ دل غم میں ڈُوبتا رہتا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ ہماری جماعت کو بھی صحابہؓ کے انعامات سے بہرہ وُر کرے ان میں وہ صدق و وفا، وہ اخلاص اور اطاعت پیدا ہو۔ جو صحابہؓ میں تھی۔ یہ خدا کے سوا کسی سے ڈرنیوالے نہ ہوں۔ متقی ہوں۔ کیونکہ خدا کی محبت متقی کیساتھ ہوتی ہے۔ اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الْمُتَّقِیْنَ[3] (الحکم جلد ۴ نمبر ۴۶ صفحہ ۳ مورخہ ۲۴ دسمبر ۱۹۰۰ء)

---

[1] التوبہ: ۱۱۹ [2] الجمعۃ: ۴ [3] البقرۃ: ۱۹۵

۲۶؍دسمبر ۱۹۰۰ء۔

نواب عماد الملک فتح نواز جنگ سید مہدی حسین صاحب بار ایٹ لا رجو کہ علیگڈھ کالج کے ٹرسٹی تھے۔ بڑے شوق اور اخلاص سے حضرت اقدس ؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضور ؑ نے مندرجہ ذیل تقریر فرمائی ۔

" ہر ایک قدم جو صدق اور تلاشِ حق کے لئے اُٹھایا جاوے۔ اس کا بہت بڑا ثواب اور اجر ملتا ہے۔ مگر عالَم ثواب مخفی عالَم ہے۔ جس کو دنیادار کی آنکھ دیکھ نہیں سکتی۔

بات یہ ہے کہ جیسے اللہ تعالےٰ باوجود آشکارا ہونے کے مخفی اور نہاں در نہاں ہے اور اس لئے **الغیب** بھی اُس کا نام ہے۔ اسی طرح پر **ایمان بالغیب** بھی ایک چیز ہے جو گو مخفی ہوتا ہے مگر عامل کی عملی حالت سے ظاہر ہو جاتا ہے۔ اس زمانہ میں ایمان بالغیب بہت کمزور حالت میں ہے۔ اگر خدا پر ایمان ہو۔ تو پھر کیا وجہ ہے کہ لوگوں میں وہ صدق و حق کی تلاش اور پیاس نہیں پائی جاتی جو ایمان کا خاصہ ہے۔

ایمان کی علامات

خدا کی راہ میں سختی کا برداشت کرنا۔ مصائب اور مشکلات کے جھیلنے کے لئے ہمہ تن تیار ہو جانا ایمانی تحریک ہی سے ہوتا ہے۔ ایمان ایک قوت ہے جو سچی شجاعت اور ہمت انسان کو عطا کرتا ہے۔ اس کا نمونہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی زندگی میں نظر آتا ہے۔ جب وہ رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلّم کے ساتھ ہوئے تو وہ کونسی بات تھی کہ اس طرح پر ایک بیکس ناتوان انسان کے ساتھ ہو جانے سے ہم کو کوئی ثواب ملیگا ظاہری آنکھ تو اس کے سوا کچھ نہ دکھاتی تھی کہ اس ایک کے ساتھ ہونے سے ساری قوموں کو اپنا دشمن بنا لیا ہے۔ جس کا نتیجہ صریح یہ معلوم ہوتا تھا کہ مصائب اور مشکلات کا ایک پہاڑ ٹوٹ پڑیگا۔ اور وہ چکنا چُور کر ڈالیگا۔ اسی طرح پر ہم ضائع ہو جائیں گے۔ مگر کوئی اَور آنکھ بھی تھی جس نے ان مصائب اور مشکلات کو ہیچ سمجھا تھا۔ اور اس راہ میں مَر

جانا اس کی نگاہ میں ایک راحت اور سرور کا موجب تھا۔ اُس نے وہ کچھ دیکھا تھا جو ان ظاہر بین آنکھوں کے نظارہ سے نہاں در نہاں اور بہت ہی دُور تھا۔ وہ ایمانی آنکھ تھی اور ایمانی قوت تھی۔ جو اُن ساری تکلیفوں اور دُکھوں کو بالکل ہیچ دکھاتی تھی۔ آخر ایمان ہی غالب آیا۔ اور ایمان نے وہ کرشمہ دکھایا۔ کہ جس پر ہنستے تھے۔ جس کو ناتواں اور بیکس کہتے تھے۔ اس نے اس ایمان کے ذریعہ اُن کو کہاں پہنچا دیا۔ وہ ثواب اور اجر جو پہلے مخفی تھا۔ پھر ایسا آشکارا ہوا۔ کہ اس کو دنیا نے دیکھا اور محسوس کیا کہ ہاں یہ اسی کا ثمرہ ہے۔ ایمان کی بدولت وہ جماعت صحابہؓ کی نہ تھکی اور نہ ماندہ ہوئی۔ بلکہ قوت ایمانی کی تحریک سے بڑے بڑے عظیم الشان کام کر دکھائے۔ اور پھر بھی کہا تو یہی کہا کہ جو حق کرنے کا تھا نہیں کیا۔ ایمان نے اُن کو وہ قوت عطا کی کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں سر کا دینا اور جانوں کا قربان کر دینا ایک ادنیٰ سی بات تھی۔ اور اہلِ اسلام میں جبکہ ابھی کوئی بیّن نتائج نظر نہ آئے تھے۔ دیکھو۔ کس قدر مسلمانوں نے دشمنوں کے ہاتھوں سے کیسی کیسی تکلیفیں اور مصیبتیں محض لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کہنے کے بدلے برداشت کیں۔ ایک وہ زمانہ تھا۔ کہ سر دینا کوئی بڑی بات نہ تھی اور یا ایک یہ زمانہ ہے کہ ایمانی قوت باوجود اس کے کہ مخالف اس قسم کی اذیتیں نہیں دیتے۔ ایک عادل گورنمنٹ کے سائے میں رہتے ہیں۔ سلطنت کسی قسم کا تعرض نہیں کرتی۔ علوم دین حاصل کرنے کے پورے سامان میسّر ہیں۔ ارکان مذہبی ادا کرنے میں کوئی تکلیف نہیں ہے۔ ایک سجدہ کا کرنا بارگراں معلوم ہوتا ہے۔ غور تو کرو۔ کہاں سر اور کہاں صرف ایک سجدہ! اس سے صاف معلوم ہوتا ہے۔ کہ آج ایمان کیسا انحطاط کی حالت میں ہے۔ اور پھر ایسی حالت میں کہ نماز کا پڑھنا اور وضو کا کرنا طبّی فوائد بھی اپنے ساتھ رکھتا ہے۔

وضو کے فوائد

اطباء کہتے ہیں کہ اگر کوئی ہر روز منہ نہ دھوئے تو آنکھ آجاتی ہے۔ اور یہ نزول الما

کا مقدمہ ہے۔ اور بہت سی بیماریاں اس سے پیدا ہوتی ہیں۔ پھر بتلاؤ کہ وضو کرتے ہوئے کیوں موت آتی ہے۔ بظاہر کیسی عمدہ بات ہے۔ منہ میں پانی ڈال کر کلی کرنا ہوتا ہے۔ مسواک کرنے سے منہ کی بدبو دور ہوتی ہے۔ دانت مضبوط ہو جاتے ہیں۔ اور دانتوں کی مضبوطی غذا کے عمدہ طور پر چبانے اور جلد ہضم ہو جانے کا باعث ہوتی ہے۔ پھر ناک صاف کرنا ہوتا ہے۔ ناک میں کوئی بدبو داخل ہو۔ تو دماغ کو پراگندہ کر دیتی ہے۔ اب بتلاؤ کہ اس میں برائی کیا ہے۔ اس کے بعد وہ اللہ تعالیٰ کی طرف اپنی حاجات لے جاتا ہے۔ اور اس کو اپنے مطالب عرض کرنے کا موقع ملتا ہے۔ دعا کرنے کے لئے فرصت ہوتی ہے۔ زیادہ سے زیادہ نماز میں ایک گھنٹہ لگ جاتا ہے۔ اگرچہ بعض نمازیں تو پندرہ منٹ سے بھی کم میں ادا ہو جاتی ہیں۔ پھر بڑی حیرانی کی بات ہے۔ کہ نماز کے وقت کو تضیع اوقات سمجھا جاتا ہے۔ جس میں اس قدر بھلائیاں اور فائدے ہیں۔ اور اگر سارا دن اور ساری رات لغو اور فضول باتوں یا کھیل اور تماشوں میں ضائع کر دیں تو اس کا نام مصروفیت رکھا جاتا ہے۔ اگر قوی ایمان ہوتا۔ قوی تو ایک طرف اگر ایمان ہی ہوتا تو یہ حالت کیوں ہوتی اور یہانتک نوبت کیوں پہنچتی۔

ناصح سے تنفر

باوجود اس کے کہ اس قدر ایمانی حالت گر گئی ہے۔ اس پر بھی اگر کوئی اس کمزوری کو محسوس کرا کے اس کا علاج کرنا چاہے اور وہ راہ بتائے جس پر چل کر انسان خدا سے ایک قوت اور شجاعت پاتا ہے۔ تو اس کو کافر اور دجال کہا جاتا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ اگر یہ لوگ ایمان کا ایک نتیجہ یقین نہیں کر سکتے۔ تو کم از کم فرض ہی کر لیں۔ فرض پر بھی تو بڑے بڑے نتائج مترتب ہو جاتے ہیں۔ دیکھو۔ اقلیدس کا سارا مدار فرض ہی پر ہے۔ اس سے بھی کس قدر فوائد پہنچتے ہیں۔ بڑے بڑے علوم کی بنا اوّلاً فرض پر ہی ہوتی ہے۔ پس اگر ایمان کو بھی فرض کر کے ہی اختیار کر لیتے۔ تب بھی

یقین ہے۔ کہ وہ خالی ہاتھ نہ رہتے۔ مگر یہاں تو اب تو یہ حال ہو گیا ہے۔ کہ وہ سرے ہی سے اس کو ایک بے معنی شئے سمجھتے ہیں۔

صحابہ کرامؓ

میں پھر صحابہؓ کی حالت کو نظیر کے طور پر پیش کر کے کہتا ہوں۔ کہ انہوں نے رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم پر ایمان لاکر اپنی عملی حالت میں دکھایا۔ کہ وہ خدا جو غیب الغیب ہستی ہے اور جو باطل پرست مخلوق کی نظروں سے پوشیدہ اور نہاں ہے۔ انہوں نے اپنی آنکھ سے ہاں آنکھ سے دیکھ لیا ہے۔ ورنہ بتاؤ تو سہی۔ کہ وہ کیا بات تھی۔ جس نے ان کو ذرا بھی پرواہ نہیں ہونے دی کہ قوم چھوڑی، ملک چھوڑا۔ جائیدادیں چھوڑیں۔ احباب اور رشتہ داروں سے قطع تعلق کیا۔ وہ صرف خدا ہی پر بھروسہ تھا۔ اور ایک خدا پر بھروسہ کر کے انہوں نے وہ کر کے دکھایا۔ کہ اگر تاریخ کی ورق گردانی کریں۔ تو انسان حیرت اور تعجب سے بھر جاتا ہے۔ ایمان تھا اور صرف ایمان تھا۔ اور کچھ نہ تھا۔ ورنہ بالمقابل دُنیاداروں کے منصوبے اور تدبیریں اور پوری کوششیں اور سرگرمیاں تھیں پر وہ کامیاب نہ ہوسکے۔ ان کی تعداد، جماعت، دولت سب کچھ زیادہ تھا۔ مگر ایمان نہ تھا۔ اور صرف ایمان ہی کے نہ ہونے کی وجہ سے وہ ہلاک ہو گئے۔ اور کامیابی کی صورت نہ دیکھ سکے۔ مگر صحابہؓ نے ایمانی قوت سے سب کو جیت لیا۔ انہوں نے جب ایک شخص کی آواز سنی جس نے باوصفیکہ اُمّی ہونے کی حالت میں پرورش پائی تھی۔ مگر اپنے صدق اور امانت اور راستبازی میں شہرت یافتہ تھا جب اُس نے کہا کہ میں اللہ تعالےٰ کی طرف سے آیا ہوں۔ یہ سُنتے ہی ساتھ ہو گئے اور پھر دیوانوں کی طرح اس کے پیچھے چلے۔ میں پھر کہتا ہوں کہ وہ صرف ایک ہی بات تھی جس نے اُن کی یہ حالت بنادی۔ اور وہ ایمان تھا۔ یاد رکھو خدا پر ایمان بڑی چیز ہے +

خدایابی کیلئے مجاہدہ کی مثال

انگریزی اور مغربی قومیں دُنیا کی تلاش اور خواہش میں لگی ہوئی ہیں۔ ابتدا میں ایک موہُوم اور خیالی امید پر کام شروع کرتے ہیں۔ سینکڑوں جانیں ضائع ہوتی ہیں۔ ہزاروں لاکھوں روپے برباد ہوتے ہیں۔ آخر ایک بات پا ہی لیتے ہیں۔ پھر کس قدر افسوس اور تعجب اُن پر ہے۔ جو کہتے ہیں۔ خدا نہیں مل سکتا۔ کس نے مجاہدہ اور سعیٰ کی اور پھر خدا کو نہیں پایا؟ خدا تو ملتا ہے اور بہت جلد ملتا ہے۔ لیکن اس کے پانے والے کہاں؟؟؟

خدا کے متعلق راستبازوں کی شہادت

اگر کوئی یہ شُبہ پیش کرے۔ کہ خدا نہیں ہے۔ تو یہ بڑی بیہودہ بات ہے۔ اور اس سے بڑھ کر کوئی نادانی اور بیوقوفی نہیں ہے۔ جو خدا کا انکار کیا جاوے۔ دنیا میں دو گواہوں کے کہنے سے عدالت ڈگری دیدیتی ہے۔ چند گواہوں کے بیان پر جان جیسی عزیز چیز کے خلاف عدالت فتویٰ دیدیتی ہے۔ اور پھانسی پر لٹکا دیتی ہے۔ حالانکہ شہادتوں میں جعل اور سازش کا اندیشہ ہی نہیں یقین ہوتا ہے۔ لیکن خدا کے متعلق ہزاروں لاکھوں انسانوں نے جو اپنی قوم اور ملک میں مسلّم راستباز نیک چلن تھے۔ شہادت دی ہو۔ اسے کافی نہ سمجھا جاوے۔ اس سے بڑھ کر حماقت اور ہٹ دھرمی کیا ہوگی۔ کہ لاکھوں مقدسوں کی شہادت موجود ہے۔ اور پھر انہوں نے اپنی عملی حالت سے بتا دیا ہے اور خون دل سے یہ شہادت لکھدی ہے۔ کہ خدا ہے اور ضرور ہے۔ اس پر بھی اگر کوئی انکار کرتا ہے تو وہ بیوقوف ہے۔ اور پھر عجیب تو یہ بات ہے۔ کہ کسی معاملہ میں رائے دینے کے لئے ضروری ہے۔ کہ اس کا علم ہو۔ جس شخص کو علم ہی نہیں وہ رائے دینے کا کوئی حق نہیں رکھتا۔ رائے زنی کرے تو کیا وہ احمق اور بیوقوف نہ کہلائے گا۔ ضرور کہلائے گا بلکہ دوسرے دانشمند اس کو شرمندہ کریں گے۔ کہ احمق جبکہ تجھے کچھ واقفیت ہی نہیں۔ تو

پھر توڑانے کس طرح دیتا ہے۔ اس طرح پر جو خدا کی نسبت کہتے ہیں کہ وہ نہیں ہے۔ ان کا کیا حق ہے۔ کہ وہ رائے دیں جبکہ الٰہیات کا علم ہی اُن کو نہیں ہے۔ اور انہوں نے کبھی مجاہدہ ہی نہیں کیا ہے۔

مجاہدہ تو کریں

ہاں اُن کو یہ کہنے کا حق ہو سکتا تھا۔ اگر وہ ایک خدا پرست کے کہنے کے موافق تلاشِ حق میں قدم اُٹھاتے اور خدا کو ڈھونڈتے۔ پھر اگر ان کو خدا نہ ملتا تو بے شک کہہ دیتے کہ خدا نہیں ہے۔ لیکن جبکہ انہوں نے کوئی کوشش اور مجاہدہ نہیں کیا ہے۔ تو ان کو انکار کرنے کا حق نہیں ہے۔ غرض خدا کا وجود ہے۔ اور وہ ایک ایسی شئے ہے۔ کہ جس قدر اس پر ایمان بڑھتا جاوے۔ اسی قدر قوت ملتی جاتی ہے۔ اور وہ نہاں در نہاں ہستی نظر آنے لگتی ہے۔ یہانتک کہ کھُلے کھُلے طور پر اس کو دیکھ لیتا ہے۔ اور پھر یہ قوت دن بدن زیادہ ہوتی جاتی ہے۔ یہی ایک بات ہے۔ جس کی تلاش دنیا کو ہونی چاہیئے مگر آج یہ قوتیں دنیا میں نہیں رہی ہیں۔

صرف جلسے جلوس اور انجمن گری سے قوم ترقی نہیں کرتی

اسلام جو یہ ایمانی قوت لے کر آیا تھا بہت ضعیف ہو گیا ہے۔ اور عام طور پر مسلمانوں نے محسوس کر لیا ہے۔ کہ وہ کمزور ہیں۔ ورنہ کیا وجہ ہے۔ کہ آئے دن جلسے اور مجلسیں ہوتی رہتی ہیں اور نت نئی انجمنیں بنتی جاتی ہیں۔ جن کا یہ دعویٰ ہے کہ وہ اسلام کی حمایت اور امداد کے لئے کام کرتی ہیں مجھے افسوس ہوتا ہے۔ کہ ان مجلسوں میں قوم قوم تو پکارتے ہیں۔ قومی ترقی قومی ترقی کے گیت گاتے ہیں لیکن کوئی مجھ کو یہ بتائے۔ کہ کیا پہلے زمانے میں جب قوم بنی تھی۔ وہ یُورپ کے اتباع سے بنی تھی؟ کیا مغربی قوموں کے نقشِ قدم پر چل کر انہوں نے ساری ترقیاں کی تھیں۔ اگر یہ ثابت ہو جاوے کہ ہاں اسی طرح ترقی کی تھی۔ تو بیشک گناہ ہو گا اگر ہم اہل یُورپ کے نقش قدم پر نہ چلیں۔

ترقی اسلام کے اصولوں سے ہوگی

لیکن اگر ثابت نہ ہو۔ اور ہر گز ثابت نہ ہوگا۔ پھر کس قدر ظلم ہے۔ کہ اسلام کے اصولوں کو چھوڑ کر، قرآن کو چھوڑ کر جس نے ایک وحشی دنیا کو انسان اور انسان سے باخدا انسان بنایا۔ ایک دنیا پرست قوم کی پیروی کی جائے۔ جو لوگ اسلام کی بہتری اور زندگی مغربی دنیا کو قبلہ بنا کر چاہتے ہیں۔ وہ کامیاب نہیں ہو سکتے۔ کامیاب وہی لوگ ہونگے جو قرآن کریم کے ماتحت چلتے ہیں۔

قرآن کو چھوڑ کر کوئی کامیابی نہیں

قرآن کو چھوڑ کر کامیابی ایک ناممکن اور محال امر ہے۔ اور ایسی کامیابی ایک خیالی امر ہے۔ جس کی تلاش میں یہ لوگ لگے ہوئے ہیں۔ صحابہ کے نمونوں کو اپنے سامنے رکھو۔ دیکھو انہوں نے جب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کی اور دین کو دُنیا پر مقدم کیا۔ تو وہ سب وعدے جو اللہ تعالیٰ نے اُن سے کئے تھے۔ پُورے ہوگئے۔ ابتدا میں مخالف ہنسی کرتے تھے کہ باہر آزادی سے نکل نہیں سکتے۔ اور بادشاہی کے دعوے کرتے ہیں لیکن رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت میں گُم ہو کر وہ پایا جو صدیوں سے ان کے حصے میں نہ آیا تھا۔ وہ قرآن کریم اور رسُول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرتے اور اُن ہی کی اطاعت اور پیروی میں دن رات کوشاں تھے۔ اُن لوگوں کی پیروی کسی رسم و رواج تک میں بھی نہ کرتے تھے جن کو کفار کہتے تھے۔ جبتک اسلام اس حالت میں رہا وہ زمانہ اقبال اور عروج کا رہا۔ اس میں بتر یہ تھا۔ ع

خدا داری چہ غم داری

مسلمانوں کی فتوحات اور کامیابیوں کی کلید بھی ایمان تھا۔ صلاح الدین کے مقابلہ پر کس قدر ہجوم ہوا تھا۔ لیکن آخر اس پر کوئی قابُو نہ پا سکا۔ اس کی نیت اسلام کی خدمت تھی غرض ایک مدت تک ایسا ہی رہا۔ جب بادشاہوں نے فسق و فجُور اختیار کیا

پھر اللہ تعالیٰ کا غضب ٹوٹ پڑا۔ اور رفتہ رفتہ ایسا زوال آیا۔ جس کو اب تم دیکھ رہے ہو اب اس مرض کی جو تشخیص کی جاتی ہے۔ ہم اس کے مخالف ہیں۔ ہمارے نزدیک اس تشخیص پر جو علاج کیا جاوے گا۔ وہ زیادہ خطرناک اور مُضر ثابت ہو گا۔ جبتک مسلمانوں کا رجُوع قرآن شریف کی طرف نہ ہو گا۔ اُن میں وہ ایمان پیدا نہ ہو گا، یہ تندرست نہ ہونگے عزت اور عروج اُسی راہ سے آئیگا۔ جس راہ سے پہلے آیا۔

میرا مقصود ترک دنیا کرانا نہیں

میرا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ مسلمان سُست ہو جاویں۔ اسلام کسی کو سُست نہیں بناتا۔ اپنی تجارتوں اور ملازمتوں میں بھی مصروف ہوں۔ مگر میں یہ نہیں پسند کرتا۔ کہ خدا کے لئے ان کا کوئی وقت بھی خالی نہ ہو۔ ہاں تجارت کے وقت پر تجارت کریں۔ اور اللہ تعالےٰ کے خوف و خشیت کو اُس وقت بھی مدنظر رکھیں تاکہ وہ تجارت بھی ان کی عبادت کا رنگ اختیار کر لے۔ نمازوں کے وقت پر نمازوں کو نہ چھوڑیں۔ ہر معاملہ میں کوئی ہو دین کو مقدم کریں۔ دنیا مقصود بالذات نہ ہو۔ اصل مقصود دین ہو۔ پھر دنیا کے کام بھی دین ہی کے ہوں گے۔ صحابہ کرامؓ کو دیکھو کہ انہوں نے مشکل سے مشکل وقت میں بھی خدا کو نہیں چھوڑا۔ لڑائی اور تلوار کا وقت ایسا خطرناک ہوتا ہے۔ کہ محض اس کے تصور سے ہی انسان گھبرا اٹھتا ہے۔ وہ وقت جبکہ جوش اور غضب کا وقت ہوتا ہے ایسی حالت میں بھی وہ خدا سے غافل نہیں ہوئے۔ نمازوں کو نہیں چھوڑا۔ دعاؤں سے کام لیا۔ اب یہ بدقسمتی ہے۔ کہ یوں تو ہر طرح سے زور لگاتے ہیں۔ بڑی بڑی تقریریں کرتے ہیں۔ جلسے کرتے ہیں۔ کہ مسلمان ترقی کریں۔ مگر خدا سے ایسے غافل ہوتے ہیں۔ کہ بھول کر بھی اس کی طرف توجہ نہیں کرتے۔ پھر ایسی حالت میں کیا امید ہو سکتی ہے کہ ان کی کوششیں نتیجہ خیز ہوں جبکہ وہ سب کی سب دُنیا ہی کے لئے ہیں۔ یاد رکھو جبتک لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہُ دل و جگر میں سرایت نہ کرے اور وجود کے ذرے ذرے پر

اسلام کی روشنی اور حکومت نہ ہو۔کبھی ترقی نہ ہو گی۔اگر تم مغربی قوموں کا نمونہ پیش کرو۔ کہ وہ ترقیاں کر رہے ہیں۔اُن کے لئے اَور معاملہ ہے۔ تم کو کتاب دی گئی ہے۔تم پر حجت پوری ہو چکی ہے۔اُن کے لئے الگ معاملہ اور مواخذہ کا دن ہے۔تم اگر کتاب اللہ کو چھوڑو گے تو تمہارے لئے اسی دنیا میں جہنّم موجود ہے۔

ایسی حالت میں قریباً ہر شہر میں مسلمانوں کی بہتری کے لئے انجمنیں اور کانفرنسیں ہوتی ہیں۔لیکن کسی ہمدرد اسلام کے منہ سے یہ نہیں نکلتا کہ قرآن کو اپنا امام بناؤ۔اس پر عمل کرو۔اگر کہتے ہیں تو بس یہی۔کہ انگریزی پڑھو۔کالج بناؤ۔بیرسٹر بنو۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا پر ایمان نہیں رہا۔حاذق طبیب بھی دس دن کے بعد اگر دوا فائدہ نہ کرے تو اپنے علاج سے رجوع کر لیتے ہیں۔یہاں ناکامی پر ناکامی ہوتی جاتی ہے اور اس سے رجوع نہیں کرتے۔اگر خدا نہیں ہے۔ تو اس کو چھوڑ کر بے شک ترقی کر لیں گے۔ لیکن جبکہ خدا ہے اور ضرور ہے۔پھر اس کو چھوڑ کر کبھی ترقی نہیں کر سکتے۔اس کی بے عزتی کر کے اس کی کتاب کی بے ادبی کر کے چاہتے ہیں کہ کامیاب ہوں۔اور قوم بن جاوے۔کبھی نہیں۔

ہماری رائے تو یہی ہے جس کو آنکھیں دیکھتی ہیں۔ترقی کی ایک ہی راہ ہے کہ خدا کو پہچانیں اور اس پر زندہ ایمان پیدا کریں۔اگر ہم ان باتوں کو ان دنیا پرستوں کی کی مجلس میں بیان کریں تو وہ ہنسی میں اڑا دیں۔مگر ہم کو رحم آتا ہے۔کہ افسوس یہ لوگ اُس کو نہیں دیکھ سکتے جو ہم دیکھتے ہیں۔آپ کو چونکہ خدا تعالیٰ نے موقعہ دیا ہے کہ اس قدر دُور دراز کا سفر اختیار کر کے اور راستہ کی تکلیف اُٹھا کر آئے ہیں۔میں سمجھتا ہوں اگر ایمانی قوت کی تحریک نہ ہوتی تو اس قدر تکلیف برداشت نہ کرتے۔اللہ تعالیٰ آپ کو جزا دے اور اس قوت کو ترقی دے تاکہ آپ کو وہ آنکھ عطا ہو۔کہ آپ اس روشنی اور نُور کو دیکھ سکیں جو اس زمانے میں اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے دُنیا پر نازل کیا ہے۔

بعض اوقات انسان کی یہ حالت ہوتی ہے کہ وہ کہیں جاتا ہے اور پھر جلد چلا آتا ہے مگر اس کے بعد اس کی رُوح میں دوسرے وقت اضطراب ہوتا ہے۔ کہ کیوں چلا آیا۔ ہمارے دوست آتے ہیں۔ اور اپنی مجبُوریوں کی وجہ سے جلد چلے جاتے ہیں۔ لیکن پیچھے ان کو حسرت ہوتی ہے۔ کہ کیوں جلد واپس آئے۔

(یہاں مولوی سید مہدی حسین صاحب نے کہا۔ کہ میرا بھی یقیناً یہی حال ہوگا۔ اگر میں نواب محسن الملک صاحب اور دوسرے دوستوں کو تار نہ دے چکا ہوتا۔ تو میں اور ٹھہرتا)

بہرحال میں نہیں چاہتا کہ آپ تخلّف وعدہ کریں۔ اور جبکہ اُن کو اطلاع دے چکے ہیں۔ تو ضرور جانا چاہیئے۔ لیکن میں اُمید کرتا ہوں کہ آپ پھر آئیں گے۔ میں محض للہ اور نصیحتاً کہتا ہوں کہ آپ ایک دو ہفتہ تک کم از کم کسی دوسرے موقعہ پر یہاں رہجائیں۔ تو آپ کو بہت فائدہ ہوگا۔ آپ وہ باتیں سُنیں گے جن کے سُنانے کے لئے خدا نے مجھے بھیجا ہے۔ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت اس وقت کافر یہی رائے لگاتے تھے۔ اِنَّ هٰذَا لَشَیْءٌ یُّرَادُ[1]۔ میاں یہ تو دوکانداری ہے۔ مخالف جس کو صحبت نصیب نہیں ہوتی۔ اس کو صحیح رائے نہیں ملتی اور دُور سے رائے لگانا صحیح نہیں۔ کیونکہ جبتک وہ پاس نہیں آتا۔ اور حالات پر اطلاع نہیں پاتا۔ کیونکر صحیح رائے حاصل کر سکتا ہے۔

میں دیکھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے جو بُنیاد اس وقت ایک سلسلہ آسمانی کی رکھی ہے۔ یہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔ یہ سلسلہ بالکل منہاج نبوّت پر قائم ہوا ہے۔ اس کا پتہ اس طرز پر لگ سکتا ہے۔ جس طرح پر انبیاء علیہم السّلام کے سلسلوں کی حقّانیت معلوم ہوئی۔ اور وہ راہ ہے صُحبت میں صبر اور حُسنِ ظن سے رہنے کی۔ مخالفوں کو چونکہ اسباب نہیں ملتے۔ اس لئے وہ صحیح رائے اور یقینی نتیجہ پر پہنچ نہیں سکتے۔

[1] ص: ۷

انسان جبتک ان طرح طرح کے خیالات اور راؤں کے پردوں کو چیر کر نہیں نکل آتا اس کو سچّی معرفت۔ قوت اور مردانگی نہیں مل سکتی۔ خوش قسمت وہی انسان ہے جو ایسے مردان خدا کے پاس رہ کر (جن کو اللہ تعالیٰ اپنے وقت پر بھیجتا ہے) اس غرض اور مقصد کو حاصل کرے جس کے لئے وہ آتے ہیں۔ ایسے لوگ اگرچہ تھوڑے ہوتے ہیں لیکن ہوتے ضرور ہیں۔ (قلیل مّن عبادی الشّکور[1]۔ اگر تھوڑے نہ ہوتے تو پھر بے قدری ہو جاتی۔ یہی وجہ ہے کہ سونا چاندی لوہے اور ٹین کی طرح عام نہیں ہے ہاں یہ ضرور ہے کہ مخالف بھی ہوں کیونکہ سُنّت اللہ اسی طرح جاری ہے۔ کہ ہر شخص جو خدا کی طرف قدم اٹھاتا ہے اس کے لئے امتحان ضروری رکھا ہوا ہے۔ خدا تعالےٰ فرماتا ہے۔ اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ یُّتْرَکُوْٓا اَنْ یَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَھُمْ لَا یُفْتَنُوْنَ[2] امتحان خدا کی عادت ہے۔ یہ خیال نہ کرو کہ عالم الغیب خدا کو امتحان کی کیا ضرورت ہے؟ یہ اپنی سمجھ کی غلطی ہے اللہ تعالےٰ امتحان کا محتاج نہیں ہے۔ انسان خود محتاج ہے تاکہ اس کو اپنے حالات کی اطلاع ہو۔ اور اپنے ایمان کی حقیقت کھلے مخالف رائے سن کر اگر مغلوب ہو جاوے تو اقرار کرنا پڑتا ہے کہ قوت نہیں ہے۔ جس قدر علوم و فنون دنیا میں ہیں بدوں امتحان ان کو سمجھ نہیں سکتا۔ خدا کا امتحان یہی ہے کہ انسان سمجھ جاوے کہ میری حالت کیسی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ماُمور من اللہ کے دشمن ضرور ہوتے ہیں جو ان کو تکلیفیں اور اذیتیں دیتے ہیں۔ توہین کرتے ہیں۔ ایسے وقت میں سعید الفطرت اپنی روشن ضمیری سے اُن کی صداقت کو پالیتے ہیں۔ پس ماُموروں کے مخالفوں کا وجود بھی اس لئے ضروری ہے۔ جیسے پھولوں کے ساتھ کانٹے کا وجود ہے۔ تریاق بھی ہے تو زہریں بھی ہیں۔ کوئی ہم کو کسی نبی کے زمانہ کا پتہ دے۔ جس کے مخالف نہ ہوئے ہوں اور جنہوں نے اس کو دوکاندار۔ ٹھگ، جھوٹا مُفتری نہ کہا ہو۔ موسیٰ علیہ السّلام پر بھی افترا کر دیا یہانتک کہ ایک پلید نے تو زنا کا اتہام لگا دیا۔ اور ایک عورت کو پیش کر

[1] سبا : ۱۴ [2] العنکبوت : ۳

دیا۔ غرض اُن پر ہر قسم کے اِفترا کئے جاتے ہیں۔ تا لوگ آزمائے جاویں اور یہ ہرگز نہیں ہوتا کہ خدا کے لگائے ہوئے پودے ان نابکاروں کی پھونکوں سے معدوم کئے جاویں۔ یہی ایک نشان اور تمیز ہوتی ہے اُن کے خدا کی طرف سے ہونے کی کہ مخالف کوشش کرتے ہیں کہ وہ نابود ہو جاویں۔ اور وہ بڑھتے اور پھولتے ہیں۔ ہاں جو خدا کی طرف سے نہ ہو۔ وہ آخر معدوم اور نیست و نابود ہو جاتا ہے۔ لیکن جس کو خدا نے اپنے ہاتھ سے لگایا ہے وہ کسی کی کوشش سے نابود نہیں ہو سکتا۔ وہ کاٹنا چاہتے ہیں اور یہ بڑھتا ہے۔ اس سے صاف معلوم ہو سکتا ہے۔ کہ خدا کا ہاتھ ہے جو اس کو تھامے ہوئے ہے۔

رسُول اللہؐ کا عظیم الشّان مُعجزہ

رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کا کِس قدر عظیم الشّان مُعجزہ ہے کہ ہر طرف سے مخالفت ہوتی تھی۔ مگر آپؐ ہر میدان میں کامیاب ہی ہوتے تھے۔ صحابہؓ کے لئے یہ کیسی دلخوش کرنے والی دلیل تھی۔ جب وہ اس نظارے کو دیکھتے تھے۔

حضورؑ کی آمد کا مقصد اور مخالفتیں

اسلام کیا ہے؟ بہت سی جانوں کا چندہ ہے۔ ہمارے آباء و اجداد چندہ ہی میں آئے۔ اب اس وقت بھی اللہ تعالیٰ نے ارادہ فرمایا ہے۔ کہ وہ اسلام کو کُل ملّتوں پر غالب کرے۔ اُس نے مجھے اسی مطلب کے لئے بھیجا ہے۔ اور اسی طرح بھیجا ہے۔ جس طرح پہلے مامُور آتے رہے۔ پس آپ میری مخالفت میں بھی بہت سی باتیں سُنیں گے اور بہت قسم کے منصُوبے پائیں گے۔ لیکن میں آپ کو نصیحتاً للہ کہتا ہوں کہ آپ سوچیں اور غور کریں کہ یہ مخالفتیں مجھے تھکا سکتی ہیں۔ یا اُن کا کچھ بھی اثر مجھ پر ہوا ہے؟ ہرگز نہیں۔ خدا تعالیٰ کا پوشیدہ ہاتھ ہے جو میرے ساتھ کام کرتا ہے۔ ورنہ میں کیا اور میری ہستی کیا؟ مجھے شہرت طلب کہا جاتا ہے۔ لیکن یہ نہیں دیکھتے کہ اس فرض کے ادا کرنے میں مجھے کس قدر گالیاں سُننی پڑی ہیں۔ مگر ان گالیوں کو جو دیتے ہیں۔ اور اُن

تکلیفوں کو جو پہنچاتے ہیں۔ ایک لحظہ کے لئے بھی پرواہ یا خیال نہیں کرتا۔ اور سچ تو یہ ہے کہ مجھے معلوم نہیں ہوتا۔ میرا خدا میرے ساتھ ہے۔ اور اگر میں خدا کی طرف سے آیا نہ ہوتا۔ تو میری یہ مخالفت بھی ہرگز نہ ہوتی۔ آپ کا اس قدر دُور دراز کا سفر اختیار کر کے پھر تکالیف راہ برداشت کر کے آنا اللہ تعالیٰ کے حضور ایک اجر رکھتا ہے۔ خدا تعالیٰ آپ کو جزائے خیر دے اور توفیق دے کہ آپ اس سلسلہ کی طرف توجہ کر سکیں جو خدا تعالیٰ نے قائم کیا ہے۔ آمین۔"

(الحکم جلد ۵ نمبر ۴ صفحہ ۲ تا ۶ مورخہ ۳۱ جنوری ۱۹۰۱ء)

۸ دسمبر ۱۹۰۰ء

بعد نماز جمعہ عام مجمع میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مفصلہ ذیل تقریر فرمائی:-

"دیکھو میں محض للہ مختصر طور پر چند باتیں سُناتا ہوں۔ میری طبیعت اچھی نہیں اور زیادہ باتوں کی حاجت نہیں ہے۔ کیونکہ وہ لوگ جن کو اللہ تعالیٰ نے نیک اور پاک فطرت عطا فرمائی ہے اور جن کی استعدادیں عمدہ ہیں۔ وہ بہت باتوں کے محتاج نہیں ہوتے۔ اور ایک اشارہ ہی سے اصل مقصد اور مطلب کو سمجھ لیتے اور بات کو پا لیتے ہیں۔ ہاں جو لوگ اچھی فطرت اور عمدہ استعداد نہیں رکھتے اور اللہ تعالیٰ کی ذات اور قدرت پر اعتقاد نہیں ہے وہ تو اپنی اغراض کی پیروی کرتے ہیں۔ وہ ایسی پستی کی حالت میں پڑے ہوئے ہیں کہ اگر سب انبیاء علیہم السلام اکٹھے ہو کر ایک ہی وعظ کے منبر پر چڑھ کر نصیحت کریں انہیں تب بھی کچھ فائدہ نہ ہوگا۔

سعید الفطرت بنو

یہی وہ بہتر ہے کہ ہر نبی اور مامور کے وقت دو فرقے ہوتے ہیں۔ ایک وہ ہیں جن کا نام سعید رکھا ہے۔ اور دوسرا وہ جو شقی کہلاتا ہے۔ دونو فرقے وعظ و نصیحت کے لحاظ سے یکساں طور پر انبیاء علیہم السلام کے سامنے تھے۔ اور اس پاک گروہ نے کبھی کسی سے

بخل نہیں کیا۔ پورے طور پر حق نصیحت ادا کیا۔ جیسے سعیدوں کے لئے ویسے اشقیاء کے لئے۔ مگر سعید قوم کان رکھتی تھی۔ جس سے اس نے سُنا۔ آنکھیں رکھتی تھی جس سے دیکھا دل رکھتی تھی جس سے سمجھا۔ مگر اشقیاء کا گروہ ایک ایسی قوم تھی جس کے کان نہ تھے جو سُنتی اور آنکھیں نہ تھیں جس سے دیکھتی۔ نہ دل تھے جس سے سمجھتی اسی لئے وہ محروم رہی۔

مکہ میں ابوبکرؓ جیسے صدّیق اور ابوجہل جیسے ملعون کیوں پیدا ہوئے

مکّہ کی مٹی ایک ہی تھی جس سے ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ابوجہل پیدا ہوئے مکّہ وہی مکّہ ہے جہاں اب کروڑوں انسان ہر طبقہ اور درجہ کے دنیا کے ہر حصّہ سے جمع ہوتے ہیں۔ اسی سرزمین سے یہ دونو انسان پیدا ہوئے جن میں سے اوّل الذکر اپنی سعادت اور رُشد کی وجہ سے ہدایت پا کر صدّیقوں کا کمال پا گیا۔ اور دوسرا شرارت، جہالت بیجا عداوت اور حق کی مخالفت میں شہرت یافتہ ہے۔

یاد رکھو۔ کمال دو ہی قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک رحمانی، دوسرا شیطانی۔ رحمانی کمال کے آدمی آسمان پر ایک شہرت اور عزّت پاتے ہیں۔ اسی طرح شیطانی کمال کے آدمی شیاطین کی ذرّیت میں شہرت رکھتے ہیں۔

غرض ایک ہی جگہ دونو تھے۔ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلّم نے کسی سے کچھ فرق نہیں کیا۔ جو کچھ حکم اللہ تعالیٰ نے دیا۔ وہ سب کا سب یکساں طور پر سب کو پہنچا دیا۔ مگر بدنصیب بدقسمت محروم رہ گئے۔ اور سعید ہدایت پا کر کامل ہو گئے۔ ابوجہل اور اس کے ساتھیوں نے بیسیوں نشان دیکھے۔ انوار و برکات الٰہیہ کو مشاہدہ کیا۔ مگر اُن کو کچھ بھی فائدہ نہ ہوا۔

اب ڈرنے کا مقام ہے کہ وہ کیا چیز تھی جس نے ابوجہل کو محروم رکھا۔ اس نے ایک عظیم الشّان نبی کا زمانہ پایا۔ جس کے لئے نبی ترستے گئے تھے۔ حضرت آدم علیہ السّلام سے لیکر آخر تک ہر ایک کی تمنّا تھی۔ مگر انہیں وہ زمانہ نہ ملا۔ اس بدبخت

نے وُہ زمانہ پایا۔ جو تمام زمانوں سے مُبارک تھا مگر کچھ فائدہ نہ اُٹھایا۔ اس سے صاف ظاہر ہے اور خوف کا مقام ہے کہ جبتک اللہ تعالیٰ کو دیکھنے والی آنکھ نہ ہو۔ اس کی سُننے والا کان نہ ہو۔ اور اُس کے سمجھنے والا دل نہ ہو۔ کوئی شخص کسی نبی اور مامُور کی باتوں سے کچھ بھی فائدہ نہیں اُٹھا سکتا۔ میں پھر کہتا ہوں کہ اصل یہی ہے کہ سرشت میں دو حصّے ہوتے ہیں۔ ایک وہ لوگ ہیں جن کے قویٰ عُمدہ ہیں اور وہ سعادت اور رُشد کے پا جانے کے لئے استعدادوں سے یُوں بھرے ہوئے ہوتے ہیں جیسے ایک عطر کا شیشہ لبریز ہوتا ہے۔ تیل اور بتّی سب کچھ موجود ہوتا ہے۔ صرف ایک ذراسی آگ کی ضرورت ہوتی ہے اور وہ ایک ادنیٰ سی تحریک اور رگڑ سے روشن ہو اٹھتی ہے۔

ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ وُہ تھا جس کی فطرت میں سعادت کا تیل اور بتّی پہلے سے موجود تھے۔ اس لئے رسُول کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کی پاک تعلیم نے اس کو فی الفور متاثر کر کے روشن کر دیا۔ اُس نے آپؐ سے کوئی بحث نہیں کی۔ کوئی نشان اور مُعجزہ نہ مانگا۔ معاً سُن کر صرف اتنا ہی پوچھا کہ کیا آپؐ نبوت کا دعویٰ کرتے ہیں۔ جب رسُول کریم صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا۔ ہاں تو بول اُٹھے کہ آپؐ گواہ رہیں۔ میں سب سے پہلے ایمان لاتا ہوں۔

یہ تجربہ کیا گیا ہے۔ کہ سوال کرنے والے بہت کم ہدایت پاتے ہیں۔ ہاں حُسنِ ظن اور صبر سے کام لینے والے ہدایت سے پُورے طور پر حصّہ لیتے ہیں۔ اس کا نمونہ ابوبکرؓ اور ابوجہل دونو موجود ہیں۔ ابوبکرؓ نے جھگڑا نہ کیا اور نشان نہ مانگے۔ مگر اس کو وہ دیا گیا جو نشان مانگنے والوں کو نہ ملا۔ اس نے نشان پر نشان دیکھے۔ اور خود ایک عظیم الشان نشان بنا۔ ابوجہل نے حجّت کی اور مخالفت اور جہالت سے باز نہ آیا۔ اس نے نشان پر نشان دیکھے مگر دیکھ نہ سکا۔ آخر خود دوسروں کے لئے نشان ہو کر مخالفت ہی میں ہلاک ہوا۔ اس سے صاف پتہ لگتا ہے۔ کہ جس کی فطرت میں نُورِ ایمان ہے۔ انہیں زیادہ گوئی کی ضرورت نہیں۔ وہ ایک ہی بات سے مطلب پر پہنچ جاتے ہیں۔ اُن کے دل میں

ایک روشنی ہوتی ہے۔ وہ معاً آواز کے سُنتے ہی منوّر ہو جاتے ہیں۔ اور وہ الٰہی قوت جو اُن کے اندر ہوتی ہے۔ اس آواز کو سُن کر جوش میں آجاتی ہے اور نشو و نما پاتی ہے۔ جن میں یہ قوت نہیں رہتی۔ وہ محروم رہ کر ہلاک ہو جاتے ہیں۔ یہی طریق شروع سے چلا آیا ہے۔ اب ہر شخص کو خوف کرنا چاہیئے کہ اگر کسی زمانہ میں اصلاح کے لئے مامور پیدا ہوتا ہے تو جو لوگ اپنے اندر اس مامور کے لئے قبولیت اور ایمان کا رنگ پاتے ہیں۔ وہ مبارک ہیں۔ لیکن جو اپنے دل میں قبض پاتا ہے۔ اور دل ماننے کی طرف رجوع نہیں کرتا اس کو ڈرنا چاہیئے۔ کہ یہ انجام بد کے آثار ہیں اور محرومی کے اسباب۔

راز کی بات

یقیناً سمجھو۔ اور یہ ایک راز کی بات ہے کہ جو حق کے قرائن اور دلائل دیکھ کر نہیں مانتا اور حُسنِ ظن اور صبر سے کام نہیں لیتا اور تلاشِ ردّ میں رہتا ہے۔ عمدہ سے عمدہ نشان اور قوی سے قوی دلائل اس کے پاس آجاتے ہیں۔ مگر وہ اُن کو دیکھ کر سمجھنے کی کوشش نہیں کرتا۔ بلکہ ردّ کی فکر میں لگ جاتا ہے۔ تو اس کو ڈرنا چاہیئے۔ کہ یہ اشقیار والی عادت ہے۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے اس جماعت نے کبھی فائدہ نہیں اٹھایا جب انہوں نے اللہ تعالیٰ کا پیغام سُنا۔ اور مامور من اللہ کی آواز ان کے کان میں پہنچی۔ وہ مخالفت کے لئے اُٹھ کھڑے ہوئے۔ اور فکرِ معکوس اور بخل اور بیجا عداوت کی وجہ سے اس کی تردید کی فکر میں لگ گئے۔ پھر اسی پر بس نہیں کی۔ انسان چونکہ ترقی کرتا ہے۔ دوستی ہو یا دشمنی۔ آخر بڑے بڑے مقابلوں اور ناپاک منصوبوں تک نوبت پہنچکر ہلاکت کی گھڑی آجاتی ہے۔

ایسا ہی حال پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ہوا۔ ایک گروہ نے ایمان میں وہ ترقی کی کہ بکریوں کی طرح خدا کے حکم پا کر ذبح ہو گئے۔ اور کچھ پرواہ نہیں کی کہ بیوی بچوں کا کیا حال ہو گا۔ ان کو کچھ ایسی شراب محبت پلائی کہ لاپرواہ ہو کر جانیں دے دیں۔

یہ تصرف اس نظارہ کے وقت معلوم ہوتا ہے کہ کس طرح پر انہوں نے رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کی۔

یہ مت خیال کرو کہ صرف بیعت کر لینے سے ہی خدا راضی ہو جاتا ہے۔ یہ تو صرف پوست ہے۔ مغز تو اس کے اندر ہے۔ اکثر قانون قدرت یہی ہے کہ ایک چھلکا ہوتا ہے۔ اور مغز اس کے اندر ہوتا ہے۔ چھلکا کوئی کام کی چیز نہیں ہے۔ مغز ہی لیا جاتا ہے۔ بعض ایسے ہوتے ہیں کہ اُن میں مغز رہتا ہی نہیں۔ اور مُرغی کے ہوائی انڈوں کی طرح جن میں نہ زردی ہوتی ہے نہ سفیدی جو کسی کام نہیں آسکتے اور ردّی کی طرح پھینک دیئے جاتے ہیں۔ ہاں ایک دو منٹ تک کسی بچّے کے کھیل کا ذریعہ ہو تو ہو۔ اسی طرح پر وہ انسان جو بیعت اور ایمان کا دعویٰ کرتا ہے اگر وہ ان دونو باتوں کا مغز اپنے اندر نہیں رکھتا تو اُسے ڈرنا چاہیئے۔ کہ ایک وقت آتا ہے کہ وہ اُس ہوائی انڈے کی طرح ذرا سی چوٹ سے چکنا چور ہو کر پھینک دیا جائے گا۔

بَیعت کا مغز

اسی طرح جو بَیعت اور ایمان کا دعویٰ کرتا ہے اس کو ٹٹولنا چاہیئے۔ کہ کیا میں چھلکا ہی ہوں یا مغز؟ جبتک مغز پیدا نہ ہو۔ ایمان، محبّت، اطاعت، بیعت، اعتقاد، مریدی، اسلام کا مدّعی سچّا مدّعی نہیں ہے۔ یاد رکھو کہ یہ سچّی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حضور مغز کے سوا چھلکے کی کچھ بھی قیمت نہیں۔ خوب یاد رکھو کہ معلوم نہیں۔ موت کس وقت آجاوے۔ لیکن یہ یقینی امر ہے کہ موت ضرور ہے۔ پس نرے دعویٰ پر ہرگز کفایت نہ کرو۔ اور خوش نہو جاؤ۔ وہ ہرگز ہرگز فائدہ رساں چیز نہیں۔ جبتک انسان اپنے آپ پر بہت موتیں وارد نہ کرے۔ اور بہت سی تبدیلیوں اور انقلابات میں سے ہو کر نہ نکلے۔ وہ انسانیت کے اصل مقصد کو نہیں پا سکتا

انسان کے معنے

انسان اصل میں اُنسان سے لیا گیا ہے یعنی جس میں دو حقیقی اُنس ہوں. ایک اللہ تعالیٰ سے اور دوسرا اپنی نوع کی ہمدردی سے۔ جب یہ دو نو اُنس اس میں پیدا ہو جاویں۔ اس وقت انسان کہلاتا ہے۔ اور یہی وہ بات ہے جو انسان کا مغز کہلاتی ہے۔ اور اسی مقام پر انسان اولوالالباب کہلاتا ہے۔ جبتک یہ نہیں کچھ بھی نہیں۔ ہزار دعویٰ کر دکھاؤ مگر اللہ تعالیٰ کے نزدیک، اس کے نبی اور اس کے فرشتوں کے نزدیک ہیچ ہے۔

اُسوۂ انبیاءؑ

پھر یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ تمام انسان نمونہ کے محتاج ہیں۔ اور وہ نمونہ انبیاء علیہم السلام کا وجود ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس بات پر قادر تھا۔ کہ درختوں پر کلام الٰہی لکھتا مگر اس نے جو پیغمبروں کو بھیجا۔ اور ان کی معرفت کلام الٰہی نازل فرمایا۔ اس میں ستر یہ تھا کہ تا انسان جلوۂ اُلوہیت کو دیکھے۔ جو پیغمبروں میں ہو کر ظاہر ہوتا ہے۔

انبیاء کرام اُلوہیّت کے مظہر ہوتے ہیں

پیغمبر اُلوہیت کے مظہر اور خدا نما ہوتے ہیں۔ پھر سچا مسلمان اور متقدوہ ہوتا ہے۔ جو پیغمبروں کا مظہر بنے صحابہ کرامؓ نے اس راز کو خوب سمجھ لیا تھا اور وہ رسُول کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کی اطاعت میں ایسے گم ہوئے۔ اور کھوئے گئے کہ ان کے وجود میں اور کچھ باقی رہا ہی نہیں تھا۔ جو کوئی ان کو دیکھتا تھا اُن کو محویّت کے عالم میں پاتا تھا۔ پس یاد رکھو کہ اس زمانہ میں بھی جب تک وہ محویّت اور وہ اطاعت میں گمشدگی پیدا نہ ہو گی جو صحابہ کرامؓ میں پیدا ہوئی تھی۔ مُریدوں معتقدوں میں داخل ہونے کا دعویٰ تب ہی سچا اور بجا ہوگا۔ یہ بات اچھی طرح پر اپنے ذہن نشین کر لو۔ کہ جب تک یہ نہ ہو۔ کہ اللہ تعالےٰ تم میں سکونت کرے۔ اور خدا تعالیٰ کے آثار تم میں ظاہر ہوں۔ اس وقت تک شیطانی حکومت کا عمل و

دخل موجود ہے۔

رحمان اور شیطان کی دعوتیں

شیطان، جھوٹ۔ ظلم۔ جذبات۔ خون۔ طول امل۔ ریا اور تکبر کی طرف بلاتا ہے اور دعوت کرتا ہے۔ اس کے بالمقابل اخلاق فاضلہ۔ صبر محویت۔ فنا فی اللہ۔ اخلاص۔ ایمان فلاح یہ اللہ تعالیٰ کی دعوتیں ہیں۔ انسان ان دونو تجاذب میں پڑا ہوا ہے۔ پھر جس کی فطرت نیک ہے اور سعادت کا مادہ اس میں رکھا ہوا ہے۔ وہ شیطان کی ہزاروں دعوتوں اور جذبات کے ہوتے ہوئے بھی اس فطرت رشید سعادت اور سلامت روی کے مادہ کی برکت سے اللہ تعالیٰ کی طرف دوڑتا ہے اور خدا ہی میں اپنی راحت تسلّی اور اطمینان کو پاتا ہے۔

ایمان کا بھی اثر ہوتا ہے

مگر ہر چیز کے لئے نشان ضرور ہوتے ہیں۔ جبتک اُس میں وہ نشان نہ پائے جاویں وہ معتبر نہیں ہوسکتی۔ دیکھو دواؤں کی طبیب شناخت کر لیتا ہے بنفشہ خیار شنبر تربد میں اگر وہ صفات نہ پائے جائیں جو ایک بڑے تجربہ کے بعد ان میں متحقق ہوئے ہیں۔ تو طبیب اُن کو ردّی کی طرح پھینک دیتا ہے۔ اسی طرح پر ایمان کے نشانات ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کا بار بار اپنی کتاب میں ذکر کیا ہے۔ یہ سچّی بات ہے کہ جب ایمان انسان کے اندر داخل ہو جاتا ہے۔ تو اس کے ساتھ ہی اللہ تعالیٰ کی عظمت یعنی جلال تقدّس کبریائی قدرت اور سب سے بڑھ کر لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کا حقیقی مفہوم داخل ہو جاتا ہے۔ یہانتک کہ اللہ تعالیٰ اُس کے اندر سکونت اختیار کرتا ہے اور شیطانی زندگی پر ایک موت وارد ہو جاتی ہے اور گناہ کی فطرت مر جاتی ہے۔ اس وقت ایک نئی زندگی شروع ہوتی ہے۔ اور وہ رُوحانی زندگی ہوتی ہے یا یہ کہو کہ آسمانی پیدائش کا پہلا دن وہ ہوتا ہے جب شیطانی زندگی پر موت وارد ہوتی ہے۔ اور رُوحانی زندگی کا تولّد ہونا ہے جیسے بچہ کا تولّد ہوتا ہے۔

اسلام کا خدا اور دُوسروں کے توہمات

اللہ تعالیٰ نے سورۃ الفاتحہ میں اسی تولد کی طرف ایما فرمایا ہے۔ الحمد للہ رب العالمین۔ الرحمٰن الرحیم۔ مالک یوم الدین۔[1] یہ چاروں صفات اللہ تعالیٰ کی بیان کی گئی ہیں۔ یعنی وہ خدا جس میں تمام محامد پائے جاتے ہیں۔ کوئی خوبی خیال اور سوچ میں نہیں آسکتی۔ جو اللہ تعالیٰ میں نہ پائی جاتی ہو۔ بلکہ انسان کبھی بھی ان محامد اور خوبیوں کو جو اللہ کریم میں پائی جاتی ہیں۔ کبھی بھی شُمار نہیں کر سکتا۔ جس خدا نے اسلام دنیا کے سامنے پیش کیا ہے۔ وُہی کامل اور سچا خدا ہے۔ اور اس لئے قرآن کو الحمد للہ سے شروع فرمایا ہے۔ دوسری قوموں اور کتابوں نے جس خدا کی طرف دنیا کو دعوت کی ہے۔ وہ کوئی نہ کوئی عیب اپنے اندر رکھتے ہیں۔ کسی کے ہاتھ نہیں۔ کسی کے کان نہیں۔ کوئی گونگا ہے کوئی کچھ۔ غرض کوئی نہ کوئی عیب اور روگ موجود ہے۔ مثلاً عیسائیوں نے جس کو خدا بنا رکھا ہے۔ سوچنے والا انسان سوچ سکتا ہے۔ کہ اگر یہ ۱۹۰۰ برس کی مدت ان کے اس خیالی ڈھکوسلہ پر نہ گذر گئی ہوتی تو کچھ بھی اُن کے ہاتھ میں نہیں تھا اب صرف ایک بیہودہ بات کی کہ ۱۹۰۰ برس سے یہ مذہب چلا آتا ہے۔ کوئی دلیل مسیح کی خدائی کی نہیں ہے۔ مسیح کو خدا بنانے والوں کو باوجود اس فلسفہ دانی کے شرم آجاتی اگر سوچتے کہ کیا کبھی عورت کے پیٹ سے معمولی طور پر پیشاب کی راہ پیدا ہونے والا۔ ضعیف و ناتواں بچہ جو کھانے پینے کا محتاج، پاخانہ اور پیشاب کی حاجتوں کا پابند، تمام انسانی حوائج کا اسیر اور محتاج ہو۔ خدا ہو سکتا ہے؟ صرف اتنی ہی بات ہے کہ پُرانی بات ہو کر انہوں نے قائم مقام دلیل کے بنا لی ہے۔ جیسے ہندوؤں کے خیال میں گنگا کے پانی میں ست اور برکت خیالی طور پر رکھی ہوئی ہے۔ حالانکہ وہ ایک معمولی دریا ہے جس میں مینڈک، کچھوے اسی طرح موجود ہیں۔ جیسے اور دریاؤں میں۔ اور اس میں مُردوں کی ہڈیاں ڈالی جاتی ہیں۔ اب اگر ایک ہندو سے اس کی دلیل

[1] الفاتحہ : ۲، ۳، ۴

پوچھیں تو وہ یہی کہیگا کہ میرے دل میں دلیل ہے۔ بیان نہیں کر سکتا۔ ایسا ہی نادان آریوں نے جو پرمیشر دنیا کے سامنے پیش کیا ہے۔ وہ ایک مستری اور کاریگر سے بڑھ کر نہیں۔ کیونکہ بجز جوڑنے جاڑنے کے خالقیت کے اعلےٰ جوہر سے وہ بے بہرہ ہے۔ رُوح اور ذرات عالم پر اُس کا کوئی تصرف نہیں۔ کیونکہ اس نے اُن کو پیدا ہی نہیں کیا۔ وہ کبھی اپنے بندوں کو نجات دے نہیں سکتا۔ کیونکہ پھر سارا کارخانہ ہی بگڑتا ہے۔ اور ہاتھ سے جاتا رہتا ہے۔ وہ اپنے کسی مخلص بندے کی دُعا ہی نہیں سُن سکتا۔ اور نہ کسی کو وہ اپنے فضل سے کچھ دے سکتا ہے کیونکہ جو کچھ وہ کسی کو دیتا ہے وہ اُس کے ہی کرموں کا پھل ہوتا ہے۔ غرض ہر قوم نے اور کتاب نے جب خدا پیش کیا ہے۔ اس کو دیکھ کر شرم آجاتی ہے۔ یہ فضیلت اور فخر اسلام کو ہی ہے۔ کہ اس کے ماننے والا کبھی شرمندہ نہیں ہو سکتا۔ اُس نے کامل خدا کا پلہ پکڑا ہے اور کامل ہی کے حضور جائے گا۔"

(الحکم جلد ۵ نمبر ۱ صفحہ ۲-۴ مورخہ ۱۰ جنوری ۱۹۰۱ء)

آنحضرتؐ کا وجود اللہ تعالےٰ کا بہت بڑا احسان ہے

یہ محض اللہ تعالیٰ کا احسان اور فضل ہے۔ پھر پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے عظیم الشان احسان فرمایا۔ اگر آپؐ کا وجود باجود دنیا میں نہ آتا تو رام رام کہنے والوں کی طرح بہت سے جھوٹے اور بیہودہ اینٹ پتھر وغیرہ معبود بنائے جاتے۔ اللہ تعالےٰ کا بے انتہا شکر ہے۔ کہ نبی معصوم صلی اللہ علیہ وسلم آیا اور بُت پرستوں سے اُس نے نجات دی۔ یہی وہ راز ہے کہ یہ درجہ صرف اور صرف رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اُن احسانوں کے معاوضہ میں ملا کہ اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا۔[1]

ادھر ہندوؤں نے ۳۳ کروڑ دیوتاؤں کو خدا بنا رکھا تھا۔ اس وقت کی حالت سے کوئی

[1] الاحزاب: ۵۷

نہیں بتلا سکتا کہ موحد فرقہ کہاں رہتا تھا۔ اس سے اللہ تعالیٰ اور اس کے تقاضے کا پتہ لگتا ہے۔ کہ کیونکر تاریکی کے وقت اُس کی غیرت ہدایت کا تقاضا کرتی ہے۔ ہندو رام رام اور عیسائی رَبُّنَا الْیَسُوْع رَبُّنَا الْیَسُوْع پکارتے تھے۔ کوئی ایسا نہ تھا جو خدا کا نام لیتا۔ کروڑوں پردوں میں اللہ تعالیٰ کا جلالی اسم مخفی تھا۔ اللہ جل شانہٗ نے جب احسان کرنا چاہا تو محمد صلے اللہ علیہ وسلم کو پیدا کیا۔ آپ کا نام محمدؐ تھا۔ جس کے معنی ہیں نہایت ہی تعریف کیا گیا۔ جو باب تفعیل سے آتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ کوئی اسی قدر قابل تعریف ٹھہرتا ہے۔ جس قدر کام کرتا ہے۔ پہلے نبی خاص قوموں کے لئے آتے تھے۔ اور ایک نقص یہ تھا کہ ایک عظیم الشّان اصلاح کی ضرورت نہ ہوتی تھی۔ مثلاً حضرت مسیح علیہ السلام جب آئے تو وہ صرف بنی اسرائیل ہی کی گمشدہ بھیڑوں کو اکھٹا کرنے کے واسطے آئے اور یہودیوں کے پاس اس وقت توریت موجود تھی۔ وہی تورات کی تعلیمات عملدرآمد کے لئے کافی سمجھی گئی تھیں۔ اور یہودی تورات کے احکام اور تعلیمات کے قائل اور ان پر قائم تھے۔ ہاں بعض اخلاقی کمزوریاں تھیں جو اُن میں پیدا ہو گئی تھیں۔

پہلے انبیاءؑ کے سامنے خدمت کم تھی

اور یہ صاف بات ہے کہ صرف اخلاقی کمزوریوں کو دُور کرنا، اُن کے نقصانات کو بتلا دینا یہ کوئی بڑی بات نہیں ہے۔ ایک معمولی درجہ کا آدمی بھی ایسا کر سکتا ہے اور اخلاقی واعظ ہو سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مسیحؑ کا نام محمدؐ نہ رکھا گیا۔ کیونکہ ان کی خدمات ایسی اعلےٰ درجہ کی نہ تھیں۔ اور اسی طرح پر موسیٰ علیہ السّلام جب آئے گو وہ ایک شریعت لے کر آئے مگر ان کا بڑا کام بنی اسرائیل کو فرعون کی غلامی سے نجات دلانا ہی تھا حالانکہ وہ قوم چار سَو برس کی تلخیوں اور مصیبتوں کی وجہ سے بجائے خود اس بات پر آمادہ اور تیار تھی کہ کوئی ایسی تحریک ہو تو وہاں سے نکل کھڑے ہوں۔ مادہ

تیار تھا۔ صرف تحریک اور محرک کی ضرورت تھی۔ انسان جب کسی بیگار یا بے جا مشقت میں پکڑا جا دے تو وہ خود اس سے نجات پانی چاہتا ہے۔ اور نکلنے کی خواہش کرتا ہے۔ پس جب بنی اسرائیل فرعون کی غلامی میں پریشان ہو رہے تھے اور اندر ہی اندر وہ اس سے رہائی پانے کی فکر میں تھے۔ اس وقت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے مامور ہو کر جب انہیں کہا کہ میں تم کو فرعون کی غلامی سے نجات دلاؤں گا۔ تو وہ سب تیار ہو گئے۔ بنی اسرائیل کے حالات اور واقعات کو بہ نظر غور دیکھنے سے معلوم ہو سکتا ہے کہ ان کی اصل غرض موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانے کی کیا تھی؟ بڑی بھاری غرض یہی تھی کہ وہ فرعون کی غلامی سے نکلیں چنانچہ رُوحانی امور اور خدا پرستی کے متعلق وہ ہمیشہ ٹھوکر کھاتے رہے۔ اور بے جا گستاخیوں اور شوخیوں سے کام لیتے رہے۔ یہاں تک کہ لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى نَرَى اللّٰهَ جَهْرَةً اور اِذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَاۤ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ جیسے کلمات کہنے اور ذرا سی غیر حاضری میں گوسالہ پرستی کرنے سے باز نہ آئے۔ اور بات بات میں ضد اور اعتراض سے کام لیتے۔ اُن کے حالات پر پُوری نظر کے بعد صاف معلوم دیتا ہے۔ کہ وہ صِرف اور صِرف فرعون کی غلامی سے ہی آزاد ہونا چاہتے تھے۔ خود اپنے آپ میں رہبری اور سرداری کی قوت نہ رکھتے تھے۔ اس لئے موسیٰ علیہ السلام کی بات سُنتے ہی تیار ہو گئے۔ چونکہ بہت تنگ آچکے تھے اور مرتا کیا نہ کرتا اپنی سرخروئی انہوں نے اسی میں سمجھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ نکل پڑے۔ لیکن آخر موسیٰؑ کی کامیابیوں کی راہ میں ٹھوکر کا پتھر بنے۔ غرض حضرت موسیٰؑ کو بہت محنت اور مشقت کرنے کی ضرورت نہ پڑی قوم زندانِ غلامی میں گرفتار تھی اور تیار تھی کہ کوئی آئے تو اسے قبول کر لیں۔ ایسی حالت میں کئی لاکھ آدمیوں نے ایک دن میں قبول کر لیا۔ اور انہوں نے اپنے عمل سے ثابت کر دکھایا کہ وہ کیسی قوم ہے۔ اور موسیٰؑ کی تعلیم سے اُنہوں نے کیا فائدہ اُٹھایا ہے۔ پس یہانتک کہ اُن کو مصر سے نکال لینا کوئی بڑا کام نہ تھا۔ اصلاح کا زمانہ جب آیا۔ اور موسیٰؑ نے جب چاہا کہ اُن کو خدا پرست

لہ البقرۃ: ۵۶   ٣ه المائدۃ: ۲۵

قوم بنا کر وعدہ کی سرزمین میں داخل کریں۔ وہ اُن کی شوخیوں اور گستاخیوں اور اندرونی بداعمالیوں ہیں گزرا۔ یہانتک کہ خود حضرت موسیٰؑ بھی اس سرزمین میں داخل نہ ہوسکے اس لئے اُن کا نام بھی محمدؐ نہ ہوسکا۔

کوئی نبی محمدؐ نام کا مستحق نہ ہوسکا

غرض جہانتک غور کرتے جاؤ۔ یہ پتہ ملیگا کہ کوئی نبی اس مبارک نام کا مستحق نہ تھا۔ یہانتک کہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ آگیا اور وہ ایک خارستان تھا جس میں نبی کریمؐ نے قدم رکھا اور ظلمت کی انتہا ہو چکی تھی۔ میرا مذہب یہ ہے۔ کہ اگر رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو الگ کیا جاتا اور کُل نبی جو اس وقت تک گزر چکے تھے سب کے سب اکٹھے ہو کر وہ کام اور وہ اصلاح کرنا چاہتے۔ جو رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کی ہرگز نہ کرسکتے۔ اُن میں وہ دل وہ قوت نہ تھی جو ہمارے نبیؐ کو ملی تھی۔ اگر کوئی کہے کہ یہ نبیوں کی معاذ اللہ سُوء ادبی ہے تو وہ نادان مجھ پر افترا کرے گا۔ میں نبیوں کی عزت اور حرمت کرنا اپنے ایمان کا جزو سمجھتا ہوں۔ لیکن نبی کریمؐ کی فضیلت کل انبیاء پر میرے ایمان کا جزوِ اعظم ہے۔ اور میرے رگ و ریشہ میں ملی ہوئی بات ہے۔ یہ میرے اختیار میں نہیں کہ اس کو نکال دُوں۔ بدنصیب اور آنکھ نہ رکھنے والا مخالف جو چاہے سو کہے۔ ہمارے نبی کریم صلعم نے وہ کام کیا ہے۔ جو نہ الگ الگ اور نہ مل مل کر کسی سے ہو سکتا تھا۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے۔ ذالک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء۔

رسُول اللہ صلعم کے واقعات پیش آمدہ کی اگر معرفت ہو اور اس بات پر پوری اطلاع ملے کہ اس وقت دنیا کی کیا حالت تھی اور آپؐ نے آکر کیا کیا۔ تو انسان وجد میں آکر اللّٰھم صلّ علےٰ محمّد کہہ اُٹھتا ہے۔ میں سچ سچ کہتا ہوں۔ یہ خیالی اور فرضی بات نہیں ہے۔ قرآن شریف اور دُنیا کی تاریخ اس امر کی پوری شہادت دیتی ہے۔ کہ نبی کریمؐ نے کیا کیا۔ ورنہ وہ کیا بات تھی جو آپ کے لئے مخصوصاً فرمایا گیا۔ اِنَّ اللّٰہَ

وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا[1] کسی دُوسرے نبی کے لئے یہ صَدا نہیں آئی۔ پُوری کامیابی پُوری تعریف کے ساتھ یہی ایک انسان دُنیا میں آیا جو **مُحَمَّد** کہلایا صلی اللہ علیہ وسلم۔

آنحضرتؐ کا مقام پاک

عادت اللہ اسی طرح پر ہے۔ زمانہ ترقی کرتا ہے۔ آخر وہ زمانہ آگیا جو خاتم النبیین کا زمانہ تھا جو ایک ہی شخص تھا جس نے یہ کہا۔ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا[2] کہنے کو تو یہ چند لفظ ہیں۔ اور ایک اندھا کہہ سکتا ہے کہ معمولی بات ہے۔ مگر جو دل رکھتا ہے وہ سمجھتا ہے۔ اور جو کان رکھتا ہے وہ سُنتا ہے۔ جو آنکھیں رکھتا ہے۔ وہ دیکھتا ہے کہ یہ الفاظ معمولی الفاظ نہیں ہیں۔ میں کہتا ہوں اگر یہ معمولی لفظ تھے۔ تو بتلاؤ کہ موسیٰ علیہ السلام کو یا مسیح علیہ السلام یا کسی نبی کو بھی یہ طاقت کیوں نہ ہوئی کہ وہ یہ لفظ کہہ دیتا اصل یہی ہے جس کو یہ قوت یہ منصب نہیں ملا وہ کیونکر کہہ سکتا ہے۔ میں پھر کہتا ہوں کہ کسی نبی کو یہ شوکت یہ جلال نہ ملا جو ہمارے نبی کریمؐ کو ملا۔ بکری کو اگر ہر روز گوشت کھلاؤ تو وہ گوشت کھانے سے شیر نہ بن سکے گی۔ شیر کا بچہ ہی شیر ہوگا۔ پس یاد رکھو۔ یہی بات سچ ہے کہ اس نام کا مستحق اور واقعی حقدار ایک تھا۔ جو محمدؐ کہلایا۔ یہ دادِ الٰہی ہے۔ جس کے دل و دماغ میں چاہے۔ یہ قوتیں رکھ دیتی ہے اور خدا خوب جانتا ہے۔ کہ ان قوتوں کا محل اور موقعہ کونسا ہے۔ ہر ایک کا کام نہیں کہ اس راز کو سمجھ سکے۔ اور ہر ایک کے مُنہ میں وہ زبان نہیں جو یہ کہہ سکے کہ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا جبتک روح القدس کی خاص تائید نہ ہو۔ یہ کام نہیں نکل سکتا۔

آنحضرت صلعم کی تاثیرِ قدسی

رسُول اللہ میں وہ ساری قوتیں اور طاقتیں رکھی گئی ہیں۔ جو محمدؐ بنا دیتی ہیں تاکہ بالقوۃ باتیں بالفعل میں بھی آجاویں۔ اس لئے آپ نے یہ دعویٰ کیا کہ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ

[1] الاحزاب : ۵۷ [2] الاعراف : ۱۵۹

اِلَیۡکُمۡ جَمِیۡعًا۔ ایک قوم کے ساتھ جو مشقت کرنی پڑتی ہے۔ تو کس قدر مشکلات پیش آتی ہیں۔ ایک خدمتگار شریر ہو تو اس کا درست کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ آخر تنگ اور عاجز آ کر اس کو بھی نکال دیتا ہے۔ لیکن وہ کس قدر قابل تعریف ہوگا جو اسے درست کرلے۔ اور پھر وہ تو بڑا ہی مرد میدان ہی جو اپنی قوم کو درست کر سکے۔ حالانکہ یہ بھی کوئی بڑی بات نہیں مگر وہ جو مختلف قوموں کی اصلاح کیلئے بھیجا گیا۔ سوچو تو سہی کسقدر کامل اور زبردست قویٰ کا مالک ہوگا۔ مختلف طبیعت کے لوگ، مختلف عمروں، مختلف ملکوں۔ مختلف خیال۔ مختلف قویٰ کی مخلوق کو ایک ہی تعلیم کے نیچے رکھنا اور پھر ان سب کی تربیت کر کے دکھا دینا اور وہ تربیت بھی کوئی جسمانی نہیں بلکہ رُوحانی تربیت، خدا شناسی اور معرفت کی باریک سے باریک باتوں اور اسرار سے پُورا واقف بنا دینا اور نری تعلیم ہی نہیں بلکہ عامل بھی بنا دینا یہ کوئی چھوٹی سی بات نہیں ہے۔ دُنیا کے لئے اجتماع بھی ہو سکتے ہیں۔ کیونکہ اُن میں ذاتی مفاد اور دُنیوی لالچ کی ایک تحریک ہوتی ہے مگر کوئی یہ بتلائے کہ محض اللہ کے لئے پھر ایسے وقت میں کہ اس جلالی نام سے کُل دنیا ناواقف ہو اور پھر ایسی حالت میں کہ اس کا اقرار کرنا کہ دُنیا کی تمام مصیبتوں کو اپنے سر پر اُٹھا لینا ہو۔ کون کسی کے پاس آسکتا ہے؟ جبتک اللہ کی طرف بلانے والے کی عظیم الشان قوت جذب کی نہ ہو کہ بے اختیار ہو ہو کر دل اُس طرف کھچے آویں۔ اور وہ تمام تکلیفیں اور بلائیں اُن کے لئے محسوس اللذات اور مُدرک الحلاوت ہو جاویں۔ اب رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی جماعت کی طرف غور کرو تو پھر کیسا روشن طور پر معلوم ہوگا کہ آپ ہی اس قابل تھے کہ محمّد نام سے موسُوم ہوتے۔ اور اس دعویٰ کو جیسا کہ زبان سے کیا گیا تھا۔ اِنِّیۡ رَسُوۡلُ اللّٰہِ اِلَیۡکُمۡ جَمِیۡعًا اپنے عمل سے بھی کر کے دکھاتے چنانچہ وہ وقت آگیا کہ اِذَا جَآءَ نَصۡرُ اللّٰہِ وَ الۡفَتۡحُ وَ رَاَیۡتَ النَّاسَ یَدۡخُلُوۡنَ فِیۡ دِیۡنِ اللّٰہِ اَفۡوَاجًا[۱]۔ اس میں اس امر کی طرف صریح اشارہ ہے کہ آپ اُس وقت دنیا میں آئے۔ جب دینِ اللہ کو کوئی جانتا بھی نہ تھا اور عالمگیر تاریکی پھیلی ہُوئی تھی اور گئے اُس وقت کہ جبکہ اس نظارہ کو دیکھ لیا کہ یَدۡخُلُوۡنَ فِیۡ دِیۡنِ اللّٰہِ اَفۡوَاجًا۔

[۱] النصر: ۲، ۳

آنحضرتؐ کا عزم

جبتک اس کو پُورا نہ کر لیا۔ نہ تھکے نہ ماندہ ہوئے۔ مخالفوں کی مخالفتیں، اعداء کی سازشیں اور منصوبے، قتل کرنے کے مشورے، قوم کی تکلیفیں آپ کے حوصلہ اور ہمّت کے سامنے سب ہیچ اور بیکار تھیں اور کوئی چیز ایسی نہ تھی جو اپنے کام سے ایک لمحہ کے لئے بھی روک سکتی! اللہ تعالےٰ نے آپؐ کو اُس وقت تک زندہ رکھا۔ جبتک کہ آپؐ نے وہ کام نہ کر لیا جس کے واسطے آئے تھے۔ یہ بھی ایک بیّن ہے کہ خدا کی طرف سے آنے والے جھوٹوں کی طرح نہیں آتے۔

آنحضرتؐ کی کامیابی

اسی طرح پر آپؐ کی صدق نبوّت پر آپؐ کی زندگی سب سے بڑا نشان ہے۔ کوئی ہے جو اس پر نظر کرے؟ آپؐ کو دُنیا میں ایسے وقت پر بھیجا کہ دُنیا میں تاریکی چھائی ہوئی تھی اور اُس وقت تک زندہ رکھا کہ اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ[1] کی آواز آپؐ کو نہ آگئی۔ اور فوجوں کی فوجیں اسلام میں داخل ہوتی ہوئیں آپؐ نے نہ دیکھ لیں۔ غرض اس قسم کی بہت سی وجوہ ہیں جن سے آپؐ کا نام محمّدؐ رکھا گیا۔

احمدؐ نام کی وجہ

پھر آپؐ کا ایک اور نام بھی رکھا گیا۔ وہ احمدؐ ہے چنانچہ حضرت مسیحؑ نے اسی نام کی پیشگوئی کی تھی۔ "مبشرا برسولٍ یاتی من بعدی اسمہ احمد[2]"۔ یعنی میرے بعد ایک نبی آئے گا جس کی میں بشارت دیتا ہوں اور اس کا نام احمدؐ ہوگا۔ یہ اس بات کی طرف اشارہ تھا کہ جو اللہ تعالےٰ کی حد سے زیادہ تعریف کرنے والا ہو۔ اس لفظ سے صاف پایا جاتا ہے اور سچی بات بھی یہی ہے۔ کہ کوئی اُسی کی تعریف کرتا ہے جس سے کچھ لیتا ہے اور جس قدر زیادہ لیتا ہے اسی قدر زیادہ تعریف کرتا ہے۔ اگر کسی کو ایک روپیہ دیا جاوے تو وہ اسی قدر تعریف کرے گا۔ اور جس کو ہزار روپیہ دیا جاوے

[1] المائدۃ: ۴ [2] الصف: ۷

وہ اسی انداز سے کرے گا۔ غرض اس سے واضح طور پر پایا جاتا ہے کہ رسول اللہ صلعم نے سب سے زیادہ خدا کا فضل پایا ہے۔ دراصل اس نام میں ایک پیشگوئی ہے کہ یہ بہت ہی بڑے فضلوں کا وارث اور مالک ہوگا۔

محمدؐ و احمدؐ دو ناموں میں دو کمال

پھر آپؐ کے مبارک ناموں میں ایک سِرّ یہ ہے کہ محمدؐ اور احمدؐ جو دو نام ہیں۔ ان میں دو جُدا جُدا کمال ہیں۔ محمدؐ کا نام جلال اور کبریائی کو چاہتا ہے جو نہایت درجہ تعریف کیا گیا ہے۔ اور اس میں ایک معشوقانہ رنگ ہے۔ کیونکہ معشوق کی تعریف کی جاتی ہے۔ پس اس میں جلالی رنگ ہونا ضروری ہے۔ مگر احمدؐ کا نام اپنے اندر عاشقانہ رنگ رکھتا ہے۔ کیونکہ تعریف کرنا عاشق کا کام ہے۔ وہ اپنے محبوب اور معشوق کی تعریف کرتا رہتا ہے اس لئے جیسے محمدؐ محبوبانہ شان میں جلال اور کبریائی کو چاہتا ہے اسی طرح احمدؐ عاشقانہ شان میں ہو کر غربت اور انکساری کو چاہتا ہے۔ اس میں ایک سِرّ یہ تھا۔ کہ آپؐ کی زندگی کی تقسیم دو حصّوں پر کر دی گئی۔ ایک تو مکّی زندگی جو ۱۳ برس کے زمانہ کی ہے۔ اور دوسری وہ زندگی جو مدنی زندگی ہے۔ اور وہ ۱۰ برس کی ہے۔ مکّہ کی زندگی میں اسم احمدؐ کی تجلّی تھی۔ اس وقت آپؐ کی دن رات خدا تعالےٰ کے حضور گریہ و بکا اور طلبِ استعانت اور دُعا میں گزرتی تھی۔ اگر کوئی شخص آپؐ کی اس زندگی کے بسر اوقات پر پُوری اطلاع رکھتا ہو۔ تو اُسے معلوم ہو جائے گا۔ کہ جو تضرّع اور زاری آپؐ نے اس مکّی زندگی میں کی ہے وہ کبھی کسی عاشق نے اپنے محبُوب و معشوق کی تلاش میں کبھی نہیں کی اور نہ کر سکے گا۔ پھر آپؐ کی تضرّع اپنے لئے نہ تھی۔ بلکہ یہ تضرّع دنیا کی حالت کی پوری واقفیت کی وجہ سے تھی۔ خدا پرستی کا نام و نشان چونکہ مٹ چکا تھا اور آپؐ کی روح اور خمیر میں اللہ تعالیٰ میں ایمان رکھ کر ایک لذّت اور سرُور آچکا تھا اور فطرتاً دنیا کو اس لذّت اور محبّت سے سرشار کرنا چاہتے تھے۔ ادھر دُنیا کی حالت کو دیکھتے تھے۔ تو اُن کی

استعدادیں اور فطرتیں عجیب طرز پر واقع ہو چکی تھیں اور بڑے مشکلات اور مصائب کا سامنا تھا۔ غرض دنیا کی اس حالت پر آپ گریہ و زاری کرتے تھے۔ اور یہانتک کرتے تھے کہ قریب تھا کہ جان نکل جاتی۔ اسی کی طرف اشارہ کر کے اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا یَكُوْنُوْا مُؤْمِنِیْنَ[1]۔ یہ آپ کی متضرعانہ زندگی تھی۔ اور اسم احمدؐ کا ظہور تھا۔ اس وقت آپ ایک عظیم الشان توجہ میں پڑے ہوئے تھے۔ اس توجہ کا ظہور مدنی زندگی اور اسم محمدؐ کی تجلی کے وقت ہوا جیسا کہ اس آیت سے پتہ لگتا ہے۔ وَ اسْتَفْتَحُوْا وَخَابَ كُلُّ جَبَّارٍ عَنِیْدٍ[2]۔

مامورین پر ابتلا کیوں؟

یہ سُنّت اللہ ہے کہ مامور من اللہ ستائے جاتے ہیں۔ دُکھ دیئے جاتے ہیں۔ مشکل پر مشکل اُن کے سامنے آتی ہے نہ اس لئے کہ وہ ہلاک ہو جاویں بلکہ اس لئے کہ نصرت الٰہی کو جذب کریں۔ یہی وجہ تھی کہ آپ کی مکی زندگی کا زمانہ مدنی زندگی کے بالمقابل دراز ہے چنانچہ مکہ میں ۱۳ برس گذرے اور مدینہ میں دس برس۔ جیسا کہ اس آیت سے پایا جاتا ہے ہر نبی اور مامور من اللہ کے ساتھ یہی حال ہوا ہے کہ اوائل میں دکھ دیا گیا۔ مکّار۔ فریبی۔ دوکاندار اور کیا کیا کہا گیا ہے۔ کوئی بُرا نام نہیں ہوتا جو اُن کا نہیں رکھا جاتا۔ وہ نبی اور مامور ہر ایک بات کی برداشت کرتے اور ہر دُکھ کو سہہ لیتے ہیں۔ لیکن جب انتہا ہو جاتی ہے تو پھر بنی نوع انسان کی ہمدردی کے لئے دوسری قوت ظہور پکڑتی ہے اسی طرح پر رسول اللہ صلعم کو ہر قسم کا دُکھ دیا گیا ہے۔ اور ہر قسم کا بُرا نام آپ کا رکھا گیا ہے۔ آخر آپ کی توجہ نے زور مارا۔ اور وہ انتہا تک پہنچی جیسا استفتحوا سے پایا جاتا ہے۔ اور نتیجہ یہ ہوا۔ وَخَابَ كُلُّ جَبَّارٍ عَنِیْدٍ۔ تمام شریروں اور شرارتوں کے منصوبے کرنے والوں کا خاتمہ ہو گیا۔ یہ توجہ مخالفوں کی شرارتوں کے انتہا پر ہوتی ہے۔ کیونکہ اگر اوّل ہی ہو تو پھر خاتمہ ہو جاتا ہے!! مکہ کی زندگی میں حضرت احدیت کے حضور گرنا اور چلّاتا

[1] الشعراء: ۴ [2] ابراھیم: ۱۶

تھا۔ اور وہ اس حالت تک پہنچ چکا تھا کہ دیکھنے والوں اور سُننے والوں کے بدن پر لرزہ پڑ جاتا ہے۔ مگر آخر مدنی زندگی کے جلال کو دیکھو کہ وہ جو شرارتوں میں سرگرم اور قتل اور اخراج کے منصُوبوں میں مصروف رہتے تھے۔ سب کے سب ہلاک ہوئے اور باقیوں کو اس کے حضور عاجزی اور منّت کے ساتھ اپنی خطاؤں کا اقرار کر کے معافی مانگنی پڑی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے دیکھو کس قدر فائدہ پہنچا۔ ایک زمانہ میں یہ ایمان نہ لائے تھے۔ اور چار برس کا توقف ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ خُوب مصلحت سمجھتا ہے کہ اس میں کیا سِرّ تھا۔ ابوجہل نے تلاش کی کہ کوئی ایسا شخص تلاش کیا جاوے جو رسُول اللہؐ کو قتل کر دے۔ اس وقت حضرت عمرؓ بڑے بہادر اور دلیر مشہور تھے۔ اور شوکت رکھتے تھے۔ انہوں نے آپس میں مشورہ کر کے رسُول اللہؐ کے قتل کا بیڑا اٹھایا اور معاہدہ پر حضرت عمرؓ اور ابوجہل کے دستخط ہو گئے اور قرار پایا کہ اگر عمر قتل کر آویں تو اس قدر روپیہ دیا جاوے۔

(الحکم جلد ۵ نمبر ۲ صفحہ ۲۔۴ مورخہ ۱۷ جنوری ۱۹۰۱ء)

شہید کرنے کا خواہاں عمرؓ خود جام شہادت نوش کرتے ہیں

حضرت عمرؓ کی ابتدا اور انتہا

ظالم عمر شہید عمرؓ ہو گیا!

اللہ تعالیٰ کی قدرت ہے کہ وہ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو ایک وقت رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو شہید کرنے کے لئے جاتے ہیں۔ دوسرے وقت وہی عمرؓ اسلام میں ہو کر خود شہید ہوتے ہیں۔ وہ کیا عجیب زمانہ تھا۔ غرض اس وقت یہ معاہدہ ہوا۔ کہ میں قتل کرتا ہوں۔ اس تحریر کے بعد آپؐ کی تلاش اور تجسّس میں لگے راتوں کو پھرتے تھے کہ کہیں تنہا مل جاویں تو قتل کر دوں۔ لوگوں سے دریافت کیا کہ آپؐ تنہا کہاں ہوتے ہیں لوگوں نے کہا نصف رات گزرنے کے بعد خانہ کعبہ میں جا کر نماز پڑھا کرتے ہیں حضرت

عمر یہ سُنکر بہت ہی خوش ہوئے۔ چنانچہ خانہ کعبہ میں آکر چھپ رہے۔ جب تھوڑی دیر گزری تو جنگل سے لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کی آواز آتی ہوئی معلوم ہوئی۔ اور وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی آواز تھی۔ اس آواز کو سُنکر اور یہ معلوم کر کے کہ وہ ادھر ہی کو آرہی ہے۔ حضرت عمرؓ اور بھی احتیاط کر کے چھپے اور یہ ارادہ کر لیا۔ کہ جب سجدہ میں جائیں گے۔ تو تلوار مار کر سر مبارک تن سے جُدا کر دوں گا۔ آپ نے آتے ہی نماز شروع کر دی۔ پھر اس کے آگے کے واقعات خود حضرت عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سجدہ میں اس قدر رو رو کر دُعائیں کیں کہ مجھ پر لرزہ پڑنے لگا۔ یہانتک کہ آنحضرت صلعم نے یہ بھی کہا۔ سَجَدَ لَكَ رُوْحِيْ وَجَنَانِيْ یعنی اے میرے مولےٰ میری رُوح اور میرے دل نے بھی تجھے سجدہ کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں۔ کہ ان دعاؤں کو سُن سُن کر جگر پاش پاش ہوتا تھا۔ آخر میرے ہاتھ سے ہیبتِ حق کی وجہ سے تلوار گر پڑی۔ میں نے آنحضرت صلعم کی اس حالت سے سمجھ لیا کہ یہ سچا ہے اور ضرور کامیاب ہو جائے گا۔ مگر نفس امّارہ بُرا ہوتا ہے۔ جب آپ نماز پڑھ کر نکلے میں پیچھے پیچھے ہو لیا۔ پاؤں کی آہٹ جو آپؐ کو معلوم ہوئی۔ رات اندھیری تھی۔ آنحضرت صلعم نے پوچھا۔ کَون ہے؟ میں نے کہا عمرؓ۔ آپؐ نے فرمایا۔ اے عُمرؓ نہ تو رات کو پیچھا چھوڑتا ہے اور نہ دن کو۔ اس وقت مجھے رسُول اللہؐ کی رُوح کی خوشبو آئی اور میری رُوح نے محسوس کیا کہ آنحضرت صلعم بد دُعا کریں گے۔ میں نے عرض کیا۔ یا حضرت۔ بد دُعا نہ کریں

حضرت عمرؓ جمالی شان کا شکار ہو گئے

حضرت عمرؓ کہتے ہیں کہ وہ وقت اور وہ گھڑی میرے اسلام کی تھی۔ یہانتک کہ خدا نے مجھے توفیق دی کہ میں مسلمان ہو گیا۔

اب سوچو۔ کہ اس تضرّع اور بکا میں کیسی تلوار مخفی تھی۔ کہ جس نے عمرؓ جیسے انسان کو جو قتل کے لئے معاہدہ کر کے آتا ہے۔ اپنی ادا کا شہید کر لیا۔ اس توجہ اور زاری میں

ایسی تلوار ہوتی ہے۔ جو سیف و سنان سے بڑھ کر کام کرتی ہے۔ غرض وہ زمانہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی مکی زندگی کا اسم احمدؐ کے ظہور کا زمانہ تھا۔ اس لئے مکہ میں عاشقانہ رنگ کا جلوہ دکھایا۔ اپنے آپ کو خاک میں ملا دیا اور ہزاروں موتیں اپنے آپ پر وارد کرلیں۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اس جوش، وفا، تضرع اور دعا و بکا کا اندازہ نہیں کرسکتا۔ ان موتوں کے بعد وہ قوت وہ زندگی آپؐ کو ملی کہ ہزاروں لاکھوں مُردوں کے زندہ کرنے والا ٹھہرے اور حاشر الناس کہلائے۔ اور ابتک اپنی قوت قدسی کے زور سے کروڑہا مُردوں کو زندہ کر رہے ہیں اور قیامت تک کرتے رہیں گے۔

پس اس مکی زندگی اور عاشقانہ ظہور کے بعد جو اسم احمدؐ کی تجلی تھی۔ دوسرا دَور آپ کی جلالی زندگی اسم محمد صلے اللہ علیہ وسلم کے ظہور کا معشوقانہ شان میں ہوا جبکہ مکہ والوں کی دشمنی کی انتہا ہو چکی اور دعاؤں اور توجہ کی حد ہو گئی۔ نابکار مخالفوں کی عداوت حد سے بڑھ کر بیت اللہ سے نکال دینے کا باعث ہوئی۔ اور اس پر بھی بس نہ کی بلکہ تعاقب کیا اور اپنی طرف سے کوئی دقیقہ تکلیف دہی اور ایذا رسانی کا باقی نہ رکھا تو آپؐ مدینہ تشریف لائے۔ اور پھر حکم ہوا کہ مداخلت کی جاوے۔ اللہ تعالیٰ کی غیرت نے جوش مارا اور جلال الٰہی نے اسم محمدؐ کا جلوہ دکھانے کا ارادہ فرمایا۔ جس کا ظہور مدنی زندگی میں ہوا۔

آنحضرتؐ کی بعثت کی غرض

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دنیا میں آنے کی غرض و غایت تو صرف یہ تھی کہ دنیا پر اس خدا کا جلال ظاہر کریں جو مخلوق کی نظروں اور دلوں سے پوشیدہ ہو چکا تھا۔ اور اس کی جگہ باطل اور بیہودہ معبودوں بتوں اور پتھروں نے لے لی تھی۔ اور یہ اسی صورت میں ممکن تھا کہ اللہ تعالیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جمالی اور جلالی زندگی میں جلوہ گری فرماتا اور اپنے دست قدرت کا کرشمہ دکھاتا۔ پس رسول اللہ صلے

اللہ علیہ وسلم ایک کامل نمونہ اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے اور محبوب الٰہی بننے کا ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے صاف الفاظ میں فرما دیا کہ قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ[1] یعنی ان کو کہہ دو کہ اگر تم چاہتے ہو کہ محبوب الٰہی بن جاؤ اور تمہارے گناہ بخش دیئے جاویں۔ تو اس کی ایک ہی راہ ہے کہ میری اطاعت کرو۔

کیا مطلب کہ میری پیروی ایک ایسی شئے ہے جو رحمت الٰہی سے ناامید ہونے نہیں دیتی۔ گناہوں کی مغفرت کا باعث ہوتی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کا محبوب بنا دیتی ہے۔ اور تمہارا یہ دعویٰ کہ ہم اللہ تعالیٰ سے محبت کرتے ہیں اسی صورت میں سچا اور صحیح ثابت ہوگا۔ کہ تم میری پیروی کرو۔

اطاعت رسُول کے بغیر قرب الٰہی ممکن نہیں

اس آیت سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ انسان اپنے کسی خود تراشیدہ طرز ریاضت و مشقت اور جپ تپ سے اللہ تعالیٰ کا محبوب اور قرب الٰہی کا حقدار نہیں بن سکتا۔ انوار و برکات الٰہیہ کسی پر نازل نہیں ہو سکتیں جبتک وہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت میں کھویا نہ جاوے۔

اور جو شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں گم ہو جاوے اور آپؐ کی اطاعت اور پیروی میں ہر قسم کی موت اپنی جان پر وارد کر لے۔ اس کو وہ نُورِ ایمان۔ محبت اور عشق دیا جاتا ہے جو غیر اللہ سے رہائی دلا دیتا ہے۔ اور گناہوں سے رُستگاری اور نجات کا موجب ہوتا ہے۔ اسی دنیا میں وہ ایک پاک زندگی پاتا ہے۔ اور نفسانی جوش و جذبات کی تنگ و تاریک قبروں سے نکال دیا جاتا ہے۔ اُسی کی طرف یہ حدیث اشارہ کرتی ہے۔ انا الحاشر الذی یحشر الناس علٰی قدمی یعنی میں وہ مُردوں کو اُٹھانے والا ہوں جس کے قدموں پر لوگ اُٹھائے جاتے ہیں۔ غرض یہ ہے کہ وہ علوم جو مدار نجات ہیں۔ یقینی اور قطعی طور پر بجز اس حیات کے حاصل نہیں ہو سکتی۔ جو بتوسط روح القدس انسان کو

[1] آل عمران: ۳۲

ملتی ہے۔ اور قرآن شریف کی یہ آیت صاف طور پر ادر پکار کر یہ دعوی کرتی ہے۔ کہ وہ حیات رُوحانی صرف رسُول اللہ صلعم کی اطاعت سے ملتی ہے۔ اور وہ تمام لوگ جو بُخل اور عناد کی وجہ سے نبی کریمؐ کی متابعت سے سرکش ہیں۔ وہ شیطان کے سائے کے نیچے ہیں۔ اس میں اس پاک زندگی کی رُوح نہیں ہے۔ جو بظاہر زندہ کہلاتا ہے لیکن مُردہ ہے۔ جبکہ شیطان اُس کے دل پر سوار ہے۔ افسوس اس کو موت یاد نہیں ہے۔ موت کیا دُور ہے۔ جس کی پچاس برس کی عمر ہو چکی ہے۔ اگر وہ زندگی پالیگا تو دو چار برس اَور پا لیگا۔ یا زیادہ سے زیادہ دس برس۔ اور آخر مرنا ہوگا۔ موت ایک یقینی شئے ہے۔ جس سے ہرگز ہرگز کوئی بچ نہیں سکتا۔ میں دیکھتا ہوں کہ لوگ روپیہ پیسہ کے حساب میں ایسے غلطاں پیچاں رہتے ہیں کہ کچھ حد نہیں۔ مگر عمر کا حساب کبھی بھی نہیں کرتے۔ بدبخت ہے وہ انسان جس کو عُمر کے حساب کی طرف توجہ نہ ہو۔ سب سے ضروری اور حساب کے لائق جو شئے ہے وہ تو عمر ہی ہے۔ ایسا نہ ہو کہ مَوت آجائے اور یہ حسرت لے کر دُنیا سے کُوچ کرے۔ قرآن شریف سے ثابت ہوتا ہے کہ جیسے بہشتی زندگی اسی دنیا سے شروع ہو جاتی ہے۔ جہنّم کی زندگی بھی یہاں ہی سے شروع ہو جاتی ہے۔ جب انسان حسرت کے ساتھ مرتا ہے۔ تو بہت بڑے جہنّم میں ہوتا ہے۔ جب دیکھتا ہے کہ اب چلا ہیضہ طاعون محرقہ خفقان یا کسی اَور شدید مرض میں مبتلا ہوتا ہے۔ تو موت سے پہلے ایک موت وارد ہو جاتی ہے۔ جو دل اور رُوح کو فرسُودہ کر دیتی ہے۔ اور وہ بھی حسرت ہوتی ہے۔ بعض امراض ایسے ہیں۔ کہ دو منٹ میں دَم لینے نہیں دیتے۔ اور جھٹ پٹ کام تمام کر دیتے ہیں۔ جس نے ایک دن بھی مطالعہ کیا کہ میں مرنے والا جانور ہوں۔ وہ اس عذاب سے بچنے کی فکر میں ہوا جو انسان کو حسرت کے رنگ میں کھا جاتا ہے۔

ہمارے عزیزوں میں سے ایک کو قولنج ہوئی۔ آخر پیشاب بند ہو کر سیاہ رنگ کی ایک قَے ہوئی اور اس کے ساتھ ہی گردن ڈھلک گئی۔ اس وقت کہا کہ اب معلوم ہوا کہ دُنیا

کچھ چیز نہیں۔ یقیناً یاد رکھو کہ دُنیا کوئی چیز نہیں۔ کون کہہ سکتا ہے کہ ہم سب جو اس وقت یہاں موجود ہیں سال آئندہ میں بھی ضرور ہوں گے۔ بہت سے ہمارے دوست جو پچھلے سال موجود تھے آج نہیں ہیں۔ انہیں کیا معلوم تھا۔ کہ اگلے سال ہم نہ ہوں گے۔ اسی طرح اب کون کہہ سکتا ہے کہ ہم ضرور ہوں گے۔ اور کس کو معلوم ہے کہ مرنے والوں کی فہرست میں کس کس کا نام ہے۔ پس بڑا ہی مُور کھ ہے اور نادان ہے وہ شخص جو مرنے سے پہلے خدا سے صُلح نہیں کرتا۔ اور جھوٹی برادری کو نہیں چھوڑتا۔

بد صُحبت کا انجام

انسان کو ہلاک کرنے والی چیزوں میں سے ایک بد صُحبت بھی ہے۔ دیکھو ابوجہل خود تو ہلاک ہوا۔ مگر اور بھی بہت سے لوگوں کو لے مرا۔ جو اس کے پاس جا کر بیٹھا کرتے تھے اس کی صحبت اور مجلس میں بجز استہزاء اور ہنسی ٹھٹے کے اور کوئی ذکر ہی نہ تھا۔ یہی کہتے تھے۔ اِنَّ ھٰذَا لَشَیۡءٌ یُّرَادُ[1]۔ میاں یہ دوکانداری ہے۔

آنحضرتؐ کی شان بلند کا نظارہ

اب دیکھو اور بتلاؤ کہ وہ جس کو دوکاندار اور ٹھگ کہا جاتا تھا۔ ساری دنیا میں اسی کا نُور ہے یا کسی اور کا بھی۔ ابوجہل مر گیا۔ اور اس پر لعنت کے سوا کچھ نہ رہا۔ مگر رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان بلند کو دیکھو کہ شب و روز بلکہ ہر وقت درُود پڑھا جاتا ہے۔ اور ۹۹ کروڑ مسلمان اس کے خادم موجود ہیں۔ اگر اب ابوجہل پھر آتا۔ تو آکر دیکھتا کہ جسے اکیلا مکہ کی گلیوں میں پھرتا دیکھتا تھا۔ جس کی ایذاہی میں کوئی دقیقہ باقی نہ رکھتا تھا۔ اس کے ساتھ جب ۹۹ کروڑ انسانوں کے مجمع کو دیکھتا حیران رہ جاتا۔ اور یہ نظارہ ہی اس کو ہلاک کر دیتا۔ یہ ہے ثبوت آپؐ کی رسالت کی سچائی کا۔ اگر اللہ تعالیٰ ساتھ نہ ہوتا۔ تو یہ کامیابی نہ ہوتی۔ کس قدر کوششیں اور منصوبے آپؐ کی عداوت اور مخالفت کے لئے کئے۔ مگر آخر ناکام اور نامُراد ہونا پڑا۔ اس ابتدائی حالت میں جب چند آدمی آپؐ کے ساتھ تھے۔ کون دیکھ سکتا تھا کہ یہ عظیم الشان

[1] صٓ: ۷

انسان دُنیا میں ہوگا۔ اور ان مخالفوں کی سازشوں سے صحیح اور سلامت بچ کر کامیاب ہو جائیگا۔ مگر یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ کی عادت اسی طرح پر ہے کہ انجام خدا کے بندوں کا ہی ہوتا ہے۔ قتل کی سازشیں، کفر کے فتوے، مختلف قسم کی ایذائیں ان کا کچھ بگاڑ نہیں سکتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے سچ فرمایا ہے۔ یُرِیْدُوْنَ لِیُطْفِـُٔوْا نُوْرَ اللّٰہِ بِاَفْوَاھِھِمْ وَاللّٰہُ مُتِمُّ نُوْرِہٖ وَلَوْ کَرِہَ الْکَافِرُوْنَ۔[۱] یہ شریر کافر اپنے مُنہ کی پھونکوں سے نوراللہ کو بجھانا چاہتے ہیں۔ اللہ اپنے نُور کو کامل کرنے والا ہے۔ کافر بُرا مناتے ہیں مُنہ کی پھونکیں کیا ہوتی ہیں؟ یہی کسی نے ٹھگ کہدیا۔ کسی نے دوکاندار اور کافر و بیدین کہدیا۔ غرض یہ لوگ ایسی باتوں سے چاہتے ہیں کہ اللہ تعالےٰ کے نُور کو بجھا دیں مگر وہ کامیاب نہیں ہو سکتے۔ نُوراللہ کو بجھاتے بجھاتے خود ہی جل کر ذلیل ہو جاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے لوگوں کے لشکر آسمان پر ہوتے ہیں۔ منکر اور زمینی لوگ اُن کو دیکھ نہیں سکتے۔ اگر اُن کو معلوم ہو جاوے اور وہ ذرا سا بھی دیکھ پائیں تو ہیبت سے ہلاک ہو جائیں مگر یہ لشکر نظر نہیں آسکتا جبتک انسان اللہ تعالیٰ کی چادر کے نیچے نہ آئے۔

میں پھر اصل مطلب کی طرف رجُوع کر کے کہتا ہوں کہ سعادت عظمیٰ کے حصُول کے لئے اللہ تعالیٰ نے ایک ہی راہ رکھی ہے کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کی جاوے جیسا کہ اس آیت میں صاف فرما دیا ہے۔ قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ[۲] یعنی آؤ میری پیروی کرو۔ تاکہ اللہ بھی تم کو دوست رکھے۔ اس کے یہ معنے نہیں ہیں کہ رسمی طور پر عبادت کرو۔ اگر حقیقت مذہب یہی ہے تو پھر نماز کیا چیز ہے اور روزہ کیا چیز ہے خود ہی ایک بات سے رُکے اور خود ہی کرے۔ اسلام محض اس کا نام نہیں ہے۔ اسلام تو یہ ہے۔ کہ بکرے کی طرح سر رکھدے جیسا کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرا مرنا، میرا جینا، میری نماز، میری قربانیاں اللہ ہی کے لئے ہیں اور سب سے پہلے میں اپنی گردن رکھتا ہوں۔ یہ فخر اسلام کا رسُول اللہ صلی اللہ وسلم ہی کو

[۱] الصّف : ۹ [۲] آل عمران : ۳۲

اوّلیت کا ہے۔ نہ ابراہیم کو نہ کسی اور کو۔ یہ اسی کی طرف اشارہ ہے۔ کُنْتُ نَبِیًّا وَّ اٰدَمُ بَیْنَ الْمَاءِ وَالطِّیْنِ۔ اگرچہ آپؐ سب نبیوں کے بعد آئے۔ مگر یہ صدا کہ میرا مرنا اور میرا جینا اللہ تعالیٰ کے لئے ہے۔ دوسرے کے مُنہ سے نہیں نکلی۔

اب دنیا کی حالت کو دیکھو کہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تو اپنے عمل سے یہ دکھایا۔ کہ میرا مرنا اور جینا سب کچھ اللہ تعالیٰ کے لئے ہے اور یا اب دنیا میں مسلمان موجود ہیں۔ کسی سے کہا جاوے کہ کیا تُو مسلمان ہے؟ تو کہتا ہے۔ الحمدللہ جس کا کلمہ پڑھتا ہے اس کی زندگی کا اصول تو خدا کے لئے تھا۔ مگر یہ دنیا کے لئے جیتا اور دنیا ہی کیلئے مرتا ہے اس وقت تک کہ غرغرہ شروع ہو جاوے۔ دنیا ہی اس کی مقصود، محبوب اور مطلوب رہتی ہے۔ پھر کیونکر کہہ سکتا ہے کہ میں رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کرتا ہوں۔

یہ بڑی غور طلب بات ہے۔ اس کو سرسری نہ سمجھو۔ مسلمان بننا آسان نہیں ہے۔ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت اور اسلام کا نمونہ جب تک اپنے اندر پیدا نہ کرو۔ مطمئن نہ ہو۔

یہ صرف چھلکا ہی چھلکا ہے۔ اگر بدُون اتباع مسلمان کہلاتے ہو۔ نام اور چھلکے پر خوش ہو جانا دانشمند کا کام نہیں ہے۔ کسی یہودی کو ایک مسلمان نے کہا کہ تو مسلمان ہو جا۔ اس نے کہا تو صرف نام ہی پر خوش نہ ہو جا۔ میں نے اپنے لڑکے کا نام خالد رکھا تھا اور شام سے پہلے ہی اُسے دفن کر آیا۔ پس حقیقت کو طلب کرو۔ نرے ناموں پر راضی نہ ہو جاؤ۔ کس قدر شرم کی بات ہے۔ کہ انسان عظیم الشان نبیؐ کا اُمتی کہلا کر کافروں کی سی زندگی بسر کرے۔ تم اپنی زندگی میں محمد رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نمونہ دکھاؤ وہی حالت پیدا کرو۔ اور دیکھو اگر وہی حالت نہیں ہے۔ تو تم طاغوت کے پیرو ہو۔

غرض یہ بات اب بخوبی سمجھ میں آسکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا محبوب ہونا انسان کی

زندگی کی غرض و غایت ہونی چاہیئے۔ کیونکہ جب تک اللہ تعالے کا محبوب نہ ہو۔ اور خدا کی محبت نہ ملے۔ کامیابی کی زندگی بسر نہیں کر سکتا۔ اور یہ امر پیدا نہیں ہوتا جبتک رسول اللہؐ کی سچی اطاعت اور متابعت نہ کرو۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عمل سے دکھا دیا ہے۔ کہ اسلام کیا ہے؛ پس تم وہ اسلام اپنے اندر پیدا کرو۔ تاکہ تم خدا کے محبوب بنو۔

اب میں پھر یہ بتانا چاہتا ہوں کہ حمد ہی سے محمدؐ اور احمدؐ نکلا ہے۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔ اور یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دو نام تھے۔ گویا حمد کے دو مظہر ہوئے اور پھر الحمد للہ کے بعد اللہ تعالیٰ کی چار صفتیں رب العالمین۔ الرحمن۔ الرحیم مالک یوم الدین بیان کی ہیں۔

الحمد للہ کا مظہر

میں نے ابھی بیان کیا ہے کہ الحمد للہ کا مظہر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دو ظہوروں محمدؐ اور احمدؐ میں ہوا۔ اب نبی کامل صلی اللہ علیہ وسلم کی ان صفات اربعہ کو بیان کر کے صحابہ کرامؓ کی تعریف میں پورا بھی کر دیا۔ گویا اللہ تعالیٰ ظلی طور پر اپنی صفات دینا چاہتا ہے۔ اس لئے فنا فی اللہ کے یہی معنے ہیں کہ انسان الٰہی صفات کے اندر آجاوے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت کا رنگ

اب دیکھو کہ ان صفات اربعہ کا عملی نمونہ صحابہ میں کیسا دکھایا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے تو مکہ کے لوگ ایسے تھے۔ جیسے بچہ دودھ پینے کا محتاج ہوتا ہے۔ گویا ربوبیت کے محتاج تھے۔ وحشی اور درندوں کی سی زندگی بسر کرتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ماں کی طرح دودھ پلا کر اُن کی پرورش کی۔ پھر رحمانیت کا پرتو کیا۔ وہ سامان دیئے کہ جن میں کوشش کو کوئی دخل نہ تھا۔ قرآن کریم جیسی نعمت اور رسول کریمؐ جیسا نمونہ عطا فرمایا۔ پھر رحیمیت کا ظہور بھی دکھلایا۔ کہ جو کوششیں کیں ان

پر نتیجے مترتب کئے۔ اُن کے ایمانوں کو قبول فرمایا اور نصاریٰ کی طرح ضلالت میں نہ پڑنے دیا۔ بلکہ ثابت قدمی اور استقلال عطا فرمایا۔ کوشش میں یہ برکت ہوتی ہے۔ کہ خدا ثابت قدم کر دیتا ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں کوئی مُرتد نہ ہوا۔ دوسرے نبیوں کے احباب میں ہزاروں ہوتے تھے۔ حضرت مسیحؑ کے تو ایک ہی دن میں پانسو مرتد ہو گئے۔ اور جن پر بڑا اعتبار اور وثُوق تھا۔ اُن میں سے ایک نے تو تیس درہم لیکر پکڑوا دیا۔ اور دوسرے نے تین بار لعنت کی۔

بات دراصل یہ ہے کہ مُربی کے قویٰ کا اثر ہوتا ہے۔ جس قدر مُربی قوی التاثیر اور کامل ہوگا۔ ویسی ہی اس کی تربیت کا اثر مستحکم اور مضبوط ہوگا۔

نبی کریمؐ کی قوت قدسی کا ایک اَور ثبوت

یہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قوت قدسی کے کامل اور سب سے بڑھ کر ہونے کا ایک اور ثبوت ہے۔ کہ آپؐ کے تربیت یافتہ گروہ میں وہ استقلال اور رسُوخ تھا۔ کہ وہ آپؐ کے لئے اپنی جان مال تک دینے سے دریغ نہ کرنے والے میدان میں ثابت ہوئے۔ اور مسیحؑ کے نقص کا یہ بدیہی ثبوت ہے۔ کہ جو جماعت تیار کی۔ وہی گرفتار کرانے اور جان سے مروانے اور لعنت کرنے والے ثابت ہوئے۔ غرض رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رحیمیت کا اثر تھا کہ صحابہؓ میں ثبات قدم اور استقلال تھا۔ پھر مالک یوم الدین کا عملی ظہور صحابہ کی زندگی میں یہ ہوا۔ کہ خدا نے اُن میں اور اُن کے غیروں میں **فرقان** رکھ دیا۔ جو معرفت اور خدا کی محبت دنیا میں اُن کو دی گئی۔ یہ ان کی دنیا میں جزا تھی اب قصہ کوتاہ کرتا ہوں۔ کہ صحابہ رضی اللہ عنہم میں ان صفات اربعہ کی تجلی چمکی۔ لیکن بات بڑی غور طلب ہے۔ کہ صحابہؓ کی جماعت اتنی ہی نہ سمجھو۔ جو پہلے گزر چکے۔ بلکہ ایک اَور گروہ بھی ہے۔ جس کا اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں ذکر کیا ہے۔ وہ بھی صحابہ ہی میں داخل ہے۔ جو **احمدؐ** کے بروز کے ساتھ ہوں گے۔ چنانچہ فرمایا۔ وَاٰخَرِیْنَ مِنْهُمْ لَمَّا

یَلْحَقُوْا بِہِمْ[1] یعنی صحابہؓ کی جماعت کو اسی قدر نہ سمجھو بلکہ مسیح موعودؑ کے زمانہ کی جماعت بھی صحابہ ہی ہو گی۔

صحابہؓ کے ہمرنگ

اس آیت کے متعلق مفسّروں نے مان لیا ہے کہ یہ مسیح موعود کی جماعت ہے۔ مِنْھُمْ کے لفظ سے پایا جاتا ہے کہ باطنی توجہ اور استفاضہ صحابہؓ ہی کی طرح ہوگا۔ صحابہؓ کی تربیت ظاہری طور پر ہوئی تھی۔ مگر اُن کو کوئی دیکھ نہیں سکتا۔ وہ بھی رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت کے نیچے ہوں گے۔ اس لئے سب علماء نے اس گروہ کا نام صحابہ ہی رکھا ہے۔ جیسے ان صفات اربعہ کا ظہور اُن صحابہؓ میں ہوا تھا۔ ویسے ہی ضروری ہے۔ کہ اٰخَرِیْنَ مِنْھُمْ لَمَّا یَلْحَقُوْا بِھِمْ[1] کی مصداق جماعت صحابہ میں بھی ہو۔

اب دیکھو کہ صحابہؓ کو بدر میں نُصرت دی گئی اور فرمایا گیا کہ یہ نُصرت ایسے وقت میں دی گئی جبکہ تم تھوڑے تھے۔ اس بدر میں کُفر کا خاتمہ ہو گیا۔ بدر پر ایسے عظیم الشّان نشان کے اظہار میں آئندہ کی بھی ایک خبر رکھی گئی تھی۔

مسیح موعودؑ کے زمانہ کی پیشگوئی

اور یہ کہ بدر چودھویں کے چاند کو بھی کہتے ہیں۔ اس سے چودھویں صدی میں اللہ تعالیٰ کی نُصرت کے اظہار کی طرف بھی ایماء ہے۔ اور یہ چودھویں صدی وہی صدی ہے جس کے لئے عورتیں تک کہتی تھیں کہ چودھویں صدی خیر و برکت کی آئے گی۔ خدا کی باتیں پُوری ہوئیں اور چودھویں صدی میں اللہ تعالیٰ کے منشار کے موافق اسم احمدؐ کا بروز ہوا۔ اور وُہ مَیں ہوں۔ جس کی طرف اس واقعۂ بدر میں پیشگوئی تھی جس کے لئے رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام کہا۔ مگر افسوس کہ جب وہ دن آیا۔ اور چودھویں کا چاند نکلا تو دوکاندار۔ خود غرض کہا گیا۔ افسوس اُن پر جنہوں نے دیکھا اور نہ دیکھا وقت پایا اور نہ پہچانا۔ وہ مر گئے جو منبروں پر چڑھ چڑھ کر رویا کرتے تھے کہ چودھویں صدی میں یہ ہوگا اور وہ رہ گئے جو اب منبروں پر چڑھکر

[1] الجمعۃ: ۴

کہتے ہیں کہ جو آیا ہے وہ کاذب ہے!!! اُن کو کیا ہو گیا۔ یہ کیوں نہیں دیکھتے۔ اور کیوں نہیں سوچتے اس وقت بھی اللہ تعالیٰ نے بدر ہی میں مدد کی تھی۔ اور وُہ مدد اَذِلَّۃ کی مدد تھی جس وقت تین سو تیرہ آدمی صرف میدان میں آئے تھے۔ اور کل دو تین لکڑی کی تلواریں تھیں۔ اور ان تین سو تیرہ میں زیادہ تر چھوٹے بچے تھے۔ اس سے زیادہ کمزوری کی حالت کیا ہوگی اور دوسری طرف ایک بڑی بھاری جمعیت تھی اور وہ سب کے سب چیدہ چیدہ جنگ آزمودہ اور بڑے بڑے جوان تھے۔ آنحضرت صلعم کی طرف ظاہری سامان کچھ نہ تھا۔ اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے اپنی جگہ پر دُعا کی۔ اَللّٰھُمَّ اِنْ اَھْلَکْتَ ھٰذِہِ الْعِصَابَۃَ لَنْ تُعْبَدَ فِی الْاَرْضِ اَبَدًا۔ یعنی اے اللہ! اگر آج تُو نے اس جماعت کو ہلاک کر دیا۔ تو پھر کوئی تیری عبادت کرنے والا نہ رہے گا۔

آج بھی بدر والا معاملہ ہے

سُنو! میں بھی یقیناً اسی طرح کہتا ہوں کہ آج وُہی بدر والا معاملہ ہے۔ اللہ تعالیٰ اسی طرح ایک جماعت تیار کر رہا ہے۔ وُہی بدر اور اذلّۃ کا لفظ موجود ہے۔ کیا یہ جھُوٹ ہے کہ اسلام پر ذلّت نہیں آئی؟ نہ سلطنت ظاہری میں شوکت ہے۔ ایک یُورپ کی سلطنت مُنہ دکھاتی ہے تو بھاگ جاتے ہیں اور کیا مجال ہے جو سر اُٹھائیں اس ملک کا حال کیا ہے؟ کیا اذلّۃ نہیں ہیں۔ ہندو بھی اپنی طاقت میں مسلمانوں سے بڑھے ہوئے ہیں۔ کوئی ایک ذلّت ہے جس میں اُن کا نمبر بڑھا ہوا ہے۔ جس قدر ذلیل سے ذلیل پیشے ہیں وہ اُن میں پاؤ گے۔ گداگر مسلمان ہی ملیں گے جیل خانوں میں جاؤ تو جرائم پیشہ گرفتار مسلمان ہی پاؤ گے۔ شراب خانوں میں جاؤ۔ کثرت سے مسلمان۔ اب بھی کہتے ہیں۔ ذلّت نہیں ہوئی؟ کروڑ ہا ناپاک اور گندی کتابیں اسلام کے ردّ میں تالیف کی گئیں۔ ہماری قوم میں مغل سیّد کہلانے والے اور شریف کہلانے والے عیسائی ہو کر اسی زبان سے سیّد المعصومین خاتم النّبیین صلی اللہ علیہ وسلّم کو کوسنے لگے صفدر علی

اور عماد الدین وغیرہ کون تھے؟ امہات المومنین کا مصنف کون ہے؟ جس پر اس قدر واویلا اور شور مچایا گیا۔ اور آخر کچھ بھی نہ کر سکے۔ اس پر بھی کہتے ہیں کہ ذلت نہیں ہوئی۔ کیا تم تب خوش ہوتے کہ اسلام کا رہا سہا نام بھی باقی نہ رہتا۔ تب محسوس کرتے کہ ہاں اب ذلت ہوئی ہے!!!

آہ! میں تم کو کیونکر دکھاؤں جو اسلام کی حالت ہو رہی ہے۔ دیکھو! میں پھر کھول کر کہتا ہوں کہ یہی بدر کا زمانہ ہے۔ اسلام پر ذلت کا وقت آچکا ہے مگر اب خدا نے چاہا ہے۔ کہ اس کی نصرت کرے۔ چنانچہ اُس نے مجھے بھیجا ہے کہ میں اسلام کو براہین اور حجج ساطعہ کے ساتھ تمام ملتوں اور مذہبوں پر غالب کرکے دکھاؤں۔ اللہ تعالیٰ نے اس مبارک زمانہ میں چاہا ہے۔ کہ اس کا جلال ظاہر ہو۔ اب کوئی نہیں۔ جو اس کو روک سکے جس طرح پہلے صحابہؓ کے زمانہ میں چاروں صفات کی ایک خاص تجلّی ظاہر ہوئی تھی۔ اب پھر وہی زمانہ ہے اور ربوبیّت کا وقت آیا ہے۔ نادان مخالف چاہتے ہیں کہ بچّہ کو الگ کر دیں۔ مگر خدا کی ربوبیّت نہیں چاہتی۔ بارش کی طرح اس کی رحمت برس رہی ہے یہ مولوی حامی دین کہلانے والے مخالفت کرکے چاہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے نُور کو بجھا دیں مگر یہ نُور پُورا ہو کر رہے گا۔ اسی طرح پر جس طرح اللہ نے چاہا ہے۔ یہ خوش ہوتے ہیں اور تسلیم کر لیتے ہیں جب پادری اُٹھ اُٹھ کر کہتے ہیں۔ کہ تمہارا نبی مرگیا۔ اور زندہ نبی مسیح ہی ہے۔ اور مسِّ شیطان سے مسیح ہی بچا ہوا ہے۔ اور مسیح نے مردوں کو زندہ کیا۔ یہ بھی تائید کرکے کہہ دیتے ہیں کہ ہاں چڑیاں بنایا کرتے تھے۔ ایک شخص موحد میرے پاس آیا۔ میں نے اُس سے پوچھا کہ وہ مسیح جو چڑیاں بنایا کرتے تھے۔ اب تو وہ بہت ہو گئی ہوں گی کیا فرق کر سکتے ہو؟ اس نے کہا۔ ہاں مل جُل گئی ہیں۔ اس طرح پر ان لوگوں نے مسیحؑ کو نصف خدائی کا دعویدار بنا دیا ہے۔ ایسا ہی انہوں نے دجّال کی نسبت مان رکھا ہے کہ وہ مُردوں کو

زندہ کرے گا۔ اور یہ کرے گا اور وہ کرے گا۔ افسوس قرآن تو لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کی تلوار سے تمام ان باطل معبودوں کو قتل کرتا ہے۔ جن میں خدا کی صفات مانی جائیں۔ پھر یہ دجّال کہاں سے نکل آیا۔ سورۂ فاتحہ میں یہودی اور عیسائی بننے سے بچنے کی دُعا تو سکھلائی کیا دجّال کا ذکر خدا کو یاد نہ رہا تھا جو اتنا بڑا فتنہ تھا؟ اصل یہ ہے کہ ان لوگوں کی عقل ماری گئی۔ اور یہ اس کے مصداق ہیں۔ یکے بر سر شاخ و بن مے برید۔

یہ لوگ جب اس طرح سے اسلام کو ذلیل کرنے پر آمادہ ہوئے ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ نے اپنے وعدہ کے موافق کہ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ[1]۔ قرآن شریف کی عظمت کو قائم کرنے کے لئے چودھویں صدی کے سر پر مجھے بھیجا ہے۔

کیا نہیں دیکھتے کہ کس طرح پر اُس کے نشانات ظاہر ہو رہے ہیں خسوف و کسوف رمضان میں ہو گیا۔ کیا ہو سکتا ہے کہ مہدی موجود نہ ہو۔ اور یہ مہدی کا نشان پورا ہو جاوے۔ کیا خدا کو دھوکا لگا ہے؟ پھر اونٹ بیکار ہونے پر بھی مسیح نہ آیا۔ آسمان اور زمین کے نشان پورے ہو گئے زمانہ کی حالت خود تقاضا کرتی ہے کہ آنیوالا آوے۔ مگر یہ تکذیب ہی کرتے ہیں۔ آنے والا آگیا۔ اُن کی تکذیب اور شور و بکا سے کچھ نہ بگڑے گا۔ ان لوگوں کی ہمیشہ سے اسی طرح کی عادت رہی ہے۔ خدا کی باتیں سچی ہیں۔ اور وہ پوری ہو کر رہتی ہیں۔

پس تم ان بد صحبتوں سے بچتے رہو اور دُعاؤں میں لگے رہو۔ اور اسلام کی حقیقت اپنے اندر پیدا کرو۔

(الحکم جلد ۵ نمبر ۳۔ صفحہ ۱-۵۔ مورخہ ۲۴ جنوری ۱۹۰۱ء)

دسمبر ۱۹۰۰ء

اللہ تعالیٰ کے عجائبات

فرمایا۔ "حوا پسلی ہی سے بنائی گئی ہیں۔ ہم اللہ تعالیٰ کی قدرت پر ایمان لاتے

[1] الحجر: ۱۰

ہیں۔ ہاں اگر کوئی کہے کہ پھر ہماری پسلی نہ ہوتی۔ تو میں کہتا ہوں کہ یہ قیاس قیاس مع الفارق ہے۔ اللہ تعالیٰ کو اپنے اوپر قیاس نہ کرو۔ میں اگر خدا تعالیٰ کو قادر اور عظیم الشان نہ دیکھتا تو یہ دعاؤں کی قبولیت کے نمونے جو دیکھتا ہوں۔ نظر نہ آتے۔ دیکھو کپتان ڈگلس کے سامنے جو مقدمہ تھا اس میں کس کا تصرف تھا۔ ڈاکٹر کلارک جیسا آدمی جو مذہبی حیثیت سے ایک اثر ڈالنے والا آدمی تھا۔ پھر اس کے ساتھ آریوں کی طرف سے پنڈت رام بھجدت وکیل شریک ہوا۔ اور مولوی محمد حسین جیسا دشمن بطور گواہ پیش ہوا۔ اور خود عبدالحمید کا یہ بیان کہ مجھے قتل کے لئے ضرور بھیجا تھا اور پھر اس کا یہ بیان امرت سر میں ہوا۔ ڈپٹی کمشنر کے سامنے بھی اس نے یہی کہا۔ اب یہ کس کا کام تھا۔ کہ اس نے کپتان ڈگلس کے دل میں ڈالا کہ عبدالحمید کے بیان پر شبہ کرے۔ اور اصل حقیقت کے معلوم کرنے کے واسطے اسے دوبارہ پولیس کے سپرد کرے۔ غرض جو کچھ اس مقدمہ میں ہوا۔ اس سے صاف طور پر اللہ تعالیٰ کی قدرت اور اس کے تصرف کا پتہ لگتا ہے۔ میرا مطلب اس مقدمہ کے بیان سے صرف یہ ہے کہ یہ بڑی نادانی اور گناہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اسی پیمانہ سے ناپیں جس سے ایک عاجز انسان ترید بکر کو ناپا جائے۔

پس یہ کہنا کہ آدمؑ کی پسلی نکال لی تھی اور حوا اس پسلی سے بنی تو پھر پسلی کہاں سے آگئی۔ سخت بیوقوفی اور اللہ تعالیٰ کے حضور سوء ادبی ہے۔

قدرت کے کرشمے

یاد رکھو۔ یورپی فلسفہ ضلالت سے بھرا ہوا ہے۔ یہ انسان کو ہلاکت کی طرف لے جاتا ہے۔ ایسا ہی یہ کہنا کہ انسان پر کوئی ایسا وقت نہیں آیا کہ اسے مٹی سے پیدا کیا ہو درست نہیں ہے۔ نوعی تقدم کا میں ہرگز ہرگز قائل نہیں ہوں۔ ہاں یہ میں مانتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے خالق ہے۔ کئی بار دنیا معدوم ہوئی اور پھر از سر نو کر دی۔

یہ کوئی تعجب کی بات نہیں ہے جبکہ ایک مرجاتا ہے تو یہ کیوں جائز نہیں کہ ایک وقت آوے کہ سب مرجاویں۔ قیامت کُبریٰ کے تو ہندو اور یونانی بھی قائل ہیں۔ جو لوگ اللہ تعالیٰ کو محدود القویٰ ہستی سمجھتے ہیں۔ وہ مَاقَدَرُوا اللّٰہَ حَقَّ قَدْرِہٖ[1] میں داخل ہیں۔ جو ایک حد تک ہی خدا کو مانتے ہیں۔ یہ نیچریت کا شعبہ ہے۔

قرآن کریم تو صاف بتلاتا ہے۔ اِنَّ رَبَّكَ فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ[2] اور اِنَّمَآ اَمْرُہٗٓ اِذَآ اَرَادَ شَيْـًٔا اَنْ يَّقُوْلَ لَہٗ كُنْ فَيَكُوْنُ[3]۔ اللہ تعالیٰ کی ان ہی قدرتوں اور فوق الفوق طاقتوں نے میرے دل میں دُعا کے لئے ایک جوش ڈال رکھا ہے۔

دُعا بہر حال کی جاوے

دُعا بڑی چیز ہے۔ افسوس! لوگ نہیں سمجھتے کہ وہ کیا ہے۔ بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ہر دُعا جس طرز اور حالت پر مانگی جاوے۔ ضرور قبول ہو جانی چاہیئے۔ اس لئے جب وہ کوئی دُعا مانگتے ہیں۔ اور پھر وہ اپنے دل میں جمائی ہوئی صورت کے مطابق اس کو پورا ہوتا نہیں دیکھتے۔ تو مایوس اور ناامید ہو کر اللہ تعالیٰ پر بدظن ہو جاتے ہیں۔ حالانکہ مومن کی یہ شان ہونی چاہیئے کہ اگر بظاہر اسے اپنی دُعا میں مُراد حاصل نہ ہو۔ تب بھی نااُمید نہ ہو۔ کیونکہ رحمتِ الٰہی نے اس دعا کو اس کے حق میں مفید نہیں قرار دیا۔ دیکھو بچہ اگر ایک آگ کے انگارے کو پکڑنا چاہے تو ماں دوڑ کر اس کو پکڑیگی۔ بلکہ اگر بچہ کی اس نادانی پر ایک تھپڑ بھی لگا دے تو کوئی تعجب نہیں۔ اسی طرح مجھے تو ایک لذت اور سرور آجاتا ہے۔ جب میں اس فلسفہ دُعا پر غور کرتا ہوں اور دیکھتا ہوں کہ وہ علیم و خبیر خدا جانتا ہے کہ کونسی دُعا مفید ہے۔

دُعا میں شرط ناپسندیدہ ہے

مجھے بارہا افسوس آتا ہے۔ جب لوگ دُعا کے لئے خطوط بھیجتے ہیں اور ساتھ ہی لکھ دیتے ہیں کہ اگر ہمارے لئے یہ دُعا قبول نہ ہوئی تو ہم جھوٹا سمجھ لیں گے۔ آہ!

[1] الحج: ۷۵ [2] ھود: ۱۰۸ [3] یٰس: ۸۳

یہ لوگ آدابِ دُعا سے کیسے بے خبر ہیں۔ نہیں جانتے کہ دُعا کرنے والے اور کرانیوالے کے لئے کیسی شرائط ہیں۔ اس سے پہلے کہ دُعا کی جاوے۔ یہ بدظنی کا شکار ہو جاتے ہیں۔ اور اپنے ماننے کا احسان جتانا چاہتے ہیں۔ اور نہ ماننے اور تکذیب کی دھمکی دیتے ہیں۔ ایسا خط پڑھ کر مجھے بدبُو آجاتی ہے اور مجھے خیال آتا ہے۔ کہ اس سے بہتر تھا کہ یہ دُعا کے لئے خط ہی نہ لکھتے۔

دُعا میں دوستانہ معاملہ ہوتا ہے

میں نے کئی بار اس مسئلہ کو بیان کیا ہے اور پھر مختصر طور پر سمجھاتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے دوستانہ معاملہ کرنا چاہتا ہے۔ دوستوں میں ایک سلسلہ مبادلہ کا رہتا ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ اور اس کے بندہ میں بھی اسی رنگ کا ایک سلسلہ ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے نزدیک مبادلہ یہ ہے۔ کہ جیسے وُہ اپنے بندے کی ہزارہا دعاؤں کو سُنتا اور مانتا ہے۔ اس کے عیبوں پر پردہ پوشی کرتا ہے۔ باوجودیکہ وہ ایک ذلیل سے ذلیل ہستی ہے لیکن اس پر فضل و رحم کرتا ہے۔ اسی طرح اُس کا حق ہے۔ کہ یہ خدا کی بھی مان لے یعنی اگر کسی دُعا میں اپنے منشاء اور مُراد کے موافق ناکام رہے تو خدا پر بدظن نہ ہو۔ بلکہ اپنی اس نامرادی کو کسی غلطی کا نتیجہ قرار دے کہ اللہ تعالیٰ کی رضا پر انشراحِ صدر کے ساتھ راضی ہو جاوے۔ اور سمجھ لے کہ میرا مولیٰ یہی چاہتا ہے

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ کی تفسیر

اسی کی طرف اللہ تعالیٰ نے اشارہ فرمایا۔ وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْأَمْوَالِ وَالْأَنفُسِ وَالثَّمَرَاتِ[1]۔ خوف سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ ڈر ہی ڈر ہے۔ انجام اچھا ہے۔ اسی سے گناہوں کا کفّارہ ہو جاتا ہے۔

پھر اَلْجُوع فقر و فاقہ تنگ کرتا ہے۔ بعض وقت ایک کُرتا پھٹ جاوے۔ تو

[1] البقرۃ ۱۵۶

دوسرے کی توفیق نہیں ملتی۔ جُوع کا لفظ رکھکر عطش کا لفظ چھوڑدیا ہے کیونکہ یہ جُوع میں داخل ہے۔
نَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ بعض وقت ایسا ہوتا ہے کہ چور لے جاتے ہیں اور اتنا بھی نہیں چھوڑتے کہ صُبح کی روٹی کھاسکیں سوچوا کس قدر تکلیف اور آفت کا سامنا ہوتا ہے۔
پھر جانوں کا نقصان ہے۔ بچے مرنے لگ جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ ایک بھی نہیں رہتا۔ جانوں کے نقصان میں یہ بات داخل ہے کہ خود تو زندہ رہے اور عزیز و متعلقین مرتے جاویں کس قدر صدمہ ایسے وقت پر ہوتا ہے۔ ہمارا تعلق دوستوں سے اس قدر ہے کہ جس قدر دوست ہیں اور ان کے اہل و عیال ہیں۔ گویا ہمارے ہی ہیں کسی عزیز کے جُدا ہو جانے سے اس قدر رنج ہوتا ہے کہ جیسا کسی کو اپنی عزیز سے عزیز اولاد کے مرجانے کا ہوتا ہے۔
ثمرات میں اولاد بھی داخل ہے۔ اور محنتوں کے بعد آخر کی کامیابیاں بھی مُراد ہیں۔ اُن کے ضائع ہونے سے بھی سخت صدمہ ہوتا ہے۔ امتحان دینے والے اگر کبھی فیل ہو جاتے ہیں تو بارہا دیکھا گیا ہے۔ کہ وہ خودکشیاں کر لیتے ہیں۔ ایوب بیگ کی بیماری کی ترقی امتحان میں فیل ہو جانے سے ہی ہوئی پہلے تو اچھا خاصا تندرست تھا
غرض اس قسم کے ابتلا جن پر آئیں۔ پھر اللہ تعالےٰ اُن کو بشارت دیتا ہے۔
وَ بَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ۔ یعنی ایسے موقع پر صبر کے ساتھ برداشت کرنے والوں کو خوشخبری اور بشارت ہے۔ کہ جب ان کو کوئی مصیبت آتی ہے تو کہتے ہیں۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّاۤ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ۔ یاد رکھو کہ خدا کا خاص بندہ اور مقرب تب ہی ہوتا ہے۔ کہ ہر مصیبت پر خدا ہی کو مقدم رکھے۔ غرض ایک وہ حصّہ ہوتا ہے جس میں خدا اپنی منواتا ہے۔ دُعا کے معنی تو یہی ہیں۔ کہ انسان خواہش ظاہر کرتا ہے۔ کہ یوں ہو۔ پس کبھی مولیٰ کریم کی خواہش مقدم ہونی چاہیئے۔ اور کبھی اللہ کریم اپنے بندہ کی خواہش کو پورا کرتا ہے۔
دوسرا محل معاوضہ کا یہ ہے۔ کہ اُدْعُوْنِيْۤ اَسْتَجِبْ لَكُمْ[۱] اس میں تناقض نہیں ہے۔ جب جہات مختلف ہوں تو تناقض نہیں رہا کرتا۔ اس محل پر اللہ تعالیٰ اپنے بندہ

کی مانتا ہے۔

دُعا کی قبولیت کب؟

یہ خوب یاد رکھو کہ انسان کی دُعا اس وقت قبول ہوتی ہے جبکہ وہ اللہ تعالیٰ کے لئے غفلت فسق و فجور کو چھوڑ دے۔ جس قدر قُربِ الٰہی انسان حاصل کرے گا۔ اسی قدر قبولیت دعا کے ثمرات سے حصّہ لے گا۔ اسی لئے فرمایا۔ وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ فَلْيَسْتَجِيبُوا لِي وَلْيُؤْمِنُوا بِي لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُونَ[1]۔ اور دوسری جگہ فرمایا ہے۔ وَأَنَّىٰ لَهُمُ التَّنَاوُشُ مِن مَّكَانٍ بَعِيدٍ[2] یعنی جو مجھ سے دُور ہو۔ اس کی دُعا کیونکر سنوں۔ یہ گویا عام قانون قدرت کے نظارہ سے ایک سبق دیا ہے۔ یہ نہیں کہ خدا سُن نہیں سکتا۔ وہ تو دل کے مخفی در مخفی ارادوں اور اُن ارادوں سے بھی واقف ہے۔ جو ابھی پیدا نہیں ہوئے۔ مگر یہاں انسان کو قُربِ الٰہی کی طرف توجہ دلائی ہے۔ کہ جیسے دُور کی آواز سُنائی نہیں دیتی۔ اسی طرح یہ جو شخص غفلت اور فسق و فجور میں مبتلا رہ کر مجھ سے دُور ہوتا جاتا ہے جس قدر وہ دُور ہوتا ہے اسی قدر حجاب اور فاصلہ اس کی دُعاؤں کی قبولیت میں ہوتا جاتا ہے۔ کیا سچ کہا ہے۔

پیداست ندا را کہ بلند ہست جنابت

جیسے میں نے ابھی کہا گو خدا عالم الغیب ہے لیکن یہ قانون قدرت ہے کہ تقویٰ کے بغیر کچھ نہیں ہوتا۔

نادان انسان بعض وقت عدم قبول دعا سے مُرتد ہو جاتا ہے۔ صحیح بخاری میں حدیث موجود ہے۔ کہ نوافل سے مومن میرا مقرب ہو جاتا ہے۔

نوافل کی حکمت

ایک فرائض ہوتے ہیں دوسرے نوافل۔ یعنی ایک تو وہ احکام ہیں جو بطور حق

[1] البقرہ ۱۸۷، [2] سبا ۵۳۔

واجب کے ہیں اور نوافل وہ ہیں جو زائد از فرائض ہیں۔ اور وہ اس لئے ہیں کہ تا فرائض میں اگر کوئی کمی رہ گئی ہو تو نوافل سے پوری ہو جاوے۔

لوگوں نے نوافل صرف نماز ہی کے نوافل سمجھے ہوئے ہیں۔ نہیں۔ یہ بات نہیں ہے ہر فعل کے ساتھ نوافل ہوتے ہیں۔

عمل کا بہتر طریق

انسان زکوٰۃ دیتا ہے۔ تو کبھی زکوٰۃ کے سوا بھی دے۔ رمضان میں روزے رکھتا ہے کبھی اس کے سوا بھی رکھے۔ قرض لے تو کچھ ساتھ زائد دے۔ کیونکہ اس نے مروت کی ہے۔

نوافل متمّم فرائض ہوتے ہیں۔ نفل کے وقت دل میں ایک خشوع اور خوف ہوتا ہے کہ فرائض میں جو قصور ہوا ہے وہ اب پورا ہو جائے۔ یہی وہ راز ہے جو نوافل کو قربِ الٰہی کے ساتھ بہت بڑا تعلق ہے گویا خشوع اور تذلّل اور انقطاع کی حالت اس میں پیدا ہوتی ہے۔ اور اسی لئے تقرب کی وجہ میں ایام بیض کے روزے۔ شوال کے چھ روزے یہ سب نوافل ہیں۔

نوافل کی تاثیر

پس یاد رکھو کہ خدا سے محبت تام نفل ہی کے ذریعہ ہوتی ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے۔ کہ خدا فرماتا ہے۔ کہ پھر میں ایسے مقرب اور مومن بندوں کی نظر ہو جاتا ہوں یعنی جہاں میرا منشا ہوتا ہے۔ وہیں اُن کی نظر پڑتی ہے۔

صادق موت کا بھروسہ نہیں رکھتا اور خدا سے غافل نہیں ہوتا۔ اُن کے کان ہو جاتا ہوں۔ یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ جہاں اللہ کی یا اس کے رسولؐ کی یا اس کی کتاب کی تحقیر اور ذلت ہوتی ہے۔ وہاں سے بیزار اور ناراض ہو کر اُٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔ وہ سُن نہیں سکتے۔ اور کوئی ایسی بات جو اللہ تعالیٰ کی رضا اور حکم کے خلاف ہو

نہیں سُنتے۔ اور ایسی مجلسوں میں نہیں بیٹھتے۔ ایسا ہی فِسق و فجُور کی باتوں اور سماع کے ناپاک نظّاروں اور آوازوں سے پرہیز کرتے ہیں۔ نامحرم کی آواز سُن کر بُرے خیالات کا پیدا ہونا زناء الاذن ہے۔ اسی لئے اسلام نے پردہ کی رسم رکھی ہے۔

مسیحؑ کا یہ کہنا کہ زِنا کی نظر سے نہ دیکھ۔ کوئی کامل تعلیم نہیں ہے۔ اس کے مقابلہ میں کامل تعلیم یہ ہے۔ جو مبادیٔ گناہ سے بچاتی ہے۔ قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ[1] یعنی کسی نظر سے بھی نہ دیکھیں۔ کیونکہ دل اپنے اختیار میں نہیں ہے۔ یہ کیسی کامل تعلیم ہے۔

پھر فرماتا ہے۔ کہ ہو جاتا ہوں اُس کے ہاتھ۔ بعض وقت انسان ہاتھوں سے بہت بیرحمی کرتا ہے۔ خدا فرماتا ہے۔ کہ مومن کے ہاتھ بیجا طور پر اعتدال سے نہیں بڑھتے۔ وہ نامحرم کو ہاتھ نہیں لگاتے۔ پھر فرماتا ہے کہ اُس کی زبان ہو جاتا ہوں اسی پر اشارہ ہے۔ مَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى[2]۔ اسی لئے رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے جو فرمایا وہ اللہ تعالےٰ کا ارشاد تھا اور آپ کے ہاتھ کے لئے فرمایا۔ مَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى[3]۔ غرض نفل کے ذریعہ انسان بہت بڑا درجہ اور قُرب حاصل کرتا ہے۔ یہانتک کہ وہ اَولیاءُ اللہ کے زُمرہ میں داخل ہو جاتا ہے۔ پھر من عادلی ولیّاً فقد بارزته بالحرب۔ جو میرے ولی کا دشمن ہو میں اس کو کہتا ہوں کہ اب میری لڑائی کیلئے تیار ہو جا۔ حدیث میں آیا ہے کہ خدا شیرنی کی طرح جس کا کوئی بچّہ اُٹھا لے جاوے۔ اس پر جھپٹتا ہے۔

غرض انسان کو چاہیئے کہ وہ اس مقام کے حاصل کرنے کے لئے ہمیشہ سعی کرتا رہے۔ موت کا کوئی وقت معلوم نہیں ہے کہ کب آجاوے۔ مومن کو مناسب ہے۔ کہ وہ کبھی غافل نہ ہو۔ اور خدا تعالیٰ سے ڈرتا رہے۔"

(الحکم جلد ۴ نمبر ۴۴ صفحہ ۲-۴ مورخہ ۱۰ دسمبر ۱۹۰۰ء)

[1] النور: ۳۱ [2] النجم: ۴ [3] الانفال: ۱۸

سنہ ۱۹۰۰ء

قاضی محمد عالم صاحب سکنہ قاضی کوٹ نے اپنی بیماری کے ایام میں قاضی ضیاءالدین صاحب سکنہ قاضی کوٹ کو جو قادیان میں تھے حضرت اقدسؑ کی خدمت میں دُعا کے لئے عرض کرنے کو لکھا۔ جس پر حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا:۔

آنحضرتؐ جیسا جوہر قابل

"میں ضرور دُعا کروں گا۔ آپ محمد عالم کو تسلّی دیں۔ احمد شاہ کی طرف وہم کے طور پر بھی خیال نہ لے جاویں۔ واقعی وہ کچھ بھی نہیں۔ یہ وسوسہ شرک سمجھیں۔ عوام کا بہکانا، طعن و تشنیع جتنا اثر کرے گا۔ اُسی قدر اپنے راستہ کو خالی تصور کریں۔ کامل یقین والوں کو شیطان چھو بھی نہیں سکتا۔ میرا تو یقین ہے کہ حضرت آدمؑ کی استعداد میں کسی قدر تساہل تھا۔ تب ہی تو شیطان کو وسوسہ کا قابو مل گیا۔ واللہ اگر اس جگہ حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلّم سا جوہر قابل کھڑا کیا جاتا تو شیطان کا کچھ بھی پیش نہ جاتا۔"

لمبی زندگانی کی خواہش گناہ کی جڑ ہے

"زندگانی کی زیادہ خواہش اکثر گناہوں کی اور کمزوریوں کی جڑھ ہے۔ ہمارے دوستوں کو لازم ہے۔ کہ مالک حقیقی کی رضا میں اوقات عزیز بسر کرنے کی ہر وقت کوشش کریں۔ حاصل یہی ہے۔ ورنہ آج چل دیئے اور مثلاً پچاس سال کے بعد کوچ کرنے میں کیا فرق ہے۔ جو آج چاند و سورج ہے وُہی اس دن ہوگا۔ جو انسان نافع اور خدا تعالیٰ کے دین کا خادم ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ خود بخود اسکی عمر اور صحت میں برکت ڈال دیتا ہے اور شر الناس کی کچھ پرواہ نہیں کرتا۔ سو آپ سب کام ہر حال خُدا ہی ہو کر کریں خود اللہ تعالیٰ آپ کو محفوظ رکھے گا۔

تیس سال سے زیادہ عرصہ گزرتا ہے کہ مجھے اللہ تعالےٰ نے صاف لفظوں میں فرمایا کہ تیری عمر اسّی برس یا دو چار اُوپر یا نیچے ہو گی۔ اس میں بھی بھید ہے کہ جو کام مجھے سپرد کیا ہے۔ اس قدر مدت میں تمام کرنا ہو گا۔ لہذا مجھے اپنی بیماری میں کبھی موت کا غم نہیں ہوا۔

مجھے خوب یاد ہے کہ جن درختوں کے نیچے میں چھ سات سالہ عمر میں کھیلا کرتا تھا آج بعینہٖ بعض درخت اسی طرح ہرے بھرے سرسبز کھڑے ہیں۔ لیکن میں اپنے حال کو کچھ اور کا اور ہی دیکھتا ہوں۔ تم بھی اس کو تصوّر کر سکتے ہو۔

صحابہؓ کی بیعت

یہ طعن و تشنیع ہمعصروں کی غنیمت سمجھیں۔ اس میں اصلاح نفس متصوّر ہے۔ جب یہ نہ ہوں گے تو پھر خدمت مولیٰ کریم اور ہدیہ قابل حضرت عزت کیا ہوگا۔ آپ بیماری کا فکر کرتے ہیں۔ تمہارے پہلے بھائی یعنی صحابہ کرامؓ تو بیعت ہی جان قربان کرنے کی کرتے تھے۔ اور ہر حال منتظر رہتے تھے کہ کب وہ وقت آتا ہے کہ اپنے مالک حقیقی کے راستہ میں فدا ہوں۔ غرض ہر حال کیا صحت اور کیا بیماری۔ آپ مولیٰ کریم سے معاملہ ٹھیک رکھیں۔ سب کام اچھے ہو جائیں گے۔"

(بدر جلد ۱۲ نمبر ۲ مورخہ ۱۱ر جولائی ۱۹۱۲ء)

۴ر جنوری ۱۹۰۱ء

الہام اَصِحّ زَوْجَتِیْ

حضرت امّ المومنین علیہا السّلام کی طبیعت ۳ر جنوری ۱۹۰۱ء کو کسی قدر ناساز ہوگئی تھی۔ اس کے متعلق حضرت اقدسؑ نے سیر کے وقت فرمایا۔ کہ

"چند روز ہوئے میں نے اپنے گھر میں کہا کہ میں نے کشف میں دیکھا ہے۔ کہ کوئی عورت آئی ہے اور اس نے آکر کہا ہے۔ کہ تمہیں (حضرت امّ المومنین علیہا السّلام مراد ہیں) کچھ ہو گیا ہے۔ اور پھر الہام ہوا۔ اَصِحّ زَوْجَتِیْ۔ چنانچہ کل ۳ر جنوری ۱۹۰۱ء کو یہ کشف اور الہام پورا ہو گیا۔ یکایک بیہوشی ہو گئی اور جس طرح پر مجھے دکھایا گیا تھا۔ اسی طرح ایک عورت نے آکر بتا دیا۔"

روزہ کی اہمیت

فرمایا:-

"میری تو یہ حالت ہے کہ مرنے کے قریب ہو جاؤں تب روزہ چھوڑتا ہوں۔ طبیعت روزہ چھوڑنے کو نہیں چاہتی۔ یہ مبارک دن ہیں اور اللہ تعالےٰ کے فضل و رحمت کے نزول کے دن ہیں۔"

سادگی

"یادرکھو بچوں جیسی سادگی جبتک نہ ہو اس وقت تک انسان نبیوں کا مذہب اختیار نہیں کرسکتا ہے۔"

(الحکم جلد ۵ نمبر ۳ صفحہ ۵ مورخہ ۲۴ جنوری ۱۹۰۱ء)

---

۱۱ جنوری ۱۹۰۱ء

زندگی کا ستون

حضرت مسیح موعودؑ کی طبیعت کچھ علیل تھی۔ فرمایا:-

"ہر چیز کا ستون ہوتا ہے۔ زندگی اور صحت کا ستون خدا تعالےٰ کا فضل ہے۔" (الحکم نمبر ۳ جلد ۵ صفحہ ۱۰ مورخہ ۲۴ جنوری ۱۹۰۱ء)

---

۱۲ جنوری ۱۹۰۱ء۔

ایک شخص نے سُنایا کہ دُور دُور سے آپ کی کتابوں کی مانگ آتی ہے۔ فرمایا:-

"اللہ تعالیٰ نے جو ہوا چلائی ہے۔ اپنی اپنی جگہ تحقیقات میں لگے ہوئے ہیں۔"

علمی معجزات

فرمایا۔ "معجزہ تو علم کا ہی بڑا ہوتا ہے۔ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا سب

سے بڑا معجزہ قرآن شریف ہی تھا جو اب تک قائم ہے۔" یہ ذکر تفسیر الفاتحہ کے لکھنے پر ہوا۔ جو کہ حضرت صاحب . . . گولڑوی وغیرہ علماء کے مقابلہ میں اشتہار دے کر لکھ رہے ہیں۔ فرمایا۔

" عالم علم سے پہچانا جاتا ہے۔ ہمارے مخالفین میں دراصل کوئی عالم نہیں ہے۔ ایک بھی نہیں ہے۔ ورنہ کیوں مقابلہ میں عربی فصیح بلیغ تفسیر لکھ کر اپنا عالم ہونا ثابت نہیں کرتے۔ ایک آنکھوں والے کو اگر الزام دیا جاوے کہ تُو نابینا ہے تو وہ غُصّہ کرتا ہے غیرت کھاتا ہے اور صبر نہیں کرتا جبتک اپنا بینا ہونے کا ثبوت نہ دے۔ ان لوگوں کو چاہیئے۔ کہ اپنا عالم ہونا اپنا علم دکھا کر ثابت کریں۔"

فرمایا:۔ " یہ جو کہا جاتا ہے کہ بہت سے عالموں نے اس سلسلہ کی مخالفت کی ہے۔ یہ غلط ہے۔ خدا نے اپنی تحدیوں اور دعووں کے ساتھ علمی معجزات ہماری تائید میں دکھا کر یہ ثابت کر دیا ہے۔ کہ مخالفوں میں کوئی عالم نہیں ہے اور یہ بات غلط ہے۔ کہ عالموں نے ہماری مخالفت کی"

۱۵ر جنوری سنہ ۱۹۰۱ء

تفسیر نویسی میں کوئی مقابلہ نہیں کرسکتا

فرمایا۔

"آج رات کو الہام ہوا۔ مَنَعَهُ مَانِعٌ مِنَ السَّمَآءِ۔ یعنی اس تفسیر نویسی میں کوئی تیرا مقابلہ نہ کر سکیگا۔ خدا نے مخالفین سے سلبِ طاقت اور سلبِ علم کر لیا ہے۔ اگرچہ ضمیر واحد مذکر غائب ایک شخص مہر شاہ[1] کی طرف ہے۔ لیکن خدا نے ہمیں سمجھایا ہے کہ اس شخص کے وجُود میں تمام مخالفین کا وجُود شامل کر کے ایک ہی کا حکم رکھا ہے۔ تاکہ اعلیٰ سے اعلیٰ اور اعظم سے اعظم معجزہ ثابت ہو کہ تمام مخالفین ایک وجُود یا کئی جان ایک

[1] مراد پیر مہر علی شاہ گولڑوی۔ شمس

قالب بن کر اس تفسیر کے مقابلہ میں لکھنا چاہیں تو ہرگز نہ لکھ سکیں گے۔"

فرمایا۔" انسان کا کام انسان کر سکتا ہے۔ہمارے مخالف انسان ہیں اور عالِم اور مولوی کہلاتے ہیں۔پھر کیا وجہ ہے کہ جو کام ہم نے کیا وہ نہیں کر سکتے۔یہی ایک معجزہ ہے۔نبی اگر ایک سونٹا پھینک دے اور کہے کہ میرے سوا کوئی اس کو اُٹھا نہ سکے گا۔ تو یہ بھی ایک معجزہ ہے۔چہ جائیکہ تفسیر نویسی تو ایک علمی معجزہ ہے۔"

فرمایا۔"یہ تفسیر رمضان شریف میں شروع ہوئی جیسا کہ قرآن شریف رمضان میں شروع ہوا تھا اور اُمید ہے کہ دو عیدوں کے درمیان ختم ہوگی۔جیسا کہ شیخ سعدی نے کسی کے متعلق کہا ہے ؎

بروزِ ہمایوں و سالِ سعید بتاریخ فرخ میانِ دو عید

فرمایا۔" قرآن شریف کے معجزہ فصاحت و بلاغت کے جواب میں ایک دفعہ پادری فنڈر نے حریری اور ابو الفضل اور بعض انگریزی کتابوں کو پیش کیا تھا۔مدت کی بات ہے۔ہم نے اس وقت بھی یہی سوچا تھا کہ یہ جھوٹ بولتا ہے۔کیونکہ اوّل تو ان مصنفین کو کبھی یہ دعویٰ نہیں ہوا۔کہ ان کا کلام بے مثل ہے۔بلکہ وہ خود اپنی کم مائیگی کا ہمیشہ اقرار کرتے رہے ہیں۔اور قرآن شریف کی تعریف کرتے ہیں۔دوسرا اِن لوگوں کی کتابوں میں معنی الفاظ کے تابع ہو کر چلتا ہے۔صرف الفاظ جوڑے ہوئے ہوتے ہیں۔قافیہ کے واسطے ایک لفظ کے مقابل دوسرا لفظ تلاش کیا جاتا ہے اور کلام میں حکمت اور معارف کا لحاظ نہیں ہوتا۔اور قرآن شریف میں التزام ہے حق اور حکمت کا۔اصل میں اس بات کا نباہنا کہ حق اور حکمت کے کلمات کے ساتھ قافیہ بھی درست ہو۔ یہ بات تائیدِ الٰہی سے حاصل ہوتی ہے۔ورنہ انسانوں کے کلام ایسے ہوتے ہیں۔جیسا کہ حریری وغیرہ۔" فرمایا۔

"رمضان کا مہینہ مُبارک مہینہ ہے۔دُعاؤں کا مہینہ ہے۔"

۱۹؍جنوری ۱۹۰۱ء

استغفار

ایک شخص نے اپنے قرض کے متعلق دُعا کے واسطے عرض کی۔ فرمایا:۔

"استغفار بہت پڑھا کرو۔ انسان کے واسطے غموں سے سُبک ہونے کے واسطے یہ طریق ہے۔ نیز استغفار کلید ترقیات ہے۔"

۲۰؍جنوری ۱۹۰۱ء۔ مسیح موعودؑ اور اُس کی جماعت کا قرآن شریف میں ذکر

فرمایا۔ "قرآن شریف میں چار سُورتیں ہیں۔ جو بہت پڑھی جاتی ہیں۔ اُن میں مسیح موعودؑ اور اس کی جماعت کا ذکر ہے۔ (۱) سُورۃ فاتحہ جو ہر رکعت میں پڑھی جاتی ہے۔ اس میں ہمارے دعوے کا ثبوت ہے جیساکہ اس تفسیر میں ثابت کیا جائے گا۔ (۲) سُورۃ جمعہ جس میں اٰخَرِیْنَ مِنْهُمْ[۱] مسیح موعودؑ کی جماعت کے متعلق ہے۔ یہ ہر جمعہ میں پڑھی جاتی ہے۔ (۳) سُورۃ کہف۔ جس کے پڑھنے کے واسطے رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تاکید فرمائی ہے۔ اس کی پہلی اور پچھلی دس آیتوں میں دجّال کا ذکر ہے۔ (۴) آخری سُورۃ قرآن کی جس میں دجّال کا نام خنّاس رکھا گیا ہے۔ یہ وُہی لفظ ہے جو عبرانی توریت میں دجّال کے واسطے آیا ہے یعنی نحاش נחש۔ ایسا ہی قرآن شریف کے اَور مقامات میں بھی بہت ذکر ہے۔"

(الحکم نمبر ۳ جلد ۵ صفحہ ۱۰-۱۱ مورخہ ۲۴؍جنوری ۱۹۰۱ء)

تفسیر سُورۃ فاتحہ

تفسیر سُورۃ فاتحہ ابھی تک لکھنی شروع نہیں ہوئی اور دِن تھوڑے سے رہ گئے ہیں۔ اس پر فرمایا:۔

[۱] الجمعۃ: ۴

"ابتک ہم نہیں جانتے کہ ہم کیا لکھیں۔ توکلاً علی اللہ اس کام کو شروع کیا گیا ہے ہم موجودہ مواد پر بھروسہ نہیں رکھتے۔ صرف خدا پر بھروسہ ہے۔ کہ کوئی بات دل میں ڈالی جائے۔ یہ بات میرے اختیار میں نہیں۔ جب وہ مواد اور حقائق جن کی تلاش میں مَیں ہوں مجھے مل گئے تو پھر اُن کو فصیح و بلیغ عربی میں لکھا جائے گا۔ چونکہ انسانوں کو ثواب حاصل کرنے کے واسطے فکر اُٹھانا چاہیئے۔ اس واسطے ہم فکر کرتے ہیں۔ آگے جب کوئی بات خدا تعالےٰ القا کرے۔ خدا سے دُعا مانگی جاتی ہے اور میرا تجربہ ہے کہ جب خدا سے مدد مانگی جاتی ہے۔ تو وُہ مدد دیتا ہے۔"

تفسیر سے پہلے جو تمہید حضرت مسیح موعودؑ نے لکھی ہے اس کے متعلق حضرت مولوی سید محمد احسن صاحب نے عرض کی کہ پیر گولڑوی تفسیر نویسی سے پہلے ایک تقریر اور مباحثہ چاہتا تھا سو اس تمہید میں یہ بھی ہو گیا۔ حضرت سید احمد شہیدؒ اور مولوی محمد اسمٰعیل شہیدؒ کا ذکر درمیان میں آیا۔ فرمایا:-

"اِن لوگوں کی نیتیں نیک تھیں وہ چاہتے تھے کہ ملک میں نماز اور اذان اور قربانی کی روکاوٹ جو کہ سکھوں نے کر رکھی تھی دُور ہو جائے۔ خدا نے اُن کی دُعا کو قبول کیا اور اس کی قبولیت کو سکھوں کے دفعیہ اور انگریزوں کو اس ملک میں لانے سے کیا۔ یہ اُن کی دانائی تھی کہ انہوں نے انگریزوں کے ساتھ لڑائی نہیں کی۔ بلکہ سکھوں کو اس قابل سمجھا کہ اُن کے ساتھ جہاد کیا جائے۔ مگر چونکہ وہ زمانہ قریب تھا کہ مہدی موعود کے آنے سے جہاد بالکل بند ہو جائے۔ اس واسطے جہاد میں اُن کو کامیابی نہ ہوئی۔ ہاں بسبب نیک ہونے کے اُن کی خواہش اذانوں اور نمازوں کے متعلق اس طرح پُوری ہو گئی کہ اس ملک میں انگریز آ گئے۔"

پھر فرمایا:-

مسیح موعودؑ کے آنے کا وقت

"وقت دو ہوتے ہیں۔ ایک خارجی اور ایک اندرونی یعنی روحانی۔ خارجی وقت

یہ ہے کہ حضرت رسول کریمؐ اور ولیوں اور بزرگوں کے کشوف نے مسیح موعود اور مہدی کا وقت چودھویں صدی بتلایا۔ اور اندرونی یعنی رُوحانی وقت یہ ہے کہ زمانہ کی حالت یہ بتلا رہی ہے کہ اس وقت مسیح آنا چاہیئے۔ دونو وقت اس جگہ آکر مل گئے ہیں۔"

۲۲؍جنوری ۱۹۰۱ء

جماعت کا نام احمدی ہونے کی وجہ تسمیہ

اس جماعت کا نام احمدی رکھا جانے پر کسی نے سُنایا کہ کوئی اعتراض کرتا تھا۔ کہ یہ نیا نام ہے۔ اس پر کچھ گفتگو ہوئی۔ فرمایا:-

"لوگوں نے جو اپنے نام حنفی شافعی وغیرہ رکھے ہیں یہ سب بدعت ہیں۔ حضرت رسُول کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کے دو ہی نام تھے۔ محمد اور احمد صلی اللہ علیہ وسلّم۔ آنحضرتؐ کا اسمِ اعظم محمّد ہے صلی اللہ علیہ وسلّم جیسا کہ اللہ تعالےٰ کا اسم اعظم اللّٰہ ہے۔ اسم اللہ دیگر کل اسماء، مثلاً حیّ، قیّوم، رحمٰن، رحیم وغیرہ کا موصُوف ہے۔ حضرت رسُول کریمؐ کا نام احمدؐ وہ ہے۔ جس کا ذکر حضرت مسیحؑ نے کیا۔ یَاْتِیْ مِنْۢ بَعْدِی اسْمُہٗۤ اَحْمَدُ[1]۔ مِنْۢ بَعْدِی کا لفظ ظاہر کرتا ہے کہ وہ نبی میرے بعد بلافصل آئے گا یعنی میرے اور اس کے درمیان اَور کوئی نبی نہ ہوگا۔ حضرت موسیٰؑ نے یہ الفاظ نہیں کہے۔ بلکہ اُنہوں نے مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ وَالَّذِیْنَ مَعَہٗۤ اَشِدَّآءُ[2] ... میں حضرت رسُول کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کی مدنی زندگی کی طرف اشارہ کیا ہے۔ جب بہت سے مومنین کی معیت ہوئی جنہوں نے کفار کے ساتھ جنگ کئے۔ حضرت موسیٰؑ نے آنحضرت کا نام محمّد بتلایا صلی اللہ علیہ وسلّم۔ کیونکہ حضرت موسیٰؑ خود بھی جلالی رنگ میں تھے۔ اور حضرت عیسیٰؑ نے آپ کا نام احمدؐ بتلایا۔ کیونکہ وہ خود بھی ہمیشہ جمالی رنگ میں تھے۔ اب چونکہ ہمارا سلسلہ بھی جمالی رنگ میں ہے۔ اس واسطے اس کا نام احمدی ہوا۔"

[1] الصف: ۷ [2] الفتح: ۳۰

"جُمعہ حضرت آدم علیہ الصّلوٰۃ والسلام کے پیدا ہونے کا دن تھا۔ اور یہی متبرک دن تھا۔ مگر پہلی اُمتوں نے غلطی کھائی۔ کسی نے شنبہ کے دن کو اختیار کیا۔ کسی نے یکشنبہ کے دن کو۔ حضرت رسُول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے اصل دن کو اختیار کیا۔ ایسا ہی اسلامی فرقوں نے غلطی کھائی۔ کسی نے اپنے آپ کو حنفی کہا۔ اور کسی نے مالکی اور کسی نے شیعہ اور کسی نے سُنّی۔ مگر حضرت رسُول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صرف دو ہی نام تھے۔ **محمد** اور **احمد** صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کے دو ہی فرقے ہو سکتے ہیں۔ **محمّدی** یا **احمدی**۔ محمدی اس وقت جب جلال کا اظہار ہو۔ احمدی اس وقت جب جمال کا اظہار ہو۔"

استغفار سے گناہ مُعاف ہوتے ہیں اور دُعائیں قبُول

ایک شخص نے عرض کی کہ حضُور میرے لئے دُعا کریں۔ کہ میرے اَولاد ہو جائے۔ آپؑ نے فرمایا:۔

"استغفار بہت کرو۔ اس سے گُناہ بھی معاف ہو جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اَولاد بھی دے دیتا ہے۔ یاد رکھو یقین بڑی چیز ہے۔ جو شخص یقین میں کامل ہوتا ہے۔ خدا تعالیٰ خود اس کی دستگیری کرتا ہے۔"

(الحکم جلد ۵ نمبر ۴ صفحہ ۱۱ مورخہ ۳۱ جنوری ۱۹۰۱ء)

---

۱۲ فروری ۱۹۰۱ء

خدا تعالیٰ پر بھروسہ اور اُس کا واقفِ حال ہونا

شام کے بعد فرمایا:۔

"ہم کو تو خدا پر اتنا بھروسہ ہے کہ ہم تو اپنے لئے دُعا بھی نہیں کرتے۔ کیونکہ وہ ہمارے حال کو خوب جانتا ہے۔ حضرت ابراہیمؑ کو جب کفار نے آگ میں ڈالا تو فرشتوں نے آکر حضرت ابراہیمؑ سے پوچھا کہ آپ کو کوئی حاجت ہے۔ حضرت ابراہیمؑ نے فرمایا۔ بلیٰ و

لٰكِنْ اِلَيْكُمْ لَا۔ ہاں حاجت تو ہے مگر تمہارے آگے پیش کرنے کی کوئی حاجت نہیں۔ فرشتوں نے کہا اچھا خدا تعالیٰ کے ہی آگے دعا کرو۔ تو حضرت ابراہیمؑ نے فرمایا۔ علمہ من حالی حسبی من سوالی۔ وہ میرے حال سے ایسا واقف ہے کہ مجھے سوال کرنے کی ضرورت نہیں۔" (الحکم جلد ۵ نمبر ۶ صفحہ ۱۳ پرچہ ۱۷ فروری ۱۹۰۱ء)

---

۱۴ فروری ۱۹۰۱ء

ابتلا اور خدا کے پیارے

اس بات پر ذکر کرتے ہوئے کہ مومنین پر تکالیف اور ابتلا آیا کرتے ہیں۔ فرمایا۔

"ایک شخص حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور اپنی لڑکی کا آنحضرتؐ کے ساتھ نکاح کے واسطے عرض کیا۔ اور منجملہ اس لڑکی کی تعریف کے ایک یہ بات بھی عرض کی کہ وہ اتنی عمر کی ہوئی ہے۔ مگر آجتک اس پر کوئی بیماری وارد نہیں ہوئی۔ آنحضرت علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا کہ جو لوگ خدا کے پیارے ہوتے ہیں۔ ان پر خدا کی طرف سے ضرور تکالیف اور ابتلا آیا کرتے ہیں۔"

احباب میں سے ایک کو مخالفین کی طرف سے بہت تکالیف پہنچی ہیں۔ اس نے اپنا حال عرض کیا۔ فرمایا:۔

"آپ نے بہت تکالیف اٹھائی ہیں۔ یہ بات آپ میں قابلِ تعریف ہے۔ جس قدر ابتلا ہوا ہے۔ اسی قدر انعام بھی ہوگا۔ اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا۔" [1]

مخالفین سے نرمی کا برتاؤ

بعض مخالفین جو ہمارے دوستوں کے ساتھ سختی کرتے ہیں اور ان کو تکلیف پہنچاتے ہیں۔ اس کے ذکر میں اپنے دوستوں کو نرمی اور درگذر اور شرارت سے بچنے کی نصیحت کرتے ہوئے فرمایا:۔

[1] الم نشرح : ۷

"مخالفوں کے مقابلہ میں جوش نہیں دکھانا چاہیئے۔ خصوصاً جو جوان ہیں۔ ان کو میں یہ نصیحت کرتا ہوں۔ ضروری ہے کہ تم جلدی جلدی میرے پاس آؤ۔ معلوم نہیں کہ تم کتنا زمانہ میرے بعد بسر کرو گے۔ پاس رہنے میں بہت فائدہ ہوتا ہے۔ انسان اگر رُو بخدا ہو۔ تو وہ تفسیر مجسّم ہوتا ہے۔ اور پاس رہنے میں انسان بہت سی باتیں دیکھ لیتا ہے اور سیکھ لیتا ہے"

سفر کی تعریف

ایک شخص کا تحریری سوال پیش ہوا۔ کہ مجھے دس پندرہ کوس تک ادھر اُدھر جانا پڑتا ہے۔ میں کس کو سفر سمجھوں اور نمازوں میں قصر کے متعلق کس بات پر عمل کروں۔ میں کتابوں کے مسائل نہیں پوچھتا ہوں۔ حضرت امام صادقؑ کا حکم دریافت کرتا ہوں۔ حضرت اقدسؑ نے فرمایا۔

"میرا مذہب یہ ہے کہ انسان بہت دقتیں اپنے اوپر نہ ڈال لے۔ عرف میں جس کو سفر کہتے ہیں خواہ وہ تین کوس ہی ہو۔ اس میں قصر و سفر کے مسائل پر عمل کرے۔ انما الاعمال بالنیات۔ بعض دفعہ ہم دو۔ دو۔ تین تین میل اپنے دوستوں کے ساتھ سیر کرتے ہوئے چلے جاتے ہیں مگر کسی کے دل میں خیال نہیں آتا کہ ہم سفر میں ہیں۔ لیکن جب انسان اپنی گٹھڑی اٹھا کر سفر کی نیت سے چل پڑتا ہے تو وہ مسافر ہوتا ہے۔ شریعت کی بنا وقت پر نہیں ہے جس کو تم عُرف میں سفر سمجھو وُہی سفر ہے۔ اور جیسا کہ خدا کے فرائض پر عمل کیا جاتا ہے ویسا ہی اُس کی رخصتوں پر عمل کرنا چاہیئے۔ فرض بھی خدا کی طرف سے ہیں اور رخصت بھی خدا کی طرف سے ہے۔

مسیح موعودؑ کی خاطر نمازیں جمع کی جائینگی

دیکھو۔ ہم بھی رخصتوں پر عمل کرتے ہیں۔ نمازوں کو جمع کرتے ہوئے کوئی دو ماہ سے زیادہ ہو گئے ہیں۔ بہ سبب بیماری کے اور تفسیر سُورۃ فاتحہ کے لکھنے میں بہت مصروفیت کے ایسا ہو رہا ہے اور ان نمازوں کے جمع کرنے میں تُجْمَعُ لَهُ الصَّلٰوۃُ کی حدیث بھی پُوری ہو رہی ہے کہ مسیح کی خاطر نمازیں جمع کی جائیں گی۔ اس حدیث سے

یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ مسیح موعود نماز کے وقت پیش امام نہ ہوگا۔ بلکہ کوئی اور ہوگا۔ اور وہ پیش امام مسیح کی خاطر نمازیں جمع کرائے گا۔ سو اب ایسا ہی ہوتا ہے۔ جس دن ہم زیادہ بیماری کی وجہ سے بالکل نہیں آسکتے۔ اس دن نمازیں جمع نہیں ہوتیں۔ اور اس حدیث کے الفاظ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت رسُول کریم صلی اللہ علیہ وسلّم نے پیار کے طریق سے یہ فرمایا ہے کہ اُس کی خاطر ایسا ہوگا۔ چاہیئے کہ ہم رسُول کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کی پیشگوئیوں کی عزت و تحریم کریں اور اُن سے بے پرواہ نہ ہوویں ورنہ یہ ایک گناہ کبیرہ ہوگا۔ کہ ہم آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلّم کی پیشگوئیوں کو خفت کی نگاہ سے دیکھیں۔ خدا تعالیٰ نے ایسے ہی اسباب پیدا کر دیئے۔ کہ اتنے عرصہ سے نمازیں جمع ہو رہی ہیں ورنہ ایک دو دن کے لئے یہ بات ہوتی۔ تو کوئی نشان نہ ہوتا۔ ہم حضرت رسُول کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کے لفظ لفظ اور حرف حرف کی تعظیم کرتے ہیں۔"

تفسیر سُورۃ فاتحہ میں آنحضرت صلعم کے فضائل و محامد

تفسیر سُورۃ فاتحہ کے ذکر میں فرمایا:-

"کہ اس کتاب میں حضرت رسُول کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کے فضائل اور محامد اس قدر بیان ہونے شروع ہو گئے ہیں کہ ختم کرنے کو دل نہیں چاہتا۔ اگر دن پُورے نہ ہوتے۔ تو میں چاہتا نہ تھا۔ کہ بند کر دوں۔"

ترقیات غیر متناہی ہیں،

فرمایا۔ "بہشت میں بھی مومنوں کے لئے ترقیات ہوتی ہیں۔ اور ترقیات انبیاء کے لئے بھی ہیں۔ ورنہ درُود شریف کیوں پڑھا جاتا ہے۔ ہمارا یہ مذہب ہے کہ ترقیات غیر متناہی ہیں۔"

جمالی صفاتِ الٰہیہ

فرمایا۔ "سارے قرآن شریف کا خلاصہ بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ہے اور

اللہ تعالیٰ کی اصل صفات بھی جمالی ہیں اور اصل نام خُدا جمالی ہے۔ یہ تو کفار لوگ اپنی ہی کرتُوتوں سے ایسے سامان بہم پہنچاتے ہیں کہ بعض وقت جلالی رنگ دکھانا پڑتا ہے۔ اس وقت چونکہ اس کی ضرورت نہیں اس واسطے ہم جمالی رنگ میں آئے ہیں۔"

ملکہ معظمہ کے متعلق یادگاروں کے قائم کرنے کا ذکر درمیان آیا حضرت اقدسؑ نے فرمایا کہ

"ہماری رائے میں ایک بڑا بھاری کالج یا شفاخانہ بننا چاہیئے۔"

آنحضرتؐ نے قلیل عُمر میں دُنیا موحّدین سے بھر دی

فرمایا۔

"مسیح کو تو لوگ اتنی لمبی عمر دینے کے واسطے بیفائدہ سعی کرتے ہیں۔ اُن کی تھوڑی سی عمر نے کیا نتیجہ پیدا کیا ہے جو بڑی عُمر کی خواہش کی جاوے۔ دُنیا صلیب پرستی سے بھر گئی ہے۔ اور جابجا شرک پھیل گیا ہے ہاں اگر اتنی عمر کا پانا کسی کے واسطے ممکن ہوتا۔ تو حضرت رسول کریمؐ اس کے مستحق تھے۔ جنہوں نے تھوڑی سی عمر میں ایک دُنیا موحّدین سے بھر دی اور اُن کے دل میں خدا کی محبّت کا سچّا جوش بھر دیا۔"

(الحکم جلد ۵ نمبر ۶ صفحہ ۱۳۔ ۱۴ پرچہ ۱۷ فروری ۱۹۰۱ء)

۱۵ فروری ۱۹۰۱ء

کرکٹ کا کھیل

قادیان کے مدرسہ تعلیم الاسلام کے لڑکوں کا گیند بلّا کھیلنے میں میچ تھا۔ بعض بزرگ بھی بچوں کی خوشی بڑھانے کیواسطے فیلڈ میں تشریف لے گئے۔ حضرت اقدسؑ کے ایک صاحبزادہ نے بچپن کی سادگی میں آپؑ کو کہا کہ ابا تم کیوں کرکٹ پر نہیں گئے۔ آپؑ اس وقت تفسیر فاتحہ لکھنے میں مصروف تھے۔ فرمایا:۔

"وُہ تو کھیل کر واپس آجائیں گے۔ مگر میں وُہ کرکٹ کھیل رہا ہوں جو قیامت تک قائم رہے گا۔" (الحکم جلد ۵ نمبر ۷ صفحہ ۱۰ پرچہ ۲۴ فروری ۱۹۰۱ء)

۱۶ فروری ۱۹۰۱ء

رکوع میں شمولیت اور مقتدی کا سُورۃ فاتحہ پڑھنا

اس بات کا ذکر آیا کہ جو شخص جماعت کے اندر رکوع میں آکر شامل ہو اس کی رکعت ہوتی ہے یا نہیں۔ حضرت اقدس نے دوسرے مولویوں کی رائے دریافت کی۔ مختلف اسلامی فرقوں کے مذاہب اس امر کے متعلق بیان کیے گئے۔ آخر حضرتؑ نے فیصلہ دیا۔ اور فرمایا:-

"ہمارا مذہب تو یہی ہے کہ لاصلوٰۃ الا بفاتحۃ الکتاب۔ آدمی امام کے پیچھے ہو یا منفرد ہو۔ ہر حالت میں اس کو چاہیئے کہ سُورۃ فاتحہ پڑھے۔ مگر امام کو نہ چاہیئے کہ جلدی جلدی سُورۃ فاتحہ پڑھے بلکہ ٹھہر ٹھہر کر پڑھے تاکہ مقتدی سُن بھی لے اور اپنا پڑھ بھی لے۔ یا ہر آیت کے بعد امام اتنا ٹھہر جائے کہ مقتدی بھی اس آیت کو پڑھ لے۔ بہر حال مقتدی کو یہ موقعہ دینا چاہیئے کہ وہ سُن بھی لے اور اپنا پڑھ بھی لے۔ سُورۃ فاتحہ کا پڑھنا ضروری ہے۔ کیونکہ وہ اُمّ الکتاب ہے۔ لیکن جو شخص باوجود اپنی کوشش کے جو وہ نماز میں ملنے کیلئے کرتا ہے آخر رکوع میں ہی آکر ملا ہے اور اس سے پہلے نہیں مل سکا تو اسکی رکعت ہوگئی اگرچہ اُس نے سُورۃ فاتحہ اس میں نہیں پڑھی کیونکہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ جس نے رکوع کو پالیا اسکی رکعت ہوگئی۔ مسائل دو طبقات کے ہوتے ہیں۔ ایک جگہ تو حضرت رسُول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اور تاکید کی کہ نماز میں سورۃ فاتحہ ضرور پڑھیں وہ امّ الکتاب ہے اور اصل نماز وہی ہے مگر جو شخص باوجود اپنی کوشش کے اور اپنی طرف سے جلدی کرنے کے رکوع میں ہی آکر ملا ہے تو چونکہ دین کی بنا آسانی اور نرمی پر ہے اس واسطے حضرت رسُول کریمؐ نے فرمایا۔ کہ اسکی رکعت ہوگئی۔ وہ سُورۃ فاتحہ کا منکر نہیں ہے بلکہ دیر میں پہنچنے کے سبب رخصت پر عمل کرتا ہے۔ میرا دل خُدا نے ایسا بنایا ہے کہ ناجائز کام میں مجھے قبض ہو جاتی ہے اور میرا جی نہیں چاہتا کہ میں اُسے کروں اور یہ صاف ہے کہ جب نماز

میں ایک آدمی نے تین حصّوں کو پُورا پالیا اور ایک حصّہ میں بہ سبب کسی مجبُوری کے دیر میں مل سکا ہے۔ تو کیا حرج ہے۔ انسان کو چاہیئے کہ رُخصت پر عمل کرے۔ ہاں جو شخص عمداً سُستی کرتا ہے اور جماعت میں شامل ہونے میں دیر کرتا ہے تو اُس کی نماز ہی فاسد ہے۔" (الحکم جلد ۵ نمبر ۵ صفحہ ۱۰ مورخہ ۱۰؍ فروری ۱۹۰۱ء)

۲۰؍ فروری ۱۹۰۱ء

عربی تفسیر کے لئے غیبی قوّت

ایک شخص نے قرض کے واسطے دُعا کے لئے عرض کی۔ فرمایا۔

"استغفار بہت پڑھا کرو۔" تفسیر کے لکھنے کے متعلق فرمایا۔

"دن تھوڑے رہ گئے ہیں۔ اب تو ہم اس طرح جلدی جلدی لکھتے ہیں۔ جیسے اُردو لکھی جاتی ہے۔ بلکہ کئی دفعہ تو قلم برابر چلتا ہے اور ہم نہیں جانتے کہ کیا لکھ رہے ہیں۔"

(الحکم جلد ۵ نمبر ۷ صفحہ ۱۰ پرچہ ۲۴؍ فروری ۱۹۰۱ء)

غیروں کے پیچھے نماز

کسی نے سوال کیا کہ جو لوگ آپؑ کے مُرید نہیں اُن کے پیچھے نماز پڑھنے سے آپؑ نے اپنے مُریدوں کو کیوں منع فرمایا ہے۔ حضرتؑ نے فرمایا۔

"جن لوگوں نے جلد بازی کے ساتھ بدظنّی کر کے اس سلسلہ کو جو اللہ تعالیٰ نے قائم کیا ہے، ردّ کر دیا ہے اور اس قدر نشانوں کی پرواہ نہیں کی اور اسلام پر جو مصائب ہیں۔ اس سے لاپرواہ پڑے ہیں۔ ان لوگوں نے تقویٰ سے کام نہیں لیا۔ اور اللہ تعالیٰ اپنے پاک کلام میں فرماتا ہے۔ انّما یتقبّل اللّٰہ من المتّقین[1]۔ خدا صرف متقی لوگوں کی نماز قبول کرتا ہے۔ اس واسطے کہا گیا ہے۔ کہ ایسے آدمی کے پیچھے نماز نہ پڑھو جس کی نماز خود قبولیت کے درجہ تک پہنچنے والی نہیں۔

[1] المآئدۃ : ۲۸

حق کی مخالفت اور سلبِ ایمان

قدیم سے بزرگانِ دین کا یہی مذہب ہے۔ کہ جو شخص حق کی مخالفت کرتا ہے رفتہ رفتہ اس کا سلبِ ایمان ہو جاتا ہے۔ جو پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ مانے وہ کافر ہے مگر جو مہدی اور مسیح کو نہ مانے اس کا بھی سلبِ ایمان ہو جائے گا۔ انجام ایک ہی ہے پہلے مخالف ہوتا ہے پھر اجنبیت پھر عداوت پھر غلوّ اور آخر کار سلبِ ایمان ہو جاتا ہے۔"

شیعوں کا مذہب

سوال ہوا کہ ابتدا میں بھی مسلمانوں کے درمیان آپس میں عداوت اور دشمنیاں ہوتی رہی ہیں اور اختلافِ رائے بھی ہوتا رہا ہے مگر باوجود اس کے ہم کسی کو کافر نہیں کہہ سکتے۔ حضرت اقدسؑ نے فرمایا:-

" یہ تو شیعوں کا مذہب ہے کہ صحابہؓ کے درمیان آپس میں ایسی سخت دشمنی تھی یہ غلط ہے۔ اللہ تعالےٰ آپ اس کی تردید فرماتا ہے کہ نَزَعْنَا مَا فِیْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ۔[1] برادریوں کے درمیان آپس میں دشمنیاں ہوا کرتی ہیں۔ مگر شادی، مرگ کے وقت وہ سب ایک ہو جاتے ہیں۔ اخیار میں خونی دشمنی کبھی نہیں ہوتی۔"

اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ کون ہیں؟

سوال ہوا کہ جو لوگ آپ کو کافر نہیں کہتے۔ مگر آپ کے مُرید بھی نہیں ہیں۔ اُن کا کیا حال؟ حضرت صاحب نے فرمایا:-

" وہ لوگ راہ و رسم اور تعلقات کس کے ساتھ رکھتے ہیں۔ آخر ایک گروہ میں اُن کو ملنا پڑے گا۔ جس کے ساتھ اپنا تعلق رکھتا ہے اُسی میں سے وہ ہوتا ہے۔"

سوال ہوا کہ جو لوگ آپ کو نہیں مانتے وُہ اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ کے نیچے ہیں یا کہ نہیں؟

[1] الحجر: ۴۸

حضرت اقدس مسیح موعودؑ نے فرمایا کہ

"اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ میں تو میں اپنی جماعت کو بھی شامل نہیں کر سکتا۔ جب تک کہ خدا کسی کو نہ کرے جو کلمہ گو سچے دل سے قرآن پر عمل کرنے کے لئے تیار ہو بشرطیکہ سمجھایا جاوے وہ اپنا اجر پائے گا۔ جس قدر کوئی مانے گا۔ اسی قدر ثواب پائے گا جتنا انکار کرے گا۔ اتنی ہی تکلیف اُٹھائے گا۔

میں قسماً کہتا ہوں کہ مجھے لوگوں کے ساتھ کوئی عداوت نہیں جو ہمیں کافر نہیں کہتے۔ اُن کے دلوں کا خدا مالک ہے۔ مگر حضرت مسیحؑ کا خالق اور حیّ ماننا بھی تو ایک شرک ہے۔ اگر وہ کہیں کہ خدا کے اِذن سے کرتا تھا۔ تو ہم کہتے ہیں کہ وُہ اِذن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کیوں نہ دیا گیا۔ جو خدا کے ولی کے ساتھ دشمنی کرتا ہے۔ خدا اُس کے ساتھ جنگ کرتا ہے۔ جس کے ساتھ خدا جنگ کرے۔ اُس کا ایمان کہاں رہا۔"

(الحکم جلد ۵ نمبر ۱۰ صفحہ ۸ پرچہ ۱۷ مارچ ۱۹۰۱ء)

---

۲۳ فروری ۱۹۰۱ء حضرت اقدسؑ کو الہام ہوا۔ كَفَيْنَاكَ الْمُسْتَهْزِئِيْنَ ۔

تفسیر اعجاز المسیح کی اعجازی شان

تفسیر اعجاز المسیح کے متعلق یہ ذکر تھا کہ مخالفین میں سے کسی کو خدا نے یہ طاقت نہیں دی۔ کہ اس کا مقابلہ کر سکے۔ اس پر حضرت اقدسؑ نے فرمایا

"قرآن شریف کے ایک معجزہ ہونے کے متعلق دو مذہب ہیں۔ ایک تو یہ کہ خدا تعالیٰ نے مخالفین سے صرف ہمت کر دیا یعنی اُن لوگوں کو توفیق نہ ہوئی کہ اس وقت مقابلہ میں کچھ کر کے دکھلاتے۔ اور دوسرا مذہب جو کہ صحیح اور سچا اور پکّا مذہب ہے اور ہمارا بھی وہی مذہب ہے، وہ یہ ہے کہ مخالف خود اس بات میں عاجز تھے کہ مقابلہ کر سکتے۔ اصل میں ان کے علم اور عقل چھینے گئے تھے۔ قرآن شریف کا معجزہ ہماری تفسیر القرآن کے معاملہ

سے خوب سمجھ میں آسکتا ہے۔ ہزاروں مخالف موجود ہیں جو عالم فاضل کہلاتے ہیں۔ کئی غیرت دلانے والے الفاظ بھی اشتہار میں لکھے گئے۔ مگر کوئی ایسا نہ کرسکا کہ اس نشان کا مقابلہ کرتا"

(الحکم جلد ۵ نمبر ۸ صفحہ ۱۲ پرچہ ۳ر مارچ ۱۹۰۱ء)

۲۴ر فروری ۱۹۰۱ء

صحیح بخاری کی عظمت

صحیح بخاری کے متعلق فرمایا:-

"یہی ایک کتاب ہے جو دُنیا کی تمام کتابوں میں سے قرآن شریف کے بہت مطابق اور سب سے افضل اور صحیح ہے۔ اُس کی دوسری بہن گویا مسلم ہے۔"

ایک جزئی فضیلت

آیت کریمہ رَبُّنَا الَّذِیْٓ اَعْطٰی کُلَّ شَیْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰی[1] پر حضرت اقدس علیہ السلام نے فرمایا

"اس عطا میں زیادہ تر دو قسم کے آدمی ہیں۔ ایک بادشاہ۔ دوسرے مامور من اللہ یعنی پہلے خدا نے ان کو مامور بنایا ثُمَّ هَدٰی یعنی پھر تبلیغ کے تمام سامان اُن کیلئے مہیا کر دیئے۔ جیسا کہ خدا نے ریل۔ تار۔ ڈاک۔ مطبع وغیرہ تمام اسباب ہمارے واسطے مہیا کر دیئے۔ جو پہلے انبیاء علیہم السلام کو حاصل نہ تھے۔ ہمارے واسطے یہ ایک جزئی فضیلت ہے۔ اور خدا کا فضل ہے اور جزئی فضیلت سے کسرِ شان کسی نبی کی لازم نہیں آتی۔"

اہل اللہ کا حال

فرمایا۔

"تفسیر کا کام تو ختم ہو گیا اور ہم چاہتے تھے کہ دوسرے ضروری کاموں کے شروع کرنے سے پہلے دو تین دن آرام کر لیتے مگر جی نہیں چاہتا کہ خالی بیٹھے رہیں۔ مثنوی مولانا رُوم

[1] طٰہٰ: ۵۱

میں لکھا ہے کہ ایک بیماری ہوتی ہے کہ انسان چاہتا ہے کہ اس کو ہر وقت کوئی مکّیاں مارتا رہے۔ ایسا ہی اہل اللہ کا حال ہوتا ہے کہ وہ آرام نہیں کر سکتے۔ کبھی خدا اُن پر محنت نازل کرتا ہے اور کبھی وہ آپ کوئی ایسا کام چھیڑ بیٹھتے ہیں۔ جس سے اُن پر محنت نازل ہو۔

نہایت درجہ برکت کی بات یہ ہے کہ انسان خدا کے واسطے کسی کام میں لگا رہے جو دن بغیر کسی کام کے گذر جائے وہ گویا غم میں گذرتا ہے۔ اس سے زیادہ دنیا میں کچھ حاصل نہیں کہ انسان خدا کے واسطے کام کرے اور خدا اس کے واسطے راستہ کھول دے۔ اور اُسے مدد عطا فرمادے۔ مگر بغیر اخلاص کے تمام محنت بے فائدہ ہے خالصۃً لِلّٰہ کام کرنا چاہیئے۔ کوئی اور غرض درمیان میں نہ آوے۔"

(الحکم جلد ۵ نمبر ۸ صفحہ ۱۲ پرچہ ۳؍ مارچ ۱۹۰۱ء)

۲۵؍ فروری ۱۹۰۱ء

جماعت کو اہم نصیحت

اپنی جماعت کے لوگوں کو باہم محبت کرنے اور رُوحانی کمزوریوں کے سامنے نرمی کا برتاؤ کرنے کا حکم کرتے ہوئے اور اُس دردِ دل کا اظہار کرتے ہوئے جو کہ آپ کو اپنی جماعت کی بہتری کے واسطے ہے فرمایا:۔

"میں اپنی جماعت کے لوگوں کو نصیحت کرتا ہوں کہ وہ اپنے میں سے کمزور اور کچّے لوگوں پر رحم کریں۔ اُن کی کمزوری کو دور کرنے کی کوشش کریں۔ اُن پر سختی نہ کریں۔ اور کسی کے ساتھ بد اخلاقی سے پیش نہ آئیں بلکہ اُن کو سمجھائیں۔ دیکھو صحابہ رضی اللہ عنہم کے درمیان بھی بعض منافق آکر مل جاتے تھے۔ پر حضرت رسُول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم اُن کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کرتے۔ چنانچہ عبداللہ ابن اُبّی جس نے کہا تھا کہ غالب لوگ ذلیل لوگوں کو یہاں سے نکال دیں گے۔ چنانچہ سورۂ مُنافقون میں درج ہے اور اس سے مُراد اس کی یہ تھی۔ کہ کفار

مسلمانوں کو نکال دیں گے۔ اس کے مرنے پر حضرت رسُول کریمؐ نے اپنا کُرتہ اس کے لئے دیا تھا
میں نے یہ عہد کیا ہوا ہے کہ میں دُعا کے ساتھ اپنی جماعت کی مدد کروں۔ دعا کے بغیر
کام نہیں چلتا۔ دیکھو صحابہؓ کے درمیان بھی جو لوگ دعا کے زمانہ کے تھے یعنی مکی زندگی کے،
جیسی اُن کی شان تھی ویسی دوسروں کی نہ تھی۔ حضرت ابوبکرؓ جب ایمان لائے تھے تو انہوں
نے کیا دیکھا تھا۔ انہوں نے کوئی نشان نہ دیکھا تھا۔ لیکن وہ حضرت رسُول کریم صلے اللہ
علیہ وسلّم کے اخلاق اور اندرونی حالات کے واقف تھے۔ اس واسطے نبوّت کا دعویٰ سُنتے ہی
ایمان لے آئے۔ اسی طرح میں کہا کرتا ہوں کہ ہمارے دوست اکثر یہاں آیا کریں۔ اور
دعا کریں۔ گہرا دوست اور پُورا واقف بن جانے سے انسان بہت فائدہ اُٹھاتا ہے۔ معجزات
اور نشانات سے ایسا فائدہ نہیں ہوتا۔ معجزات سے فرعون کو کیا فائدہ ہوا۔ معجزات کے ہزاروں
منکر ہوتے ہیں۔ اخلاق کا منکر کوئی نہیں۔ طالب ہو کر اصلی اور جگری حالات کو دریافت کرنا چاہیئے

پیغمبر خداؐ کے اخلاق کے دو پہلو

آریہ لوگوں نے حضرت رسُول کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم پر اس قدر اعتراض کئے ہیں لیکن
اگر ان لوگوں کو آپؐ کے اصلی حالات اور اخلاق کریمہ کے صحیح جُز مل جاتے تو یہ کبھی ایسی جُرأت
نہ کرتے پیغمبر خُدا صلی اللہ علیہ وسلّم نے اخلاق کے دو پہلو دکھلائے۔ ایک مکی زندگی میں جبکہ آپؐ
کے ساتھ صرف چند آدمی تھے۔ اور کچھ قوت نہ تھی۔ دوسرا مدنی زندگی میں جبکہ آپ فاتح
ہوئے۔ اور وہی کفّار جو آپؐ کو تکلیف دیتے تھے۔ اور آپؐ اُن کی ایذا دہی پر صبر کرتے تھے
اب آپؐ کے قابُو میں آگئے ایسا کہ جو چاہتے آپؐ اُن کو سزا دے سکتے تھے مگر آپؐ نے
لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ کہہ کر اُن کو چھوڑ دیا۔ اور کچھ سزا نہ دی۔ ہمیں حضرت مسیحؑ پر ایمان
ہے اور اُن کے ساتھ محبت ہے۔ مگر یہ کہتے میں ہم لاچار ہیں کہ اُن کو اپنے مخالفین پر قدرت
اور طاقت نہیں ہوئی۔ اور اُن کو یہ موقع نہیں ملا کہ دشمن پر قابُو پا کر پھر اپنے اخلاق کا اظہار
کریں اور اگر ان کو یہ موقع ملتا تو معلوم نہیں وہ کیا کرتے۔ سچّا مسلمان وہ ہے کہ دوسروں

کے ساتھ ہمدردی سے پیش آوے۔ میں دو باتوں کے پیچھے لگا ہوا ہوں۔ ایک یہ کہ اپنی جماعت کے واسطے دعا کروں۔ دعا تو ہمیشہ کی جاتی ہے۔ مگر ایک نہایت جوش کی دعا جس کا موقعہ کبھی مجھے مل جائے۔ اور دوم یہ کہ قرآن شریف کا ایک خلاصہ ان کو لکھ دوں۔ قرآن شریف میں سب کچھ ہے۔ مگر جب تک بصیرت نہ ہو کچھ حاصل نہیں ہو سکتا۔ قرآن شریف کو پڑھنے والا جب ایک سال سے دوسرے سال میں ترقی کرتا ہے۔ تو وہ اپنے گذشتہ سال کو ایسا معلوم کرتا ہے۔ کہ گویا وہ تب ایک طفل مکتب تھا۔ کیونکہ یہ خدا تعالیٰ کا کلام ہے اور اس میں ترقی بھی ایسی ہے۔ جن لوگوں نے قرآن شریف کو ذُوالوجُوہ کہا ہے۔ میں ان کو پسند نہیں کرتا۔ انہوں نے قرآن شریف کی عزت نہیں کی۔

قرآن شریف ذُوالمعارف ہے

قرآن شریف کو ذُوالمعارف کہنا چاہیئے۔ ہر مقام میں سے کئی معارف نکلتے ہیں۔ اور ایک نکتہ دوسرے نکتہ کا نقیض نہیں ہوتا۔ مگر زُود رنج، کینہ پرور اور غصہ والی طبائع کے ساتھ قرآن شریف کی مناسبت نہیں ہے اور نہ ایسوں پر قرآن شریف کھلتا ہے میرا ارادہ ہے کہ اس قسم کی تفسیر بنا دوں۔ نرا فہم اور اعتقاد نجات کے واسطے کافی نہیں۔ جب تک کہ وہ عملی طور پر ظہور میں نہ آوے۔ عمل کے سوا کوئی قول جان نہیں رکھتا۔ قرآن شریف پر ایسا ایمان ہونا چاہیئے۔ کہ یہ درحقیقت مُعجزہ ہے اور خدا کے ساتھ ایسا تعلق ہو کہ گویا اس کو دیکھ رہا ہے۔ جب تک لوگوں میں یہ بات پیدا نہ ہو جائے۔ گویا جماعت نہیں بنی۔ اگر کسی سے ایسی غلطی ہو کہ وہ صرف ایک غلط خیال کی وجہ سے ایک امر میں ہماری مخالفت کرتا ہے۔ تو ہم ایسے نہیں ہیں کہ ہم اس پر ناراض ہو جائیں۔ ہم جانتے ہیں کہ کمزوروں پر رحم کرنا چاہیئے۔ ایک بچہ اگر بستر پر پاخانہ پھر دے اور ماں غصہ میں آکر اس کو پھینک دے تو وہ خُون کرتی ہے۔ ماں اگر بچہ کے ساتھ ناراض ہونے لگے اور ہر روز اس سے رُوٹھنے لگے۔ تو کام کب بنے۔ وہ جانتی ہے۔ کہ یہ ہنوز نادان ہے۔ رفتہ رفتہ خدا اس کو عقل

دے گا۔ اور کوئی وقت آتا ہے کہ یہ سمجھ لیگا کہ ایسا کرنا نامناسب ہے۔ سو ہم ناراض کیوں ہوں۔ اگر ہم کذب پر ہیں۔ تو خود ہمارا کذب ہمیں ہلاک کرنے کے واسطے کافی ہے۔ ہم اس راہ پر قدم مارنے والے سب سے پہلے نہیں ہیں۔ جو ہم گھبرا جائیں کہ شاید حق والوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا کیا معاملہ ہوا کرتا ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ سُنّت اللہ کیا ہے۔ سرور انبیاءؐ پر کروڑوں اعتراض ہوئے۔ ہم پر تو اتنے ابھی نہیں ہوئے۔ بعض کہتے ہیں۔ کہ جنگ اُحد میں آپ کو ۷۰ تلواریں لگی تھیں۔ صدق کا بیج ضائع نہیں ہوتا۔ ابوبکری طبیعت تو کوئی ہوتی ہے۔ کہ فوراً مان لے۔ طبائع مختلف ہوتی ہیں۔ مگر نشان کے ساتھ کوئی ہدایت پا نہیں سکتا۔ سکینت باطنی آسمان سے نازل ہوتی ہے۔ تصرفات باطنی یکدفعہ تبدیلی پیدا کر دیتے ہیں پھر انسان ہدایت پاتا ہے۔ ہدایت امر ربّی ہے۔ اس میں کسی کو دخل نہیں۔ میرے قابو میں ہو تو میں سب کو قطب اور ابدال بنا دوں۔ مگر یہ امر محض خدا تعالےٰ کے اختیار میں ہے ہاں دعا کی جاتی ہے۔

گالیوں کا تھیلہ اور مخالفین سے ہمدردی

ہم تیار ہیں کہ ہمارے ساتھ صُلح کر لیں۔ میرے پاس ایک تھیلہ اُن گالیوں سے بھرے ہوئے کاغذات کا پڑا ہے۔ ایک نیا کاغذ آیا تھا وہ بھی آج میں نے اُس میں داخل کر دیا ہے۔ مگر ان سب کو ہم جانے دیتے ہیں۔ اپنی جماعت کے ساتھ اگرچہ میری ہمدردی خاص ہے۔ مگر میں سب کے ساتھ ہمدردی کرتا ہوں اور مخالفین کے ساتھ بھی میری ہمدردی ہے جیسا کہ ایک حکیم تریاق کا پیالہ مریض کو دیتا ہے کہ وہ شفا پا وے مگر مریض غصّہ میں آکر اس پیالہ کو توڑ دیتا ہے۔ تو حکیم اس پر افسوس کرتا ہے اور رحم کرتا ہے۔ ہمارے قلم سے مخالف کے حق میں جو کچھ الفاظ سخت نکلتے ہیں۔ وہ محض نیک نیتی سے نکلتے ہیں جیسے ماں بچّہ کو کبھی سخت الفاظ بولتی ہے۔ مگر اس کا دل درد سے بھرا ہوا ہوتا ہے۔ صادق اور کاذب کا معاملہ خدا کے نزدیک ایک نہیں ہوتا۔ خدا جس کو محبّت کے ساتھ دیکھتا ہے اس

کے ساتھ اور دوسروں کے ساتھ اس کا ایک سلوک نہیں ہوتا۔ کیا سب کے ساتھ اس کا معاملہ ایک ہی رنگ کا ہے۔

مخالفین کو صُلح کی دعوت

مخالفین ہم سے صُلح کر لیں۔ ملنا جُلنا شروع کر دیں۔ بے شک اپنے اعتقاد پر رہیں ملاقات سے اصلی حالات معلوم ہو جاتے ہیں۔ امرتسر کے بعض مخالف سمجھتے ہیں کہ ہم خدا کے منکر ہیں۔ اور شراب پیتے ہیں۔ ایسی بدظنی کا سبب یہی ہے کہ وہ ہم سے بالکل الگ ہو گئے ہیں۔ اس قسم کا انقطاع تو کمزور لوگ کرتے ہیں۔ کہ بالکل الگ ہو جائیں۔ الحق یعلوا ولا یعلیٰ۔ تم ہم سے ڈرتے کیوں ہو۔ اگر ہم حقیر ہیں تو تم ہم پر غالب آجاؤ گے۔ اگر صُلح بھی نہیں کرتے تو پھر مقابلہ میں آنا چاہیئے۔ مقابلہ کے وقت خدا صادق کی مدد کرتا ہے۔ کَتَبَ اللّٰہُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَ رُسُلِیْ [1]۔

(الحکم جلد ۵ نمبر ۹ صفحہ ۸ تا ۱۰ پرچہ ۱۰ مارچ ۱۹۰۱ء)

۲۶ فروری ۱۹۰۱ء

اُمّتِ محمدیہ میں پیغمبروں کا ظلّی سلسلہ

فرمایا:۔ " اِھۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِیۡمَ [2] کی دُعا سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالےٰ ایک ظلّی سلسلہ پیغمبروں کا اس اُمّت میں قائم کرنا چاہتا ہے مگر جیسا کہ قرآن کریم میں سارے انبیاء کا ذکر نہیں اور حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ کا ذکر کثرت سے ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ اس اُمّت میں بھی مثیلِ موسیٰؑ یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم اور مثیل عیسیٰؑ یعنی امام مہدی سب سے عظیم الشّان اور خاص ذکر کے قابل ہیں۔"

[1] المجادلہ : ۲۲ [2] الفاتحہ : ۶

۲۸ر فروری ۱۹۰۱ء

اجتہادی غلطی

فرمایا۔

"اجتہادی غلطی سب نبیوں سے ہوا کرتی ہے اور اس میں سب ہمارے شریک ہیں اور یہ ضرور ہے کہ ایسا ہوتا تاکہ بشر خدا نہ ہو جائے۔ دیکھو حضرت عیسیٰؑ کے متعلق بھی یہ اعتراض بڑے زور شور سے یہود نے کیا ہے کہ اس نے کہا تھا کہ میں بادشاہت لے کر آیا ہوں اور وہ بات غلط نکلی۔ ممکن ہے کہ حضرت مسیحؑ کو یہ خیال آیا ہو کہ ہم بادشاہ بن جائینگے چنانچہ تلواریں بھی خرید رکھی ہوئی تھیں۔ مگر یہ اُن کی اجتہادی غلطی تھی۔ بعد اس کے خُدا نے مطلع کر دیا اور انہوں نے اقرار کیا۔ کہ میری بادشاہت رُوحانی ہے۔ سادگی انسان کا فخر ہوتا ہے۔ حضرت عیسیٰؑ نے جو کہا سو سادگی سے کہا۔ اس سے ان کی خفّت اور بیعزّتی نہیں ہوتی۔ ایسا ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم نے پہلے یہ سمجھا تھا۔ کہ ہجرت یمامہ کی طرف ہوگی۔ مگر ہجرت مدینہ طیبہ کی طرف ہوئی۔ اور انگوروں کے متعلق آپ نے یہ سمجھا تھا کہ ابوجہل کے واسطے ہیں بعد میں معلوم ہوا کہ عکرمہ کے واسطے ہیں۔ انبیاءؑ کے علم میں بھی تدریجاً ترقی ہوتی ہے۔ اس واسطے قرآن شریف میں آیا ہے۔ قُلْ رَّبِّ زِدْنِیْ عِلْمًا۔[1] یہ آپؐ کا کمال اور قلب کی طہارت تھی جو آپؐ اپنی غلطی کا اقرار کرتے تھے۔ اس میں انبیاءؑ کی خفّت کچھ نہیں۔ ایک حکیم ہزاروں بیماروں کا علاج کرتا ہے اگر ایک اُن میں سے مر جائے تو کیا حرج ہے۔ اِس سے اُس کی حکمت میں کچھ داغ نہیں آجاتا۔ کبھی حافظ قرآن کو پیچھے سے لُقمہ دیا جاتا ہے۔ تو اس سے یہ نہیں کہا جاتا کہ اب وُہ حافظ نہیں رہا جو باتیں متواترات اور کثرت سے ہوتی ہیں اُن پر حکم لگایا جاتا ہے۔"

اخلاص ضائع نہیں ہوتا

[1] طٰہٰ : ۱۱۵

فرمایا

"اخلاص والے کو خدا ضائع نہیں کرتا۔ ہمارے حضرت رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کس جنگل میں پیدا ہوئے تھے۔ پھر خدا نے کیا کیا سامان بنا دیئے۔ ایک آدمی کا قابو کرنا مشکل ہوتا ہے۔ کتنے آدمی آپؐ کے ساتھ ہو گئے تھے۔ ہمارے متعلق اللہ تعالیٰ کی وحی ہے۔ بادشاہ تیرے کپڑوں سے برکت ڈھونڈیں گے۔ آخر مُرید ہی ہوں گے تو ایسا کریں گے۔ اس زمانہ میں دیکھو لوگ کیسی بیعزتی کرتے ہیں۔ مگر اس زمانہ میں جو ثواب ہے وہ پھر نہ ہوگا۔"

یکم مارچ ۱۹۰۱ء

نماز کا اخلاص سے بڑا تعلق

فرمایا۔

"نماز دعا اور اخلاص کے ساتھ تعلق رکھتی ہے۔ مومن کے ساتھ کینہ جمع نہیں ہوتا۔ متقی کے سوا دوسرے کے پیچھے نماز کو خراب نہیں کرنا چاہیئے۔"

۳ مارچ ۱۹۰۱ء۔

کمال ختم نہیں ہوتا

فرمایا:۔

"ختمِ ایمان یا ختمِ کمال نہیں ہو جاتا۔ خدا کی جناب میں بُخل نہیں۔ جو رنگ ایک پر پڑھتا ہے وہ دُوسرے پر چڑھ سکتا ہے۔ اگر نبی کی بات دوسرے میں نہ آسکے۔ تو اس کا وجود بیفائدہ ہو۔ ایک صُوفی ابنِ حزم نے لکھا ہے کہ میں نے حضرت رسُول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے معانقہ کیا۔ یہانتک کہ میں خود رسُول اللہ ہو گیا۔"

(الحکم جلد ۵ نمبر ۱۰ صفحہ ۹ پرچہ ۱۷ مارچ ۱۹۰۱ء)

مارچ ۱۹۰۱ء

ایک متلاشی حق اور حضرت اقدسؑ

چند روز سے حضرت مسیح موعودؑ کی خدمت میں ایک حق جُو ضلع گجرات سے آیا ہوا ہے۔ اس نے عرض کی کہ مجھے ابتدا ہی سے دھرم بھاؤ اپنے اندر محسوس ہوتا تھا اور اُس کے موافق میں اپنے خیال میں بعض نیکیاں بھی کرتا رہا ہوں مگر مجھے دُنیا اور اس کے طلبگاروں کو اپنے اردگرد دیکھ کر بہت بڑی تکلیف محسوس ہوتی ہے۔ اور اپنے اندر بھی ایک کشمکش پاتا ہوں۔ میں ایک بار دریائے جہلم کے کنارے کنارے پھر رہا تھا کہ مجھے ایک عجیب نظارہ پریم (محبت) کا دکھایا گیا جس سے مجھے ایک لذت اور سرور محسوس ہوتا تھا۔ جس طرف نظر اُٹھاتا تھا آنند ہی آنند ملتا تھا۔ کھانے میں پینے میں، چلنے میں، پھرنے میں، غرض ہر ایک حرکت میں ہر ادا میں پریم ہی پریم معلوم ہوتا تھا۔ چند گھنٹوں کے بعد یہ نظارہ تو جاتا رہا۔ مگر اس کا بقیہ ضرور دو ماہ تک رہا یعنی اس نظارہ سے کم درجہ کا سرور دینے والا نظارہ۔ اس وقت میں عجیب گھبراہٹ میں ہوں۔ میں نے بہت کوشش کی۔ کہ میں اس کو پھر پاؤں مگر نہیں ملا۔ اسی کی طلب اور تلاش میں مَیں لاہور بابو ابناش چندر فورمین صاحب کے پاس آیا۔ جو برہم سماج کے سرگرم ممبر ہیں۔ مگر افسوس ہے کہ وہ مجھ سے بجز چند منٹ کے اور وہ بھی اپنے دفتر میں ہی نہ مل سکے۔ پھر میں پنڈت شونرائن ستیانند اگنی ہوتری کے پاس گیا۔ میں نے دیکھا کہ وہ لوگ کسی قدر رُوحانیت کو محسوس کرتے ہیں۔ آخر میں کوئی دو مہینے تک اُن کے ہائی سکول موگا میں بطور تھرڈ ماسٹر کام کرتا رہا۔ اور اپنی اصلاح میں لگا رہا۔ وہاں جانا میرا صرف اس مطلب کے لئے تھا۔ کہ میں اپنی لائف کو بناؤں۔ اس عرصہ میں کچھ مختصر سا نظارہ نظر آنے لگا۔ مگر میری تسلی اور اطمینان نہیں ہوا۔ جس شانتی اور پریم کا میں خواہشمند اور جویا تھا وہ مجھے نہ ملا۔ اگرچہ میں صبر کے ساتھ وہاں رہنا چاہتا تھا۔ مگر بیمار ہو کر مجھے آنا پڑا۔ میں نے اپنے شہر میں شیخ مولا بخش صاحب کو ایک مرتبہ جلسہ اعظم مذاہب والا آپ کا مضمون پڑھتے ہوئے سُنا۔ میں اپنے خیال

میں مست اور متفکر جارہا تھا۔ کہ اُن کی آواز میرے کان میں پڑی۔ میری رُوح نے غیر معمولی طور پر محسوس کیا کہ اس کلام میں لائٹ (نُور) ہے۔ اور یہ کہنے والا اپنے اندر روشنی ضرور رکھتا ہے۔ میں نے اس مضمون کو کئی مرتبہ پڑھا اور میرے دل میں قادیان آنے کی خواہش پیدا ہوئی مگر لیکھرام کے قتل کے تازہ وقوعہ کے باعث لاہور میں میں اگر کسی مسلمان سے پتہ پوچھتا تھا تو وہ پتہ نہ بتاتا تھا۔ غالباً اس کو یہ وہم ہوتا ہوگا۔ کہ شاید یہ مرزا صاحب کے قتل کو جاتا ہے۔ بہرحال میرے دل میں ایک کشمکش پیدا ہو رہی تھی۔ اب وہ میری آرزو پُوری ہوئی ہے اور میں اپنی زندگی کو بنانا چاہتا ہوں۔ اسی غرض کے واسطے حضور کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں۔ اس پر حضرت اقدس امام ہمام علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یُوں ارشاد فرمایا:-

اسلام کی حقیقت

حقیقت یہی ہے کہ انسان کو پوست اور چھلکے پر ٹھہرنا نہیں چاہئیے۔ اور نہ انسان پسند کرتا ہے کہ وہ صرف پوست پر قناعت کرے۔ بلکہ وہ آگے بڑھنا چاہتا ہے۔ اور اسلام انسان کو اسی مغز اور رُوح پر پہنچانا چاہتا ہے۔ جس کا وہ فطرتاً طلبگار ہے۔ یہ نام ہی ایسا نام ہے کہ اس کو سُنکر رُوح میں ایک لذت آتی ہے۔ اَور کسی مذہب کے نام سے کوئی تسلی رُوح میں پیدا نہیں ہوتی۔ مثلاً آریہ کے نام سے کون سی رُوحانیت نکالیں۔ اسلام سکینت، شانتی، تسلی کے لئے بنایا گیا ہے۔ جس کے واسطے انسان کی رُوح بھوکی پیاسی ہوتی ہے تاکہ اس نام کا سُننے والا سمجھ لے کہ اس مذہب کا سچے دل سے ماننے والا اور اس پر عمل کرنے والا خدا کا عارف ہے۔ مگر بات یہ ہے کہ اگر انسان چاہے کہ ایک دم میں سب کچھ ہو جائے۔ اور معرفت الٰہی کے اعلیٰ مراتب پر یکدفعہ پہنچ جائے۔ یہ کبھی نہیں ہوتا۔ دنیا میں ہر ایک کام تدریج سے ہوتا ہے۔ دیکھو کوئی علم اور فن ایسا نہیں جس کو انسان تامل اور توقف سے نہ سیکھتا ہو۔ ضروری ہے کہ سلسلہ وار مراتب کو طے کرے۔ دیکھو۔ زمیندار کو زمین میں بیج بو کر انتظار کرنا پڑتا ہے۔ اوّل وہ اپنی عزیز شئے اناج کو زمین میں ڈال دیتا

ہے جس کو فوراً جانور چگ جائیں یا مٹی کھا لے یا کسی اور طرح ضائع ہو جائے۔ مگر تجربہ اس کو تسلی دیتا ہے۔ کہ نہیں۔ ایک وقت آتا ہے کہ یہ دانے جو اس طرح پر زمین کے سپرد کئے گئے ہیں۔ بارور ہوں گے۔ اور یہ کھیت سرسبز لہلہاتا ہوا نظر آئے گا۔ اور یہ خاک آمیختہ بیج رزق بن جائیں گے۔

رُوحانی رزق کے لئے محنت درکار ہے

اب آپ غور کریں کہ دُنیاوی اور جسمانی رزق کے لئے جس کے بغیر کچھ دن آدمی زندہ بھی رہ سکتا ہے چھ مہینے درکار ہیں حالانکہ وہ زندگی جس کا مدار جسمانی رزق پر ہے ابدی نہیں بلکہ فنا ہو جانے والی ہے۔ پھر رُوحانی رزق جو رُوحانی زندگی کی غذا ہے۔ جس کو کبھی فنا نہیں اور وہ ابدالآباد کے لئے رہنے والی ہے۔ دو چار دن میں کیونکر حاصل ہو سکتا ہے اگرچہ اللہ تعالیٰ اس بات پر قادر ہے کہ وہ ایک دم میں جو چاہے کر دے۔ اور ہمارا ایمان ہے کہ اس کے نزدیک کوئی چیز انہونی نہیں ہے۔ اسلام نے ایسا خدا پیش ہی نہیں کیا جو مثلاً آریوں کے پیش کردہ پرمیشر کی طرح نہ کسی رُوح (جیو) کو پیدا کر سکے، نہ مادہ کو اور نہ اپنے طلبگاروں کو اور صادقوں کو سچی شانتی اور ابدی مُکتی دے سکے۔ نہیں بلکہ اسلام نے وہ خدا پیش کیا ہے۔ جو اپنی قدرتوں اور طاقتوں میں بے نظیر اور لاشریک خدا ہے۔ مگر ہاں اس کا قانُون یہی ہے کہ ہر ایک کام ایک ترتیب اور تدریج سے ہوتا ہے۔ اس لئے صبر اور حسنِ ظن سے اگر کام نہ لیا جائے تو کامیابی مشکل ہے۔ مجھے یاد ہے۔ کہ ایک شخص میرے پاس آیا کہ پہلے بزرگ پھُونک مار کر آسمان پر پہنچا دیتے تھے۔ میں نے کہا کہ تم غلطی کرتے ہو۔ خدا تعالیٰ کا یہ قانون نہیں ہے۔ اگر ایک مکان میں فرش کرنے لگو تو پہلے ضروری ہو گا کہ اس میں کوئی حصہ قابل مرمت ہو تو اس کی مرمت کرنی پڑے گی۔ اور جہاں جہاں گندگی اور ناپاکی پڑی ہوئی ہوتی ہے۔ اس کو فینائل وغیرہ سے صاف کیا جاتا ہے۔ غرض بہت سی تدبیروں اور حیلوں کے بعد وہ اس قابل ہو گا۔ کہ اس میں فرش

بچھایا جائے۔ اسی طرح پر انسان کا دل اس سے پیشتر کہ خدا تعالےٰ کے رہنے کے قابل ہو۔ وہ شیطان کا تخت ہے۔ اور سلطنتِ شیطان میں ہے۔ اب دوسری سلطنت کیلئے اس شیطانی سلطنت کا قلع و قمع ضروری ہے۔

نہایت ہی بدقسمت ہے وہ انسان جو حق کی طلب کے لئے نکلے اور پھر حُسنِ ظن سے کام نہ لے۔ ایک گل گو ہی کو دیکھو کہ اس کو مٹی کا برتن بنانے میں کیا کچھ کرنا پڑتا ہے دھوبی ہی کو دیکھو کہ وہ ایک ناپاک اور میلے کچیلے کپڑے جب صاف کرنے لگتا ہے۔ تو کس قدر کام اس کو کرنے پڑتے ہیں۔ کبھی کپڑے کو بھٹی پر چڑھاتا ہے۔ کبھی اس کو صابن لگاتا ہے۔ پھر اس کی میل کچیل کو مختلف تدبیروں سے نکالتا ہے۔ آخر وہ صاف ہو کر سفید نکل آتا ہے اور جس قدر میل اس کے اندر ہوتی ہے۔ سب نکل جاتی ہے۔ جب ادنیٰ ادنیٰ چیزوں کے لئے اس قدر صبر سے کام لینا پڑتا ہے۔ تو پھر کس قدر نادان ہے وہ شخص جو اپنی زندگی کی اصلاح کے واسطے اور دل کی غلاظتوں اور گندگیوں کو دُور کرنے کیلئے یہ خواہش کرے۔ کہ یہ پھونک مارنے سے نکل جائیں۔ اور قلب صاف ہو جائے۔

یاد رکھو۔ اصلاح کے لئے صبر شرط ہے۔ پھر دوسری بات یہ ہے کہ تزکیۂ اخلاق اور نفس کا نہیں ہو سکتا جبتک کہ کسی مزکّی نفس انسان کی صُحبت میں نہ رہے۔ اوّل دروازہ جو کُھلتا ہے۔ وہ گندگی دُور ہونے سے کُھلتا ہے۔ جن پلید چیزوں کو مُناسبت ہوتی ہے وہ اندر رہتی ہیں۔ لیکن جب کوئی تریاقی صُحبت مل جاتی ہے تو اندرُونی پلیدی رفتہ رفتہ دُور ہونی شروع ہوتی ہے۔ کیونکہ پاکیزہ رُوح جس کو قرآن کریم کی اصطلاح میں رُوح القدس کہتے ہیں۔ اس کے ساتھ تعلق نہیں ہو سکتا جبتک کہ مناسبت نہ ہو۔ ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ یہ تعلق کب پیدا ہو جاتا ہے۔ ہاں! خاک شو پیش ازانکہ خاک شوی پر عمل ہونا چاہیئے اپنے آپ کو اس راہ میں خاک کر دے۔ اور پُورے صبر اور استقلال کے ساتھ اس راہ میں چلے۔ آخر اللہ تعالیٰ اس کی سچی محنت کو ضائع نہیں کرے گا۔ اور اس کو وہ نُور اور روشنی عطا کریگا

جس کا وہ جویا ہوتا ہے۔ میں تو حیران ہو جاتا ہوں اور کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ انسان کیوں دلیری کرتا ہے جبکہ وہ جانتا ہے کہ خدا ہے۔

مجاہدہ سے خدا کی راہیں کھلتی ہیں

میں نے جس شخص کا ذکر کیا ہے کہ اس نے مجھ سے کہا کہ پہلے بزرگ پھونک مار کر غوث قطب بنا دیتے تھے۔ میں نے اس کو یہی کہا کہ یہ درست نہیں ہے۔ یہ خدا تعالےٰ کا قانون نہیں ہے۔ تم مجاہدہ کرو۔ تب خدا تعالےٰ اپنی راہیں تم پر کھولے گا۔ اس نے کچھ توجہ نہ کی۔ اور چلا گیا۔ ایک مدت کے بعد وہ پھر میرے پاس آیا تو اس کو اس پہلی حالت سے بھی ابتر پایا۔ غرض انسان کی بدقسمتی یہی ہے کہ وہ جلدی کا قانون تجویز کر لیتا ہے اور جب دیکھتا ہے کہ جلدی کچھ نہیں ہوتا کیونکہ اللہ تعالےٰ کے قانون میں تو تدریج اور ترتیب ہے۔ تو گھبرا اُٹھتا ہے اور نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ دہریہ ہو جاتا ہے۔ دہریت کا پہلا زینہ یہی ہے۔ میں نے ایسے لوگ دیکھے ہیں کہ یا تو بڑے بڑے دعوے اور خواہشیں پیش کرتے ہیں کہ یہ ہو جائیں اور وہ بن جائیں اور یا پھر آخر ارذل زندگی کو قبول کر لیتے ہیں۔ ایک شخص میرے پاس کچھ مانگنے آیا۔ جوگی تھا۔ اس نے کہا کہ میں فلاں جگہ گیا، فلاں مرد کے پاس گیا۔ آخر اس کی حالت اور اندازِ گفتگو سے یہ ثابت ہوتا تھا۔ کہ مانگ کر گذارہ کر لینا چاہیئے۔ اصل اور سچی بات یہی ہے۔ کہ صبر سے کام لیا جائے۔ سعدی نے کیا خوب کہا ہے ؎

گر نباشد دوست راہ بُردن
شرطِ عشق است در طلب مُردن

اللہ تعالےٰ تو اخیر حد تک دیکھتا ہے۔ جس کو کچا اور غدار دیکھتا ہے۔ وہ اس کی جناب میں راہ نہیں پا سکتا۔ ؎

طلبگار باید صبور و حمول
کہ نشنیدہ ام کیمیاگر ملول

کیمیا گر باوجودیکہ جانتا ہے کہ اب تک کچھ بھی نہیں ہوا۔ لیکن پھر بھی صبر کے ساتھ اس پھونکا پھانکی میں لگا ہی رہتا ہے۔ میرا مطلب اس سے یہی ہے کہ اوّل صبر کی ضرورت ہے۔ اس کے ساتھ اگر رُشد کا مادہ ہے تو اللہ تعالیٰ ضائع نہیں کرتا۔ اصل غرض تو یہی ہے کہ خدا تعالیٰ سے محبت پیدا ہو۔ لیکن میں کہتا ہوں کہ محبت تو ایک دوسرا درجہ ہے یا نتیجہ ہے سب سے۔ اول تو ضروری یہ بات ہے کہ اللہ تعالےٰ کے وجود پر بھی یقین پیدا ہو۔ اس کے بعد رُوح میں خود ایک جذب پیدا ہو جاتا ہے۔ جو خود بخود اللہ تعالیٰ کی طرف کھچی چلی آتی ہے۔ جس جس قدر معرفت اور بصیرت بڑھے گی۔ اسی قدر لذت اور سرور بڑھتا جائے گا۔ معرفت کے بغیر تو کبھی لذت پیدا نہیں ہو سکتی۔ ذوق شوق کا اصل مبدا، تو معرفت ہی ہے۔ معرفت ہی ایک شے ہے جس سے محبت پیدا ہوتی ہے۔ معرفت اور محبت کے اجتماع سے جو نتیجہ پیدا ہوتا ہے وہ سرور ہوتا ہے۔ یاد رکھو کہ کسی خوبصورتی کا محض دیکھ لینا ہی تو محبت پیدا نہیں کر سکتا۔ جبتک اس کے متعلق معرفت نہ ہو۔ یقیناً سمجھو کہ محبت بدُوں معرفت کے محال ہے۔ جو محبوب ہے اس کی معرفت کے بغیر محبت کیا؟ یہ ایک خیالی بات ہے۔ بہت سے لوگ ہیں جو ایک عاجز انسان کو خدا سمجھ لیتے ہیں۔ بھلا وہ خدا میں کیا لذت پا سکتے ہیں۔ جیسے عیسائی ہیں کہ حضرت مسیحؑ کو خدا بنا رہے ہیں اور اس پر خدا محبت ہے خدا محبت ہے پکارتے پھرتے ہیں۔ اُن کی محبت حقیقی محبت نہیں ہو سکتی۔ ایک اِدّعائی اور خیالی محبت ہے جبکہ خدا تعالےٰ کی بابت ان کو سچی معرفت ہی نصیب نہیں ہوئی۔

محبت الٰہی کے ذرائع

۔عقیدہ کی تصحیح ۔نیک صحبت ۔معرفت ۔صبر و حُسنِ ظن ۔دُعا

پس سب سے پہلے پھر یہ ضروری ہے کہ اوّل تصحیح عقیدہ کرے۔ ہندو کچھ اَور پیش کرتے ہیں۔ عیسائی کچھ اَور ہی دکھاتے ہیں۔ چینی کسی اَور خدا کو پیش کرتے ہیں۔ مسلمانوں

کا وہی خدا ہے جس کو انہوں نے قرآن کے ذریعہ دُنیا کے سامنے پیش کیا ہے۔ جبتک اس کو شناخت نہ کیا جائے خدا کے ساتھ کوئی تعلق اور محبت پیدا نہیں ہو سکتی۔ نرے دعوے سے کچھ نہیں بنتا۔ پس جب عقیدہ کی تصحیح ہو جاوے تو دُوسرا مرحلہ یہ ہے کہ نیک صُحبت میں رَہ کر اس معرفت کو ترقی دی جاوے اور دُعا کے ذریعہ بصیرت مانگی جاوے۔ جس جس قدر معرفت اور بصیرت بڑھتی جاوے گی اسی قدر محبت میں ترقی ہوتی جائے گی۔ یاد رکھنا چاہیئے کہ محبت بدُوں معرفت کے ترقی پذیر نہیں ہو سکتی۔ دیکھو انسان ٹین یا لوہے کے ساتھ اس قدر محبت نہیں کرتا جس قدر تانبے کے ساتھ کرتا ہے۔ پھر تانبے کو اس قدر عزیز نہیں رکھتا جتنا چاندی کو رکھتا ہے اور سونے کو اس سے بھی زیادہ محبُوب رکھتا ہے اور ہیرے اور دیگر جواہرات کو اَور بھی عزیز رکھتا ہے۔ اس کی وجہ کیا ہے؟ یہی کہ اس کو ایک معرفت ان دھاتوں کی بابت ملتی ہے۔ جو اس کی محبت کو بڑھاتی ہے۔ پس اصل بات یہی ہے کہ محبت میں ترقی اور قدر و قیمت میں زیادتی کی وجہ معرفت ہی ہے۔ اس سے پیشتر کہ انسان سرُور اور لذّت کا خواہشمند ہو اس کو ضروری ہے۔ کہ وہ معرفت حاصل کرے۔ لیکن سب سے ضروری امر جس پر ان سب باتوں کی بنیاد رکھی جاتی ہے۔ وہ صبر اور حُسن ظن ہے۔ جبتک ایک حیران کر دینے والا صبر نہ ہو۔ کچھ بھی نہیں ہو سکتا جب انسان محض حق جوئی کے لئے تھکا نہ دینے والے صبر کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی راہ میں سعی اور مجاہدہ کرتا ہے تو اللہ تعالےٰ اپنے فضل و کرم سے اپنے وعدہ کے موافق اس پر ہدایت کی راہ کھول دیتا ہے۔ وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا[1]۔ یعنی جو لوگ ہم میں ہو کر سعی اور مجاہدہ کرتے ہیں۔ آخر ہم اُن کو اپنی راہوں کی طرف راہنمائی کرتے ہیں۔ اُن پر دروازے کھولے جاتے ہیں۔ یہ سچی بات ہے کہ جو ڈھونڈتے ہیں وہ پاتے ہیں۔ کسی نے خوب کہا۔

اے خواجہ درد نیست وگرنہ طبیب ہست

[1] العنکبوت : ۷۰

ہم تو یہ کہتے ہیں کہ جو شخص ہمارے پاس آتا ہے۔ اور کھڑا کھڑا بات کر کے چل دیتا ہے وہ گویا خدا سے ہنسی کرتا ہے۔ یہ خداجوئی کا طریق نہیں ہے اور نہ اللہ تعالیٰ نے اس قسم کا قانون مقرر کیا ہے۔ پس اول شرط خداجوئی کے لئے سچی طلب ہے۔ دوسری صبر کے ساتھ اس طلب میں لگے رہنا۔ یہ قاعدہ کی بات ہے کہ جس قدر عمر زیادہ ہوتی جاتی ہے۔ اسی قدر تجربہ بڑھتا جاتا ہے۔ پھر معرفت کے لئے زیادہ دیر تک صحبت میں رہنا ضروری ہوا یا نہیں۔ میں نے بہت سے آدمی دیکھے ہیں۔ جو اپنی اوائل عمر میں دنیا کو ترک کرتے اور چیختے اور چلاتے ہیں۔ آخر اُن کا انجام یہ دیکھا گیا۔ کہ وہ دنیا میں منہمک پائے گئے اور دنیا کے کیڑے بن گئے۔ دیکھو بعض درختوں کو سنبر و پھل لگا کرتے ہیں۔ جیسے شہتوت کے درخت کو عارضی طور پر ایک پھل لگتا ہے۔ آخر وہ سارے کا سارا گر جاتا ہے۔ اس کے بعد اصل پھل آتا ہے۔ اسی طرح پر خداجوئی بھی عارضی طور پر اندر پیدا ہوتی ہے۔ اگر صبر اور حُسن ظن کے ساتھ صدق قدم نہ دکھایا جاوے تو وہ عارضی جوش ایک وقت میں آکر یہی نہیں کہ وہ فرو ہو جاتا ہے بلکہ ہمیشہ کے لئے دل سے محو ہو جاتا ہے اور دنیا کا کیڑا بنا دیتا ہے لیکن اگر صدق و ثبات سے کام لیا جاوے تو اس عارضی جوش اور حق جوئی کی پیاس کے بعد واقعی اور حقیقی طور پر ایک طلب اور خواہش پیدا ہوتی ہے جو دن بدن ترقی کرتی جاتی ہے۔ یہاں تک کہ اُس کی راہ میں اگر مشکلات اور مصائب کا پہاڑ بھی آجائے تو وہ کچھ بھی پرواہ نہیں کرتا۔ اور قدم آگے ہی بڑھاتا جاتا ہے۔ پس وہ انسان جو اس جوش اور خواہش کے وقت صبر سے کام لے اور سمجھ لے کہ اس کو آخر عمر تک نبھانا ہے وہ بہت ہی خوش طالع ہوتا ہے۔ اور جو چند تجربے کر کے رہ جاتا ہے۔ اور تھک کر بیٹھ رہتا ہے تو اس کے ہاتھ میں صرف اتنا ہی رہ جاتا ہے کہ وہ کہتا پھرتا ہے کہ میں نے بہت سے باتُونی دیکھے اور دوکاندار پائے ایک بھی حق نما اور خدا نما نہ ملا۔

پس میری تو یہی نصیحت ہے۔ میں نہیں جانتا کہ ہر ایک جو میرے پاس آتا ہے

اور یہ ظاہر کرتا ہے کہ وہ خدا کے لئے آیا ہے اور خدا کو پانا چاہتا ہے) اُس کا کیا حال ہے اس کی نیت کیسی ہے۔ مگر میں اتنا ضرور کہتا ہوں کہ جو اللہ تعالیٰ کی تلاش میں قدم اُٹھائے سب سے اوّل اس کو لازم ہے کہ تصحیح عقائد کرلے۔ یہ معلوم کرے کہ کس خدا کو وہ پانا چاہتا ہے۔ آیا اس خدا کی تلاش میں وہ ہے جو واقعی دنیا کا خالق اور مالک خدا ہے۔ اور جو تمام صفاتِ کاملہ سے موصُوف اور تمام بدیوں اور نقائص سے مبرا ہے۔ یا کسی عورت کے بچے خدا کی تلاش میں ہے یا اور ایسے ہی کمزور اور ناتواں ۳۳ کروڑ خداؤں کا جویا ہے۔ کیونکہ اگر اصلی محبُوب اور مقصُود کنارے ہی پر پڑا رہے تو سمندر میں غوطہ زنی سے کیا حاصل۔ میں مثال کے طور پر کہتا ہوں مثلاً عیسائی کہتے ہیں کہ مسیح ابن مریم جو ایک عورت کے پیٹ سے پیدا ہوا اُسی طرح پر جس طرح عام انسان پیدا ہوتے ہیں۔ اور کھاتا پیتا ہگتا موتتا رہا وہ خدا ہے۔ اب یہ تو ممکن ہے کہ ایک شخص کو اس سے محبت ہو لیکن انسانی دانش یہ کبھی تجویز نہیں کرتی کہ ایسا کمزور اور ناتواں انسان خُدا بھی ہوتا ہے۔ یا یہ کہ عورتوں کے پیٹ سے بھی خدا پیدا ہوا کرتے ہیں۔ جبکہ پہلا ہی قدم باطل پر پڑا ہے تو دوسرے قدم کی حق پر پڑنے کی کیا اُمید ہو سکتی ہے۔ جو شعاعیں زندہ خدا، کامل صفات سے موصُوف خدا کو مان کر دل پر پڑتی ہیں۔ وہ ایک مرنے والی ہستی، ضُعف و ناتوانی کی تصویر پرستی سے کہاں ؟ ؟ ؟

الطالب لامذھب لہٗ طالب کو تو سارے تعصب اور عقیدے چھوڑ دینے چاہئیں پھر وہ سچے عقائد کی طلب میں لگے۔ تب بہتری کی امید ہو سکتی ہے۔ اس کے لئے بنیادی اینٹ خدا ہونی چاہیئے۔ تب آخری اینٹ بھی خدا ہی ہو گی۔ جلد بازی اچھی چیز نہیں ہے۔ یہ عموماً بد قسمت انسان کی محرُومی کا موجب ہوتی ہے۔ مثلاً اگر آپ ہماری صحبت میں نہ رہیں اور چلے جائیں اور دو چار باتیں یہی کہدیں کہ وہاں کیا تھا، کچھ نہ ملا۔ تو بتلائیے ہمارا اس میں کیا نقصان ہو گا۔ دنیا میں اس قسم کی باتیں کرنے والے بہت ہیں لیکن محروم و

بدقسمت۔ دیکھو اقلیدس کی چند اشکال اگر ایک بچے کے سامنے رکھ دیں۔ ممکن ہے وہ بعض اشکال کو پسند کرے لیکن اُن اشکال کی پسندیدگی ایسی نفع بخش تو نہیں ہو سکتی۔ اس لئے کہ وہ ان کے نتائج سے بیخبر ہے اور نہیں جانتا کہ اُن سے کیا کیا فوائد پہنچ سکتے ہیں۔

میں نے اسلام پر اعتراض کرنے والے دیکھے بھی ہیں۔ اور ان اعتراضوں کو جمع بھی کیا ہے جو اسلام پر کئے جاتے ہیں۔ میں سچ کہتا ہوں کہ جہاں ان ناواقفوں نے اعتراض کیا ہے **وُہی حکمت کا خزانہ اور بیش بہا معارف اور حقائق کا دفینہ ہوتا ہے** ان کے ہاتھ میں بجز نادانی اور کورچشمی کے اَور کچھ نہیں ہے۔ اعتراض کرکے انہوں نے ثابت کر دیا ہے کہ وہ تاریک دماغ کے انسان ہیں اور بجرو طبیعت رکھتے ہیں ورنہ وہ معارف اور حقائق کی معدن پر اعتراض نہ کرتے۔ اس لئے میں آپ کو نصیحت کرتا ہوں۔ کہ نرمی اور تحمّل کے ساتھ اصل حقیقت کی طلب میں لگیں۔

آپ خداجوئی کے طالب ہیں۔ آپ کے لئے عُمدہ طریق یہی ہے کہ آپ پہلے تصحیح عقائد کریں جس سے آپ کو یہ معلوم ہوگا کہ وہ خدا جس کی تلاش اور جستجو آپ کو ہے۔ **ہے کیا چیز؟** اس سے آپ کی معرفت کو ترقی ملے گی۔ اور معرفت میں جو **قوّت جذب محبّت** کی ہے۔ وہ اللہ تعالےٰ کے ساتھ ایک محبّت پیدا کرنے کا موجب ہوگی۔ بدُوں اس کے محبّت کا دعوےٰ سنبرو پھل کی طرح ہے جو چند روز کے بعد زائل ہو جاتا ہے۔

یہ آپ یاد رکھیں اور ہمارا مذہب یہی ہے کہ کسی شخص پر خدا کا نور نہیں چمک سکتا جبتک آسمان سے وہ نور نازل نہ ہو۔ یہ سچّی بات ہے کہ فضل آسمان سے آتا ہے۔ جبتک خود خدا اپنی روشنی اپنے طلبگار پر ظاہر نہ کرے۔ اُس کی رفتار ایک کیڑے کی مانند ہوتی ہے اور ہونی چاہیئے کیونکہ وہ قسم قسم کی ظُلمتوں اور تاریکیوں اور راستہ کی مشکلات میں پھنسا ہوا ہوتا ہے۔ لیکن جب اس کی روشنی اس پر چمکتی ہے تو اس کا دل و دماغ روشن ہو جاتا ہے۔ اور وہ نُور سے معمُور ہو کر برق کی رفتار سے خدا کی طرف چلتا ہے۔"

حق جو۔ حضور میں مذہب کا پابند نہیں ہوں۔

حضرت اقدسؑ۔ اگر کوئی اپنی جگہ یہ فیصلہ کر کے آوے کہ میں نے کچھ ماننا ہی نہیں تو اس کو ہم کچھ نہیں کہہ سکتے۔ اور کہیں بھی کیا۔ لیکن اگر کوئی عقل رکھتا ہے تو اضطراراً اس کو ایک راہ پیدا کرنی پڑتی ہے۔

مذہب کیا ہے؟

مذہب کیا ہے؟ وہی راہ ہے جس کو وہ اپنے لئے اختیار کرتا ہے۔ مذہب تو ہر شخص کو رکھنا پڑتا ہے اور وہ لا مذہب انسان جو خدا کو نہیں مانتا اس کو بھی ایک راہ اختیار کرنی لازم ہے۔ اور وُہی مذہب ہے۔ مگر ہاں امر غور طلب یہ ہونا چاہیئے۔ کہ جس راہ کو اختیار کیا ہے۔ کیا وہ راہ وُہی ہے جس پر چل کر اس کو سچی استقامت اور دائمی راحت اور خوشی اور ختم نہ ہونے والا اطمینان مل سکتا ہے؟

دیکھو۔ مذہب تو ایک عام لفظ ہے۔ اس کے معنے چلنے کی جگہ یعنی راہ کے ہیں۔ اور یہ دین کے ساتھ مخصوص نہیں ہے۔ ہر قسم کے علُوم و فنوُن طبقات الارض، طبعی، طبابت، ہیئت وغیرہ میں بھی ان علوم کے ماہرین کا ایک مذہب ہوتا ہے۔ اس سے کسی کو چارہ ہو سکتا ہی نہیں۔ یہ تو انسان کے لئے لازمی امر ہے۔ اس سے باہر ہو نہیں سکتا۔ پس جیسے انسان کی رُوح جسم کو چاہتی ہے۔ معانی الفاظ اور پیرایہ کو چاہتے ہیں۔ اسی طرح انسان کو مذہب کی ضرورت ہے۔ ہماری یہ غرض نہیں ہے اور نہ ہم یہ بحث کرتے ہیں۔ کہ کوئی اللہ کہے یا گاڈ کہے یا پرمیشر ہمارا مقصد تو صرف یہ ہے کہ جس کو وہ پکارتا ہے۔ اس نے اس کو سمجھا کیا ہے؟ ہم کہتے ہیں کہ کوئی نام لو۔ مگر یہ بتاؤ کہ تم اسے کہتے کیا ہو؟ اس کے صفات تم نے کیا قائم کئے ہیں؟ صفات الٰہی کا مسئلہ ہی تو بڑا مسئلہ ہے۔ جس پر غور کرنا چاہیئے۔

حق جو۔ میں یہ سمجھتا ہوں کہ مذہب کا کام فطرت کو درست کرنا ہے۔

حضرت اقدسؑ ۔ اس وقت کوئی بادشاہ ہے مثلاً شہنشاہ ایڈورڈ ہفتم ہے۔ اب اگر کسی اور کو کہیں بھی تو تکلفات سے کہیں گے مگر ہو نہیں سکتا۔ ہم یہی تو چاہتے ہیں کہ اس حقیقی خدا کو شناخت کیا جاوے اور باقی سب تکلفات چھوڑ دیئے جائیں اس کا نام فطرت کی درستی ہے۔

اسلام دین فطرت ہے

اسلام ہے کیا؟ اسلام کا تو نام ہی اللہ تعالیٰ نے فطرت اللہ رکھا ہے۔ فطرتی مذہب اسلام ہی ہے۔ مگر ان باتوں کی حقیقت کب کھلتی ہے جب انسان صبر اور ثابت قدمی کے ساتھ کسی پاک صحبت میں رہے۔ ثابت قدمی میں بڑی برکتیں ہوتی ہیں۔ شہد ہی کی مکھی کو دیکھو کہ جب وہ ثابت قدمی اور محنت کے ساتھ اپنے کام میں لگتی ہے تو شہد جیسی نفیس اور کارآمد شے تیار کر لیتی ہے۔ اسی طرح پر جو خدا کی تلاش میں استقلال سے لگتا ہے۔ وہ اُس کو پالیتا ہے نہ صرف پالیتا ہے۔ بلکہ میرا تو یہ ایمان ہے۔ کہ وہ اُس کو دیکھ لیتا ہے۔ ارضی علوم کی تحصیل میں کس قدر وقت اور روپیہ صرف کرنا پڑتا ہے۔ یہ علوم رُوحانی علوم کی تحصیل کے قواعد کو صاف طور پر بتا رہے ہیں۔ ہمارا مذہب جو رُوحانی علوم کے مبتدی کے لئے ہونا چاہیئے، یہ ہے کہ وہ پہلے خدا کی ہستی، پھر اس کی صفات کی واقفیت پیدا کرے ایسی واقفیت جو یقین کے درجہ تک پہنچ جاوے تب اللہ تعالیٰ کی ذات اور اُس کی صفات کاملہ پر اس کو اطلاع مل جاوے گی۔ اور اس کی رُوح اندر سے بول اُٹھے گی کہ پُورے اطمینان کے ساتھ اُس نے خدا کو پالیا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ کی ہستی پر ایسا ایمان پیدا ہو جاوے کہ وہ یقین کے درجہ تک پہنچ جاوے اور انسان محسوس کر لے کہ اس نے گویا خدا کو دیکھ لیا ہے اور اُس کی صفات سے واقفیت حاصل ہو جاوے تو گناہ سے نفرت پیدا ہو جاتی ہے۔ اور طبیعت جو پہلے گناہ کی طرف جھکتی تھی اب ادھر سے ہٹتی اور نفرت کرتی ہے اور یہی توبہ ہے۔

اور یہ بات کہ اللہ تعالیٰ پر کامل ایمان کے بعد طبیعت گناہ سے متنفر ہو جاتی ہے۔

یہ بات آسانی اور صفائی سے سمجھ میں آسکتی ہے دیکھو سنکھیا ہے یا اور زہریں ہیں یا بعض زہریلے جانور ہیں۔ انسان اُن سے کیوں ڈرتا ہے؟ صرف اسلئے کہ تجربہ نے بتا دیا ہے کہ اس درجہ پر یہ زہر ہلاک کر دیتے ہیں۔ بہتوں کو زہر کھا کر ہلاک ہوتے دیکھا ہے اسی لئے طبیعت اس طرف نہیں جا سکتی۔ بلکہ ڈرتی ہے۔ جبکہ یہ بات ہے پھر کیا وجہ ہے کہ قسم قسم کے گناہ سرزد ہوتے ہیں۔ یہانتک کہ اگر راستہ میں ایک پیسہ پڑا ہوا ہو تو جھک کر اس کو اُٹھا لیگا۔ حالانکہ تھوڑے سے اعلان سے معلوم ہوسکتا ہے کہ وہ پیسہ کس کا ہے۔ میں نے دیکھا ہے کہ بارہ بارہ آنے پر معصوم بچوں کی جانیں لی جاتی ہیں۔ عدالتوں میں جا کر دیکھو۔ کس قدر خوفناک اور تاریک نظارہ نظر آئے گا۔ تھوڑی تھوڑی بات پر جھوٹ بولا جاتا ہے۔ فسق و فجور کا ایک دریا بہہ رہا ہے۔ یہ کیوں؟ صرف اس لئے کہ خدا پر ایمان نہیں ہے۔ سانپوں اور زہروں سے ڈرتے ہیں۔ اس لئے کہ اُن کو مہلک مانتے ہیں اور اُن کے خطرناک ہونے پر ایمان ہے۔ اگر اللہ تعالےٰ پر ایمان کامل ہو تو مَیں نہیں سمجھتا کہ کیوں گُناہ سے نفرت پیدا نہ ہو۔

نیکی کے دو پہلو

انسان کے لئے دو باتیں ضروری ہیں۔ بدی سے بچے اور نیکی کی طرف دوڑے۔ اور نیکی کے دو پہلو ہوتے ہیں۔ ایک ترکِ شر دوسرا افاضۂ خیر۔ ترکِ شر سے انسان کامل نہیں بن سکتا جبتک اس کے ساتھ افاضۂ خیر نہ ہو یعنی دوسروں کو نفع بھی پہنچائے اس سے پتہ لگتا ہے کہ کس قدر تبدیلی کی ہے اور یہ مدارج تب حاصل ہوتے ہیں۔ کہ خدا تعالیٰ کی صفات پر ایمان ہو اور اُن کا علم ہو۔ جبتک یہ بات نہ ہو۔ انسان بدیوں سے بھی بچ نہیں سکتا۔ دوسروں کو نفع پہنچانا تو بڑی بات ہے۔ بادشاہوں کے رُعب اور تعزیراتِ ہند سے بھی تو ایک حد تک ڈرتے ہیں اور بہت سے لوگ ہیں جو قانون کی خلاف ورزی نہیں کرتے پھر کیوں احکم الحاکمین کے قوانین کی خلاف ورزی میں دلیری پیدا ہوتی ہے۔ کیا اس کی کوئی اَور وجہ ہے بجز اس کے کہ اُس پر ایمان نہیں ہے؟۔ یہی

ایک باعث ہے ؛

بدیوں سے بچنے کا ذریعہ
خدا تعالےٰ کی جلالی صفات کی تجلّی

الغرض بدیوں سے بچنے کا مرحلہ تب طے ہوتا ہے جب خدا پر ایمان ہو پھر دوسرا مرحلہ یہ ہونا چاہیئے کہ اُن راہوں کی تلاش کرے۔ جو خدا تعالےٰ کے برگزیدہ بندوں نے اختیار کیں۔ وہ ایک ہی راہ ہے۔ جس پر جس قدر راستباز اور برگزیدہ انسان دُنیا میں چل کر خدا تعالےٰ کے فیض سے فیضیاب ہوئے۔ اس راہ کا پتہ یُوں لگتا ہے کہ انسان معلوم کرے کہ خدا تعالیٰ نے اُن کے ساتھ کیا مُعاملہ کیا؟ پہلا مرحلہ بدیوں سے بچنے کا تو خدا تعالےٰ کی جلالی صفات کی تجلّی سے حاصِل ہوتا ہے کہ وہ بدکاروں کا دُشمن ہے۔

جمالی تجلّی یا رُوح القُدس

اور دوسرا مرتبہ خدا تعالےٰ کی جمالی تجلّی سے ملتا ہے اور آخر یہی ہے کہ جب تک اللہ تعالےٰ کی طرف سے قوّت اور طاقت نہ ملے جس کو اِسلامی اصطلاح کے موافق رُوح القُدس کہتے ہیں کچھ بھی نہیں ہوتا ہے۔ یہ ایک قوت ہوتی ہے جو خدا تعالیٰ کی طرف سے ملتی ہے۔ اُس کے نزُول کے ساتھ ہی دل میں ایک سکینت آتی ہے اور طبیعت میں نیکی کے ساتھ ایک محبّت اور پیار پیدا ہو جاتا ہے۔

جس نیکی کو دوسرے لوگ بڑی مشقّت اور بوجھ سمجھ کر کرتے ہیں۔ یہ ایک لذّت اور سرُور کے ساتھ اس کو کرنے کی طرف دوڑتا ہے۔ جیسے لذیذ چیز بچّہ بھی شوق سے کھالیتا ہے۔ اسی طرح جب خدا تعالےٰ سے تعلق ہو جاتا ہے اور اس کی پاک رُوح اس پر اُترتی ہے۔ پھر نیکیاں ایک لذیذ اور خوشبُودار شربت کی طرح ہوتی ہیں۔ وہ خوبصورتی جو نیکیوں کے اندر موجود ہے اس کو نظر آنے لگتی ہے۔ اور بے اختیار ہو ہو کر ان کی طرف دوڑتا ہے۔ بدی کے تصوّر سے بھی اُس کی رُوح کانپ جاتی ہے۔

یہ اُمور اس قسم کے ہیں کہ ہم اُن کو الفاظ کے پیرایہ میں پُورے طور سے ادا نہیں کرسکتے کیونکہ یہ قلب کی حالتیں ہوتی ہیں محسُوس کرنے سے ہی اُن کا ٹھیک پتہ لگتا ہے اس وقت تازہ بتازہ انوار اس کو ملتے ہیں۔ انسان صرف اس بات پر ہی ناز نہ کرے اور اپنی ترقی کی انتہا اسی کو نہ سمجھ لے کہ کبھی کبھی اس کے اندر رقّت پیدا ہو جاتی ہے۔ یہ رقّت عارضی ہوتی ہے۔ انسان اکثر دفعہ ناول پڑھتا ہے اور اس کے درد انگیز حصّہ پر پہنچ کر بے اختیار رو پڑتا ہے۔ حالانکہ وہ صاف جانتا ہے کہ یہ ایک جھُوٹی اور فرضی کہانی ہے۔ پس اگر محض رو پڑنا یا رقّت کا پیدا ہو جانا ہی حقیقی سرُور اور لذّت کی جڑھ ہوتی ہو تو آج یورپ سے بڑھ کر کوئی بھی رُوحانی لذّت حاصل کرنے والا نہ ہوتا۔ کیونکہ ہزارہا ناول شائع ہوتے اور لاکھوں کروڑوں انسان پڑھ کر روتے ہیں۔

فطرۃ انسانی اور سچی معرفت

اصل بات یہ ہے کہ انسان کی فطرۃ میں ایک بات موجُود ہے کہ ہنسی کے مقام پر ہنس پڑتا ہے۔ اور رونے کے مقام پر رو بھی پڑتا ہے اور اُن سے مناسب موقع پر ایک لذّت بھی اُٹھاتا ہے۔ مگر یہ لذّت کوئی رُوحانی فیصلہ نہیں کرسکتی۔ کوئی کسی عورت پر عاشق ہو جاتا ہے۔ اور اپنے عِشق ہی میں اُس کے ہجر کے شعر بنا بنا کر خوش ہوتا ہے۔ اور روتا ہے۔ انسان کے اندر ایک طاقت ہے خواہ اُس کو محل پر یا بے محل استعمال کرے۔ پس اس طاقت پر ہی بھروسہ کرکے نہ بیٹھ رہے۔ اللہ تعالےٰ نے یہ طاقت اس لئے رکھی ہے کہ سچے سائل محروم نہ ہوں۔ جب یہ برمحل استعمال ہو۔ تو ان کے لئے آنے والے رُوحانی مدارج کا ایک مقدمہ ہو اور یہ قویٰ کا کام دے۔

غرض یہ اُمور کہ کبھی رو پڑنا اور کبھی دنیا کی دوسری چیزوں اور تعلقات سے انقطاع کرنا یہ عارضی ہوتے ہیں۔ اُن پر اعتبار کرکے بیدست و پا نہ بنے۔ وہ اُمور جن پر سچی معرفت کی بنا ہے، یہ ہیں کہ وہ خدا کی راہ میں اگر بار بار آزمایا جائے۔ اور مصائب

اور مشکلات کے دریا میں ڈالا جائے۔ تب بھی ہرگز نہ گھبرائے۔ اور قدم آگے ہی بڑھائے۔ اس کے بعد اُس کی معرفت کا انکشاف ہوتا ہے اور یہی سچّی نعمت حقیقی راحت ہوتی ہے۔ اس وقت دل میں رقّت پیدا ہوتی ہے مگر یہ رقّت عارضی نہیں ہوتی بلکہ سرور اور لذّت سے بھری ہوئی ہوتی ہے۔ رُوح پانی کے ایک مصفّٰی چشمہ کی طرح خدا کی طرف بہتی ہے۔ مُدّعا یہ ہے کہ سمندر کے پہلے ایک سراب آتا ہے وہ بھی سمندر ہی نظر آتا ہے۔ جو سراب کو دھوکا سمجھ کر آگے چلنے سے رہ جاتا اور مایوس ہو کر بیٹھ جاتا ہے وہ ناکام اور نامُراد رہتا ہے۔ لیکن جو ہمت نہیں ہارتا اور قدم آگے بڑھاتا ہے۔ وہ منزلِ مقصود پر پہنچ جاتا ہے۔ خدا تعالیٰ نے مختلف کیفیّتیں انسانی رُوح کے اندر رکھی ہوئی ہیں۔ اُن میں سے اس رقّت کی بھی ایک کیفیّت ہے۔ کوئی فقط شعر خوانی یا خوش الحانی ہی سے متاثر ہو جاتا ہے۔ کوئی آگے چلتا ہے۔ اور ان پر قانع نہ ہو کر صبر کے ساتھ اصل مرحلہ تک پہنچتا ہے۔ یہ یاد رکھو کہ سچّائی کے طالب کے واسطے یہ شرط ہے۔ کہ جہاں سے اسے سچّائی ملے لے لے۔ یہ ایک نُور ہے جو اُس کی رہبری کرتا ہے۔ اس وقت دنیا میں ایک کشاکش شروع ہے۔ آریہ اپنی طرف کھینچنا چاہتے ہیں۔ برہمو الگ بلاتے ہیں۔ دیو سماج والے اپنی ہی طرف دعوت کرتے ہیں عیسائی ہیں وہ عیسائیت ہی کو پیش کرتے ہیں۔

ہماری دعوت

خدا کی تلاش کرے

غرض ہر قوم اپنی طرف کھینچتی ہے۔ اُن کے درمیان اختلاف کا دائرہ بہت ہی وسیع ہوتا جاتا ہے۔ مگر ہم جس بات کی دعوت کرتے ہیں اور جو کسی سچّائی کے طلبگار کو بتلا سکتے ہیں وہ یہ ہے کہ وہ خدا کی تلاش کرے۔ مثلاً آریہ ہیں وہ تمام قدوسوں اور راستبازوں کو گالیاں دیتے ہیں۔ ان کے نزدیک سچّے سے سچّا پریمی اور بھگت بھی کبھی نجات نہیں پا سکتا۔ ان کے اصُول کے موافق خدا نے ایک ذرّہ بھی پیدا

نہیں کیا۔ اب بتاؤ کہ ایسے پرمیشر پر جو وُہ پیش کرتے ہیں کسی سچے طالب کی امّید کیونکر وسیع ہو سکتی ہے۔ اور کیونکر خدا کا جلال اور شوکت اُس کی رُوح پر ایک رقّت پیدا کر کے گُناہ کی طرف جانے سے بچا سکتی ہے۔ جب وہ خیال کرتا ہے کہ اس نے تو میرے وجود کا ایک ذرّہ بھی پیدا نہیں کیا۔ پھر جب یہ مانا گیا کہ وید کے سوا خدا نے کسی اَور ملک کو اپنے کلام سے فیض ہی نہیں بخشا تو کس قدر مایُوسی پیدا ہوتی ہے۔ الغرض ہماری نصیحت تو یہی ہے کہ جو سچائی کی تلاش میں قدم رکھتا ہے اس کی غرض اور غایت خدا کی تلاش ہو۔ پھر معارف اور حقائق کا دریا بہہ نکلتا ہے۔ جب اس کو سچے خدا پر جو ایک ہی خدا ہے سچّا ایمان پیدا ہو جائے۔

حقائق اور معارف کا تعلّق علُوم سے ہے

یاد رکھو حقائق اور معارف کا تعلق علُوم سے ہے جس قدر معرفت وسیع ہو گی حقائق کھلتے جائیں گے۔ پس تحقیقات کرتے وقت دل کو بالکل پاک اور صاف کر کے کرے جس قدر دل تعصب اور خود غرضی سے پاک ہوگا۔ اسی قدر جلد اصل مطلب سمجھ میں آجائیگا نُور اور ظُلمت میں جو فرق ہے اسے ایک جاہل سے جاہل انسان بھی جانتا ہے۔ سچی اور صحیح بات ایک ہی ہوتی ہے۔ پس دو لفظوں میں میری ساری تقریر کا خلاصہ یہ ہے کہ سیدھا خط دو نُقطوں میں ایک ہی ہوتا ہے۔ یہ اُمور ہیں جو قابلِ غور ہیں۔ آپ یہاں رہیں اور صبر و استقلال سے ٹھہریں۔ خدا کے فضل سے کچھ بعید نہیں ہے کہ آپ کو اس راہ کا پتہ ملے جو کروڑہا مقدّس انسانوں کا تجربہ شدہ ہے اور اب بھی جس کے تجربہ کار موجود ہیں۔"

حق جو کا حضرت اقدس ؑ سے خلوص و عقیدت کا اظہار

حضرت اقدس علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے اس تقریر کو یہاں ختم کیا۔ حق جو صاحب کچھ عرصہ تک قادیان میں رہے۔ انہوں نے حضرت اقدس ؑ کی صُحبت میں رہ کر جو فائدہ اُٹھایا۔ اُس کے اظہار کے لئے

ہم اُن کے ایک خط کو جو اُنہوں نے لاہور سے ہمارے نام بھیجا ہے یہاں درج کرتے ہیں:۔

مکرمی جناب شیخ صاحب۔ تسلیم

میری بے ادبی مُعاف فرماویں۔ میں قادیان سے اچانک کچھ وجوہات رکھنے پر چلا آیا۔ میں اب یہاں سوچوں گا کہ مجھے اپنی زندگی پرلوک کے لئے کس پہلو میں گذارنی ہے۔ میں آپ کی جماعت کی جُدائی سے تکلیف محسوس کر رہا ہوں۔

(۲) میں حضرت جی کے اخلاص کا حد درجہ مشکور ہوں اور جو کچھ رُوحانی دان مجھے نصیب ہوا۔ اور جو کچھ مجھ پر ظاہر ہوا۔ اُس کے لئے نہایت ہی مشکور ہو رہا ہوں۔ مگر افسوس ہے۔ دنیا میں سخت اندھکار ہے اور میں ایک ایک قدم پر گر رہا ہوں۔ سوائے صُحبت کے اس حالت کو قائم رکھنا میرے لئے کٹھن (دشوار) ہے۔

(۳) اس بات پر میرا یقین ہے کہ بے شک حضرت صاحب رُوحانی بھلائی کے طالبوں کے لئے اعلیٰ نمونہ ہیں۔ اور ان کی صُحبت میں مستقل طور پر رہنا بڑا ضروری ہے۔ دنیا کی حالت ایسی ہے کہ موتیوں کو کیچڑ میں پھینکتے ہیں اور کوڑیاں جمع کرتے ہیں۔ اور جو شخص موتی سنبھالنے لگے۔ اس کے سر پر مٹی پھینک دیتے ہیں۔ ہائے افسوس کہ وہ کوڑیوں کو بھی موتی سمجھے بیٹھے ہیں۔ میں سخت گھبرایا ہوا ہوں۔ ہاں میں کیا کروں اور کدھر جاؤں۔ میری حالت بہت بُری ہے۔ تمام جماعت کی خدمت میں آداب۔ خصوصاً حضرتِ صاحب کی خدمت میں مؤدّبانہ آداب عرض فرماویں اور میرے لئے حضرت صاحب اور تمام جماعت سے دُعا کرادیں۔

آپ کا نیازمند۔ وزیر سنگھ

یہ خط حضرت اقدسؑ کے حضور پڑھ کر سُنایا گیا۔ حضور علیہ السلام نے ایڈیٹر الحکم کو مندرجۂ ذیل جواب لکھ دینے کا حکم دیا۔

”صبر اور استقلال کے ساتھ جب تک کوئی ہماری صُحبت میں نہ رہے وہ فائدہ نہیں اُٹھا سکتا۔ اُن کو چاہیئے کہ وہ یہاں آجائیں۔ اور ایک عرصہ تک ہمارے پاس رہیں۔“

(الحکم جلد ۵ نمبر ۱۱ صفحہ ۹ تا ۱۱ پرچہ ۲۴؍ مارچ ۱۹۰۱ء)
(" " ۵ " ۱۲ " ۸ تا ۹ " ۳۱؍ مارچ ۱۹۰۱ء)
(" " ۵ " ۱۳ " ۵ تا ۶ " ۱۰؍ اپریل ۱۹۰۱ء)
(" " ۵ " ۱۴ " ۱۱ تا ۱۲ " ۱۷؍ اپریل ۱۹۰۱ء)

۷؍ مارچ ۱۹۰۱ء

الہامات اور حدیث النّفس میں امتیاز

الہامات کے متعلق ذکر تھا کہ اس میں بہت مشکلات پڑتے ہیں۔ فرمایا:-

"بعض لوگ حدیث النفس اور شیطان کے القاء کو الہام الٰہی سے تمیز نہیں کر سکتے اور دھوکا کھا جاتے ہیں۔ خدا کی طرف سے جو بات آتی ہے وہ پُر شوکت اور لذیذ ہوتی ہے۔ دل پر ایک ٹھوکر مارنے والی ہوتی ہے۔ وہ خدا کی اُنگلیوں سے نکلی ہوئی ہوتی ہے اس کا ہم وزن کوئی نہیں وہ فولاد کی طرح گرنے والی ہوتی ہے جیسا کہ قرآن شریف میں آیا ہے۔ اِنَّا سَنُلْقِیْ عَلَیْکَ قَوْلًا ثَقِیْلًا۔ ثقیل کے یہی معنی ہیں۔ مگر شیطان اور نفس کا القاء ایسا نہیں ہوتا۔ حدیث النفس اور شیطان گویا ایک ہی ہیں۔ انسان کے ساتھ دو قوتیں ہمیشہ لگی ہوئی ہیں۔ ایک فرشتے اور دوسرے شیطان۔ گویا اس کی ٹانگوں میں دو رسّے پڑے ہوئے ہیں۔ فرشتہ نیکی میں ترغیب اور مدد دیتا ہے جیسا کہ قرآن شریف میں آیا ہے اَیَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ اور شیطان بدی کی طرف ترغیب دیتا ہے جیسا کہ قرآن شریف میں آیا ہے۔ یُوَسْوِسُ۔ ان دونوں کا انکار نہیں ہو سکتا۔ ظلمت اور نُور ہر دو ساتھ لگے ہوئے ہیں۔ عدم علم سے عدم شے ثابت نہیں ہو سکتا۔ ما سوائے اس عالم کے اور ہزاروں عجائبات ہیں۔ گویا یہ دلک ہوں۔ قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ میں شیطان کے ان وساوس کا ذکر ہے جو کہ وہ لوگوں کے درمیان ان دنوں ڈال رہا

ہے۔ بڑا وسوسہ یہ ہے کہ ربُوبیّت کے متعلق غلطیاں ڈالی جائیں جیسا کہ امیر لوگوں کے پاس بہت مال و دولت دیکھ کر انسان کہے کہ یہی پرورش کرنے والے ہیں۔

شیطانی وساوس کا علاج

اس واسطے حقیقی ربّ النّاس کی پناہ چاہنے کے واسطے فرمایا۔ پھر دُنیوی بادشاہوں اور حاکموں کو انسان مُختار مُطلق کہنے لگ جاتا ہے۔ اس پر فرمایا کہ مالک النّاس اللہ ہی ہے۔ پھر لوگوں کے وساوس کا یہ نتیجہ ہوتا ہے کہ مخلُوق کو خدا کے برابر ماننے لگ پڑتے ہیں۔ اور ان سے خوف و رجا رکھتے ہیں۔ اس واسطے الٰہ النّاس فرمایا۔ یہ تین وساوس ہیں۔ ان کے دُور کرنے کے واسطے یہ تین تعویذ ہیں اور ان وساوس کے ڈالنے والا وُہی خنّاس ہے۔ جس کا نام توریت میں زبان عبرانی کے اندر نحاش آیا ہے۔ جو حوّا کے پاس آیا تھا چھپ کر حملہ کرنے والا۔ اس سورۃ میں اُسی کا ذکر ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ دجّال بھی جبر نہیں کرے گا بلکہ چھپ کر حملہ کرے گا تاکہ کسی کو خبر نہ ہو جیسا کہ پادریوں کا حملہ ہوتا ہے۔ یہ غلط ہے کہ شیطان خود حوّا کے پاس گیا ہو بلکہ جیسا کہ اب چھپ کر آتا ہے ویسا ہی تب بھی چھپ کر گیا تھا۔ کسی آدمی کے اندر وُہ اپنا خیال بھر دیتا ہے اور وہ اُس کا قائمقام ہو جاتا ہے۔ کسی ایسے مخالف دین کے دل میں شیطان نے یہ بات ڈال دی تھی اور وہ بہشت جس میں حضرت آدمؑ رہتے تھے وہ بھی زمین پر ہی تھا۔ کسی بَد نے ان کے دل میں وسوسہ ڈال دیا۔ قرآن شریف کی پہلی ہی سُورت میں جو اللہ تعالےٰ نے تاکید فرمائی ہے کہ مغضُوب علیہم اور ضالّین لوگوں میں سے نہ بننا یعنی اے مسلمانو تم یہود اور نصاریٰ کے خصائل کو اختیار نہ کرنا۔ اس میں سے بھی ایک پیشگوئی نکلتی ہے۔ کہ بعض مُسلمان ایسا کریں گے۔ یعنی ایک زمانہ آوے گا کہ ان میں سے بعض یہود اور نصاریٰ کے خصائل اختیار کریں گے۔ کیونکہ حکم ہمیشہ ایسے امر کے متعلق دیا جاتا ہے جس کی خلاف ورزی کرنے والے بعض لوگ ہوتے ہیں۔"

قرآن خاص وحی ہے

فرمایا:۔

"رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سارا کلام وحی ہوتا تھا۔ مگر قرآن شریف ایک خاص وحی ہوتا۔ وہ ایک نُور ہوتا۔" (الحکم جلد ۵ نمبر ۱۲ صفحہ ۹۔۱۰ پرچہ ۳۱ر مارچ سنہ۱۹۰۱ء)

۱۰ر مارچ سنہ ۱۹۰۱ء۔

ایک شخص نے اپنی بعض مُشکلات کے حل کے واسطے دُعا کے لئے عرض کی۔ فرمایا:۔

"دُعا کریں گے"

وہ شخص اپنے کاموں میں شاید کسی اَور پر بھروسہ رکھتا تھا۔ اِس پر فرمایا:۔

مُشکلات کا واحد حل
خُدا کے لئے ہو جاؤ

"انسان پر کبھی بھروسہ نہ کرو صرف خدا پر بھروسہ کرو۔ جب انسان پر بھروسہ کرو گے تب ہی خالی رہو گے اور کچھ حاصل نہ ہو گا۔ اسلام یہی ہے کہ صرف خدا کے لئے ہو جاؤ۔ پھر سارے مشکلات حل ہو جاتے ہیں۔" فرمایا

"خدا تعالےٰ کا جلال اسی طرح ظاہر ہوتا ہے کہ دُنیا سے شرک کو دُور کیا جائے کیونکہ شرک ایسا گُناہ ہے جس کی نسبت خدا نے کہا ہے کہ یہ بخشا نہیں جائیگا۔ اِس وقت بڑا شرک یہی ہے کہ مسیح کو خدا بنایا جاتا ہے۔" فرمایا:۔

سُورۂ اخلاص میں فتنۂ نصاریٰ کا ردّ

"چونکہ نصاریٰ کا فتنہ سب سے بڑا ہے اس واسطے اللہ تعالےٰ نے ایک سُورۃ قرآن شریف کی تو ساری کی ساری صرف ان کے متعلق خاص کر دی ہے۔ یعنی سُورۂ اخلاص اور کوئی سُورۃ ساری کی ساری کسی قوم کے واسطے خاص نہیں ہے۔ اَحَدٌ خدا کا اِسم ہے

اور احد کا مفہوم واحد سے بڑھ کر ہے۔ صَمَد کے معنی ہیں ازل سے غنی بالذات جو بالکل محتاج نہ ہو۔ اقنوم ثلٰثہ کے ماننے سے وہ محتاج پڑتا ہے۔"

(الحکم جلد ۵ نمبر ۱۲ صفحہ ۹، ۱۰ پرچہ ۳۱ر مارچ ۱۹۰۱ء)

۱۱ر مارچ ۱۹۰۱ء

فرمایا:۔

"ساری خوشیاں ایمان کے ساتھ ہیں"

(الحکم جلد ۵ نمبر ۱۲ صفحہ ۱۰ پرچہ ۳۱ر مارچ ۱۹۰۱ء)

۱۲ر مارچ ۱۹۰۱ء

وجد و سرور ایک عارضی چیز ہے

فرمایا:۔

"بعض انسانوں کو دیکھو گے۔ کہ کافیاں اور شعر سُنکر وجد و طرب میں آجاتے ہیں مگر جب مثلاً ان کو کسی شہادت کے لئے بُلایا جائے تو عذر کریں گے کہ ہمیں معاف رکھو۔ ہمیں تو فریقین سے تعلق ہے۔ ہمیں اس معاملہ میں داخل نہ کرو۔ پس سچائی کا اظہار نہ کریں گے۔ ایسے لوگوں کے وجد و سرور سے دھوکا نہیں کھانا چاہیئے جب کسی ابتلا میں آجاتے ہیں۔ تو اپنی صداقت کا ثبوت نہیں دے سکتے۔ اُن کا وجد و سرور قابلِ تعریف نہیں۔ یہ وجد و سرور ایک عارضی چیز اور طبعی امر ہے۔ بعض مُنکرینِ اسلام جن کو تمام پاکبازوں سے دلی عداوت ہے۔ وہ بھی اس سرور سے حصہ لیتے ہیں۔ ایک متعصب ہندو مثنوی مولوی رُومی رحمۃ اللہ علیہ پڑھ کر سرور حاصل کرتا تھا۔ حالانکہ وہ دشمنِ اسلام تھا کیا تم سانپ کو پاکباز مانو گے جو بانسری سُنکر سرور میں آجاتا ہے۔ یا اُونٹ کو خدا رسیدہ

قرار دوگے جو خوش الحانی سے نشہ میں آجاتا ہے۔ سچائی کا کمال جس سے خدا خوش ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ انسان خدا تعالےٰ کے ساتھ اپنی وفاداری دکھلائے۔ ایسے انسان کا تھوڑا عمل بھی دوسرے کے بہت عمل سے بہتر ہے۔ مثلاً ایک شخص کے دو نوکر ہیں۔ ایک نوکر دن میں کئی دفعہ اپنے مالک کی خدمت میں آکر سلام کرتا ہے اور ہر وقت اس کے گرد و پیش رہتا ہے۔ دوسرا اس کے پاس بہت کم آتا ہے مگر مالک پہلے کو بہت قلیل تنخواہ دیتا ہے اور دوسرے کو بہت زیادہ۔ اس لئے کہ وہ جانتا ہے کہ دوسرا ضرورت کے وقت اُس پر جان بھی دینے کے لئے تیار ہے۔ اور وفادار ہے اور پہلا کسی کے بہکانے سے مجھے قتل کرنے پر بھی آمادہ ہو جائے گا۔ یا کم از کم مجھے چھوڑ کر کسی دوسرے کی ملازمت اختیار کرلے گا۔ اسی طرح اگر کوئی شخص خدا تعالےٰ سے وفاداری کا تعلق نہیں رکھتا۔ مگر پنجوقتہ نماز ادا کرتا ہے اور اشراق تک بھی پڑھتا ہے بلکہ کئی ایک اور اَوراد بھی تجویز کئے ہوئے ہیں۔ تو وہ خدا تعالےٰ کی نظر میں ایک وفادار انسان سے کوئی نسبت نہیں رکھتا کیونکہ خدا تعالیٰ جانتا ہے کہ ابتلا کے وقت وفاداری نہیں دکھلائے گا جب انسان وفاداری اختیار کرے گا۔ تو سرُور لازمی طور پر اس کو حاصل ہو جائے گا جیسا کہ کھانا آتا ہے تو دسترخوان بھی ساتھ آجاتا ہے۔ مگر یاد رکھنا چاہیئے۔ کہ کاملوں میں بھی بعض قبض کے وقت آجاتے ہیں کیونکہ قبض کے وقت انسان کو سرُور کی قدر زیادہ ہوتی ہے۔ اور اس کو زیادہ لذت حاصل ہوتی ہے۔" فرمایا

دُوسرے کے متعلق رائے میں جلد بازی نہ کیجائے

"انسان دوسرے شخص کی دل کی ماہیت معلوم نہیں کر سکتا اور اس کے قلب کے مخفی گوشوں تک اس کی نظر نہیں پہنچ سکتی۔ اس لئے دوسرے شخص کی نسبت جلدی سے کوئی رائے نہ لگائے۔ بلکہ صبر سے انتظار کرے۔ ایک شخص کا ذکر ہے کہ اس نے خدا تعالےٰ سے عہد کیا کہ میں سب کو اپنے سے بہتر سمجھوں گا اور کسی کو اپنے سے کمتر خیال نہیں کروں گا

اپنے محبوب کو راضی کرنے کے لئے انسان ایسی تجویزیں سوچتے رہتے ہیں۔ایک دن اس نے ایک دریا کے پُل کے پاس جہاں سے بہت آدمی گزر رہے تھے ایک شخص بیٹھا ہوا دیکھا۔اور اُس کے پہلو میں ایک عورت بیٹھی ہوئی تھی۔ایک بوتل اس شخص کے ہاتھ میں تھی۔آپ پیتا تھا اور اُس عورت کو بھی پلاتا تھا۔اُس نے اس پر بدظنی کی اور خیال کیا کہ میں اس بیحیا سے تو ضرور بہتر ہوں۔اتنے میں ایک کشتی آئی معہ سواریوں کے ڈوب گئی وہی شخص جو عورت کے پاس بیٹھا تھا۔دریا میں سے سوائے ایک کے سب کو نکال لایا اور اس بدظن سے کہا تو مجھ پر بدظنی کرتا تھا۔سب کو میں نکال لایا ہوں ایک کو تُو نکال لا۔خدا نے مجھے تیرے امتحان کے لئے بھیجا تھا اور تیرے دل کے ارادہ سے مجھے اطلاع دی۔یہ عورت میری والدہ ہے۔اور بوتل میں شراب نہیں دریا کا پانی ہے۔غرض انسان دوسرے کی نسبت جلد رائے نہ لگائے۔" (الحکم جلد ۵ نمبر ۱۴ صفحہ ۱۴-۱۵ پرچہ ۱۷ اپریل ۱۹۰۱ء)

---

۳۱ مارچ ۱۹۰۱ء

تقریر حضرت اقدس ؑ

بعثت مرسلین کے متعلق خدا تعالیٰ کی ازلی سنّت

"سب صاحب اس بات کو سُن لیں کہ چونکہ ہماری یہ سب کارروائی خدا ہی کے لئے ہے۔وہ اس غفلت کے زمانہ میں اپنی حجت پوری کرنا چاہتا ہے جیسے ہمیشہ انبیاء علیہم السلام کے زمانہ میں ہوتا رہا ہے کہ جب وہ دیکھتا ہے کہ زمین پر تاریکی پھیل گئی ہے تو وہ تقاضا کرتا ہے کہ لوگوں کو سمجھاوے اور قانون کے موافق حجت پوری کرے اس لئے زمانہ میں جب حالات بدل جاتے ہیں اور خدا تعالیٰ سے تعلق نہیں رہتا۔سمجھ کم ہو جاتی ہے اس وقت خدا تعالیٰ اپنے کسی بندہ کو مامور کر دیتا ہے تا کہ غفلت میں پڑے ہوئے لوگوں کو سمجھائے اور بڑی بڑا نشان اس کے مامور ہونے پر ہوتا ہے کہ وہ لغو طور پر نہیں آتا ہے۔

بلکہ تمام ضرورتیں اس کے وجُود پر شہادت دیتی ہیں۔ جیسے ہمارے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بھی اعتقادی اور عملی حالت بالکُل خراب ہوگئی تھی اور نہ صرف عرب کی بلکہ کُل دنیا کی حالت بگڑ چکی تھی جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ[۱] اس فسادِ عظیم کے وقت خدا تعالیٰ نے اپنے کامل اور پاک بندہ کو مامُور کر کے بھیجا جس کے سبب سے تھوڑی ہی مدت میں ایک عجیب تبدیلی واقع ہوگئی۔ مخلُوق پرستی کی بجائے خدا تعالیٰ پُوجا گیا۔ بداعمالیوں کی بجائے اعمالِ صالحہ نظر آنے لگے۔ ایسا ہی اس زمانہ میں بھی دنیا کی اعتقادی اور عملی حالت بگڑ گئی ہے۔ اور اندرُونی اور بیرُونی حالت انتہا تک خطرناک ہوگئی ہے۔ اندرُونی حالت ایسی خراب ہوگئی ہے کہ قرآن تو پڑھتے ہیں مگر یہ معلوم نہیں کہ کیا پڑھتے ہیں۔ اعتقاد بھی کتاب اللہ کے برخلاف ہوگئے ہیں اور اعمال بھی۔ مولوی بھی قرآن کو پڑھتے ہیں اور عوام بھی مگر تدبّر نہ کرنے میں دونو برابر ہیں۔ اگر غور کرتے تو بات کیسی صاف تھی۔ قرآن شریف سے معلوم ہوتا ہے کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے مثیلِ موسیٰ پیدا کیا ہے۔ بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک سلسلہ پیدا کرتا ہے۔ پھر جب اس سلسلہ پر ایک دراز عرصہ گذرنے کے بعد ایک قسم کا پردہ سا چھا جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اُس کے بدلے میں اور سلسلہ اسی رنگ میں قائم کرتا ہے۔

قرآن میں دو سلسلے

قرآن شریف سے دو سلسلوں کا پتہ لگتا ہے۔ اوّل بنی اسرائیل کا سلسلہ جو موسیٰ سے شروع ہوا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ختم ہوگیا۔ چونکہ یہود کی بداعمالیاں حد تک پہنچ گئی تھیں اور اُن میں یہاں تک شقاوت اور سنگدلی پیدا ہوگئی تھی کہ وہ انبیاءؑ کے قتل تک مستعد ہوئے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے غضب کی راہ سے اس سلسلہ کو جس میں ملوک اور انبیاءؑ تھے۔ حضرت عیسیٰؑ پر ختم کردیا۔

مسیحؑ کی بے باپ ولادت نشان ہے

[۱] الروم: ۴۲

میں ہمیشہ سے اس بات پر ایمان رکھتا ہوں کہ حضرت عیسیٰؑ بے باپ پیدا ہوئے تھے۔ اور اُن کا بے باپ پیدا ہونا ایک نشان تھا اس بات پر کہ اب بنی اسرائیل کے خاندان میں نبوت کا خاتمہ ہوتا ہے کیونکہ اُن کے ساتھ وعدہ تھا کہ بشرط تقویٰ نبوت بنی اسرائیل کے گھرانے سے ہوگی۔ لیکن جب تقویٰ نہ رہا تو یہ نشان دیا گیا تاکہ دانشمند سمجھ لیں کہ اب آئندہ اس سلسلہ کا انقطاع ہوگا۔ غرض حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر بنی اسرائیل کی نبوت کا خاتمہ ہوگیا۔ پہلی کتابوں میں بھی اللہ تعالیٰ نے وعدہ کیا تھا کہ بنی اسماعیل میں بھی ایک سلسلہ اسی سلسلہ کا ہمرنگ پیدا ہوگا اور اس کے امام و پیشوا اور سردار محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ہوں گے۔ توریت میں بھی یہ خبر دی گئی تھی۔ قرآن شریف نے بھی فرمایا۔ كَمَآ اَرْسَلْنَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا[1] جیسے توریت میں مانند کا لفظ تھا۔ قرآن شریف میں کَمَا کا لفظ موجود ہے۔

آنحضرتؐ مثیل موسیٰؑ ہیں

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بالاتفاق مثیل موسیٰؑ ہیں۔ سورۃ نور میں بھی ذکر فرمایا گیا ہے کہ سلسلہ محمدیہ موسویہ سلسلہ کا مثیل ہے۔ حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے درمیانی انبیاء کا ذکر قرآن شریف نے نہیں کیا۔ لَمْ نَقْصُصْ[2] کہدیا۔ یہاں بھی سلسلہ محمدیہ میں درمیانی خلفاء کا نام نہیں لیا۔ جیسے وہاں ابتدا اور انتہا بتائی۔ یہاں بھی یہ بتا دیا کہ ابتدا مثیل موسیٰؑ سے ہوگی اور انتہاء مثیل عیسیٰؑ پر گویا خاتم الخلفاء وہی ہے جس کو دوسرے لفظوں میں مسیح موعود کہتے ہیں۔ موعود اس لئے کہتے ہیں کہ اس کا وعدہ کیا گیا ہے۔

آیت استخلاف میں مسیح موعود کی پیشگوئی

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ[3] الآیۃ۔ خلفاء کے تقرر کا جو وعدہ اللہ تعالیٰ نے کیا تھا۔ اسی وعدہ میں وہ خاتم الخلفاء بھی شامل ہے۔ اور نص قرآنی سے ثابت ہوا کہ وہ موعود ہے۔ جو خط ایک نقطہ سے شروع ہوگا وہ ختم بھی نقطہ پر ہی ہوگا۔ پس جیسے وہاں خاتم مسیح ہے یہاں بھی وہ خاتم خلفاء ہے۔ اس لئے یہ اعتقاد اسی قسم کا ہے

[1] المزمل: ۱۶ [2] المومن: ۷۹ [3] النور: ۵۶

کہ اگر کوئی اِنکار کرے کہ اس امّت میں مسیح موعود نہ ہوگا وہ قرآن سے انکار کرتا ہے۔ اور اس کا ایمان جاتا رہے گا۔ اور یہ بالکل واضح بات ہے۔ اس میں تکلّف اور تصنّع اور بناوٹ کا نام نہیں ہے۔ پھر جو شک و شُبہ کرے وہ قرآن شریف کو چھوڑتا ہے۔

سُورۂ فاتحہ میں منعمین کا ذِکر

اللہ تعالےٰ نے اس کو کئی سُورتوں میں بیان کر دیا ہے۔ اول تو یہی سُورۂ نور۔ دوسری سُورۂ فاتحہ جس کو ہر نماز کی ہر رکعت میں پڑھتے ہیں۔ اس سُورۃ میں تین گذشتہ فرقے پیش کئے ہیں۔ ایک وُہ جو انعمت علیھم کے مصداق ہیں۔ دُوسرے مغضوب۔ تیسرے ضالّین۔ مغضوب سے یہ مخصوصاً مُراد نہیں کہ قیامت میں ہی غضب ہوگا۔ کیونکہ جو کتاب اللہ کو چھوڑتا اور احکام الٰہی کی خلاف ورزی کرتا ہے ان سب پر غضب ہوگا۔ مغضوب سے مراد بالاتفاق یہود ہیں۔ اور الضّالین سے نصاریٰ۔ اب اس دُعا سے معلوم ہوتا ہے کہ منعم علیہ فرقہ میں داخل ہونے اور باقی دو سے بچنے کے لئے دُعا ہے اور یہ سنّت اللہ ٹھہری ہوئی ہے جب سے نبوّت کی بنیاد ڈالی گئی ہے۔ خدا تعالیٰ نے یہ قانُون مقرر کر رکھا ہے کہ جب وہ کسی قوم کو کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے کا حکم دیتا ہے تو بعض اس کی تعمیل کرنے اور بعض خلاف ورزی کرنے والے ضرور ہوتے ہیں پس بعض منعم علیہ بعض مغضوب اور بعض ضالّین ضرور ہوں گے۔

اب زمانہ باٰواز بلند کہتا ہے۔ کہ اس سُورۃ شریف کے موافق ترتیب آخر سے شروع ہو گئی ہے۔ آخری فرقہ نصاریٰ کا رکھا ہے۔ اب دیکھو کہ اس میں کس قدر لوگ داخل ہو گئے ہیں ایک بشپ نے اپنی تقریر میں ذکر کیا ہے کہ تیس لاکھ مسلمان مُرتد ہو چکے ہیں اور یہ قوم جس زور کے ساتھ نکلی ہے اور جو جو طریق اُس نے لوگوں کو گمراہ کرنے کے اختیار کئے ہیں۔ ان سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سے بڑھ کر کوئی عظیم الشان فتنہ نہیں ہے۔ اب دیکھو کہ تین باتوں میں سے ایک تو ظاہر ہو گئی۔ پھر دوسری قوم مغضوب ہے۔ مجھے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا وقت بھی

آگیا اور وہ بھی پُورا ہو رہا ہے۔ یہودیوں پر غضب الٰہی اس دنیا میں بھی بھڑکا۔ اور طاعُون نے اُن کو تباہ کیا۔ اب اپنی بدکاریوں اور فسق و فجور کی وجہ سے طاعُون بکثرت پھیل رہی ہے کتمانِ حق سے وہ لوگ جو عالم کہلاتے ہیں نہیں ڈرتے۔ اب ان دونوں کے پورا ہونے سے تیسرے کا پتہ صاف ملتا ہے۔ انسان کا قاعدہ ہے کہ جب چار میں سے تین معلوم ہوں تو چوتھی شئے معلوم کر لیتا ہے۔ اور اس پر اس کو اُمید ہو جاتی ہے۔ نصاریٰ میں لاکھوں داخل ہو گئے۔ مغضُوب میں داخل ہوتے جاتے ہیں۔ مُنعم علیہ کا نمونہ بھی اب خدا دکھانا چاہتا ہے۔ جبکہ سورۃ فاتحہ میں دُعا بھی اور سُورۂ نُور میں وعدہ کیا گیا ہے۔ تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ سُورۂ نُور میں دعا قبول ہو گئی ہے۔ غرض اب تیسرا حِصّہ مُنعم علیہ کا ہے اور ہم اُمید کرتے ہیں۔ کہ خدا تعالیٰ اس کو روشن طور پر ظاہر کر دے گا۔ اور یہ خدا تعالیٰ کا کام ہے۔ جو ہو کر رہے گا۔ مگر اللہ تعالیٰ انسان کو ثواب میں داخل کرنا چاہتا ہے تا کہ وہ استحقاق جنّت کا ثابت کر لیں جیسا پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلّم کے زمانہ میں ہوا۔ خدا تعالیٰ اس بات پر قادر تھا۔ کہ وہ صحابہ کے بدُوں ہی پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلّم کو ہر قسم کی فتُوحات عطا فرماتا۔ مگر نہیں۔ خدا نے صحابہ کو شامل کر لیا تا کہ وہ مقبُول ٹھہریں۔ اس سنّت کے موافق یہ بات ہماری جماعت کو پیش آگئی ہے۔ کہ بار بار تکلیف دی جاتی ہے۔ اور چندے مانگے جاتے ہیں۔

ہمارے دو ضروری کام

اس وقت ہمارے دو بڑے ضروری کام ہیں۔ ایک یہ کہ عرب میں اشاعت ہو۔ دوسرے یُورپ پر اتمام حجّت کریں۔ عرب پر اس لئے کہ اندرُونی طور پر وہ حق رکھتے ہیں۔ ایک بہت بڑا حِصّہ ایسا ہو گا کہ اُن کو معلوم بھی نہ ہو گا کہ خدا نے کوئی سِلسِلہ قائم کیا ہے۔ اور یہ ہمارا فرض ہے کہ اُن کو پہنچائیں۔ اگر نہ پہنچائیں تو معصیت ہو گی۔ ایسا ہی یُورپ والے حق رکھتے ہیں کہ اُن کی غلطیاں ظاہر کی جاویں۔ کہ وہ ایک بندہ کو خدا بنا کر خدا سے دُور جا پڑے ہیں۔ یُورپ کا تو یہ حال ہو گیا ہے۔ کہ واقعی اخلد الی الارض کا

بمصداق ہوگیا ہے۔ طرح طرح کی ایجادیں صنعتیں ہوتی رہتی ہیں۔ اس سے تعجب مت کرو کہ یُورپ ارضی علُوم وفنوُن میں ترقی کر رہا ہے۔ یہ قاعدہ کی بات ہے۔ کہ جب آسمانی علُوم کے دروازے بند ہوجاتے ہیں۔ تو پھر زمین ہی کی باتیں سُوجھا کرتی ہیں۔ یہ کبھی ثابت نہیں ہوا کہ نبی بھی کلیں بنایا کرتے تھے یا اُن کی ساری کوششیں اور ہمتیں ارضی ایجادات کی انتہا ہوتی تھیں۔

اَخْرَجَتِ الْاَرْضُ اَثْقَالَهَا کی پیشگوئی کا ظہور

آج جو اخرجت الارض اثقالها[1] کا زمانہ ہے۔ یہ مسیح موعود ہی کے وقت کے لئے مخصوص تھا چنانچہ اب دیکھو کہ کس قدر ایجادیں اور نئی کانیں نکل رہی ہیں۔ ان کی نظیر پہلے کسی زمانہ میں نہیں ملتی ہے۔ میرے نزدیک طاعُون بھی اسی میں داخل ہے۔ اس کی جڑ زمین میں ہے۔ پہلا اثر چُوہوں پر ہوتا ہے۔ غرض اس وقت جبکہ زمینی علُوم کمال تک پہنچ رہے ہیں۔ توہینِ اسلام کی حد ہوچکی ہے۔ کون کہہ سکتا ہے کہ اس پچاس ساٹھ سال میں جس قدر کتابیں۔ اخبار۔ رسالے توہینِ اسلام میں شائع ہوئے ہیں۔ کبھی ہوئے تھے؟ پس جب نوبت یہاں تک پہنچ چکی ہے۔ تو کوئی مومن نہیں بنتا جبتک کہ اس کے دل میں غیرت نہ ہو بے غیرت آدمی دیّوث ہوتا ہے۔

عبادت محبّت ہی کا دوسرا نام ہے

اگر اسلام کی عزت کے لئے دل میں محبّت نہیں ہے تو عبادت بھی بے سود ہے کیونکہ عبادت محبت ہی کا دوسرا نام ہے۔ وہ تمام لوگ جو اللہ تعالیٰ کے سوا کسی ایسی چیز کی عبادت کرتے ہیں جس پر کوئی سُلطان نازل نہیں ہوا وہ سب مشرک ہیں۔ سلطان تسلط سے لیا گیا ہے جو دل پر تسلط کرے۔ اس لئے یہاں دلیل کا لفظ نہیں لکھا ہے۔

عبادت کیا ہے۔ جب انتہا درجہ کی محبت کرتا ہے۔ جب انتہا درجہ کی اُمید ہو۔ انتہا درجہ کا خوف ہو۔ یہ سب عبادت میں داخل ہے۔ غیر اللہ کی عبادت کا اتنا ہی مفہوم

[1] الزلزال: ۳

نہیں ہے کہ سجدہ نہ کیا جاوے۔ نہیں۔ بلکہ اُس کے مختلف مدارج ہیں۔ اگر کوئی مال سے انتہا درجہ کی محبت کرتا ہے تو وہ اُس کا بندہ ہوتا ہے۔ خدا کا بندہ وُہ ہے جو خدا کے سوا اور چیزوں کی حدِ اعتدال تک رعایت کرتا ہے۔ اسلام میں محبت منع نہیں ہے۔ مگر ایک حد تک۔

اللہ تعالیٰ نے صاف طور پر فرمادیا ہے کہ جو خدا سے محبت کرتے ہیں اُسی سے ڈرتے اُسی سے امید رکھتے ہیں۔ وہ ایک سُلطان رکھتے ہیں۔ لیکن جو نفس کے تابع ہوتے ہیں۔ ان کے پاس کوئی سُلطان نہیں ہے۔ جو محکم طور پر دل کو پکڑے۔ غرض انسان کا کوئی فعل اور قول ہو جب تک وہ خُدائی سُلطان کا پیرو نہ ہو، شرک کرتا ہے۔ پس ہم جو اپنی کارروائی کی دو طور پر اشاعت چاہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے اور اس سے بڑھ کر کوئی شاہد نہیں ہو سکتا کہ کس قدر سچے جوش اور خالصۃً للہ اُس کو پیش کرتے ہیں۔ ہمیں اتفاق نہیں ہوا کہ انگریزی میں لکھ پڑھ سکتے۔ اگر ایسا ہوتا تو ہم کبھی بھی اپنے دوستوں کو تکلیف نہ دیتے۔ مگر اس میں مصلحت یہ تھی کہ تا دُوسروں کو ثواب کے لئے بلائیں ورنہ میری طبیعت تو ایسی واقع ہوئی ہے کہ جو کام میں خود کر سکتا ہوں۔ اُس کے لئے کسی دوسرے کو کبھی کہتا ہی نہیں۔ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم اَور چار برس زندگی پاتے تو ابوبکر رضی اللہ عنہ فوت ہو جاتے۔ دراصل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم وہ فتح عظیم جس کا آپ کے ساتھ وعدہ تھا۔ حاصل کر چکے تھے رَاَیْتَ النَّاسَ یَدْخُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللّٰہِ اَفْوَاجًا[1] دیکھ چکے تھے۔ اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ[2] ہو چکا تھا۔ مگر اللہ تعالیٰ نے نہ چاہا کہ اُن کو محروم رکھے۔ بلکہ یہی چاہا کہ ان کو بھی ثواب میں داخل کرے۔ اسی طرح پر اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو ہم کو اس قدر خزانے دے دیتا کہ ہم کو پرواہ بھی نہ رہتی مگر خُدا ثواب میں داخل کرتا ہے جس کو وُہ چاہتا ہے۔ یہ سب جو بیٹھے ہیں یہ قبریں ہی سمجھو کیونکہ آخر مرنا ہے۔ پس ثواب حاصل کرنے کا وقت ہے۔ میں ان باتوں کو جو خُدا نے میرے دل پر ڈالی ہیں۔ سادہ اور صاف الفاظ میں ڈالنا چاہتا ہوں۔ اس وقت ثواب

[1] النصر : ۳ [2] المائدۃ : ۴

کے لئے مُستعد ہو جاؤ۔ اور یہ بھی مت سمجھو کہ اگر اس راہ میں خرچ کریں گے تو کچھ کم ہو جاویگا خدا تعالیٰ کی بارش کی طرح سب یکساں پر ہو جائیں گی مَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ[1]

یاد رکھو خدا کی توفیق کے بغیر دین کی خدمت نہیں ہو سکتی۔ جو شخص دین کی خدمت کے واسطے شرحِ صدر سے اُٹھتا ہے۔ خدا اس کو ضائع نہیں کرتا۔ غرض خُلاصہ یہ ہے کہ ایک پہلو تو میں کر رہا ہوں، دُوسرے پہلو کو ہماری انگریزی خواں جماعت نے اپنے ہاتھ میں لیا ہے۔ انہوں نے یہ تجویز کی ہے۔ کہ **تجارت** کے طریق پر یہ کام جاری ہو جائے۔ دین کی اشاعت ہو جائے گی اور اُن کا کوئی حرج نہ ہو گا۔ اُمید ہے کہ خدا اس کا اَجر دیگا۔

میں یہ صرف اپنی جماعت کے اِرادوں کا ترجمہ کرتا ہوں۔ میرا منشاء تو اسی حد تک ہے کہ کسی طرح عرب اور دوسرے ملکوں میں تبلیغ ہو جائے یہ انہوں نے اپنی دانست میں سہل طریق مقرر کیا ہے۔ جس کو تجارتی طریق پر سمجھ لیا جائے۔ تجارت کے اُمور ظن غالب ہی پر چلتے ہیں۔ بہر حال یہ اُن کا ارادہ ہے۔ میرے نزدیک جہاں تک یہ امر مذہب سے تعلق رکھتا ہے تو میں اس کی حمایت کرتا ہوں۔ اگر یہ تجویز عمل میں نہ بھی آئے تب بھی یہ کام تو ہو جائے گا۔ بہر حال آپ غور کر لیں۔ اللہ تعالیٰ کو بہتر معلوم ہے۔"

(الحکم جلد ۵ نمبر ۱۴ صفحہ ۵ تا ۸ پرچہ ۱۷ اپریل ۱۹۰۱ء)

یکم اپریل ۱۹۰۱ء

معرفت اور بصیرت

اکثر لوگوں کے خطوط آتے ہیں۔ کہ فلاں شخص نے ہم سے یہ سوال کیا اور ہم اس کا جواب نہ دے سکے۔ ایسی حالت میں انسان کچھ مذبذب اور کمزور ہو جاتا ہے۔ یاد رکھو۔ آئے دن وساوس میں پڑنا ناقص معرفت کا نتیجہ ہوتا ہے۔ معرفت اور بصیرت تو ایسی شے ہے کہ انسان فرشتوں سے مصافحہ کر لیتا ہے۔ میں سچ کہتا ہوں کہ معرفت جیسی کوئی طاقت نہیں ہے

[1] الزلزال : ۸

پرندے کہاں تک اُڑ کر جاتے ہیں۔ لیکن معرفت والا انسان اُن سے بھی آگے نکل جاتا ہے اور بہت دُور پہنچ جاتا ہے۔ پس اصل مدّعا یہی ہے کہ ہمیں وہ یقین حاصل کرنا چاہیئے۔ جو اطمینان کے درجہ تک پہنچا دیتا ہے۔ بدُوں اس کے انسان بالکل ادھورا اور ناقص ہے اور اس کی ترقی کے دروازے بند ہیں۔

مامُور من اللہ کی صُحبت ضروری ہے

ہماری جماعت کے لئے یہ امر ضروری پڑا ہوا ہے کہ وہ اپنے وقتوں میں کچھ وقت نکال کر آئیں اور یہاں صُحبت میں رہ کر اس غفلت کی تلافی کریں جو غیبُوبت کے زمانہ میں پیدا ہوئی ہے اور اُن شبہات کو دُور کریں جو اس غفلت کا باعث ہوئے ہیں۔ اُن کا حق ہے کہ وہ اُن کو پیش کریں اور اُن کا جواب ہم سے سُنیں۔ بھلا اگر کمزور بچہ جو ابھی دُودھ پینے اور ماں کے کنارِ عاطفت کا محتاج ہے۔ اس سے الگ کر دیا جائے تو تم امید کر سکتے ہو کہ وہ بچ رہے گا۔ کبھی نہیں۔ اسی طرح بلُوغ سے پیشتر کے کمال اور معرفت کا حال ہے انسان کمزور بچہ کی طرح ہوتا ہے۔ مامُور من اللہ کی صُحبت اس کے لئے ضروری ہوتی ہے۔ اگر وہ اس سے الگ ہو جائے تو اُس کی ہلاکت کا اندیشہ ہوتا ہے۔

مرکز میں بار بار آنے کی ضرورت

درحقیقت یہ ایک بہت ہی ضروری امر ہے۔ اگر خدا تعالےٰ کسی کو توفیق دے۔ اور وہ اس کو سمجھ لے کہ بار بار آنے کی کس قدر ضرورت ہے۔ اس سے یہی نہ ہوگا کہ وہ اپنے نفس کے لئے فائدہ پہنچائے گا بلکہ بہتوں کو فائدہ پہنچا سکیگا۔ کیونکہ جبتک خود ایک معرفت اور بصیرت پیدا نہ ہو وہ دوسروں کو کیا راہ بتائے گا۔ یہی وجہ ہوتی ہے کہ بعض شریر الطبع لوگ ایسے آدمیوں کو جن کو بار بار آنے کی عادت نہیں کوئی سوال کرتے ہیں چونکہ انہوں نے جوابات سُنے ہوئے نہیں ہوتے اور ساکت ہو کر نہ خود خفّت اُٹھاتے ہیں بلکہ دوسروں کیلئے جو دیکھنے سُننے والے ہوتے ہیں ٹھوکر کا مُوجب ہو جاتے ہیں اور نتیجہ یہ ہوتا ہے۔ کہ اُس

غفلت اور سکوت سے ایمان پر ایک زد پڑتی ہے اور اس میں کمزوری شروع ہوتی ہے۔ کیونکہ یہ قاعدہ کی بات ہے کہ جب انسان مغلوب ہو جاتا ہے۔ تو وہ غالب کے اثر سے بھی متاثر ہو جاتا ہے۔ بسا اوقات اُس کے دل کو وہ اثر سیاہ کر دیتا ہے۔ اور پھر قاعدہ کے موافق وہ تاریکی بڑھنے لگتی ہے۔ یہانتک کہ اگر اُسی میں اُس کو موت آجائے تو وہ جہنم میں داخل ہو جاتا ہے ان ساری باتوں پر غور کر کے ایک دانشمند اس نتیجہ پر ضرور پہنچیگا کہ اس بات کی بہت بڑی ضرورت ہے کہ ان زہروں کے دُور کرنے کے واسطے جو رُوح کو تباہ کرتی ہیں۔ کسی تریاقی صحبت کی ضرورت ہے۔ جہاں رہ کر انسان مُہلکات کا علم بھی حاصل کرتا ہے۔ اور نجات دینے والی چیزوں کی معرفت بھی کر لیتا ہے۔ اسی واسطے ایک عرصہ سے میرے دل میں یہ بات ہے اور میں سوچتا ہوں کہ اپنی جماعت کا امتحان سوالات کے ذریعہ سے لُوں۔ چنانچہ میں نے اس تجویز کا کئی بار ذکر بھی کیا ہے۔ اگرچہ ابھی مجھے موقعہ نہیں ملا۔ لیکن یہ بات میرے دل میں ہمیشہ رہتی ہے۔ کہ ایک بار سوالات کے ذریعہ آزما کر دیکھوں کہ جو کچھ ہم پیش کرتے ہیں اس کے متعلق ان کو کہانتک علم ہے۔ اور انہوں نے ہمارے مقاصد اور اغراض کو کہاں تک سمجھا ہے۔ اور جو اعتراض اندرُونی یا بیرُونی طور پر کئے جاتے ہیں اُن کی مدافعت کہاں تک کر سکتے ہیں۔ اگر چالیس آدمی بھی ایسے نکل آویں جن کے نفس منوّر ہو جاویں اور پُوری بصیرت اور معرفت کی روشنی انہیں مل جائے تو وہ بہت کچھ فائدہ پہنچا سکیں گے۔

یہ سلسلہ منہاج نبوت پر قائم ہے

میں سولہ سترہ برس کی عمر سے عیسائیوں کی کتابیں پڑھتا ہوں اور اُن کے اعتراضوں پر غور کرتا رہا ہوں۔ میں نے اپنی جگہ اُن اعتراضوں کو جمع کیا ہے۔ جو عیسائی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر کرتے ہیں اُن کی تعداد تین ہزار کے قریب پہنچی ہوئی ہے۔ لیکن جب میں ان لوگوں کے اعتراضوں کو پڑھتا ہوں جو میری ذات کی نسبت کرتے ہیں تو میں ہمیشہ یہی کہا کرتا ہوں کہ ابھی ان اعتراضوں میں پُورا کمال نہیں ہوا کیونکہ خاتم النبیین کی پاک ذات پر جب اِس قدر اعتراض

کئے گئے ہیں تو ہم مخالفوں کا منہ کیونکر بند کر سکتے ہیں۔ پھر میں یہ بھی کہتا ہوں کہ میری نسبت جس قدر اعتراض کئے جاتے ہیں اُن میں سے ایک بھی ایسا اعتراض نہیں ہے۔ جو اولوالعزم انبیاءؑ پر نہ کیا گیا ہو۔ اگر کسی کو اس میں شک ہو تو وہ میری ذات پر کوئی اعتراض کر کے دکھلائے جو کسی پہلے نبی پر نہ کیا گیا ہو۔ مگر ہم دعویٰ سے کہتے ہیں کہ جس قسم کا اعتراض مجھ پر کیا جائیگا یا جواب تک ہوئے ہیں۔ اسی قسم کے اعتراض اُن پر ہوئے ہیں۔ بات یہ ہے۔ کہ یہ سلسلہ منہاج نبوت پر قائم ہوا ہے۔ اس لئے اس سلسلہ کی سچائی کے لئے وُہی معیار ہے جو انبیاء علیہم السلام کی صداقت کے لئے ہوتا ہے۔

انسان کامل مومن کب بنتا ہے

اللہ تعالیٰ گواہ ہے اور اُس سے بڑھ کر ہم کس کو شہادت میں پیش کر سکتے ہیں۔ کہ جیسا کہ میں نے ابھی کہا ہے، سولہ یا سترہ برس کی عمر سے عیسائیوں کی کتابیں پڑھتا رہا ہوں مگر ایک طرفۃ العین کے لئے بھی اُن اعتراضوں نے میرے دل کو مذبذب یا متاثر نہیں کیا اور یہ محض خدا تعالیٰ کا فضل ہے۔ میں جُوں جُوں اُن کے اعتراضوں کو پڑھتا جاتا ہوں اسی قدر اُن اعتراضوں کی ذلت میرے دل میں سماتی جاتی اور رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت اور محبت سے دل عطر کے شیشہ کی طرح نظر آتا ہے میں نے یہ بھی غور کیا ہے کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جس پاک فعل پر یا قرآن شریف کی جس آیت پر مخالفوں نے اعتراض کیا ہے۔ وہاں ہی حقائق اور حِکَم کا ایک خزانہ نظر آیا ہے۔ جو کہ ان بدباطن اور خبیث طینت مخالفوں کو عیب نظر آیا ہے۔

سُنو! انسان کامل مومن اس وقت تک نہیں ہوتا جب تک کُفار کی باتوں سے متاثر نہ ہونے والی فطرت حاصل نہ کرلے۔ اور یہ فطرت نہیں ملتی جب تک اُس شخص کی صُحبت میں نہ رہے جو گمشدہ متاع کو واپس دلانے کے واسطے آیا ہے۔ پس جب تک کہ وہ اُس متاع کو نہ لے لے اور اس قابل نہ ہو جائے کہ مخالف باتوں کا اُس پر کچھ بھی اثر نہ ہو۔ اُس وقت

تک اُس پر حرام ہے کہ اس صُحبت سے الگ ہو۔ کیونکہ وہ اس بچہ کی مانند ہے جو ابھی ماں کی گود میں ہے اور صرف دُودھ ہی پر اُس کی پرورش کا انحصار ہے۔ پس اگر وہ بچہ ماں سے الگ ہو جاوے تو فی الفور اُس کی ہلاکت کا اندیشہ ہے۔ اسی طرح اگر وہ صُحبت سے علیحدہ ہوتا ہے تو خطرناک حالت میں جا پڑتا ہے۔ پس بجائے اس کے کہ دوسروں کو درست کرنے کے لئے کوشش کر سکتا ہو۔ خود اُلٹا متاثر ہو جاتا ہے اور اَوروں کے لئے ٹھوکر کا باعِث بنتا ہے۔ **اس لئے ہمکو دن رات جلن اور افسوس یہی ہے کہ لوگ بار بار یہاں** آئیں اور دیر تک صُحبت میں رہیں۔ انسان کامل ہونے کی حالت میں اگر مُلاقات کم کر دے اور تجربہ سے دیکھ لے کہ قوی ہو گیا ہوں تو اس وقت اُسے جائز ہو سکتا ہے کہ ملاقات کم کر دے کیونکہ بعید ہو کر بھی قریب ہی ہوتا ہے۔ لیکن جب تک کمزوری ہے وہ خطرناک حالت میں ہے۔ دیکھو اس قدر لوگ جو عیسائی ہو گئے ہیں جن کی تعداد بیس لاکھ تک پہنچی ہے۔ میں نے ایک بشپ کے لیکچر کا خُلاصہ پڑھا تھا۔ اُس نے بیان کیا ہے کہ ہم بیس لاکھ عیسائی کر چکے ہیں۔ تو یہ لوگ اس قسم کے تھے جو دُوسروں کے اعتراضات سے متاثر ہو گئے۔ اور ایمان کمزور ہو گیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اپنے مذہب کو ہاتھ سے چھوڑ بیٹھے۔ اور عیسائیت کو قبول کر لیا۔ سراج الدین عیسائی بھی ایسے ہی آدمیوں میں سے تھا۔ یہ لوگ کسی صادق کی صُحبت میں کامل زمانہ نہیں گزارتے اور طرح طرح کی خواہشوں کے اسیر اور پابند ہو کر اپنے مذہب اور ایمان جیسی قیمتی چیز کے بدلے خرید لیتے ہیں۔

غرض میرے دشمنوں اور مخالفوں کی تعداد ابھی ایسی خطرناک پیدا نہیں ہوئی جس قدر رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے دشمن اسلام میں سے نکل کر پیدا ہو گئے ہیں۔ **صفدر علی** اور **عماد الدین** وغیرہ نے کونسی کسر باقی رکھی ہے۔ اور میں تو سچ کہتا ہوں اللہ تعالیٰ گواہ ہے کہ مجھے اپنی دشمنی اور اپنی توہین یا عزّت اور تعظیم کا تو کچھ بھی خیال نہیں ہے۔ میرے لئے جو امر سخت ناگوار ہے۔ اور ملال خاطر کا مُوجب ہمیشہ رہا ہے وہ یہی ہے کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم

جیسے کامل اور پاک انسان کی توہین کی جاتی ہے۔ اس صادقوں کے سردار سراسر صدق کو کاذب کہا جاتا ہے۔ یہ امر ہے جو میرے لئے ہمیشہ غم کا باعث رہا ہے۔ اس لئے میں اسی فکر میں رہتا ہوں کہ اس مُردہ پرست قوم کے دجل اور مکر کو کھول کر ایسا دکھا دیا جائے کہ سب کھلا کھلا دیکھ لیں۔ کل مجھے خیال آیا کہ مسیح موعود کے کام میں یکسر الصلیب تو آیا ہے پر یقتل الخنزیر کیوں آیا ہے۔ تو یہی سمجھ میں آیا کہ یہ تفنن عبارت کے طور پر آیا ہے۔ وہ لوگ جو مُرتد ہوئے ہیں۔ اُن کے مادے چونکہ خراب تھے۔ اس لئے ایسے بدالتفاق بھی اُن کو پیش آتے گئے۔ یہاں تک کہ آخر مُرتد ہو گئے۔ اور صرف اپنے نفس کے غُلام ہو کر زندگی بسر کرنے لگے۔

عقل آسمانی نُور کے بغیر بیکار شے ہے۔

وہ آدمی جو کسی تریاقی صُحبت میں رہے اور اس طرح رہے جو رہنے کا حق ہے تو اللہ تعالےٰ اپنے فضل و کرم سے اُس کو ایسے زہروں سے بچا لیتا ہے۔ اور یہ بات کہ انبیاء علیہم السلام کی یا آسمانی کتابوں کی ضرورت کیوں ہوتی ہے؟ بہت صاف امر ہے۔ دیکھو۔ آنکھ میں بھی ایک روشنی اور نُور ہے۔ لیکن وہ سُورج کی روشنی کے بغیر دیکھ نہیں سکتی۔ آنکھ خدا نے دی ہے ساتھ ہی دوسری روشنی بھی پیدا کر دی ہے۔ کیونکہ یہ نور دوسرے نُور کا محتاج ہے۔ اسی طرح اپنی عقل جب تک آسمانی نُور اور بصیرت اُس کے ساتھ نہ ہو کچھ کام نہیں دے سکتی۔ نادان ہے وہ شخص جو کہتا ہے کہ ہم مجرّد عقل سے بھی کچھ حاصل کر سکتے ہیں۔ خُدا نے جو طریق مقرر کیا ہے۔ اس کو حقارت کی نگاہ سے مت دیکھو۔ بہت سے اسرار اور اُمور ہیں جو مجھ پر کھولے گئے ہیں۔ اگر میں اُن کو بیان کروں تو خاص آدمیوں کے سوا جو صُحبت میں رہتے ہیں باقی حیران رہ جائیں۔

پس ان لوگوں کو دیکھ کر حیرت اور رونا آتا ہے جو کسی صادق کی پاک صُحبت میں نہیں رہے۔ ان لوگوں کو جو ذاتیات پر اعتراض کرتے ہیں۔ ہم دعویٰ سے کہتے ہیں کہ وہ

کوئی ایک اعتراض تو دکھائیں جو پہلے کسی نبی پر نہ کیا گیا ہو۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر جو اعتراض آریوں نے کئے ہیں کیا وُہ ان اعتراضوں سے جو مجھ پر ہوئے بڑھے ہوئے نہیں ہیں۔ حضرت مسیحؑ پر یہودیوں نے جس قدر اعتراض کئے ہیں یا آریوں نے کئے ہیں۔ وہ دیکھو۔ کس قدر ہیں۔ اور رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی پاک ذات پر جس قدر الزام لگائے جاتے ہیں۔ اُن کا تو شمار کرو۔ ہاں منہاج نبوّت پر جو سِلسلہ قائم ہوگا۔ ضرور ہے کہ اس پر ایسے الزام لگائے جائیں۔ مگر آخر خدا تعالیٰ اپنے مامُور مقبُول اور مطہّر کی تطہیر کر دیتا ہے اور دکھا دیتا ہے کہ وُہ ان الزاموں سے بالکُل پاک ہے۔ مُعترض کی آنکھ اور دل نے دھوکا کھایا ہے۔ یہ لوگ جو اصل مقصد کو چھوڑ کر ذاتیات پر اعتراض کرنے لگے ہیں۔ اُس کی وجہ یہ ہے کہ چونکہ خدا کا فرستادہ اپنے ساتھ دلائل اور براہین پر زور رکھتا ہے اس کی ہر ایک بات پکّی اور مُحکم ہوتی ہے۔ اور ایسے تائیدی نشان اُس کے لئے ظاہر ہوتے ہیں۔ کہ دوسرے اُن سے عاجز رہ جاتے ہیں۔ اس لئے مخالف جب کوئی راہِ گُریز نہیں پاتے۔ تو رکیک عذر کرنے لگتے ہیں۔ اور بیہودہ نکتہ چینیاں شروع کرتے ہیں جن میں سے اکثر تو افترا ہوتے ہیں اور بعض ایسے امُور اور معاملات ہوتے ہیں جو کہ ان کے قصور فہم کا نتیجہ ہوتے ہیں۔ اسی طرح پر جب ہمارے مخالفوں نے دیکھا کہ جو بات ہے وہ معقول ہے۔ اور دلائل اور براہین کے ساتھ موکّد کی جاتی ہے پھر قرآن شریف ہمارے ساتھ ہے۔ احادیث ہمارے ساتھ ہیں عقل اور قانُون قدرت ہماری تائید کرتے ہیں۔ اور ان سب سے بڑھ کر ہزاروں آسمانی نشان ہماری تائید میں ظاہر ہوئے۔ وہ نشانات بھی جو رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے بطور پیشگوئی بیان فرمائے تھے پُورے ہوئے۔ اور اُن کے علاوہ اور صدہا نشانات خود ہمارے ہاتھ پر پُورے ہوئے۔

زمانہ کی شہادت

اب جبکہ یہ چاروں طرف سے گھِر گئے یعنی زمانہ شہادت دے اُٹھا۔ کہ اس وقت

ماموُر من اللہ کی ضرُورت ہے۔ اور ضرُورت وقت اور واقعات پیش آمدہ نے بتا دیا کہ یہ زمانہ مسیح موعود ہی کا ہے۔ اس کی تائید بزرگان ملت کے کشوف، رویا اور الہامات سے بھی ہو گئی اور قرآن شریف ہماری ہی تائید میں ثابت ہوا۔ اور دن بدن اس سلسلہ کی ترقی بھی ہوتی جاتی ہے۔ تب اِن مخالفوں نے یہ چال بدلی کہ اَور تو کہیں ہاتھ پڑنے کی جگہ باقی نہیں ہے ذاتیات پر ہی گفتگو شروع کر دی اس خیال سے کہ انسان جلد تر اس طرز سے متاثر ہو جاتا ہے۔ مگر کیا اِن احمقوں کو یہ معلوم نہیں ہے کہ عیسائی بھی ایسے ہی اعتراض کرتے ہیں۔ آریوں کی ایک چھوٹی سی کتاب میں نے دیکھی ہے جو حضرت موسیٰؑ کے متعلق اُنہوں نے لکھی ہے۔ انہوں نے اس میں بہت سے اعتراض کئے ہیں کہ بہت سے بچے انہوں نے قتل کرا دیئے۔ مصریوں کا مال لے گئے۔ وعدہ خلافی کی جھُوٹ بولا معاذاللہ۔ غرض بڑے سے بڑا گُناہ نہیں۔ جو اُن کے ذمہ نہ لگایا گیا ہو۔ گویا وہ اُن کو ذلیل کرنا چاہتے ہیں۔

میں کہہ چکا ہوں کہ جب یہ لوگ نبوت کے طریق پر کامیاب نہیں ہوتے اور کبھی کامیاب نہیں ہو سکتے تو یہ ایسے ہی اعتراض کر دیا کرتے ہیں۔ حضرت مسیح علیہ السلام کے متعلق جو کتاب پڑھی گئی تھی اُس نے کیا کسر باقی رکھی ہے اور ایسا ہی وہ اخبار جو آزاد خیال لوگوں کا یہاں آتا ہے۔ وہ کس قدر ہنسی اُڑاتا ہے۔ قاعدہ کی بات ہے کہ صدق اور سچائی کے شُعلے دم لینے نہیں دیتے تو موٹی عقل والوں کو یہ لوگ دھوکا دینے لگتے ہیں اور اپنے خیال میں ایک حد تک یہ لوگ کامیاب ہو جاتے ہیں جس قدر عیسائی ہوتے ہیں۔ اس کا یہی باعث ہے۔ جب تک انسان کو ان علوُم پر اطلاع نہ ہو۔ جو تسلی اور اطمینان کا مُوجب ہوتے ہیں اور انسان کو یقین کی حد تک پہنچاتے ہیں۔ ایسے خطرات اور توہمات کے پیش آنے کا اندیشہ ہی اندیشہ ہے۔

تعلقات جسمانی و رُوحانی

دُنیا میں دو قسم کے تعلّقات ہوتے ہیں۔ایک جسمانی تعلّقات جیسے ماں باپ بھائی بہن وغیرہ کے تعلّقات۔دوسرے رُوحانی اور دینی تعلّقات۔یہ دُوسری قسم کے تعلّقات اگر کامل ہو جائیں تو سب قسم کے تعلّقات سے بڑھ کر ہوتے ہیں۔اور یہ اپنے کمال کو تب پہنچتے ہیں۔جب ایک عرصہ تک صُحبت میں رہے۔دیکھو رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جو جماعت صحابہؓ کی تھی اس کے یہ تعلّقات ہی کمال کو پہنچے ہوئے تھے۔جو انُہوں نے نہ وطن کی پرواہ کی اور نہ اپنے مال و املاک کی اور نہ عزیز و اقارب کی۔یہاں تک کہ اگر ضرورت پڑی تو اُنہوں نے بھیڑ بکری کی طرح اپنے سر خدا کی راہ میں رکھ دیئے۔وہ شدائد و مصائب جو اُن کو پہنچ رہے تھے،اُن کے برداشت کرنے کی قوت اور طاقت اُن کو کیونکر ملی۔اس میں یہی سِرّ تھا کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تعلقات بہت گہرے ہو گئے تھے۔انہوں نے اس حقیقت کو سمجھ لیا تھا۔جو آپؐ لے کر آئے تھے۔اور پھر دُنیا اور اُس کی ہر ایک چیز اُن کی نگاہ میں خدا تعالےٰ کے لقاء کے مقابلہ میں کچھ ہستی رکھتی ہی نہیں تھی۔

یاد رکھو جب سچّائی پُورے طور پر اپنا اثر پیدا کر لیتی ہے۔تو وہ ایک نُور ہو جاتی جو ہر ایک تاریکی میں اُس کے اختیار کرنے والے کے لئے رہنُما ہوتا ہے۔اور ہر مُشکل میں بچاتا ہے۔

ذاتی حملے عجز کا ثبوت ہیں

ذاتی حملوں کا جو بُغض اور حسد کی بنا پر کئے جاتے ہیں اور سچّائی کے مقابلہ سے عاجز آکر کمینہ اور سفیہ لوگ کرتے ہیں، اُن پر ہی اثر ہوتا ہے جنہوں نے سچّائی کی حقیقت کو نہیں سمجھا ہوتا اور سچّائی نے اُن کے دل کو مُنوّر نہیں کیا ہوتا۔

یہ بالکل سچّی بات ہے کہ انسان اس حد تک پژمُردہ ہوتا ہے جب تک سچّائی کو سمجھا ہوا نہیں۔جُوں جُوں وہ اُسے سمجھتا جاتا ہے اس میں ایک تازگی اور شگفتگی آتی جاتی

ہے۔اور رَوشنی کی طرف آجاتا ہے یہاں تک کہ جب بالکل سمجھ لیتا ہے پھر تاریکی اس کے پاس نہیں آتی ہے۔تاریکی تاریکی کو پیدا کرتی ہے۔اندرُونی روشنی اَور روشنی کو لاتی ہے اسی واسطے تاریکی کو شیطان سے تشبیہ دی ہے اور روشنی رُوح القُدس سے مشابہ ہے۔اسی طرح معرفت اور یقین کی روشنی جہاں قائم ہو جاتی ہے۔وہاں تاریکی نہیں رہتی۔اس لئے میں کہتا ہُوں کہ اپنے کاروبار کو چھوڑ کر کبھی یہاں آؤ۔مُلک کی حالت خطرناک ہو رہی ہے طاعُون بڑے زور کے ساتھ پھیلتی جاتی ہے اور اُسکے دَورے بعض اَوقات ساٹھ ساٹھ ستر ستر برس تک ہوتے رہتے ہیں اور شہروں کے شہر تباہ کر دیتی ہے۔مولوی صاحب کے پاس ہی ایک خط آیا ہے۔جس سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض گاؤں بالکل خالی ہو گئے ہیں۔یہ مَت سمجھو کہ ایک دو سال میں رُخصت ہو جائے گی۔یہ اپنا اثر کر کے جاتی ہے پھر ہمارے تو ملک سے دُور نہیں اس وقت پانچ ضلعے مبتلا ہو رہے ہیں۔

پاک تبدیلی پیدا کرو

پس بے خوف ہو کر مَت رہو۔استغفار اور دُعاؤں میں لگ جاؤ اور ایک پاک تبدیلی پیدا کرو۔اب غفلت کا وقت نہیں رہا۔انسان کو نفس جھوٹی تسلی دیتا ہے۔کہ تیری عُمر لمبی ہوگی۔مَوت کو قریب سمجھو۔خدا کا وجُود برحق ہے۔جو ظُلم کی راہ سے خدا کے حقوق دوسروں کو دیتا ہے وہ ذلت کی مَوت دیکھے گا۔اب جیسا کہ سورۂ فاتحہ میں تین گروہ کا ذکر ہے۔ان تین کا ہی مزہ چکھا دے گا۔اس میں جو آخر تھے۔وہ مقدّم ہو گئے یعنی ضالّین۔اسلام وُہ تھا کہ ایک شخص مُرتد ہو جاتا تو قیامت برپا ہو جاتی تھی۔مگر اب بیس لاکھ عیسائی ہو چکے ہیں اور خود ناپاک ہو کر پاک وجُود کو گالیاں دی جاتی ہیں۔پھر مغضوب کا نمونہ طاعُون سے دکھایا جا رہا ہے۔اس کے بعد انعمت علیہم کا گروہ ہوگا۔

یہ قاعِدہ کی بات ہے اور خدا کی قدیم سے سُنّت چلی آتی ہے کہ جب وُہ کسی قوم کو

مخاطب کرکے کہتا ہے کہ یہ کام نہ کرنا تو اس قوم میں سے ایک گروہ ضرور خدا کی خلاف ورزی کرتا ہے۔ کوئی قوم ایسی دکھاؤ کہ جس کو کہا گیا کہ تم یہ کام نہ کرنا اور اس نے نہ کیا ہو۔ خدا نے یہودیوں کو کہا کہ تحریف نہ کرو۔ اُنہوں نے تحریف کی۔ قرآن کی نسبت یہ نہیں کہا بلکہ یہ کہا اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّکۡرَ وَاِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوۡنَ[۱] ۔غرض دعاؤں میں لگے رہو۔ کہ خدا تعالیٰ انعمت علیہم کے گروہ میں داخل کرے۔"

(الحکم جلد ۵ نمبر ۱۶ صفحہ ۱ تا ۵ پرچہ ۳۰ اپریل ۱۹۰۱ء)

اپریل ۱۹۰۱ء

منشی الٰہی بخش اور اس قماش کے دوسرے ملہمین کا ذکر

منشی الٰہی بخش صاحب وغیرہ لوگوں کی اپنی بعض حالتوں سے دھوکا کھا جانے کی نسبت گفتگو تھی۔ اس پر حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا۔

"عام طور پر رؤیا اور کشوف اور الہام ابتدائی حالت میں ہر ایک کو ہوتے ہیں مگر اس سے انسان کو یہ دھوکا نہیں کھانا چاہیئے۔ کہ وہ منزلِ مقصود کو پہنچ گیا ہے۔ اصل میں بات یہ ہے کہ فطرت انسانی میں یہ قوت رکھی گئی ہے کہ ہر ایک شخص کو کوئی خواب یا کشف یا الہام ہو سکے۔ چنانچہ دیکھا گیا کہ بعض دفعہ کفار ہنود اور بعض فاسق فاجر لوگوں کو بھی خوابیں آتی ہیں۔ اور بعض دفعہ سچی بھی ہو جاتی ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے۔ کہ خدا تعالیٰ نے خود ان لوگوں کے درمیان اس حالت کا کچھ نمونہ رکھ دیا ہے جو کہ اولیاء اللہ اور انبیاء اللہ میں کامل طور پر ہوتا ہے تاکہ یہ لوگ انبیاء کا صاف انکار نہ کر بیٹھیں۔ کہ ہم اس علم سے بے خبر ہیں۔ اتمام حجت کے طور پر یہ بات ان لوگوں کو دی گئی ہے۔ تاکہ انبیاء کے دعاوی کو سُنکر حریف اقرار کرلے کہ ایسا ہوتا ہے اور ہو سکتا ہے۔ کیونکہ جس بات سے انسان ناآشنا ہوتا ہے اس کا وہ جلدی انکار کر دیتا ہے۔ مثنوی رُومی میں ایک اندھے کا ذکر

[۱] الحجر: ۱۰

ہے کہ اُس نے یہ کہنا شروع کیا کہ آفتاب دراصل کوئی شئے نہیں لوگ جھوٹ بولتے ہیں۔ اگر آفتاب ہوتا تو کبھی مَیں بھی دیکھتا۔ آفتاب بولا کہ اَے اندھے تو میرے وجود کا ثبوت مانگتا ہے۔ تو پہلے خدا سے دُعا کر کہ وہ تجھے آنکھیں بخشے۔ اللہ تعالیٰ رحیم و کریم ہے اگر وہ انسان کی فطرت میں یہ بات نہ رکھ دیتا تو نبوت کا مسئلہ لوگوں کو کیونکر سمجھ میں آتا۔ ابتدائی رویا یا الہام کے ذریعہ سے خدا بندہ کو بُلانا چاہتا ہے مگر وہ اس کے واسطے کوئی حالت قابلِ تشفی نہیں ہوتی چنانچہ بلعم کو الہامات ہوتے تھے۔ مگر اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے کہ لَوْشِئْنَا لَرَفَعْنٰهُ[1] ثابت ہوتا ہے۔ کہ اس کا رفع نہیں ہوا تھا یعنی اللہ تعالیٰ کے حضور میں وہ کوئی برگزیدہ اور پسندیدہ بندہ ابھی تک نہیں بنا تھا۔ یہاں تک کہ وُہ گِر گیا ان الہامات وغیرہ سے انسان کچھ بَن نہیں سکتا۔ انسان خدا کا بَن نہیں سکتا جب تک کہ ہزاروں موتیں اُس پر نہ آویں اور بیضۂ بشریت سے وہ نکل نہ آئے۔ اس راہ میں قدم مارنے والے انسان تین قسم کے ہیں۔ ایک وہ جو دین العجائز رکھتے ہیں یعنی بُڑھیا عورتوں کا سا مذہب۔ نماز پڑھتے ہیں۔ روزہ رکھتے ہیں۔ قرآن شریف کی تلاوت کرتے ہیں۔ اور توبہ استغفار کر لیتے ہیں۔ انہوں نے تقلیدی امر کو مضبوطی سے پکڑا ہے اور اس پر قائم ہیں۔ دوسرے وہ لوگ ہیں جو اس سے آگے بڑھ کر معرفت کو چاہتے ہیں۔ اور ہر طرح کوشش کرتے ہیں اور وفاداری اور ثابت قدمی دکھاتے ہیں اور اپنی معرفت میں انتہائی درجہ کو پہنچ جاتے ہیں۔ اور کامیاب اور بامُراد ہو جاتے ہیں۔ تیسرے وہ لوگ ہیں جنہوں نے دین العجائز کی حالت میں رہنا پسند نہ کیا اور اس سے آگے بڑھے اور معرفت میں قدم رکھا مگر اس منزل کو نباہ نہ سکے اور راہ ہی میں ٹھوکر کھا کر گر گئے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو نہ اِدھر کے رہے نہ اُدھر کے رہے۔ ان لوگوں کی مثال اُس آدمی کی طرح ہے۔ جس کو پیاس لگی ہوئی تھی اور اس کے پاس کچھ پانی تھا۔ پر وہ پانی بھی گدلا تھا تاہم وُہ پی لیتا تو مرنے سے بچ جاتا۔ کسی نے اُس کو خبر دی کہ پانچ سات کوس کے فاصلہ پر ایک چشمہ صاف ہے۔ پس اُس

[1] الاعراف: ۱۷۷

نے وہ پانی جو اُس کے پاس تھا پھینک دیا اور وہ صاف چشمہ کے واسطے آگے بڑھا۔ پر اپنی بے صبری اور بدبختی اور ضلالت کے سبب وہاں نہ پہنچ سکا۔ دیکھو اُس کا کیا حال ہوا وہ ہلاک ہو گیا۔ اور اُس کی ہلاکت نہایت ہولناک ہوئی یا ان حالتوں کی مثال اس طرح ہے کہ ایک کنواں کھودا جا رہا ہے پہلے تو وہ صرف ایک گڑھا ہے جس سے کچھ فائدہ نہیں۔ بلکہ آنے جانے والوں کے واسطے اس میں گر کر تکلیف اُٹھانے کا خطرہ ہے۔ پھر وہ اور کھودا گیا یہاں تک کہ کیچڑ اور خراب پانی تک وہ پہنچا۔ پر وہ کچھ فائدہ مند نہیں۔ پھر جب وہ کامل ہوا اور اُس کا پانی صفا ہو گیا تو وہ ہزاروں کے واسطے زندگی کا موجب ہو گیا۔ یہ جو فقیر اور گدی نشین بنے بیٹھے ہیں۔ یہ سب لوگ ناقص حالت میں ہیں۔ انبیاء مصفا پانی کے مالک ہو کر آتے ہیں۔ جب تک خدا کی طرف سے کوئی کچھ لے کر نہ آوے۔ تب تک بےسُود ہے۔ الٰہی بخش صاحب اگر موسٰی بنتے ہیں تو اُن سے پوچھنا چاہیئے کہ اُن کے موسٰی بننے کی علت غائی کیا ہے۔ جو لوگ خدا کی طرف سے آتے ہیں۔ وہ مزدور کی طرح ہوتے ہیں اور لوگوں کو نفع پہنچانے کے لئے قدم آگے بڑھاتے ہیں اور علوم پھیلاتے ہیں اور کبھی تنگی نہیں کرتے۔ اور سُست اور ہاتھ پر ہاتھ دھر کر نہیں بیٹھتے۔"

(الحکم جلد ۵ نمبر ۱۶ صفحہ ۱۳-۱۴ پرچہ ۳۰ر اپریل ۱۹۰۱ء)

۱۹ر اپریل ۱۹۰۱ء

۱۹ر اپریل ۱۹۰۱ء کو لاہور سے فورمن کالج اور امریکن مشن کے دو پادری مع ایک دیسی عیسائی کے قادیان آئے تھے۔ وہ حضرت مسیح موعودؑ سے بھی ملے اور انہوں نے کچھ سوالات حضورؑ سے کئے جن کا جواب حضرت اقدسؑ دیتے رہے۔ ہم چونکہ بعد میں پہنچے تھے۔ اس لئے ابتدائی سوال اور اس کا جواب نہ لکھ سکے۔ ہمارے ایک بھائی نے اُسے لکھا تھا مگر افسوس ہے کہ وہ اُس کو محفوظ نہ رکھ سکے۔ اور وہ کاغذ ان سے گم ہو گیا۔ اگر بعد میں مل گیا تو ہم اُسے بھی درج کر دیں گے۔ سردست ہم

اس مقام سے درج کرتے ہیں جہاں سے ہم نے سُنا۔ قلمبند کیا (ایڈیٹر)

ماموُرِ الٰہی خود نشان ہوتا ہے

"نبیوں سے بہت نشانات مانگنے والوں نے نشان مانگے۔ انہوں نے اُن کے جواب میں یہی کہا کہ عقلمند ایسے سوال نہیں کرتے۔ بلکہ مسیح علیہ السلام کے الفاظ میں تو ایسے موقع پر جیسا انجیل سے پتہ لگتا ہے بہت سختی پائی جاتی ہے۔ یہ سچّی بات ہے۔ کہ جو شخص خدا کی طرف سے آتا ہے۔ وہ نشانات لے کر آتا ہے۔ مَیں تو یہ کہتا ہُوں کہ وہ خود ایک نشان ہوتا ہے لیکن تھوڑے ہوتے ہیں جو ان نشانات سے فائدہ اُٹھاتے اور اُن کو شناخت کرتے ہیں۔ مگر تھوڑے ہی عرصہ کے بعد دُنیا دیکھ لیتی ہے کہ وہ کیسے عظیم الشّان نشانات کے ساتھ آیا ہے۔ یقیناً سمجھ لیں کہ وُہ نہیں مرتا۔ جب تک دُنیا پر ثابت نہ کر دے کہ وہ صاحب نشان ہے۔"

سوال۔ آپ کی سمجھ میں خدا کا کلام کیا ہے یعنی کیا آپ بھی کچھ نوشتے چھوڑ جائیں گے۔ جیسے انجیل یا توراۃ ہے؟

حضرت مسیح موعودؑ کے الہامات کا شرعی مقام

جواب حضرت اقدسؑ۔ "بات اصل میں یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو لوگ ماموُر ہو کر دنیا کی اصلاح کے واسطے آتے ہیں وہ دو قسم کے لوگ ہوتے ہیں۔ ایک وہ جو صاحب شرایعت ہوتے ہیں اور ایک نئی شریعت قائم کرتے ہیں۔ جیسے حضرت موسٰی علیہ السلام کہ وہ خدا تعالےٰ سے ہمکلام ہوتے تھے اور ماموُر ہو کر آئے تھے۔ مگر اُن کو ایک شریعت دی گئی جس کو آپ لوگ توراۃ کہتے ہیں اور مانتے ہیں کہ شریعت موسٰیؑ کی معرفت دیگئی۔

مگر ایک وہ لوگ ہوتے ہیں جو خدا تعالےٰ سے ہمکلام تو ہوتے ہیں اور ان صاحب شریعت نبیوں کی طرح وہ بھی اصلاحِ خلق کے لئے آتے ہیں۔ اور اپنے وقت پر ضرورتِ حقّہ کے ساتھ آتے ہیں مگر وہ صاحبِ شریعت نہیں ہوتے۔ جیسے حضرت عیسٰی علیہ السلام

کہ وہ کوئی نئی شریعت لے کر نہیں آئے تھے بلکہ اسی موسوی شریعت کے پابند تھے۔ اصل بات یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کوئی لغو کام نہیں کرتا۔ جب اُس کا زندہ کلام موجود ہو اور ایک مستقل شریعت وقت کی ضرورت کے موافق موجود ہو تو دوسری کوئی شریعت نہیں دی جاتی لیکن ہاں اس وقت تو ایسا ہو سکتا ہے اور ہوتا ہے کہ جب اہلِ دنیا کے دلوں سے خدا کی محبت سرد ہو جاوے اور اعمال صالحہ کی بجائے چند رسمیں رہ جاویں۔ تقویٰ اور اخلاق فاضلہ نہ رہیں۔ اس وقت خدا تعالیٰ ایک شخص کو مبعوث کرتا ہے۔ جو اسی شریعت پر عملدرآمد کی ہدایت کرتا ہے اور اپنے عملی نمونہ سے اس شریعت حقہ کی کھوئی ہوئی عظمت اور بزرگی کو پھر لوگوں کے دلوں میں قائم کرتا ہے۔ اُس کے مناسب حال اس میں سب باتیں موجود ہوتی ہیں۔ وہ خدا تعالےٰ سے ہمکلامی کا شرف رکھتا ہے۔ کلام الٰہی کا مغز اُسے عطا ہوتا ہے اور شریعت کے اسرار پر اسے اطلاع دی جاتی ہے۔ وہ بہت سے خوارق اور نشان لے کر آتا ہے غرض ہر طرح سے معزز اور مکرم ہوتا ہے مگر دنیا اس کو نہیں پہچانتی۔ جیسے جیسے کسی کو آنکھیں مِلتی جاتی ہیں وہ اُس کو اُسی حد تک شناخت کرتا جاتا ہے۔ یہ امر انسانی عادت میں داخل ہے کہ جب کوئی نیا انسان اُس کے سامنے آتا ہے تو آنکھیں اُس کو تاڑتی ہیں۔ کہ یہ اُس کا قد ہے یہ رنگ ہے، آنکھیں ایسی ہیں۔ صُورت شکل ایسی ہے۔ غرض سر سے لے کر پیر تک اُس کو تاڑتا ہے یہاں تک کہ نظر میں محدُود ہو کر آخر کار اس کا رعب کم ہو جاتا ہے۔ اسی طرح نبیوں کے ساتھ ہوتا ہے۔ جب وہ آتے ہیں تو وہ معمولی انسان ہوتے ہیں۔ تمام حوائج بشری اور ضروریات اُن کے ساتھ ہوتے ہیں۔ اس لئے جو کچھ وہ فوق الفوق باتیں بتاتے ہیں دنیا کی نظر میں وہ اچنبھا ہوتی ہیں۔ اس لئے انکار کیا جاتا ہے۔ اُن کو حقیر سمجھا جاتا ہے۔ اُن سے ہنسی کی جاتی، ہر قسم کی تکالیف اور ایذارسانی کا نشانہ بنایا جاتا۔

میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ آپ کے دل میں حضرت موسیٰؑ اور حضرت مسیحؑ کی

ہی بڑی عزت کیوں نہ ہو۔لیکن جس جگہ میں بیٹھا ہوں۔ اگر آج اسی جگہ حضرت موسیٰ یا حضرت مسیحؑ ہوتے تو وہ بھی اسی نظر سے دیکھے جاتے۔جس نظر سے مَیں دیکھا جاتا ہوں۔یہی بھید ہے کہ ہر نبی کو دکھ دیا گیا۔اور ضروری امر ہے کہ ہر ایک جو خدا کی طرف سے مامور اور مُرسَل ہو کر آوے وہ اپنی قوم میں کیسا ہی معزز اور امین اور صادق ہو۔لیکن اُس کے دعوے کے ساتھ ہی اُس کی تکذیب شروع ہو جاتی اور اُس کی تذلیل اور ہلاکت کے منصوبے ہونے لگتے ہیں۔ مگر ہاں جیسے یہ لازمی امر ہے کہ اُن کی تکذیب کی جاتی ، اُن کو دکھ دیا جاتا ہے۔

یہ بھی سچی اور یقینی بات ہے کہ ایک وقت آجاتا ہے کہ ان کی جماعتیں مستحکم ہو جاتی ہیں۔ وہ دُنیا میں صداقت کو قائم کر دیتے اور راستبازی کو پھیلا دیتے ہیں۔ یہاں تک کہ ان کے بعد ایک زمانہ آتا ہے کہ ایک دنیا اُن کی طرف ٹوٹ پڑتی اور اُن تعلیمات کو قبول کر لیتی ہے۔جو وہ لے کر آتے ہیں گو اپنے زمانہ میں اُن کو دُکھ دینے میں کوئی کسر اُٹھا رکھی گئی ہو۔اور نہیں رکھی جاتی۔ ہاں سوال یہ ہوتا ہے کہ جنہوں نے ردّ کر دیا۔ وہ دانشمند تھے؟ نہیں۔ہرگز نہیں۔یہ صرف زمانہ کی خاصیّت ہے کہ اُن کو دانشمند کہا جاتا ہے۔ورنہ ان سے بڑھ کر بے وقوف اور سطحی خیال کے اَور کون لوگ ہوں گے۔جو حق کو جھٹلا کر دانشمند بنتے ہیں۔یہ ایک فطرت کی کجی ہوتی ہے۔جو کوشش کی جاتی ہے کہ کسی طرح اُن کو ذلیل کیا جاوے۔اسی طرح خیالی طور پر اس قسم کے مجمع کہہ اٹھتے ہیں کہ ہم جیت گئے اور خدا کے راستبازوں کے مقابلہ میں ہم کامیاب ہو گئے۔حالانکہ وہی ذلیل نامُراد اور مغلوب ہوتے ہیں۔ آخر انجام دکھا دیتا ہے۔اور ایک روشن فیصلہ نمودار ہو جاتا ہے۔جس سے معلوم ہوتا ہے۔کہ حق کس کے ساتھ ہے۔راستباز کی کامیابی مخالفوں کی سفاہت اور جہالت پر مُہر کر دیتی ہے کہ وہ جس قدر اعتراض کرتے تھے اپنی نادانی سے کرتے تھے۔

میں بار بار لکھ چکا ہوں کہ جو خدا کی طرف سے مامور ہو کر آتے ہیں۔ دُنیا اُن کو کم

پہچانتی ہے بجز اُن لوگوں کے جو دیکھنے کی آنکھیں رکھتے ہیں۔ اُن کو دوسرے دیکھ ہی نہیں سکتے کیونکہ وہ تو اُن میں ہی کے ایک کھاتے پیتے حوائج بشری کے رکھنے والے انسان ہوتے ہیں۔

صاحب شریعت و احیاء شریعت

اور یہ بات کہ میرے نوشتے باقی رہیں گے۔ میں پہلے کہہ چکا ہوں کہ خدا کی طرف سے مامور ہو کر آنے والے لوگوں کے دو طبقہ ہوتے ہیں۔ ایک وہ جو صاحب شریعت ہوتے ہیں جیسے موسیٰ علیہ السلام اور ایک وہ جو احیائے شریعت کے لئے آتے ہیں جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام۔ اسی طرح پر ہمارا ایمان ہے کہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کامل شریعت لے کر آئے جو نبوت کے خاتم تھے۔ اس لئے زمانہ کی استعدادوں اور قابلیتوں نے ختمِ نبوت کر دیا تھا۔ پس حضور علیہ السلام کے بعد ہم کسی دوسری شریعت کے آنے کے قائل ہرگز نہیں۔ ہاں جیسے ہمارے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم مثیل موسیٰؑ تھے اسی طرح آپؐ کے سلسلہ کا خاتم جو خاتم الخلفاء یعنی مسیح موعود ہے۔ ضروری تھا کہ مسیح علیہ السلام کی طرح آتا۔ پس میں وہی خاتم الخلفاء اور مسیح موعود ہوں۔ جیسے مسیحؑ کوئی شریعت لے کر نہ آئے تھے۔ بلکہ شریعت موسوی کے احیاء کے لئے آئے تھے۔ میں کوئی جدید شریعت لے کر نہیں آیا اور میرا دل ہرگز نہیں مان سکتا کہ قرآن شریف کے بعد اب کوئی اور شریعت آسکتی ہے۔ کیونکہ وہ کامل شریعت اور خاتم الکتب ہے۔ اسی طرح خدا تعالیٰ نے مجھے شریعت محمدی کے احیاء کے لئے اس صدی میں خاتم الخلفاء کے نام سے مبعوث فرمایا ہے۔ میرے الہامات جو خدا تعالیٰ کی طرف سے مجھے ہوتے ہیں۔ اور جو ہمیشہ لاکھوں انسانوں میں شائع کئے جاتے ہیں اور چھاپے جاتے ہیں۔ اور ضائع نہیں کئے جاتے۔ وہ ضائع نہ ہوں گے۔ اور وہ قائم رہیں گے۔

سوال۔ آپ کی رائے میں مذہب کے پھیلانے کا بہتر طریقہ کیا ہے؟
جواب۔ "میرے نزدیک اشاعتِ مذہب کا بہترین طریقہ یہی ہے کہ وُہ مذہب اپنی خوبیوں اور حُسن کی وجہ سے خود ہی اندر چلا جاوے۔ اور اس کیلئے بیرونی کوشش کرنی نہ پڑے۔ مثلاً بعض چیزیں ایسی ہیں کہ وہ اپنی روشنی کی وجہ سے خود بخود نظر آتی ہیں جیسے سُورج۔ چاند ستارے وغیرہ۔ اور ایک وہ چیزیں ہیں جو ان روشنیوں کے بغیر نظر ہی نہیں آسکتی ہیں۔ مثلاً چرند پرند وغیرہ کو ہم نہیں دیکھ سکتے جبتک روشنی نہ آوے۔ پس سچا مذہب اپنی روشنی اور حقانیت و صداقت کے نُور سے خود بخود شناخت ہو کر رُوحوں میں اُترتا جاتا ہے اور دلوں کو اپنی طرف کھینچتا جاتا ہے۔ اسی لئے میں نے کہا تھا کہ تعلیم ایک بڑا نشان ہے۔ جس مذہب کے ساتھ تعلیم کا نشان نہیں ہوتا۔ اُس کے دوسرے نشان فائدہ پہنچا نہیں سکتے۔ آسمانی تعلیم اپنے اندر ایک روشنی اور نُور رکھتی ہے۔ وہ انسانی طریقوں سے بالاتر ہوتی ہے۔ ایک انسان جب بکلی مر جاوے۔ اور گندی زندگی سے نکل آوے۔ اس وقت وہ خدا میں زندگی پاتا ہے۔ اور سچے مذہب کا نشان محسوس کرتا ہے۔ مگر خدا کے فضل کے سوا یہ کس کا کام ہے۔ کہ گندی زندگی سے مَر کر نئی زندگی پاوے۔ یہ اس خدا کے ہاتھ سے ہوتا ہے جس نے دُنیا کو زندگی بخشی ہے۔ وہ جس انسان کو مبعوث کرتا ہے پہلے اُس کو یہ زندگی عطا کرتا ہے۔ وہ بظاہر دُنیا میں ہوتا ہے اور دُنیا کے لوگوں سے ہوتا ہے۔ لیکن حقیقت میں وہ اس دنیا کا انسان نہیں ہوتا۔ وہ خدا تعالیٰ کی چادر کے نیچے ہوتا ہے۔ پھر خدا تعالیٰ اُس کے مناسب حال تعلیم اس کو دیتا ہے۔ جس کو اسی مناسبت کے لوگ سیکھتے ہیں۔ اس میں گند، نفس پرستی، ظلم اور شہوانی خواہشات کو پُورا نہیں کیا جاتا بلکہ وہ پاک باتیں ہوتی ہیں جو انسان پر ایک مَوت وارد کرکے اُس کو ایک نئی زندگی عطا کرتی ہیں جس سے اس کو گناہ سوز فطرت مل جاتی ہے۔ وہ ہر ایک قسم کی ناپاکی اور گند سے نفرت کرتا ہے۔ اور خدا تعالےٰ میں زندگی بسر کرنے میں راحت اور لذّت پاتا ہے۔ پس میرے نزدیک

سچا مذہب اپنی اشاعت کا آپ ہی کفیل ہے۔ اس کے لئے کسی خارجی کوشش کی ضرورت نہیں ہوتی۔ ہاں یہ سچ ہے کہ اُس کی صداقت کے اظہار کا ذریعہ وہ لوگ ہوتے ہیں۔ جو خدا کی طرف سے اُسے لے کر آتے ہیں۔ مقابلہ کے وقت اُن کو غلبہ ملتا ہے جو بطور نشان کے ہوتا ہے۔ اُن کی آمد اُس وقت ہوتی ہے جب دُنیا حق اور نُور کے لئے بھوکی پیاسی ہوتی ہے۔ غرض عمدہ تعلیم اور کامل نمونہ جو اس تعلیم کی عُمدگی کا زندہ ثبوت ہوتا ہے وہی اشاعت کا بہترین طریق ہے۔"

سوال۔ ہم آپ کو بہت تکلیف دینا نہیں چاہتے۔ یہ رُوحانی زندگی کس طرح مل سکتی ہے؟

جواب۔ "خدا کے فضل سے۔"

سوال۔ ہمیں کچھ کہنا چاہیئے کہ رُوحانی زندگی ہم کو مل جاوے۔

جواب۔

روحانی زندگی کس طرح ملتی ہے

"ہاں۔ دُعا کی بہت بڑی ضرورت ہے۔ اور اس کے ساتھ ہی نیک صُحبت میں رہنا چاہیئے۔ سب تعصبوں کو چھوڑ کر گویا دُنیا سے الگ ہو جاوے۔ جیسے جہاں طاعون پڑی ہوئی ہو۔ اور کوئی شخص وہاں سے الگ نہیں ہوتا ہے۔ تو وہ خطرہ کی حالت میں ہے۔ اسی طرح جو شخص اپنی حالت کو بدل نہیں ڈالتا اور اپنی زمین میں تبدیلی نہیں کرتا اور الگ ہو کر نہیں سوچتا۔ کہ کس طرح پاک زندگی پاؤں اور خدا سے دعا نہیں مانگتا وہ خطرہ کی حالت میں ہے۔ دنیا میں کوئی نبی نہیں آیا۔ جس نے دُعا کی تعلیم نہیں دی۔ یہ دُعا ایک ایسی شئے ہے۔ جو عبُودیت اور ربُوبیت میں ایک رشتہ پیدا کرتی ہے۔ اس راہ میں قدم رکھنا بھی مشکل ہے۔ لیکن جو قدم رکھتا ہے پھر دُعا ایک ایسا ذریعہ ہے۔ کہ اُن مشکلات کو آسان اور سہل کر دیتا ہے۔

دُعا کا ایک ایسا باریک مضمون ہے کہ اس کا ادا کرنا بھی بہت مشکل ہے جب تک خود انسان دُعا اور اس کی کیفیتوں کا تجربہ کار نہ ہو۔ وہ اُس کو بیان نہیں کر

سکتا۔ غرض جب انسان خدا تعالیٰ سے متواتر دُعائیں مانگتا ہے۔ تو وہ اَور ہی انسان ہو جاتا ہے۔ اس کی رُوحانی کدُورتیں دُور ہو کر اُس کو ایک قسم کی راحت اور سرُور ملتا ہے اور ہر قسم کے تعصب اور ریاکاری سے الگ ہو کر وہ تمام مشکلات کو جو اُس کی راہ میں پیدا ہوں برداشت کر لیتا ہے۔ خدا کے لئے اُن سختیوں کو جو دوسرے برداشت نہیں کرتے اور نہیں کر سکتے صرف اس لئے کہ خدا تعالیٰ راضی ہو جاوے برداشت کرتا ہے۔ تب خدا تعالیٰ جو رحمٰن رحیم خدا ہے۔ اور سراسر رحمت ہے۔ اُس پر نظر کرتا ہے۔ اور اُس کی ساری کلفتوں اور کدُورتوں کو سرُور سے بدل دیتا ہے۔

زبان سے دعویٰ کرنا کہ میں نجات پا گیا ہوں یا خدا تعالےٰ سے قوی رشتہ پیدا ہو گیا ہے۔ آسان ہے۔ لیکن خدا تعالےٰ دیکھتا ہے کہ وہ کہاں تک ان تمام باتوں سے الگ ہو گیا ہے۔ جن سے الگ ہونا ضروری ہے۔ یہ سچی بات ہے کہ جو ڈھونڈتا ہے وہ پا لیتا ہے۔ سچے دل سے قدم رکھنے والے کامیاب ہو جاتے ہیں اور منزل مقصود تک پہنچ جاتے ہیں۔ جب انسان کچھ دین کا اور کچھ دُنیا کا ہوتا ہے آخرکار دین سے الگ ہو کر دنیا ہی کا ہو جاتا ہے۔ اگر انسان ربّانی نظر سے مذہب کو تلاش کرے تو تفرقہ کا فیصلہ بہت جلد ہو جائے۔ مگر نہیں یہاں مقصُود اور غرض یہ ہوتی ہے کہ میری بات رَہ جاوے۔ دو آدمی اگر بات کرتے ہیں۔ تو ہر ایک اُن میں سے یہی چاہتا ہے کہ دوسرے کو گرا دے۔ اس وقت تو چیونٹی کی طرح تعصب، ہٹ دھرمی اور ضد کی بلائیں لگی ہوئی ہیں۔ غرض میں آپ کو کہاں تک سمجھاؤں بات بہت باریک ہے اور دنیا اس سے بے خبر ہے۔ اور یہ صرف خدا ہی کے اختیار میں ہے۔

خدا نے مجھ پر اپنا جلوہ کیا ہے

میرا مذہب یہ ہے کہ وہ خدا جس کو ہم دکھانا چاہتے ہیں وہ دُنیا کی نظروں سے پوشیدہ ہے اور دُنیا اس سے غافل ہے۔ اُس نے مجھ پر اپنا جلوہ دکھایا ہے۔ جو دیکھنے کی آنکھ رکھتا ہے وُہ دیکھے۔

دو قسم کے لوگ ہیں ایک وہ جو خدا کو مانتے ہیں اور دوسرے وہ جو نہیں مانتے۔ اور دہریہ کہلاتے ہیں۔ جو مانتے ہیں۔ اُن میں بھی دہریت کی ایک رگ ہے۔ کیونکہ اگر وہ خدا کو کامل یقین کے ساتھ مانتے ہیں تو پھر کیا وجہ ہے کہ اس قدر فسق و فجور اور بیحیائی میں ترقی ہو رہی ہے۔ ایک انسان کو مثلاً سنکھیا یا سٹرکنیا دیا جاوے جبکہ اُس کو اس بات کا علم ہے کہ یہ زہر قاتل ہے تو وہ اُس کو کبھی نہیں کھائے گا۔ خواہ اس کے ساتھ تم اُسے کس قدر بھی لالچ روپیہ کا دو۔ اِس لئے کہ اُس کو اِس بات کا یقین ہے کہ میں نے اس کو کھایا اور ہلاک ہوا۔ پھر کیا وجہ ہے۔ کہ لوگ یہ جانتے ہیں کہ خدا تعالیٰ گُناہ سے ناراض ہوتا ہے اور پھر بھی اس زہر کے پیالے کو پی لیتے ہیں۔ جھُوٹ بولتے، زنا کرتے ہیں۔ دُکھ دینے کو تیار ہو جاتے ہیں۔ بارہ بارہ آنہ یا ایک روپیہ کے زیور پر معصوم بچوں کو مار ڈالتے ہیں۔ اس قدر بے باکی اور شرارت و شوخی کا پیدا ہونا سچے علم اور پُورے یقین کے بعد تو ممکن نہیں اس سے معلوم ہوا کہ اُن کو یہ ہرگز معلوم نہیں کہ یہ بدی کا زہر ہلاک کرنے میں سنکھیا یا سٹرکنیا کے زہر سے بھی بڑھ کر ہے۔ اگر اُن کا ایمان اس بات پر ہوتا کہ خدا ہے اور وہ بدی سے ناراض ہوتا ہے اور اُس کی پاداش میں سخت سزا ملتی ہے۔ تو گناہ سے بیزاری ظاہر کرتے۔ اور بدیوں سے ہٹ جاتے۔ لیکن چونکہ گُناہ کی زندگی عام ہوتی جاتی ہے۔ اور بدی اور فسق و فجور سے نفرت کی بجائے محبت بڑھتی جاتی ہے۔ اِس لئے میں یہی کہوں گا اور یہی سچ ہے کہ آج کل دہریہ مت پھیلا ہوا ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ ایک گروہ زبان سے کہتا ہے کہ خدا ہے مگر مانتا نہیں اور دوسرا گروہ صاف انکار کرتا ہے۔ حقیقت میں دونو ملے ہوئے ہیں۔

حضورؑ کی آمد کا مقصد

اس لئے میں خدا تعالےٰ پر ایسا ایمان پیدا کرانا چاہتا ہوں کہ جو خدا تعالیٰ پر ایمان لاوے وہ گُناہ کی زہر سے بچ جاوے اور اُس کی فطرت اور سرشت میں ایک تبدیلی ہو جاوے۔ اُس پر موت وارد ہو کر ایک نئی زندگی اُس

کو ملے۔ گناہ سے لذّت پانے کی بجائے اُس کے دل میں نفرت پیدا ہو۔
جس کی یہ صورت ہو جاوے وہ کہہ سکتا ہے کہ میں نے خدا کو پہچان لیا ہے۔ خدا خوب جانتا ہے کہ اس زمانہ میں یہی حالت ہو رہی ہے کہ خدا کی معرفت نہیں رہی۔ کوئی مذہب ایسا نہیں رہا۔ جو اس منزل پر انسان کو پہنچاوے اور یہ فطرت اس میں پیدا کرے۔ ہم کسی خاص مذہب پر کوئی افسوس نہیں کر سکتے۔ یہ بلا عام ہو رہی ہے اور یہ وبا خطرناک طور پر پھیلی ہے۔ میں سچ کہتا ہوں۔ خدا پر ایمان لانے سے انسان فرشتہ بن جاتا ہے بلکہ ملائکہ کا مسجود ہوتا ہے۔ نُورانی ہو جاتا ہے۔

غرض جب اس قسم کا زمانہ دُنیا پر آتا ہے۔ کہ خدا کی معرفت باقی نہیں رہتی۔ اور تبہ کاری اور ہر قسم کی بدکاریاں کثرت سے پھیل جاتی ہیں۔ خدا کا خوف اُٹھ جاتا ہے۔ اور خدا کے حقُوق بندوں کو دیئے جاتے ہیں۔ تو خدا تعالیٰ ایسی حالت میں ایک انسان کو اپنی معرفت کا نُور دے کر مامُور فرماتا ہے۔ اس پر لعن طعن ہوتا ہے۔ اور ہر طرح سے اس کو ستایا جاتا اور دُکھ دیا جاتا ہے۔ لیکن آخر وہ خُدا کا مامُور کامیاب ہو جاتا اور دنیا میں سچائی کا نُور پھیلا دیتا ہے۔ اسی طرح اس زمانہ میں خدا نے مجھے مامُور کیا اور اپنی معرفت کا نُور مجھے بخشا۔ کوئی گالی نہیں جو ہم کو نہیں دی گئی۔ کوئی صُورت ایذا رسانی کی نہیں۔ جو ہمارے لئے نہیں نکالی گئی۔ مگر ہم ان ساری بدزبانیوں کو سُنتے ہیں اور ان ساری تکلیفوں کے برداشت کرنیکو ہر وقت آمادہ ہیں۔ خدا تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔ بناوٹ سے نہیں بلکہ ہمارا فرض ہے کہ سُنیں۔ کیونکہ جس مسند پر ہمیں بٹھایا گیا ہے۔ اُس پر بیٹھنے والوں کے ساتھ یہی سلوک ہوتا ہے۔

اس وقت آسمان باتیں کر رہا ہے

غرض اس سلسلہ کو قائم ہوئے پچیس سے زیادہ سال گزر گئے۔ یہ ایک بڑا حصہ زندگی کا ہے۔ اس عرصہ میں ایک بچہ پیدا ہو کر بھی صاحبِ اولاد ہو سکتا ہے۔ یہ خدا کا فضل

ہے کہ اس نے عین وقت پر ہماری دستگیری کی اور مخلوق پر رحم فرمایا۔ چونکہ خود اس نے ایک غیر معمولی ہمت اور استقلال ہم کو دیا ہے۔ جو اپنے ماموروں کو ہمیشہ دیا کرتا ہے۔ اسی لئے اسی قوت اور طاقت کی وجہ سے ہم نہیں تھکتے۔ اور یہ ساری مخالفتیں جو اس وقت کی جاتی ہیں۔ ایک وقت آتا ہے کہ ان کا نام و نشان مٹ جاوے گا۔ اور ہم امیدوار ہیں کہ وہ زمانہ آنے والا ہے۔

میں سچ کہتا ہوں کہ اس وقت آسمان باتیں کر رہا ہے۔ خدا چاہتا ہے کہ زمین کے رہنے والوں میں ایک پاک تبدیلی پیدا ہو۔ جس طرح سے ہر ایک بادشاہ طبعاً چاہتا ہے کہ اُس کا جلال ظاہر ہو۔ اسی طرح منشاء الٰہی یُونہی ہو رہا ہے۔ کہ اس کی عظمت و جبروت کا اہلِ دنیا کو علم ہو اور وہ خدا جو پوشیدہ ہو رہا ہے دنیا پر اپنا ظہور دکھائے۔ اس لئے اس نے اپنا ایک مامور بھیجا ہے تاکہ دنیا کا جذام جاتا رہے۔

آخر سچائی پھیلے گی

اگر یہ سوال ہو کہ تم نے آکر کیا بنایا۔ ہم کچھ نہیں کہہ سکتے۔ دنیا کو خود معلوم ہو جاوے گا۔ کہ کیا بنایا۔ ہاں۔ اتنا ہم ضرور کہتے ہیں کہ لوگ آکر ہمارے پاس گناہوں سے توبہ کرتے ہیں۔ اُن میں انکسار فروتنی پیدا ہوتی ہے۔ اور رذائل دُور ہو کر اخلاق فاضلہ آنے لگتے ہیں۔ اور سبزہ کی طرح آہستہ آہستہ بڑھتے ہیں۔ اور اپنے اخلاق اور عادات میں ترقی کرنے لگتے ہیں۔ انسان ایک دم میں ہی ترقی نہیں کر لیتا۔ بلکہ دنیا میں قانُون قدرت یہی ہے کہ ہر شئے تدریجی طور پر ترقی کرتی ہے۔ اس سلسلہ سے باہر کوئی شئے ہو نہیں سکتی۔ ہاں ہم یہ امید رکھتے ہیں کہ **آخر سچائی پھیلے گی اور پاک تبدیلی ہوگی**۔ یہ میرا کام نہیں ہے بلکہ خدا کا کام ہے۔ اُس نے ارادہ کیا ہے کہ پاکیزگی پھیلے۔ دُنیا کی حالت مسخ ہو چکی ہے اور اُسے ایک کیڑا لگا ہوا ہے۔ پوست ہی پوست باقی ہے مغز نہیں رہا۔ مگر خدا نے چاہا ہے کہ انسان پاک ہو جاوے اور اُس پر کوئی داغ نہ رہے۔ اسی واسطے اُس نے

محض اپنے فضل سے یہ سلسلہ قائم کیا ہے۔"

سوال۔ آپ کی کتابوں کے موافق آپ کا لقب مسیح موعود ہے۔ اس کے ٹھیک معنی کیا ہوتے ہیں؟

جواب۔ **مسیح موعود کے معنے کیا ہیں؟**

"اس راز کو سمجھنے کے واسطے یہ جاننا ضروری ہے کہ خدا تعالےٰ نے جس نے نبوتوں کی بنیاد ڈالی ہے۔ نبوت کا ایک سلسلہ پہلے قائم کیا تھا۔ اس سلسلہ کی بنیاد حضرت موسیٰ علیہ السلام نبی سے ڈالی تھی۔ اُن سے پیشتر جو نبی دُنیا میں گذرے تھے۔ اُن کے آثار نہ رہے تھے۔ حضرت موسیٰؑ ہی تھے جن کی کتاب میں **نوحؑ** کا **آدمؑ** کا اور بعض دیگر انبیاء علیہم السلام کا ذکر کیا گیا۔ غرض جیسے کسی خاندان کا مُورث اعلیٰ ہوتا ہے۔ اسی طرح پر حضرت موسےٰ علیہ السلام کو خاندانِ نبوت کا **مُورثِ اعلیٰ** ٹھہرایا اور توریت کے ذریعہ اُن کو اپنی شریعت دی۔ موسیٰؑ مَردِ خُدا کے انتقال کے بعد اللہ تعالیٰ اس سلسلہ کی خدمت کے لئے کہ اس میں زوال نہ ہو اَور نبی بھیجتا رہا جو اس سلسلہ موسویہ کے خادم ہوتے تھے۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد **چودھویں صدی** میں حضرت عیسےٰ علیہ السلام کو (جس کو آپ لوگ یسوع کہتے ہیں) اسی سلسلہ موسویہ کا مؤیّد بنا کر بھیجا۔ وہ اس سلسلہ موسویہ کی آخری اینٹ تھے۔ جیسے آخری اینٹ مکان کو ختم کر دیتی ہے اسی طرح پر حضرت مسیحؑ پر سلسلہ موسویہ کا خاتمہ ہو گیا۔ اور اس سلسلے کو خدا نے پُورا کیا اور ایک نئے سلسلہ کی بنیاد رکھی جو اسمٰعیلؑ کی نسل سے قائم ہوا۔ اور سلسلہ محمّدیہ کہلایا جیسا کہ خود اسماعیلؑ کے لفظ سے بھی معلوم ہوتا ہے اور جیسا خدا تعالےٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی معرفت خبر دے دی تھی کہ بنی اسمٰعیل میں ایک سلسلہ موسویہ سلسلہ کی طرح قائم کیا جاویگا۔ چونکہ بنی اسرائیل یعنی یہودیوں نے نہ اوّل کے ساتھ جو موسیٰ علیہ السلام تھے اچھا سلوک کیا اور نہ آخری کے ساتھ جو مسیحؑ تھا اچھا سلوک اور ایسا ہی نہ درمیانی نبیوں سے اچھا سلوک کیا۔ یہ قوم ایسی سنگدل اور بے باک تھی کہ صفحۂ روزگار میں اُس کی نظیر نہ ملے گی۔ نبیوں کی تکذیب اور ایذا رسانی میں

اس قوم نے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔ اُنہوں نے خدا کے نُورانی بندوں کی قدر نہیں کی۔ اس لئے حضرت عیسیٰؑ پر اس سِلسلہ کو ختم کر دیا۔

مسیح کی بن باپ ولادت میں قدرت کا انتباہ

یہ ختم رضامندی کی وجہ سے نہیں تھا بلکہ ناراضگی کی وجہ سے تھا۔ خود حضرت مسیحؑ کی پیدائش بطور نشان کے تھی یعنی وہ بغیر باپ کے پیدا ہوئے۔ چونکہ نسل باپ سے جاری ہوتی ہے اس لئے حضرت عیسیٰؑ کو بن باپ پیدا کر کے خدا نے بنی اسرائیل کو متنبّہ کیا کہ تمہاری شامتِ اعمال کی وجہ سے اس سِلسلہ کو ختم کیا جاتا ہے۔

دو باتوں کا خود تم نے اعتراف کیا ہے۔ اول یہ کہ خُدا نے اُن کو بُدوں باپ پیدا کیا۔ جو یہ کہتا ہے کہ اُن کا باپ ہے وہ خدا تعالیٰ کے قانُون کو توڑنا چاہتا ہے۔ اور خدا تعالیٰ کے اس نشان کی جو اُن کی پیدائش میں رکھا ہوا تھا۔ بے حُرمتی کرتا ہے۔

دُوسری بات جس کا تم کو اعتراف ہے، یہ ہے کہ وُہ آخری اینٹ تھے۔ اس کی مثال انجیل میں بیان کی گئی ہے۔ کہ ایک شخص نے باغ لگایا۔ اس کے تیار ہونے پر نوکر کو بھیجا وغیرہ آخر تک۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے۔ کہ خدا تعالیٰ کی نظرِ مہر اور نظرِ رحم یہود پر نہ رہی تھی۔ پھر تیسری نشانی اس امر پر کہ سِلسلہ موسویہ کا خاتمہ مسیحؑ پر ہو گیا، یہ ہے کہ اُن کا ملک بھی چھِن گیا۔

غرض مسیح کا بِن باپ پیدا ہونا بطور ایک نشان کتبہ کے تھا۔ اسی خاندان میں سے جو ایک ہی جُز رکھتا تھا اور جس میں آج تک نبی آتے رہے تھے۔ خدا نے ایک اَور شاخ پیدا کر دی اور ایک دُوسری بنیاد بنی اسماعیل میں سے ڈالی۔ یہود کی حکومت کی تباہی کا ذکر میں نے اس لئے کیا ہے کہ نبوت اور حکومت خدا نے اس قوم میں رکھ دی تھی۔ لیکن مسیحؑ کو جبکہ بن باپ پیدا کر کے یہ بتایا۔ کہ تمہاری بداعمالیاں اور شوخیاں، نبیوں کی تکذیب

اور خدا تعالیٰ کے ماموروں سے عداوت اس درجہ تک پہنچ گئی ہے۔ کہ اب تم بجائے منعم علیہم ہونے کے مغضوب ہوتے ہو اور نبوت کے خاندان کے انقطاع کے لئے یہ نشان اُن کو دیا گیا کہ بنی اسرائیل میں سے مسیح کا کوئی باپ نہ ہوا یعنی اُس کو بن باپ پیدا کر کے بتایا کہ آئندہ نبوت تم میں سے گئی۔

انتقال نبوت

اور یہ انتقالِ نبوت چونکہ خدا کے غضب کے سبب سے ہوا تھا۔ اس لئے حکومت جو نبوت کے ساتھ دُوسرا فضل اس قوم کو ملا ہوا تھا وہ بھی جاتا رہا۔ میرا مطلب اس بیان سے یہ ہے کہ ایک وُہ سلسلہ تھا جو سلسلہ مُوسویہ کہلاتا ہے اور جس کی آخری اینٹ مسیح ابن مریمؑ ہے جن کی بن باپ پیدائش نے اس سلسلہ کے خاتمہ کی خبر دی۔ اور خدا نے بنی اسمٰعیل میں اپنے وعدہ کے موافق ایک اَور عظیم الشان سلسلہ مُوسوی سلسلہ کے ہمرنگ پیدا کیا۔ چنانچہ ہمارے نبی کریم محمد صلی اللہ علیہ وسلّم اس سلسلہ کے بانی ہوئے اور اس طرح پر مثیلِ موسیٰؑ قرار پائے۔ کیونکہ موسیٰ علیہ السلام جیسے ایک سلسلہ کے بانی تھے۔ اسی طرح ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم بھی ایک سلسلہ کے بانی قرار پائے۔ اور اس طرح پر بھی کہ جیسے فرعون پر موسیٰ علیہ السلام کو فتح ہوئی۔ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کو بھی آخر میں پوری کامیابی عطا ہوئی اور ابوجہل جو اس اُمت کا فرعون تھا۔ ہلاک ہوا۔ اور بھی بہت سے وجُوہ مماثلت کے ہیں جن کو ہم اس وقت بیان نہیں کرتے۔

اُمّتِ محمّدیہ میں خاتم الخلفاء

کیونکہ اصل مطلب تو یہ بتانا ہے کہ یہ سلسلہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سلسلہ کا مثیل ہے۔ پس جس طرح پر حضرت مُوسیٰؑ کا سلسلہ حضرت مسیحؑ پر آ کر ختم ہوا۔ یہاں بھی ضرور تھا کہ خاتم الخلفا مسیح موعود ہی ہوتا۔ اور جیسے حضرت مسیحؑ موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ کے بعد چودھویں صدی میں آئے تھے۔ اسی طرح پر ضرور تھا کہ اُمّت محمدیہ صلی اللہ علیہ

وسلم میں آنیوالے مسیح موعود کا زمانہ بھی چودھویں صدی ہی ہوتا۔ تاکہ مشابہت پوری ہو۔ وہ وقت اور یہ وقت دونوں مل گئے۔ اور ایسا ہی خدا نے یہ بھی مقرر کر رکھا تھا کہ جیسے یہودی حضرت عیسیٰؑ کے وقت میں بہت ہی بگڑ گئے تھے اور ان کی اخلاقی ایمانی حالتیں مسخ ہو گئی تھیں اور حقیقت باقی نہ رہی تھی۔ ایسے وقت میں انجیل اُن کو حقیقت دکھانے کیلئے آئی تھی اور پاک باطنی اور اخلاقی قانون سے باخبر کرنے آئی تھی۔ جس سے وہ لوگ بالکل بیخبر ہو چکے تھے۔ اسی طرح اس وقت زمانہ کا حال ہو رہا ہے۔ فسق و فجور کا ایک دریا بہ رہا ہے۔ یُورپ کی نمائشی تہذیب نے اخلاق کے تمام اعلیٰ اصُولوں پر پانی پھیر دیا ہے اور دہریت کو پھیلا دیا ہے۔ مذہب جس شے کا نام تھا اُس کا نام ونشان مٹ چکا ہے۔ یُورپ کی قوموں کا ہی اگر یہ حال ہوتا تب بھی ضرور تھا کہ کوئی رُوحانی معلّم آتا۔ مگر مسلمانوں کی حالت بھی بگڑ گئی۔ اُن کے ایمانیات، اخلاق و عادات میں ایک عظیم زلزلہ آیا ہے۔ وہ اسلام کے صرف نام سے آشنا ہیں۔ اس کی حقیقت اور مغز سے بے خبر ہو رہے ہیں۔ اُن کی عملی اور علمی قوتیں کمزور ہو گئی ہیں۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ غیر قوموں نے اُن کے مذہب اور ایمان پر حملہ کرنا شروع کر دیا۔ جب ایسی حالت ہو گئی تو خدا نے اپنے وعدہ کے موافق اور اس مشابہت اور مماثلت کے لحاظ سے جو سلسلہ محمدیہ کو سلسلہ موسویہ سے ہے۔ اس چودھویں صدی کے سر پر مجھے مسیح موعُود کے نام سے بھیجا۔ قرآن کریم میں خاتم الخلفاء کی پیشگوئی تھی اور یہی ذکر تھا کہ ایک مسیحؑ اس امت میں آئے گا۔ اور انجیل میں مسیحؑ نے کہا کہ آخری زمانہ میں مَیں آؤں گا۔ وہ مَیں ہی ہوں۔ اور اس کا راز خدا نے مجھ پر یہ کھولا ہے کہ جو لوگ یہاں سے چلے جاتے ہیں۔ اُن کی خو۔ خصلت اور اخلاق پر ایک اَور شخص آتا ہے اور اُس کا آنا گویا اُسی شخص کا آنا ہوتا ہے۔ اور یہ بات بے معنی اور بے سند بھی نہیں ہے۔ خود انجیل نے اس عُقدہ کو حل کیا ہے۔ یہود جو مسیح ابن مریمؑ سے پیشتر ایلیا نبی کے آنے کے مُنتظر تھے۔ اور ملاکی نبی کی کتاب کے وعدہ کے

موافق اُن کا حق تھا کہ وہ انتظار کرتے۔لیکن وہ چونکہ ظاہر بین اور الفاظ پرست تھے۔ اس لئے وہ حقیقت سے آشنا نہ ہوئے۔ اور ایلیاہی کا انتظار کرتے رہے جیسا کہ توریت اور نبیوں کی کتابوں میں لکھا تھا۔جو وعدہ پر آتا ہے وہی موعود ہو۔اُن کو یہ غلطی لگی کہ مسیح موعود سے پہلے ایلیا آئے گا۔ان کی نظر چونکہ موٹی تھی وہ انتظار کرتے رہے کہ ایلیا پہلے آئے چنانچہ ایک بار وہ مسیحؑ کے پاس گئے اور انہوں نے یہ سوال کیا۔آپ نے یہی جواب دیا کہ ایلیا تو آگیا اور وہ یہی یُوحنّا ہے۔ وہ یُوحنّا کے پاس گئے۔اس سے پوچھا۔ انہوں نے کہا کہ میں ایلیا نہیں ہوں۔چونکہ اُن کے دل پاک نہ تھے۔اس لئے اس کو تناقض پر محمول کیا۔ اور اس سے یہ نتیجہ نکال لیا کہ یہ مسیح سچا مسیح نہیں ہے۔حالانکہ مسیح علیہ السلام نے جو کچھ کہا وہ بالکل درست تھا۔اور اس میں کوئی تناقض نہ تھا۔مسیح علیہ السلام کا مطلب صرف یہ تھا کہ یہ یُوحنّا جس کو مسلمان لوگ یحییٰ کہتے ہیں۔ ایلیا کی خُو اور طبیعت اور قوت پر آیا ہے۔ مگر انہوں نے یہ سمجھا کہ سچ مچ وہی ایلیا جو ایک بار پہلے آچکا تھا پھر آگیا ہے۔ حالانکہ خدا تعالیٰ کے قانُون مقررہ کے یہ خلاف ہے۔اس کا قانُون یہی ہے کہ جو لوگ ایک بار اس دنیا سے اُٹھائے جاتے ہیں۔ پھر وہ نہیں آتے۔ہاں خدا تعالیٰ چاہے تو اُن کی خُو اور طبیعت پر کسی دوسرے بندے کو بھیج دیتا ہے۔اور شدت مناسبت کے لحاظ سے وہ دونوں دوؔ جُدا جُدا انسان نہیں ہوتے بلکہ ایک ہی ہوتے ہیں۔

مسیحؑ کا ذاتی فیصلہ

غرض حضرت مسیحؑ نے اپنے آنے سے پیشتر ایلیاہ کے آنے کے وعدہ اور عقدہ کو اس طرح حل کر کے ایک فیصلہ ہمارے ہاتھ میں دیدیا ہے۔یہ وہ فیصلہ ہے۔ جو خود مسیحؑ نے اپنی عدالت میں اپنی سچائی کے ثبوت میں اپنے سے پہلے ایک نبی کے دوبارہ آنے کے متعلق کیا ہے۔ کہ کسی کے دوبارہ آنے سے مُراد اس کی خُو اور طبیعت پر آنیوالے سے ہوتی ہے۔

حضرت عیسٰی علیہ السلام نے یہ ہرگز نہیں کہا کہ ایلیاہ تو یوں آیا یعنی یوحنا ہی اس کی خُو اور طبیعت پر آگیا لیکن مَیں خود ہی آؤں گا۔ اگر اس قسم کی صراحت اُنہوں نے کہیں انجیل میں کی ہے تو وہ بتانی چاہیئے۔ مگر ایک بھی ایسا مقام نہیں ہے جہاں اُنہوں نے اپنی آمد اور ایلیاہ کی آمد میں تفریق کی ہو۔ بلکہ ایلیاہ کے قصّہ کا فیصلہ کرکے اپنی آمد ثانی کے مسئلہ کو بھی حل کر دیا۔ پس ایسی صورت میں ہر ایک طالبِ حق کے لئے ضرور ہے کہ وہ اس فیصلہ کے بعد چُون چرا نہ کرے اور کوئی ایسی بحث نہ کرے جس میں وقت ضائع ہو۔ کیونکہ یہ تو بالکل ایک سیدھی سی بات ہے۔ مثلاً ایک آدمی کہے کہ ہر انسان کی دو ہی آنکھیں ہوتی ہیں اور وہ دس بیس انسان کیا ہر سامنے آنے والے انسان کو دکھا دے مگر ایک اَور ہو جو کہے کہ نہیں۔ دو نہیں پچّاس آنکھیں ہوتی ہیں لیکن وہ کسی کی پچّاس آنکھیں دکھا وے نہیں تو کون صرف اُس کے کہنے ہی پر مان لیگا۔ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ مسیح کی آمد ثانی ایلیا کے رنگ میں نہیں ہے۔ اُن کی مثال اس آدمی کی سی ہے جو پچّاس آنکھیں بتاتا ہے۔ سچّی بات یہی ہے۔ کہ مسیح کی آمد ثانی ایلیا ہی کے رنگ میں ہے۔ میں یہ بھی کہنا چاہتا ہوں کہ میں تناسخ کے مسئلہ کو نہیں مانتا۔ میرا آنا ایلیاہ کے رنگ پر ہے۔ خدا نے مجھے مسیح کے رنگ پر بھیجا ہے اور اصلاحِ اخلاق کے لئے بھیجا ہے۔

نافہم مُخالف یہ کہتے ہیں کہ جہاد کے ذریعہ اسلام پھیلایا جاتا ہے۔ مگر میں کہتا ہوں کہ یہ صحیح نہیں ہے۔ اسلام کی کامل تعلیم خود اس کی اشاعت کا مُوجب ہے۔ نفس اسلام کے لئے ہرگز کسی تلوار یا بندوق کی ضرورت نہیں ہے۔ اسلام کی گذشتہ لڑائیاں وہ دفاعی لڑائیاں تھیں۔ انہوں نے غلطی اور سخت غلطی کھائی ہے جو یہ کہتے ہیں کہ وہ جبراً مسلمان بنانے کے واسطے تھیں۔ غرض میرا ایمان ہے کہ اسلام تلوار کے ذریعہ نہیں پھیلایا جاتا۔ بلکہ اس کی تعلیم جو اپنے ساتھ اعجازی نشان رکھتی ہے خود دلوں کو اپنی طرف کھینچ رہی ہے چنانچہ جن لوگوں نے میری کتابوں کو پڑھا ہے اور میری کارروائی کو دیکھا ہے وہ سمجھ سکتے

ہیں کہ یہ ساری کارروائی مسیحؑ کے رنگ میں ہے۔ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں اخلاقی قوتوں کی تربیت کروں چونکہ یہ سارا سلسلہ اور ساری کارروائی مسیحی رنگ اپنے اندر رکھتی ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے میرا نام مسیح موعود رکھا۔

مسیح موعود مَیں ہُوں

اب جبکہ میں نے اِس حد تک بات کو پہنچایا ہے تو میں جانتا ہوں کہ مسیحی بھی میرے مخالف ہوں گے۔ لیکن میں کسی کی مُخالفت سے کب ڈر سکتا ہوں جبکہ خدا نے مجھے مامُور کر کے بھیجا ہے۔ اگر یہ دعویٰ میری اپنی تراشی ہوئی بات ہوتی۔ تو مجھے ایک اَدنیٰ سی مُخالفت بھی تھکا کر بٹھا دیتی۔ مگر یہ میرے اپنے اختیار کی بات نہیں ہے۔ ہر سلیم الفطرت کو جس طرح وُہ چاہے سمجھانے کے لئے میں تیار ہُوں اور اس کی تسلّی کے لئے ہر جائز اور مسنُون راہ مَیں اختیار کر سکتا ہوں۔ میں سچ کہتا ہوں کہ یہی وُہ زمانہ ہے جس کے لئے مسلمان اپنے اعتقاد کے موافق اور عیسائی اپنے خیال پر مُنتظر تھے۔ یہی وہ وقت تھا جس کا وعدہ تھا۔ اب آنیوالا آ گیا۔ خواہ کوئی قبُول کرے یا نہ کرے۔ خدا تعالیٰ اپنے بھیجے ہوئے لوگوں کی تائید میں زبردست نشان ظاہر کیا کرتا ہے اور دلوں کو مَنوا دیتا ہے۔ جو کچھ مسیح موعُود کے لئے مقدّر تھا وُہ ہو گیا۔ اب کوئی مانے نہ مانے مسیح موعُود آ گیا اور **وُہ مَیں ہُوں**۔"

سوال۔ اَور کیا مشابہت ہے؟

جواب۔ "تعلیم میں مشابہت ہے۔

سوال۔ آپ کی رسالت کا نتیجہ کیا ہوگا؟

جواب۔

رسالت کا نتیجہ

"خدا تعالےٰ کے ساتھ جو رابطہ کم ہو گیا ہے اور دُنیا کی محبّت غالب آ گئی ہے اور

پاکیزگی کم ہو گئی ہے۔ خدا تعالےٰ اس رشتہ کو جو عبُودیّت اور الُوہیّت کے درمیان ہے پھر مستحکم کرے گا۔ اور گُم شدہ پاکیزگی کو پھر لائے گا۔ دُنیا کی محبّت سرد ہو جائے گی۔"

سوال۔ جبکہ مختلف مذاہب ہیں پھر کس طرح پہچانیں کہ سچّا مذہب خدا کی طرف سے کون ہے؟

جواب۔ **سچے مذہب کی شناخت**

"یہ کوئی مشکل امر نہیں ہے۔ دنیا میں ہر کھوٹے اور کھرے کے درمیان ایک امتیاز ہے۔ رات اور دن میں صریح فرق ہے۔ پھر سچّا مذہب بھی کبھی مخفی رہ سکتا ہے۔ خدا پاک ہے اور وہ محبّت، رحمت کرنے والا ہے اور وہ نفسانی امُور جو گُناہ کے کام ہیں۔ بدکاری تعصّب تکبّر اور تمام گُناہ جو دل میں جمع ہوتے ہیں۔ پھر آنکھوں کے ذریعہ یا اَور ذریعوں سے صدور پاتے ہیں۔ اُن سے ناراض ہوتا ہے۔ پھر یہ کیونکر مشکل ہو سکتا ہے کہ انسان یہ تمیز نہ کر سکے کہ خدا انسانوں کو پاک بنانا چاہتا ہے اور وہ اُن سے گُناہ کے صدُور کو پسند نہیں کرتا پس جس مذہب کی تعلیم عملی طور پر ایسی فِطرت عطا کرتی ہو کہ انسان خدا سے ڈر کر اس کی صفات کے نیچے رہ کر پاکیزگی اور محبّت میں ترقی کرے اور گُناہ سے بچے۔ وہی مذہب خدا کی طرف سے ہو گا۔ خدائی مذہب کے ساتھ اُس کی صداقت کے زندہ نشان ہوتے ہیں۔ جو ہر زمانے میں موجُود رہتے ہیں۔"

سوال۔ آپ کا خیال مسیح کی صلیب کی نسبت کیا ہے؟

جواب۔ **مسیحؑ کا واقعہ صلیب**

"میں اس کو نہیں مانتا کہ وہ صلیب پر مرے ہوں بلکہ میری تحقیقات سے یہی ثابت ہوا ہے کہ وہ صلیب پر سے زندہ اتر آئے اور خود مسیح علیہ السلام بھی میری رائے سے متفق ہیں۔ حضرت مسیحؑ کا بڑا مُعجزہ یہی تھا کہ وہ صلیب پر نہیں مریں گے کیونکہ یُونسؑ نبی کے نشان کا اُنہوں نے وعدہ کیا تھا۔ اب اگر یہ مان لیا جائے جیسا کہ عیسائیوں نے غلطی سے مان رکھا ہے کہ وہ صلیب پر مر گئے تھے تو پھر یہ نشان کہاں گیا اور یُونسؑ نبی

کے ساتھ مماثلت کیسی ہو گی؟ یہ کہنا کہ وہ قبر میں داخل ہو کر تین دن کے بعد زندہ ہوئے۔
بہت بیہودہ بات ہے۔ اس لئے کہ یونسؑ تو زندہ مچھلی کے پیٹ میں داخل ہوئے تھے نہ مر کر
یہ نبی کی بے ادبی ہے۔ اگر ہم اس کی تاویل کرنے لگیں۔ اصل بات یہی ہے کہ وہ صلیب پر
سے زندہ اُتر آئے۔ ہر ایک سلیم الفطرۃ انسان کو واجب ہے کہ جو کچھ مسیحؑ نے صاف لفظوں
میں کہا اس کو محکم طور پر پکڑیں۔ حضرت عیسیٰؑ پر ایک غشی کی حالت تھی۔ انجیل سے معلوم
ہوتا ہے کہ اَور اسباب اور واقعات بھی اس قسم کے پیش آگئے تھے کہ وہ صلیب کی موت
سے بچ جائیں چنانچہ سبت کے شروع ہونے کا خیال۔ حاکم کا مسیح کے خون سے ہاتھ دھونا۔
اس کی بیوی کا خواب دیکھنا وغیرہ۔

خدا تعالیٰ نے ہم کو سمجھا دیا ہے اور ایک بہت بڑا ذخیرہ دلائل و براہین کا دیا ہے جن
سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ ہرگز ہرگز صلیب پر نہیں مرے۔ صلیب پر سے زندہ اُتر آئے۔ غشی
کی حالت بجائے خود موت ہوتی ہے۔ دیکھو سکتہ کی حالت میں نہ نبض رہتی ہے نہ دل کا
مقام حرکت کرتا ہے۔ بالکل مُردہ ہی ہوتا ہے مگر پھر وہ زندہ ہو جاتا ہے۔ مسیح کے نہ مرنے
کے دو بڑے زبردست گواہ ہیں۔ اوّل تو یہ ہے کہ یہ ایک نشان اور معجزہ تھا ہم نہیں چاہتے
کہ اس کی کسرِ شان کی جاوے۔ اور وہ آدمی سخت حقارت اور نفرت کے لائق ہے جو اللہ
تعالیٰ کے نشانات کو حقیر سمجھ لیتا ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ
وسلم اس کی تصدیق نہیں کرتے کہ وہ صلیب پر مرے ہیں بلکہ صلیب پر سے زندہ اُتر آئے۔
اور پھر اپنی طبعی موت سے مرنے کی تصدیق فرماتے ہیں۔ اور اس کے ساتھ ہی اگر انجیل کی
ساری باتوں کو جو اس واقعہ صلیب کے متعلق ہیں۔ یکجائی نظر سے دیکھیں تو صاف معلوم ہو
جاتا ہے کہ یہ بات ہرگز صحیح نہیں ہے کہ مسیح صلیب پر مرے ہوں۔ حواریوں کو ملنا۔ زخم
دکھانا۔ کباب کھانا۔ سفر کرنا یہ سب امور ہیں جو اس بات کی نفی کرتے ہیں۔ اگرچہ خوش اعتقادی
سے ان واقعات کی کچھ بھی تاویل کیوں نہ کی جاوے۔ لیکن ایک منصف مزاج کہہ اُٹھیگا۔ کہ

زخم لگے رہے اور کھانے کے محتاج رہے یہ زندہ آدمی کے واقعات ہیں۔ یہ واقعات اور صلیب کے بعد کے دوسرے واقعات گواہی دیتے ہیں اور تاریخ شہادت دیتی ہے کہ دو تین گھنٹہ سے زیادہ صلیب پر نہیں رہے۔ اور وہ صلیب اس قسم کی نہ تھی جیسے آج کل کی پھانسی ہوتی ہے جس پر لٹکاتے ہی دو تین منٹ کے اندر ہی کام تمام ہو جاتا ہے۔ بلکہ اس میں تو کیل وغیرہ ٹھونک دیا کرتے تھے۔ اور کئی دن رہ کر انسان بھوکا پیاسا مر جاتا تھا مسیح کے لئے اس قسم کا واقعہ پیش نہیں آیا۔ وہ صرف دو تین گھنٹہ کے اندر ہی صلیب سے اُتار لئے گئے۔ یہ تو وہ واقعات ہیں جو انجیل میں موجود ہیں۔ جو مسیحؑ کے صلیب پر نہ مرنے کے لئے زبردست گواہ ہیں۔ پھر ایک اَور بڑی شہادت ہے جو اس کی تائید میں ہے۔ وہ مرہم عیسیٰ ہے۔ جو طِب کی ہزاروں کتابوں میں برابر درج ہے۔ اور اس کے متعلق لکھا گیا ہے۔ کہ یہ مرہم مسیح کے زخموں کیواسطے حواریوں نے تیار کی تھی۔ یہودیوں، عیسائیوں کی طبی کتابوں میں اس مرہم کا ذکر موجود ہے۔ پھر یہ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ وہ صلیب پر مر گئے تھے۔ ان سب باتوں کے علاوہ ایک اَور امر پیدا ہو گیا ہے۔ جس نے قطعی طور سے ثابت کر دیا ہے۔ کہ مسیح کا صلیب پر مَرنا بالکل غلط اور جھُوٹ ہے۔ وہ ہرگز ہرگز صلیب پر نہیں مرے اور وہ ہے **مسیح کی قبر**۔ مسیح کی قبر سرینگر خانیار کے محلہ میں ثابت ہو گئی ہے۔ اور یہ وہ بات ہے جو دنیا کو ایک زلزلہ میں ڈال دے گی۔ کیونکہ اگر مسیح صلیب پر مَرے تھے تو یہ قبر کہاں سے آگئی"؟

سوال۔ آپ نے خود دیکھا ہے؟

جواب۔

قبر مسیحؑ کے متعلق تحقیقات

" میں خود وہاں نہیں گیا۔ لیکن میں نے اپنا ایک مخلص ثقہ مُرید وہاں بھیجا تھا۔ وہ وہاں ایک عرصہ تک رہا۔ اور اس کے متعلق پُوری تحقیقات کر کے پانسو معتبر آدمیوں کے دستخط کرائے جنہوں نے اس قبر کی تصدیق کی۔ وہ لوگ اس کو شہزادہ نبی کہتے ہیں۔ اور

عیسیٰ صاحب کی قبر کے نام سے بھی پکارتے ہیں۔ آج سے گیارہ سو سال پہلے اکمال الدین نام ایک کتاب چھپی ہے وہ بعینہٖ انجیل ہے۔ وہ کتاب یُوز آسف کیطرف منسوب ہے۔ اُس نے اس کا نام بُشریٰ یعنی انجیل رکھا ہے یہی تمثیلیں، یہی ۴۱
قصے، یہی اخلاقی باتیں جو انجیل میں ہیں پائی جاتی ہیں۔ اور بسا اوقات عبارتوں کی عبارتیں انجیل سے ملتی ہیں۔ اب یہ ثابت شدہ بات ہے کہ یُوز آسف کی قبر ہے۔ یوز آسف وُہی ہے جس کو یسُوع کہتے ہیں۔ اور آسف کے معنی ہیں۔ پراگندہ جماعتوں کو جمع کرنیوالا۔ چونکہ مسیح علیہ السلام کا کام بھی بنی اسرائیل کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کو جمع کرنا تھا۔ اور اہلِ کشمیر بہ اتفاق اہلِ تحقیق بنی اسرائیل ہی ہیں۔ اس لئے اُن کا یہاں آنا ضروری تھا۔ اس کے علاوہ خود یُوز آسف کا قِصّہ یُورپ میں مشہور ہے بلکہ یہاں تک کہ اٹلی میں اس نام پر ایک گرجا بھی بنایا گیا ہے اور ہر سال وہاں ایک میلہ بھی ہوتا ہے۔ اب اس قدر صَرفِ کثیر سے ایک مذہبی عمارت کا بنانا اور پھر ہر سال اس پر ایک میلہ کرنا کوئی ایسی بات نہیں ہے جو سرسری نگاہ سے دیکھی جائے۔ وہ کہتے ہیں کہ یُوز آسف مسیح کا حواری تھا۔ ہم کہتے ہیں کہ یہ بات سچی نہیں ہے۔ یُوز آسف خود ہی مسیح تھا اگر وہ حواری ہے تو یہ تمہارا فرض ہے کہ تم ثابت کرو کہ مسیح کے کسی حواری کا نام شہزادہ نبی ہو۔

یہ ایسی باتیں ہیں جو صلیب کے واقعہ کا سارا پردہ ان سے کھل جاتا ہے۔ ہاں اگر مسیحی اس بات کے قائل نہ ہوتے تو البتہ بحث بند ہو جاتی۔ لیکن جبکہ انھوں نے قبول کر لیا ہے کہ یُوز آسف ایک شخص ہوا ہے اور اس کی تعلیم انجیل ہی کی تعلیم ہے اور اسنے بھی اپنی کتاب کا نام انجیل ہی رکھ لیا ہے اور جس طرح پر شہزادہ نبی مسیح کا نام ہے اس کو بھی شہزادہ نبی کہتے ہیں۔ اب غور کرنے کے قابل بات ہے کہ اگر یہ خود مسیح ہی نہیں تو اور کون ہے؟

خدا کے لئے سوچو۔ جو شخص دُنیا سے دل نہیں لگاتا اور سچائی سے پیار کرتا ہے اس کو تو ماننے میں ذرا بھی عذر نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ جب مان لیا کہ یُوز آسف واقعی ایک شخص

تھا جس کا مسیح سے تعلق تھا اور پھر اٹلی میں اُس کا گرجا بھی بنا دیا اور ہر سال وہاں میلہ بھی ہوتا ہے اور پھر یہ بھی اقرار کر لیا کہ اس کی تعلیم انجیل ہی کی تعلیم ہے۔ پھر یہ کون کہہ سکتا ہے کہ وہ خود مسیح نہیں ہے؟ یہ چار باتیں جب تسلیم کر لیں تو میں ایک جُزلے کر آپ ہی سے پوچھتا ہوں کہ آپ جو کہتے ہیں کہ وہ حواری تھا ثابت کر کے دکھاؤ کہ یوزآسف کسی حواری کا بھی نام تھا۔ اور یوزآسف تو یسوع سے بگڑا ہوا ہے۔ اب ایک ہی بات سے فیصلہ ہوتا ہے۔ اگر یہ ثابت کر کے دکھایا جاوے کہ مسیحؑ کے کسی حواری کا نام یوزآسف، شہزادہ نبی اور عیسٰی صاحب ہے تو بے شک یہ قبر کسی حواری کی قبر ہوگی۔ اگر یہ ثابت نہ ہو اور ہرگز ہرگز ثابت نہ ہوگا تو پھر میری بات کو مان لو کہ اس قبر میں خود حضرت مسیحؑ ہی سوتے ہیں۔

مجھے بہت خوشی ہوئی ہے کہ آپ بُردباری کے ساتھ سُنتے ہیں۔ جو بُردباری سے سُنتا ہے وہ تحقیق کر سکتا ہے۔ جس قدر باتیں آپ نے سُنی ہیں دوسرے کم سُنتے ہیں۔ آپ خدا کے لئے غور کریں کہ جس حالت میں یہ قصہ مُشترک ہو گیا ہے کہ وہ حواریوں میں سے تھا۔ بہرحال تعلق تو مانا گیا اور پھر گرجا بنا دیا اور ہر سال میلہ ہونے لگا تو اب آپ بتائیں کہ یہ ثبوت کس کے ذمہ ہے؟ اگر مسیحی تعلق نہ مان لیتے تو بارِ ثبوت بیشک میرے ذمہ ہوتا۔ لیکن جب آپ لوگوں نے خود اس کو مان لیا ہے تو میں آپ سے ثبوت مانگتا ہوں۔ کہ کسی ایسے حواری کا پتہ دیں جو شاہزادہ نبی کہلایا ہو۔"

پادری صاحب۔ ہم آپ کی مہربانی اور خاطرداری کے لئے بہت مشکور ہیں۔

حضرت اقدسؑ۔ "یہ تو ہمارا فرض منصبی ہے۔ جس کام کے لئے اللہ تعالیٰ نے ہم کو بھیجا ہے۔ اس کو کرنا ضروری ہے۔"

حضرت اقدسؑ حجۃ اللہ کی یہ تقریر سُنکر مسٹر فضل نے (جو غالباً لاہور کی بک سوسائٹی میں ملازم ہیں) اپنی قابلیت کے اظہار کے لئے زبان کھولی۔ لیکن اس سے بہتر ہوتا کہ وہ خاموش رہتے۔ اور ان کی دانش اور غور طلب طبیعت کا راز نہ کھلتا۔ حضرت اقدسؑ نے اس قدر طول طویل تقریر یوزآسف

کے متعلق فرمائی اور اُس کو تاریخی شہادتوں کے ساتھ مؤکد فرمایا۔ مگر مسٹر فضل کے سوال پر نگاہ کی جائے کہ آپ کیا فرماتے ہیں۔

مسٹر فضل۔ قبر کے متعلق کوئی تاریخی ثبوت ملا ہے؟

حضرت اقدسؑ نے فرمایا کہ "گیارہ سَو برس کی کتاب موجود ہے۔ خود عیسائیوں میں اس کا گرجا موجود ہے۔ وہاں میلہ ہوتا ہے اور ابھی آپ تاریخی ثبوت ہی پوچھتے ہیں۔ یہ کیا ہے؟ یہ تاریخی ثبوت نہیں تو کیا ہے؟" اور یہ بھی فرمایا کہ

"تم لوگ کچھ نہیں سمجھتے۔ صرف دھوکا دینا چاہتے ہو۔ میں ہر انسان کو نصیحت کرتا ہوں کہ وہ پاک دل بنے۔ ریاکاری اور تعصب سے اپنے دل کو صاف کرے اور جہاں سے صداقت اور حکمت کی بات ملے۔ اُس کو نہایت فراخدلی کے ساتھ قبول کرے۔ میں ہر وقت سُننے کو تیار ہوں اگر آپ صفائی سے جواب دیں کہ مسیح کے اس حواری کو اس وجہ سے شہزادہ نبی کہتے ہیں۔ اور اگر آپ کوئی جواب نہ دیں اور جواب ہے بھی نہیں اور صرف اعتقادی طور پر بتائیں کہ ہم ایسا مانتے ہیں تو یہ ایسی بات ہے جیسے کسی ہندو سے پوچھیں کہ تم جو کہتے ہو کہ گنگا مہادیو کی جٹوں سے نکلتی ہے یا اس میں سَت ہے اور اس کے جواب میں صرف یہی کہے کہ میں اس کے دلائل تو نہیں دے سکتا مگر ضروری مانتا ہوں کہ اس میں سَت ہے تو یہ معقول بات نہ ہو گی۔ غرض میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ میں نے نہ اعتقاد کے طور پر بلکہ تحقیقات سے ثابت کر لیا ہے۔ کہ یہ قبر واقعی حضرت مسیحؑ ہی کی قبر ہے۔ واقعات اس کی تصدیق کرتے ہیں۔ تاریخ اس کی شہادت دیتی ہے۔ جرمنی میں ایسے مسیحی بھی ہیں جو اس بات کے قائل ہیں کہ حضرت مسیحؑ صلیب پر نہیں مرے۔ یہ بات بہت صاف ہے۔ اور غور کرنے کے بعد اس میں کوئی شُبہ نہیں رہتا۔"

سوال۔ آپ کی سمجھ میں عیسائیوں کا فرض کیا ہے؟

جواب۔ "ہر ایک انسان کا فرض یہ ہونا چاہیئے کہ حق کی تلاش کرے اور حق جہاں اُسے ملے

اس کو فوراً لے لے۔ عیسائیوں کی کوئی خصوصیت نہیں ہے۔"

اس کے بعد پادریوں نے مکرر حضرت اقدس علیہ السلام کا شکریہ ادا کیا۔ اور پھر کتب خانہ حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام اور دفتر اخبار الحکم سے کچھ کتابیں لیں اور واپس چلے گئے۔

(الحکم جلد ۵ نمبر ۱۷ صفحہ ۱ تا ۴ پرچہ ۱۰ مئی ۱۹۰۱ء)
(" " ۵ " ۱۸ " ۱ تا ۴ " ۱۷ مئی ۱۹۰۱ء)
(" " ۵ " ۱۹ " ۱ تا ۳ " ۲۴ مئی ۱۹۰۱ء)

---

۱۸ اپریل ۱۹۰۱ء کو آپ نے ایک الہام سُنایا تھا۔

"سال دیگر را کہ مے داند حساب ۔ تا کجا رفت آنکہ با ما بود یار"

---

۹ مئی ۱۹۰۱ء کو آپ نے یہ الہام سُنایا۔

"آج سے یہ شرف دکھائیں گے ہم"

اس بات کا ذکر آیا کہ آج کل لوگ بغیر سچے علم اور واقفیت کے تفسیریں لکھنے بیٹھ جاتے ہیں اس پر فرمایا:۔

"تفسیر قرآن میں دخل دینا بہت نازک امر ہے۔ مبارک اور سچا دخل اُس کا ہے جو خدا کے رُوح القدس سے مدد لے کر دخل دے ورنہ علوم مروّجہ کا لکھنا دُنیاداروں کی چالاکیاں ہیں۔"

قبر پُختہ بنائی جائے یا کچّی؟

ایک شخص کا سوال پیش ہوا کہ میرا بھائی فوت ہو گیا ہے۔ میں اس کی قبر پکّی بناؤں یا نہ بناؤں؟

فرمایا۔ "اگر نمود اور دکھلاوے کے واسطے پکّی قبریں اور نقش و نگار اور گنبد بنائے جائیں

تو یہ حرام ہے۔ لیکن اگر خشک مُلّا کی طرح یہ کہا جائے کہ ہر حالت اور ہر مقام میں کچی ہی اینٹ لگائی جائے تو یہ بھی حرام ہے۔ انما الاعمال بالنیات۔ عمل نیت پر موقوف ہے۔ ہمارے نزدیک بعض وجوہ میں پکی کرنا درست ہے۔ مثلاً بعض جگہ سیلاب آتا ہے۔ بعض جگہ قبر میں سے میت کو کُتے اور بجّو وغیرہ نکال لے جاتے ہیں۔ مُردے کے لئے بھی ایک عزت ہوتی ہے۔ اگر ایسے وجوہ پیش آجائیں تو اس حد تک کہ نمود اور شان نہ ہو بلکہ صدمہ سے بچانے کیواسطے قبر کا پکّا کرنا جائز ہے۔ اللہ اور رسُول نے مومن کی لاش کیواسطے بھی عزت رکھی ہے ورنہ عزت ضروری نہیں تو غسل دینے، کفن دینے، خوشبو لگانے کی کیا ضرورت ہے۔ مجوسیوں کی طرح جانوروں کے آگے پھینک دو۔ مومن اپنے لئے ذلت نہیں چاہتا۔ حفاظت ضروری ہے۔ جہاں تک نیت صحیح ہے۔ خدا تعالیٰ مواخذہ نہیں کرتا۔ دیکھو۔ مصلحت الٰہی نے بھی چاہا کہ حضرت رسُول کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کی قبر کا پُختہ گنبد ہو۔ اور کئی بزرگوں کے مقبرے پختہ ہیں۔ مثلاً نظام الدین۔ فریدالدین۔ قطب الدین۔ معین الدین رحمۃ اللہ علیہم یہ سب صُلحا تھے۔“

رافضیوں کی رسُومات

ایک شخص کا تحریری سوال پیش ہوا کہ محرّم کے دنوں اماموں کی رُوح کو ثواب دینے کیواسطے روٹیاں وغیرہ دینا جائز ہے یا نہیں۔ فرمایا۔

”عام طور پر یہ بات ہے کہ طعام کا ثواب میّت کو پہنچتا ہے لیکن اُس کے ساتھ شرک کی رسُومات نہیں چاہئیں۔ رافضیوں کی طرح رسُومات کا کرنا ناجائز ہے۔“

حقیقی بیعت

ایک شخص کا سوال پیش ہوا کہ اگر آپ کو ہر طرح سے بزرگ مانا جائے اور آپ کے ساتھ صِدق اور اخلاص ہو مگر آپ کی بیعت میں انسان شامل نہ ہووے تو اس میں کیا حرج ہے؟

فرمایا۔ "بیعت کے معنے ہیں اپنے تئیں بیچ دینا۔ اور یہ ایک کیفیت ہے جس کو قلب محسوس کرتا ہے جبکہ انسان اپنے صدق اور اخلاص میں ترقی کرتا کرتا اس حد تک پہنچ جاتا ہے کہ اس میں یہ کیفیت پیدا ہو جائے تو وہ بیعت کے لئے خود بخود مجبور ہو جاتا ہے۔ اور جبتک یہ کیفیت پیدا نہ ہو جائے تو انسان سمجھ لے کہ ابھی اس کے صدق اور اخلاص میں کمی ہے۔"

الہام اور تلبیس ابلیس

اس بات کا ذکر آیا کہ لاہوری علماء نے الٰہی بخش ملہم سے یہ سوال کیا ہے کہ آیا تمہارا الہام تلبیس ابلیس سے معصوم ہے یا نہیں۔ جس کے جواب میں الٰہی بخش نے کہا۔ کہ میرا الہام دخل شیطان سے پاک نہیں۔ اس پر حضرت اقدس امام معصومؑ نے فرمایا۔

"یہ لوگ نہیں جانتے کہ اس میں کیا بھید ہے اور کسی کا الہام یا کشف شیطان کے دخل سے کہاں تک پاک ہوتا ہے۔ انسان کے اندر دو قسم کے گناہ ہوتے ہیں۔ ایک وہ جن سے انسان خدا کی نافرمانی دیدہ و دانستہ کرتا ہے اور بے باکی سے گناہ کرتا ہے۔ ایسے لوگ مجرم کہلاتے ہیں۔ یعنی خدا سے اُن کا بالکل قطع تعلق ہو جاتا ہے۔ اور وہ شیطان کے ہو جاتے ہیں۔ اور دوسرے وہ لوگ جو ہر چند بدی سے بچتے ہیں مگر بعض دفعہ بسبب کمزوری کے کوئی غلطی کر بیٹھتے ہیں۔ سو جسقدر انسان گناہوں کو چھوڑتا اور خدا کی طرف آتا ہے۔ اسی قدر اس کے خواب اور کشف دخل شیطانی سے پاک ہوتے ہیں۔ یہاں تک کہ جب وہ اُن تمام دروازوں کو بند کر دیتا ہے جو شیطان کے اندر آنے کے ہیں۔ تب اس میں سوائے خدا کے اور کچھ نہیں آتا جب تم سنو کہ کسی کو الہام ہوتا ہے تو پہلے اُس کے الہامات کی طرف مت جاؤ۔ الہام کچھ شے نہیں۔ جبتک کہ انسان اپنے تئیں شیطان کے دخل سے پاک نہ کر لے اور بے جا تعصبوں اور کینوں اور حسدوں سے اور ہر ایک خدا کو ناراض کرنے والی بات سے اپنے آپ کو صاف

نہ کرلے۔ دیکھو۔ اُس کی مثال ایسی ہے کہ ایک حوض ہے اور اس میں بہت سی نالیاں پانی کی گرتی ہیں۔ پھر ان نالیوں میں سے ایک کا پانی گندہ ہے تو کیا وہ سارے پانی کو گندہ نہ کر دے گا۔ یہی راز ہے جو حضرت رسُول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت کہا گیا۔ مَا یَنْطِقُ عَنِ الْھَوٰی اِنْ ھُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی[1]۔ ہاں انسان کو ان کمزوریوں کے دُور کرنے کے واسطے استغفار بہت پڑھنا چاہیئے۔ گناہ کے عذاب سے بچنے سے استغفار ایسا ہے جیسا کہ ایک قیدی جُرمانہ دے کر اپنے تئیں قید سے آزاد کرا لیتا ہے۔ مگر استغفار سے خدا اس کو نیچے دبا دیتا ہے۔"

(الحکم جلد ۵ نمبر ۱۸ صفحہ ۱۲-۱۳ پرچہ ۱۷ر مئی ۱۹۰۱ء)

۱۷ر مئی ۱۹۰۱ء۔

امرِ الٰہی سے بیعت

سوال ہوا۔ کیا آپ دوسرے صُوفیا اور مشائخ کی طرح عام طور بیعت لیتے ہیں یا بیعت لینے کے لئے آپ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ہے۔ فرمایا۔

"ہم تو امرِ الٰہی سے بیعت کرتے ہیں جیسا کہ ہم اشتہار میں بھی یہ الہام لکھ چکے ہیں کہ اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَکَ اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ اللّٰہَ[2] الخ"

خدا کا خوف

فرمایا۔ "جذبات اور گُناہ سے چھُوٹ جانے کے لئے اللہ تعالیٰ کا خوف دل میں پیدا کرنا چاہیئے۔ جب سب سے زیادہ خدا کی عظمت اور جبرُوت دل میں بیٹھ جائے تو گُناہ دور ہو جاتے ہیں۔ ایک ڈاکٹر کے خوف دلانے سے بسا اوقات لوگوں کے دل پر ایسا اثر ہوتا ہے کہ وہ مَر جاتے ہیں۔ تو پھر خوفِ الٰہی کا اثر کیونکر نہ ہو۔ چاہیئے۔ کہ اپنی عمر کا حساب کرتے رہیں۔ ان دوستوں اور رشتہ داروں کو یاد کریں جو انہیں میں سے نکل کر چلے گئے۔ لوگوں

[1] النجم: ۴، ۵ [2] الفتح: ۱۱

کی صحت کے ایام یونہی غفلت میں گزر جاتے ہیں۔ایسی کوشش کرنی چاہیئے کہ خوفِ الٰہی دل پر غالب رہے۔جب تک انسان طُولِ اَمل کو چھوڑ کر اپنے پر موت وارد نہ کر لے۔تب تک اُس سے غفلت دُور نہیں ہوتی۔چاہیئے کہ انسان دُعا کرتا رہے۔یہاں تک کہ خدا اپنے فضل سے نُور نازل کر دے۔جو بندہ یابندہ۔"

وفاتِ مسیحؑ پر ایک لطیف استدلال

فرمایا:۔"حدیث شریف میں آیا ہے کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب مسیحؑ آوے۔اُس کو میرا سلام کہنا۔اس حدیث کے مطلب میں غور کرنا چاہیئے۔اگر مسیح علیہ السلام زندہ آسمان پر موجود تھے تو خود حضرت رسُول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی ملاقات معراج میں کی تھی اور نیز حضرت جبرئیلؑ ہر روز وہاں سے آتے تھے۔کیوں نہ اُن کے ذریعہ سے اپنا سلام پہنچایا۔اور پھر حضرت رسُول کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی بعد از وفات آسمان پر ہی گئے تھے۔اور وہاں ہی حضرت مسیحؑ بھی ہیں۔اور حضرت مسیحؑ کو تو خود رسُول کریمؐ کے پاس سے ہو کر زمین پر اُترنا تھا تو پھر اس کے کیا معنی ہوئے کہ زمین والے ان کو آنحضرتؐ کا سلام پہنچائیں۔کیا اس صورت میں حضرت عیسٰیؑ اُن کو یہ جواب نہ دیں گے۔کہ میں تو خود ان کے پاس سے آتا ہوں تو تم یہ سلام کیسا دیتے ہو۔یہ تو مثال ہوئی کہ گھر سے میں آؤں اور خبریں تم دو۔اس سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت رسُول کریمؐ اور آپؐ کے اصحابؓ کا یہی عقیدہ اور مذہب تھا کہ حضرت مسیحؑ فوت ہو گئے ہیں اور دنیا میں واپس نہیں آسکتے۔اور آنیوالا مسیح اسی امت میں سے بروزی رنگ میں ہوگا۔"

فواحشات میں کشش کیوں؟

سوال ہوا کہ فواحشات کی طرف لوگ جلد جُھک جاتے ہیں اور اُن سے لذّت اُٹھاتے ہیں

جن سے خیال ہو سکتا ہے کہ اُن میں بھی ایک تاثیر ہے۔ فرمایا:۔

۲۱ "بعض اشیاء میں نہاں در نہاں ایک ظلِ اصلی شے کا آجاتا ہے۔ وہ شے طفیلی طور پر کچھ حاصل کر لیتی ہے مثلاً راگ اور خوش الحانی۔ لیکن در اصل سچی لذّت اللہ تعالیٰ کی محبت کے سوا اور کسی شے میں نہیں ہے۔ اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ دوسری چیزوں سے محبت کرنے والے آخر اپنی حالت سے توبہ کرتے اور گھبراتے اور اضطراب دکھاتے ہیں۔ مثلاً ہر ایک فاسق اور بدکار سزا کے وقت اور پھانسی کے وقت اپنے فعل سے پشیمانی ظاہر کرتا ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ سے محبّت کرنیوالوں کو ایسی استقامت عطا ہوتی ہے کہ وہ ہزار ایذائیں دیئے جائیں، مارے جائیں۔ قتل کئے جائیں وہ ذرّہ جُنبش نہیں کھاتے۔ اگر وہ شئے جو انہوں نے حاصل کی ہے اصل نہ ہوتی اور فطرت انسانی کے ٹھیک مُناسب نہ ہوتی۔ تو کروڑوں موتوں کے سامنے ایسے استقلال کے ساتھ وہ اپنی بات پر قائم نہ رہ سکتے۔

یہ اس بات کا کافی ثبوت ہے کہ فطرت انسانی کے نہایت ہی قریب یہی بات ہے جو ان لوگوں نے اختیار کی ہے اور کم از کم بھی ایک لاکھ چوبیس ہزار آدمیوں نے اپنے سوانح سے اس بات کی صداقت پر مُہر لگا دی ہے۔"

دنیا میں مخفی جنّت

فرمایا:۔ "آئندہ زندگی میں مومن کیواسطے بڑی تجلّی کے ساتھ ایک بہشت ہے لیکن اس دنیا میں بھی اس کو ایک مخفی جنّت ملتی ہے۔ یہ جو کہا گیا ہے کہ دنیا مومن کے لئے سجن یعنی قید خانہ ہے۔ اس کا صرف یہ مطلب ہے کہ ابتدائی حالت میں جبکہ ایک انسان اپنے آپ کو شریعت کی حدُود کے اندر ڈال دیتا ہے اور وہ اچھّی طرح اس کا عادی نہیں ہوتا۔ تو وہ وقت اس کے لئے تکلیف کا ہوتا ہے کیونکہ وہ لامذہبی کی بے قیدی سے نکل کر نفس کے مخالف اپنے آپ کو احکام الٰہی کی قید میں ڈال دیتا ہے۔ مگر رفتہ رفتہ وہ اس سے ایسا

اُنس پکڑتا ہے کہ وُہی مقام اس کے لئے بہشت ہو جاتا ہے۔ اس کی مثال اس شخص کی طرح ہے جو قید خانہ میں کسی پر عاشق ہو گیا ہو۔ پس کیا تم خیال کرتے ہو کہ وہ قید خانہ سے نکلنا پسند کریگا۔"

اپنی زبان میں دُعا

سوال ہوا کہ آیا نماز میں اپنی زبان میں دُعا مانگنا جائز ہے؟ حضرت اقدسؑ نے فرمایا:۔

"کہ سب زبانیں خدا نے بنائی ہیں۔ چاہیئے کہ اپنی زبان میں جس کو اچھی طرح سمجھ سکتا ہے۔ نماز کے اندر دُعائیں مانگے۔ کیونکہ اُس کا اثر دل پر پڑتا ہے۔ تاکہ عاجزی اور خشوُع پیدا ہو۔ کلامِ الٰہی کو ضرور عربی میں پڑھو۔ اور اس کے معنی یاد رکھو اور دعا بیشک اپنی زبان میں مانگو۔ جو لوگ نماز کو جلدی جلدی پڑھتے ہیں اور پیچھے لمبی دعائیں کرتے ہیں وہ حقیقت سے ناآشنا ہیں۔ دُعا کا وقت نماز ہے نماز میں بہت دعائیں مانگو۔"

۱۸؍ مئی سنہ ۱۹۰۱ء

ظالم حاکم

فرمایا:۔ "اگر حاکم ظالم ہو تو اُس کو بُرا نہ کہتے پھرو بلکہ اپنی حالت میں اصلاح کرو۔ خدا اس کو بدل دے گا۔ یا اسی کو نیک کر دے گا۔ جو تکلیف آتی ہے وہ اپنی ہی بدعملیوں کے سبب آتی ہے۔ ورنہ مومن کے ساتھ خدا کا ستارہ ہوتا ہے۔ مومن کے لئے خدا تعالےٰ آپ سامان مہیا کر دیتا ہے۔ میری نصیحت یہی ہے کہ ہر طرح سے تم نیکی کا نمونہ بنو۔ خدا کے حقوق بھی تلف نہ کرو اور بندوں کے حقوق بھی تلف نہ کرو۔"

۲۰؍ مئی سنہ ۱۹۰۱ء

اِسراف

کہیں سے خط آیا کہ ہم ایک مسجد بنانا چاہتے ہیں اور تبرکاً آپ سے بھی چندہ چاہتے ہیں حضرت اقدسؑ نے فرمایا کہ:۔

"ہم تو دے سکتے ہیں اور یہ کچھ بڑی بات نہیں۔ مگر جبکہ خود ہمارے اں بڑے بڑے اہم اور ضروری سلسلے خرچ کے موجود ہیں۔ جن کے مقابل میں اس قسم کے خرچوں میں شامل ہونا اِسراف معلوم ہوتا ہے۔ تو ہم کس طرح شامل ہوں۔ یہاں جو مسجد خُدا بنا رہا ہے اور وُہی مسجد اقصیٰ ہے وہ سب سے مقدم ہے۔ اب لوگوں کو چاہیئے کہ اس کے واسطے روپیہ بھیجکر ثواب میں شامل ہوں۔ ہمارا دوست وہ ہے جو ہماری بات کو مانے نہ وہ کہ جو اپنی بات کو مقدم رکھے۔ حضرت امام ابوحنیفہؓ کے پاس ایک شخص آیا کہ ہم ایک مسجد بنانے لگے ہیں۔ آپ بھی اس میں کچھ چندہ دیں۔ انہوں نے عُذر کیا کہ میں اس میں کچھ دے نہیں سکتا۔ حالانکہ وہ چاہتے تو بہت کچھ دیدیتے۔ اس شخص نے کہا کہ ہم آپ سے بہت نہیں مانگتے صرف تبرکاً کچھ دے دیجئے۔ آخر انہوں نے ایک دوقّی کے قریب سکہ دیا۔ شام کے وقت وہ شخص دوقّی لے کر واپس آیا اور کہنے لگا کہ حضرت یہ تو کھوٹی نکلی ہے۔ وُہ بہت ہی خوش ہوئے اور فرمایا۔ خوُب ہوا۔ دراصل میرا جی نہیں چاہتا تھا کہ میں کچھ دُوں۔ مسجدیں بہت ہیں اور مجھے اس میں اِسراف معلوم ہوتا ہے"

(الحکم جلد ۵ نمبر ۱۹ صفحہ ۸ تا ۹ پرچہ ۲۴ مئی ۱۹۰۱ء)

---

۳ جون ۱۹۰۱ء

قرآن کی تاثیر

اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف کی تعریف میں جو فرمایا ہے لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ[1]۔ اس آیت کی تفسیر میں حضرت اقدس

[1] الحشر: ۲۲

مسیح موعودؑ نے فرمایا۔ کہ

"ایک تو اس کے یہ معنے ہیں کہ قرآن شریف کی ایسی تاثیر ہے کہ اگر پہاڑ پر وہ اُترتا تو پہاڑ خوف خدا سے ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتا اور زمین کے ساتھ مل جاتا۔ جب جمادات پر اس کی ایسی تاثیر ہے تو بڑے ہی بیوقوف وہ لوگ ہیں جو اس کی تاثیر سے فائدہ نہیں اُٹھاتے اور دوسرے اس کے معنی یہ ہیں کہ کوئی شخص محبت الٰہی اور رضائے الٰہی کو حاصل نہیں کر سکتا جب تک دو صفتیں اُس میں پیدا نہ ہو جائیں۔ اوّل تکبر کو توڑنا جس طرح کہ کھڑا ہوا پہاڑ جس نے سر اونچا کیا ہوا ہوتا ہے گر کر زمین سے ہموار ہو جائے۔ اسی طرح انسان کو چاہیئے کہ تمام تکبر اور بڑائی کے خیالات کو دُور کرے۔ عاجزی اور خاکساری کو اختیار کرے اور دوسرا یہ ہے کہ پہلے تمام تعلقات اس کے ٹوٹ جائیں جیسا کہ پہاڑ گر کر متصدّعاً ہو جاتا ہے۔ اینٹ سے اینٹ جُدا ہو جاتی ہے۔ ایسا ہی اس کے پہلے تعلقات جو مُوجب گندگی اور الٰہی نارضامندی تھے وہ سب تعلقات ٹوٹ جائیں اور اب اُس کی مُلاقاتیں اور دوستیاں اور محبتیں اور عداوتیں صرف اللہ تعالیٰ کے لئے رہ جائیں۔"

آنحضرتؐ کی طرف سے مسیح موعودؑ کو سلام

فرمایا۔ "حضرت رسُول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے جو مسیح موعود کو اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ کہا ہے اس میں ایک عظیم الشّان پیشگوئی تھی کہ باوجود لوگوں کی سخت مخالفتوں کے اور ان کے طرح طرح کے بد اور جانستاں منصوبوں کے وہ سلامتی میں رہے گا۔ اور کامیاب ہوگا۔ ہم کبھی اس بات پر یقین اور اعتقاد نہیں کر سکتے کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے معمولی طور سے سلام فرمایا۔ آنحضرتؐ کے لفظ لفظ میں معارف و اسرار ہیں۔"

(الحکم جلد ۵ نمبر ۲۱ صفحہ ۹ پرچہ ۱۰ جون ۱۹۰۱ء)

ڈائری (کوئی تاریخ نہیں)

تقویٰ

فرمایا۔ "تقویٰ والے پر خدا کی ایک تجلّی ہوتی ہے وہ خدا کے سایہ میں ہوتا ہے مگر چاہیئے کہ تقویٰ خالص ہو اور اس میں شیطان کا کچھ حصّہ نہ ہو ورنہ شرک خدا کو پسند نہیں اور اگر کچھ حصّہ شیطان کا ہو تو خدا تعالیٰ کہتا ہے کہ سب شیطان کا ہے۔ خدا کے پیاروں کو جو دُکھ آتا ہے وہ مصلحتِ الٰہی سے آتا ہے ورنہ ساری دُنیا اکٹھی ہو جائے تو اُن کو ایک ذرّہ بھر تکلیف نہیں دے سکتی چونکہ وہ دنیا میں نمونہ قائم کرنے کے واسطے ہیں۔ اس واسطے ضروری ہوتا ہے کہ خدا کی راہ میں تکالیف اُٹھانے کا نمونہ بھی وہ لوگوں کو دکھائیں ورنہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ مجھے کسی بات میں اس سے بڑھ کر تردّد نہیں ہوتا کہ اپنے ولی کی قبض رُوح کروں۔ خدا تعالیٰ نہیں چاہتا کہ اُس کے ولی کو کوئی تکلیف آوے۔ مگر ضرورت اور مصالح کے واسطے وہ دُکھ دیئے جاتے ہیں اور اس میں خود اُن کے لئے نیکی ہے کیونکہ اُن کے اخلاق ظاہر ہوتے ہیں۔ انبیاء اور اولیاء اللہ کے لئے تکلیف اس قسم کی نہیں ہوتی۔ جیسی کہ یہود کو لعنت اور ذلّت ہو رہی ہے جس میں اللہ تعالیٰ کے عذاب اور اُس کی ناراضگی کا اظہار ہوتا ہے بلکہ انبیاء شجاعت کا ایک نمونہ قائم کرتے ہیں۔ خدا تعالیٰ کو اسلام کے ساتھ کوئی دشمنی نہ تھی۔ مگر دیکھو جنگِ اُحد میں حضرت رسُول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اکیلے رہ گئے۔ اس میں یہی بھید تھا۔ کہ آنحضرتؐ کی شجاعت ظاہر ہو۔ جبکہ حضرت رسُول کریم صلی اللہ علیہ وسلم دس ہزار کے مقابلہ میں اکیلے کھڑے ہو گئے کہ میں اللہ تعالیٰ کا رسُول ہوں۔ ایسا نمونہ دکھانے کا کسی نبی کو موقعہ نہیں ملا۔ ہم اپنی جماعت کو کہتے ہیں کہ صرف اِتنے پر وہ مغرور نہ ہو جائے۔ کہ ہم نماز روزہ کرتے ہیں یا موٹے موٹے جرائم مثلاً زنا، چوری وغیرہ نہیں کرتے۔ ان خوبیوں میں تو اکثر غیر فرقہ کے لوگ مُشرک وغیرہ تمہارے ساتھ شامل ہیں۔

تقویٰ کا مضمون باریک ہے۔ اس کو حاصل کرو۔ خدا کی عظمت دِل میں بٹھاؤ۔ جس

کے اعمال میں کچھ بھی ریاکاری ہو خدا اس کے عمل کو واپس اُلٹا کر اس کے مُنہ پر مارتا ہے۔ مُتقی ہونا مشکل ہے۔ مثلاً اگر کوئی تجھے کہے کہ تُو نے قلم چُرایا ہے تو تو کیوں غصہ کرتا ہے۔ تیرا پرہیز تو محض خدا کے لئے ہے۔ یہ طیش اس واسطے ہوا کہ رُو بحق نہ تھا جبتک واقعی طور پر انسان پر بہت سی موتیں نہ آجائیں وہ مُتقی نہیں بنتا۔ مُعجزات اور الہامات بھی تقویٰ کی فرع ہیں۔ اصل تقویٰ ہے۔ اس واسطے تم الہامات اور رویا ر کے پیچھے نہ پڑو۔ بلکہ حصُولِ تقویٰ کے پیچھے لگو۔ جو مُتقی ہے اُسی کے الہامات بھی صحیح ہیں اور اگر تقویٰ نہیں تو الہامات بھی قابلِ اعتبار نہیں۔ اُن میں شیطان کا حصہ ہو سکتا ہے۔ کسی کے تقویٰ کو اس کے مُلہَم ہونے سے نہ پہچانو بلکہ اس کے الہاموں کو اس کی حالت تقویٰ سے جانچو۔ اور اندازہ کرو۔ سب طرف سے آنکھیں بند کر کے پہلے تقویٰ کے منازل کو طے کرو۔ انبیاءؑ کے نمونہ کو قائم رکھو جتنے نبی آئے سب کا مدعا یہی تھا کہ تقویٰ کا راہ سکھلائیں۔ اِنْ اَوْلِيَآؤُهٗٓ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ[1]۔ مگر قرآن شریف نے تقویٰ کی باریک راہوں کو سکھلایا ہے۔ کمال نبی کا کمالِ اُمت کو چاہتا ہے۔ چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خَاتَمُ النَّبِيّٖن تھے۔ صلی اللہ علیہ وسلم اس لئے آنحضرتؐ پر کمالاتِ نبوّت ختم ہوئے۔ کمالاتِ نبوّت ختم ہونے کے ساتھ ہی ختمِ نبوّت ہوا۔ جو خدا تعالیٰ کو راضی کرنا چاہے اور مُعجزات دیکھنا چاہے اور خوارق عادت دیکھنا منظور ہو تو اس کو چاہیئے کہ وہ اپنی زندگی بھی خارق عادت بنالے۔ دیکھو امتحان دینے والے محنتیں کرتے کرتے مدقُوق کی طرح بیمار اور کمزور ہو جاتے ہیں۔ پس تقویٰ کے امتحان میں پاس ہونے کے لئے ہر ایک تکلیف اُٹھانے کے لئے تیار ہو جاؤ۔ جب انسان اس راہ پر قدم اُٹھاتا ہے تو شیطان اُس پر بڑے بڑے حملے کرتا ہے۔ لیکن ایک حد پر پہنچ کر آخر شیطان ٹھہر جاتا ہے یہ وہ وقت ہوتا ہے کہ جب انسان کی سفلی زندگی پر موت آ کر وہ خدا کے زیر سایہ ہو جاتا ہے وہ مظہرِ الٰہی اور خلیفۃ اللہ ہوتا ہے۔ مختصر خلاصہ ہماری تعلیم کا یہی ہے کہ انسان اپنی تمام طاقتوں کو خدا کی طرف لگا دے۔"

[1] الانفال : ۳۵

مسیح علیہ السلام کی ولادت کے متعلق حضور ؑ کا عقیدہ

حضرت مسیحؑ کے بے باپ پیدا ہونے کے متعلق ذکر تھا۔ فرمایا:۔

"ہمارا ایمان اور اعتقاد یہی ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام بن باپ تھے اور اللہ تعالیٰ کو سب طاقتیں ہیں۔ نیچری جو یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ اُن کا باپ تھا وہ بڑی غلطی پر ہیں ایسے لوگوں کا خدا مُردہ خدا ہے اور ایسے لوگوں کی دُعا قبول نہیں ہوتی۔* جو یہ خیال کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کسی کو بے باپ پیدا نہیں کرسکتا۔ ہم ایسے آدمی کو دائرۂ اسلام سے خارج سمجھتے ہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بنی اسرائیل کو یہ دکھانا چاہتا تھا کہ تمہاری حالتیں ایسی ردّی ہو گئی ہیں۔ کہ اب تم میں کوئی اس قابل نہیں جو نبی ہوسکے۔ یا اُس کی اولاد میں سے کوئی نبی ہوسکے۔ اسواسطے آخری خلیفہ مُوسوی کو اللہ تعالیٰ نے بے باپ پیدا کیا۔ اور ان کو سمجھایا کہ اب شریعت تمہارے خاندان سے گئی۔ اسی کی مثل خدا تعالیٰ نے آج یہ سلسلہ قائم کیا ہے کہ آخری خلیفہ محمّدی یعنی مہدی و مسیح کو سیدوں میں سے نہیں بنایا۔ بلکہ فارسی الاصل لوگوں میں سے ایک کو خلیفہ بنایا۔ تاکہ یہ نشان ہو کہ نبوّت محمّدی کی گدّی کے دعویداروں کی حالتِ تقویٰ اب کیسی ہے۔"

فرمایا:۔

"انبیاء کا قاعدہ ہے کہ شخصی تدبیر نہیں کرتے۔ نوع کے پیچھے پڑتے ہیں۔ جہاں شخصی تدبیر آئی وہاں چنداں کامیابی نہ آئی۔ چنانچہ حضرت عیسٰی علیہ السلام کیساتھ یہ حال ہوا۔"

مُجاہدہ

مُدّت کی بات ہے کہ ایک دفعہ حضرت مولوی نورالدین صاحب نے حضرت اقدس مسیح موعود

---

* نوٹ:۔ شاید نیچریوں نے اِسی لحاظ سے کہ وہ مُردہ اور کمزور خدا ہے۔ دُعا اور استجابتِ دُعا سے اِنکار کر دیا ہے۔ (سراج الحق نعمانی)

علیہ السلام سے عرض کیا کہ اس سلسلہ میں کوئی مجاہدہ مجھے بتلائیے۔ آپؑ نے فرمایا:-

"عیسائیت کے ردّ میں کوئی کتاب لکھو"

تب حضرت مولوی نورالدین صاحب نے کتاب فصل الخطاب لمقدمۃ اہل الکتاب دو جلدیں لکھیں پھر ایک دفعہ ایسا ہی مولوی صاحبؓ نے حضرت اقدسؑ سے سوال کیا۔ حضرتؑ نے فرمایا:-

"آریوں کے ردّ میں کتاب لکھو"

تب مولوی صاحب نے تصدیق براہین احمدیہ لکھی اور فرمایا کہ "ان ہر دو مجاہدوں میں مجھے بڑے بڑے فائدے ہوئے۔"

(الحکم جلد ۵ نمبر ۲۳ صفحہ ۱۰-۱۱ پرچہ ۲۴ جون ۱۹۰۱ء)

جون ۱۹۰۱ء

حضرت اقدسؑ کی ایک تقریر

پورے مسلمان بنو

"اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جب تم دُنیا سے بالکل انقطاع کر کے اُس کی طرف آجاؤ گے وہ خود تمہارا متولّی اور متکفّل ہو جائے گا۔ جو آدمی تبتّلِ تام نہیں کرتا بلکہ کچھ رُو بدُنیا رہتا ہے۔ اور کسی قدر رُو بہ خدا بھی رہتا ہے وہ کبھی بھی مقصودِ اصلی کو حاصل نہیں کر سکتا۔ اسے نہ دین کی عزت مل سکتی ہے نہ دنیا کی۔ خدا تعالیٰ تم سے یہ چاہتا ہے کہ تم پورے مسلمان بنو۔ مسلمان کا لفظ ہی دلالت کرتا ہے کہ انقطاعِ کُلّی ہو۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمان کو مسلمان پیدا کر کے لاانتہا فضل کئے ہیں بشرطیکہ وہ غور کرے اور سمجھے۔ ایک ہندو سے رامچندر کے خدا ہونے یا خدا تعالیٰ کے خالق ہونے پر بحث کرو۔ اس وقت تمہیں ایک لذّت اور سرور آئیگا کہ تمہارا خدا کیسا قادرِ مطلق۔ مُحی۔ مُمیت۔ خالقِ کُلِّ شیئ خدا ہے اور برخلاف اس کے جنہوں نے رامچندر جیسے کھانے پینے کے محتاج انسان کو خدا بنایا ہے۔ جب یہ کہیں گے کہ اُس کی بیوی

کو راون نکال کر لیگیا تو کس قدر شرم اُس خدا کے ماننے والوں کو دامنگیر ہو گی کہ عجیب خدا ہے جو اپنی بیوی کی بھی حفاظت نہیں کر سکا۔ ایسا ہی آریہ جب اپنے خدا کی یہ صفت مخالف سے سُنے گا کہ اس نے ایک ذرّہ بھی پیدا نہیں کیا اور وہ اپنے کسی بڑے سے بڑے پریمی اور بھگت کو بھی کبھی نجات نہیں دے سکتا۔ یا اُس نے ایسی شریعت انسانوں کے لئے بنائی کہ ایک مرد اپنی بیوی کو اولاد نہ ہونے کی صُورت میں دوسرے مرد سے اولاد پیدا کرنے کیواسطے ہمبستری کی اجازت دے سکتا ہے تو اُسے کیسا شرمندہ ہونا پڑے گا اگر اُس میں غیرت اور حیا کا کوئی مادہ باقی ہو۔ لیکن مُسلمان کیسا خوش ہوگا اور اس کی اُمیدیں کیسی وسیع ہونگی جب اپنے خالق کلِّ شیئٍ اور قدوس، سُبحان خدا کو پیش کرتا ہے۔

خدا تعالیٰ اپنے برگزیدوں کو کبھی ضائع نہیں کرتا

پس یاد رکھو کہ خدا تعالیٰ اپنے برگزیدہ بندوں کو کبھی ضائع نہیں کرتا چنانچہ فرمایا ہے۔ ان اللہ لا یضیع اجر المحسنین[1]۔ اخیار اور ابرار کا نام ابدالآباد تک زندہ رہنا ہے۔ گذشتہ زمانے کے بادشاہوں یہانتک کہ قیصر و کسریٰ کا کوئی نام بھی نہیں لیتا۔ برخلاف اس کے خدا تعالیٰ کے راستبازوں اور برگزیدوں کی دُنیا مدّاح ہے۔ دیکھو ہمارے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلّم کی کس قدر عظمت دنیا میں قائم ہے۔ ۹۴ کروڑ مسلمان آپ کے نام لینے والے موجود ہیں۔ جو ہر وقت آپ پر درُود پڑھتے ہیں۔ کیا کوئی قیصر و کسریٰ پر بھی درود پڑھتا ہے؟ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی کس قدر عظمت ہو رہی ہے۔ یہانتک کہ نادانوں نے اپنی جہالت اور کم مائیگی کی وجہ سے اُن کو خدا بنا رکھا ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ رسُولوں کا طبقہ مصائب اُٹھا کر دنیا سے گزر گیا۔ مگر اُن کا خدا کے لئے دنیا کے عیش و آرام کو چھوڑ کر طرح طرح کے آلام و مصائب کے بار کو اُٹھا لینا اُن کی عظمت کا باعث ہو گیا۔ یہ بات نہیں ہے کہ خدا کے محبوبوں کو تکالیف آتی ہیں۔ ان کی تکالیف میں ایک لطیفہ مضمر ہوتا ہے۔ ان پر اس لئے سب سے زیادہ تکالیف اور مصائب نہیں آتی ہیں کہ تباہ ہو جائیں بلکہ اس لئے کہ تا زیادہ سے زیادہ پھل اور

[1] التوبۃ : ۱۲۰

پھُول میں ترقی کریں۔ دیکھو دُنیا میں ہر جوہر قابل کے لئے خدا نے یہی قانُون ٹھہرایا ہے کہ اول وہ صدمات کا تختۂ مشق بنایا جاتا ہے۔ کسان زمین میں ہل چلا کر اس کا جگر پھاڑتا ہے۔ اور اس مٹی کو باریک کرتا ہے یہاں تک کہ ہوا کے جھونکے اسے اِدھر اُدھر اُٹھائے لئے پھرتے ہیں۔ نادان خیال کرے گا۔ کہ زمیندار نے بڑی غلطی کی جو اچھی بھلی زمین کو خراب کر دیا۔ مگر عقلمند خوب سمجھتا ہے کہ جب تک زمین کو اس درجہ تک نہ پہنچایا جاوے وہ پھل پھول پیدا کرنے کی قابلیّت کے جوہر نہیں دکھا سکتی۔ اسی طرح اس زمین میں بیج ڈال دیا جاتا ہے۔ جو خاک میں مل کر بالکل مٹی کے قریب قریب ہو جاتا ہے۔ لیکن کیا وہ دانے اس لئے مٹی میں ڈالے جاتے ہیں۔ کہ زمیندار اُن کو حقارت کی نگاہ سے دیکھتا ہے؟ نہیں نہیں وہ دانے اس کی نگاہ میں بہت ہی بیش قیمت ہیں۔ اس کی غرض ان کو مٹی میں گرانے سے صرف یہ ہے۔ کہ وہ پھلیں اور پھُولیں اور ایک ایک کی بجائے ہزار ہزار ہو کر نکلیں۔

جبکہ ہر جوہر قابل کے لئے خدا نے یہی قانُون رکھا ہے وہ اپنے خاص بندوں کو مٹی میں پھینک دیتا ہے۔ اور لوگ اُن کے اُوپر چلتے ہیں۔ اور پیروں کے نیچے کچلتے ہیں مگر کچھ وقت نہیں گزرتا کہ وہ اُس سبزہ کی طرح (جو خس و خاشاک میں دبے ہوئے دانے سے نکلتا ہے) نکلتے ہیں۔ اور ایک عجیب رنگ اور آب کے ساتھ نمُودار ہوتے ہیں جو ایک دیکھنے والا تعجب کرتا ہے۔ یہی قدیم سے برگزیدہ لوگوں کے ساتھ سُنّت اللہ ہے کہ وہ وَرطۂ عظیمہ میں ڈالے جاتے ہیں۔ لیکن نہ اس لئے کہ غرق کئے جاویں بلکہ اس لئے کہ اُن موتیوں کے وارث ہوں جو دریائے وحدت کی تہ میں ہیں۔ وہ آگ میں ڈالے جاتے ہیں نہ اس لئے کہ جلائے جائیں بلکہ اس غرض کے لئے کہ خدا تعالیٰ کی قُدرت کا تماشہ دکھایا جاوے۔ غرض ان سے ٹھٹھا کیا جاتا ہے اور ہنسی کی جاتی ہے۔ اُن پر لعنت کرنا ثواب کا کام سمجھا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ خدا تعالیٰ اپنا جلوہ دکھاتا ہے۔ اور اپنی نُصرت کی چمکار دکھاتا ہے۔ اس وقت دنیا کو ثابت ہو جاتا ہے اور غیرتِ الٰہی اس غریب کے لئے جوش مارتی ہے اور ایک ہی تجلّی میں اعداء

کو پاش پاش کر دیتی ہے۔ سو اوّل نوبت دشمنوں کی ہوتی ہے اور آخر میں اُس کی باری آتی ہے۔ اسی طرف خدا تعالیٰ نے اشارہ فرمایا ہے۔ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ [1] پھر خدا تعالیٰ کے ماموروں پر مصائب اور مشکلات کے آنے کا ایک یہ بھی سِرّ ہوتا ہے۔ تا اُن کے اخلاق کے نمونے دنیا کو دکھائے جاویں اور اس عظیم الشان بات کو دکھائے جو ایک معجزہ کے طور پر اُن میں ہوتی ہے وہ کیا؟

استقامت

استقامت۔ استقامت ایک ایسی چیز ہے کہ کہتے ہیں الاستقامۃ فوق الکرامۃ حضرت ابراہیم علیہ السلام میں یہ استقامت ہی تو تھی کہ خواب میں حکم ہوا کہ تو بیٹا ذبح کر۔ حالانکہ خواب کی تعبیر اور تاویل بھی ہو سکتی تھی مگر خدا تعالیٰ پر ایسا ایمان اور دل میں ایسی قوت ہے کہ یہ حکم پاتے ہی معاً تعمیل کے واسطے تیار ہو گئے اور اپنے ہاتھ سے نوجوان بیٹے کو فنا کرنے لگے۔ آج کل اگر کسی کا بچہ امراض میں مُبتلا رہ کر مر جاوے تو خدا تعالیٰ کی نسبت ہزارہا شکوک پیدا ہو جاتے ہیں اور شکوہ و شکایت کے لئے زبان کھولتے ہیں۔ لیکن ایک ابراہیمؑ ہے کہ بیٹے کی محبت کو کچل ڈالا اور اپنے ہاتھ سے ذبح کرنے کو تیار ہو گیا۔ ایسے لوگ ہوتے ہیں جن کو خدا تعالیٰ کبھی ضائع نہیں کرتا۔ ایسے آدمیوں کے کلمات طیّبات قرار دیئے جاتے ہیں اور اُن کو ذریعہ دُعا، اُن کے کپڑوں کو متبرک قرار دیا جاتا ہے۔

آنحضرتؐ ایک کوہ وقار انسان کی حیثیت سے

یاد رکھو۔ مومنوں کا ایلام برنگ انعام ہو جاتا ہے اور اس سے عوام کو حصّہ نہیں دیا جاتا۔ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تیرہ سالہ زندگی جو مکّہ میں گذری۔ اس میں جس قدر مصائب اور مشکلات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر آئیں ہم تو اُن کا اندازہ بھی نہیں کر سکتے۔ دل کانپ اٹھتا ہے جب ان کا تصور کرتے ہیں۔ اس سے رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عالی حوصلگی فراخدلی، استقلال اور عزم و استقامت کا پتہ لگتا ہے۔ کیسا کوہِ وقار انسان ہے

[1] الاعراف : ۱۲۹

کہ مشکلات کے پہاڑ ٹوٹ پڑتے ہیں مگر اس کو ذرا بھی جُنبش نہیں دے سکتے۔ وہ اپنے منصب کے ادا کرنے میں ایک لمحہ سُست اور غمگین نہیں ہوا۔ وہ مشکلات اُس کے ارادے کو تبدیل نہیں کر سکتیں۔ بعض لوگ غلطی فہمی سے کہہ اٹھتے ہیں کہ آپؐ تو خدا کے حبیب مصطفٰےؐ اور مجتبٰیؐ تھے۔ پھر یہ مصیبتیں اور مشکلات کیوں آئیں؟ میں کہتا ہوں کہ پانی کے لئے جبتک زمین کو کھودا نہ جاوے۔ اس کا جگر پھاڑا نہ جاوے وہ کب نکل سکتا ہے۔ کتنے ہی گز گہرا زمین کو کھودتے چلے جائیں۔ تب کہیں جاکر خوشگوار پانی نکلتا ہے جو مایۂ حیات ہوتا ہے۔ اسی طرح وہ لذّت جو خدا تعالیٰ کی راہ میں استقلال اور ثباتِ قدم دکھانے سے نہیں ملتی جبتک ان مشکلات اور مصائب میں سے ہو کر انسان نہ گزرے۔ وہ لوگ جو اس کوچہ سے بیخبر ہیں وہ ان مصائب کی لذّت سے کب آشنا ہو سکتے ہیں اور کب اُسے محسوس کر سکتے ہیں۔ انہیں کیا معلوم ہے کہ جب آپؐ کو کوئی تکلیف پہنچتی تھی اندر سے ایک سرور اور لذّت کا چشمہ پھوٹ نکلتا تھا۔ خدا تعالیٰ پر توکّل، اس کی محبّت اور نصرت پر ایمان پیدا ہوتا تھا۔

محبّت ایک ایسی شَے ہے کہ وہ سب کچھ کرا دیتی ہے۔ ایک شخص کسی پر عاشق ہوتا ہے تو معشوق کے لئے کیا کچھ نہیں کر گذرتا۔ ایک عورت کسی پر عاشق تھی۔ اس کو کھینچ کھینچ کرلاتے تھے اور طرح طرح کی تکلیفیں دیتے تھے۔ ماریں کھاتی تھی مگر وہ کہتی تھی کہ وہ مجھے لذّت ملتی ہے۔ جبکہ جھوٹی محبّتوں فسق و فجور کے رنگ میں جلوہ گر ہونیوالے عشق میں مصائب اور مشکلات کے برداشت کرنے میں ایک لذّت ملتی ہے تو خیال کرو کہ وہ جو خدا تعالیٰ کا عاشق زار ہو۔ اس کے آستانۂ اُلوہیت پر نثار ہونے کا خواہش مند ہو وہ مصائب اور مشکلات میں کس قدر لذّت پا سکتا ہے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی حالت دیکھو۔ مکّہ میں ان کو کیا کیا تکلیفیں پہنچیں۔ بعض اُن میں سے پکڑے گئے۔ قسم قسم کی تکلیفوں اور عقوبتوں میں گرفتار ہوئے۔ مرد تو مرد بعض مسلمان عورتوں پر اس قدر سختیاں کی گئیں کہ ان کے تصوّر سے بدن کانپ اٹھتا ہے اگر وہ مکّہ والوں سے مل جاتے تو اس وقت بظاہر

وہ ان کی بڑی عزت کرتے کیونکہ وہ اُن کی برادری ہی تو تھے . . . . مگر وہ کیا چیز تھی جس نے اُن کو مصائب اور مشکلات کے طوفان میں بھی حق پر قائم رکھا وہ وہی لذت اور سرُور کا چشمہ تھا جو حق کے پیار کی وجہ سے اُن کے سینوں سے پھوٹ نکلتا تھا۔ ایک صحابی کی بابت لکھا ہے کہ جب اُس کے ہاتھ کاٹے گئے تو اس نے کہا کہ میں وضو کرتا ہوں آخر لکھا ہے کہ سر کاٹو تو سجدہ کرتا ہے۔ کہتا ہوا مر گیا۔ اس وقت اُس نے دعا کی کہ یا اللہ! حضرتؐ کو خبر پہنچا دے۔ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت مدینہ تھے۔ جبرائیلؑ نے جا کر السلام علیکم کہا اور آپ نے علیکم السلام کہا اور اس واقعہ پر اطلاع ملی۔ غرض اس لذت کے بعد جو خدا تعالیٰ میں ملتی ہے ایک کیڑے کی طرح کچل کر مر جانا منظور ہوتا ہے اور مومن کو سخت سے سخت تکالیف بھی آسان ہی ہوتی ہیں۔ سچ پُوچھو تو مومن کی نشانی ہی یہی ہوتی ہے کہ وہ مقتُول ہونے کے لئے تیار رہتا ہے۔ اسی طرح اگر کسی شخص کو کہہ دیا جاوے کہ یا نصرانی ہو جا یا قتل کر دیا جائے گا۔ اس وقت دیکھنا چاہیئے کہ اس کے نفس سے کیا آواز آتی ہے۔ آیا وہ مرنے کے لئے سر رکھ دیتا ہے یا نصرانی ہونے کو ترجیح دیتا ہے۔ اگر مرنے کو ترجیح دیتا ہے تو وہ مومن حقیقی ہے ورنہ کافر ہے۔ غرض ان مصائب میں جو مومنوں پر آتے ہیں اندر ہی اندر ایک لذت ہوتی ہے بھلا سوچو تو سہی کہ اگر یہ مصائب لذت نہ ہوتے تو انبیاء علیہم السلام ان مصائب کا ایک دراز سلسلہ کیونکر گزارتے۔

آنحضرتؐ کی مکی زندگی ایک عجیب نمونہ ہے

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مکی زندگی ایک عجیب نمونہ ہے اور ایک پہلو سے ساری زندگی ہی تکلیفات میں گزری۔ جنگ اُحد میں آپؐ اکیلے ہی تھے۔ لڑائی میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اپنی نسبت رسُول اللہ ظاہر کرنا آپؐ کی کس درجہ کی شوکت، جرأت اور استقامت کو بتاتا ہے۔ میں سچ کہتا ہوں کہ انسان جبتک اس کُوچہ میں داخل نہ ہو اسے لذت ہی نہیں آتی۔ یہ ایک ایسی لذت ہے جس کی طرف خدا تعالیٰ ہر مومن کو بلاتا ہے جس طرح اور لذتوں

کا مزا چکھتے ہو اس کا بھی مزا چکھو اور تلاش کرنیوالے پا لیتے ہیں۔ اِس طرف سے اگر تکاہل اور تساہل ہوگا تو اُدھر سے بھی حرکت نہ ہوگی۔ اِدھر سے مُجاہدہ ہوگا تو اُدھر سے بھی حرکت ہوگی۔ مجاہدہ ایک ایسی شئے ہے کہ اس کے بدُوں انسان کسی ترقی کے بلند مقام کو پا نہیں سکتا۔ خدا تعالیٰ نے قرآن شریف میں فرمایا ہے۔ وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا[1] جو لوگ ہم میں ہو کر مجاہدہ کرتے ہیں ہم اُن پر اپنی راہیں کھولتے ہیں۔ غرض مجاہدہ کرو اور خدا میں ہو کر کرو۔ تاکہ خدا کی راہیں تم پر کھُلیں۔ اور اُن راہوں پر چل کر تم اس لذت کو حاصل کر سکو جو خدا میں ملتی ہے۔ اس مقام پر مصائب اور مشکلات کی کچھ حقیقت نہیں رہتی۔ یہ وہ مقام ہے۔ جس کو قرآن شریف کی اصطلاح میں شہید کہتے ہیں۔

شہادت اور بیگناہ قتل میں فرق

لوگوں نے شہید کے معنی صرف یہی سمجھ رکھے ہیں کہ کسی کافر غیر مُسلم کے ساتھ جنگ کی اور اس میں مارے گئے تو پس شہید ہو گئے۔ اگر اتنے ہی معنے شہید کے لئے جاویں تو پھر مخالفوں کو بہت بڑی گنجائش اعتراض کی رہتی ہے۔ اور غالباً یہی وجہ ہے کہ عیسائیوں اور آریوں نے اسلام کو تلوار کے ذریعہ سے پھیلنے والا مذہب قرار دیا ہے۔ اگرچہ ان لوگوں کی سخت نادانی ہے کہ وہ بدُوں دریافت کئے اصل منشاء کے اعتراض کر دیتے ہیں۔ مگر ہم کو ان مولویوں پر بھی افسوس ہے۔ جنہوں نے قرآن شریف کے حقائق کو پیش نہیں کیا اور خیالی اور فرضی تفسیریں اور مصنوعی قصے بیان کر کے اسلام کے پاک اور خوشنما چہرہ پر ایک پردہ ڈال دیا ہے۔ مگر خدا تعالیٰ جو خود اسلام کا مُحافظ اور ناصر ہے وہ اب چاہتا ہے کہ اسلام کا پاک اور درخشاں چہرہ دکھایا جاوے چنانچہ یہ سلسلہ جو اس نے اپنے ہاتھ سے قائم کیا ہے۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ الٰہی نصرت کا وقت آپہنچا اور اسلام کی عزت اور جلال کے دن آگئے۔ کیونکہ خدا تعالیٰ کی تائیدیں اور نصرتیں جو ہمارے شاملِ حال ہیں یہ آج کسی مذہب کے پیرو کو نصیب نہیں اور ہم دعوے

[1] العنکبوت : ۷۰

سے کہتے ہیں کہ کیا کوئی اہلِ مذہب ہے جو اسلام کے سوا اپنے مذہب کی حقانیت پر تائیدی اور سماوی نشان پیش کر سکے۔ خدا تعالیٰ نے یہ سلسلہ جو قائم کیا ہے یہ اُس حفاظت کے وعدہ کے موافق ہے جو اس نے اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ[1] میں کیا ہے۔

میرا مطلب یہ تھا کہ شہید کے معنی صرف یہی نہیں کہ غیر مُسلم کیساتھ جنگ کر کے مرجانیوالا شہید ہوتا ہے۔ ان معنوں نے ہی اسلام کو بدنام کیا اور اب بھی ہم دیکھتے ہیں کہ اکثر سرحدی نادان مُسلمان بیگناہ انگریزوں کو قتل کرنے میں ثواب سمجھتے ہیں۔ چنانچہ آئے دن ایسی وارداتیں سُننے میں آتی ہیں پچھلے دنوں کسی سرحدی نے لاہور میں ایک شیم کو قتل کر دیا تھا۔ ان احمقوں کو اتنا معلوم نہیں کہ یہ شہادت نہیں بلکہ قتلِ بیگناہ ہے۔ اسلام کا یہ منشاء نہیں ہے کہ وہ فتنہ و فساد برپا کرے بلکہ اسلام کا مفہوم ہی صُلح اور آشتی کو چاہتا ہے۔ اسلامی جنگوں پر اعتراض کرنیوالے اگر یہ دیکھ لیتے کہ ان میں کیسے احکام جاری ہوتے تھے تو وہ حیران رہ جاتے۔ بچوں۔ بوڑھوں اور عورتوں کو قتل نہیں کیا جاتا تھا۔ جزیہ دینے والوں کو چھوڑ دیا جاتا تھا۔ اور ان جنگوں کی بنا دفاعی اصُول پر بھی ہمارے نزدیک جو جاہل پٹھان اس طرح پر بے گناہ انگریزوں پر پڑتے ہیں اور اُن کو قتل کرتے ہیں وہ ہرگز شہادت کا درجہ نہیں حاصل کرتے بلکہ وہ قاتل ہیں اور اُن کیساتھ قاتلوں کا سا سلوک ہونا چاہیئے۔

تو شہید کے معنی یہ ہیں کہ اس مقام پر اللہ تعالیٰ ایک خاص قسم کی استقامت مومن کو عطا کرتا ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں ہر مصیبت اور تکلیف کو ایک لذّت کے ساتھ برداشت کرنے کے لئے تیار ہو جاتا ہے۔ پس اهدنا الصراط المستقيم صراط الذين انعمت عليهم[2] میں مُنعَم علیہ گروہ میں سے شہیدوں کا گروہ بھی ہے۔ اور اس سے یہی مراد ہے کہ استقامت عطا ہو۔ جو جان تک دے دینے میں بھی قدم کو ہلنے نہ دے۔"

[1] الحجر : ۱۰ [2] الفاتحہ : ۶، ۷

(الحکم جلد ۵ نمبر ۲۴، ۲۵ صفحہ ۱-۲ پرچہ ۳۰ جون ۱۹۰۱ء و ۱۰ جولائی ۱۹۰۱ء)

۷ جولائی ۱۹۰۱ء مقدمہ دیوار

۷ جولائی ۱۹۰۱ء کی رات کو حضرت اقدسؑ مقدمہ دیوار پر گورداسپور گئے ہوئے تھے۔ جس کی کیفیت ایڈیٹر صاحب ہدیۂ ناظرین کر رہے ہیں۔ اس رات کو گرمی کی شدت تھی۔ اکثر لوگ بیخوابی سے پریشان ہو رہے تھے۔ آدھی رات کا وقت تھا۔ حضرت مولوی عبدالکریم صاحب جو جماعتِ انبیاء کی طرح فطرتاً آگ سے پناہ چاہنے والے اور برد میں سلامتی چاہنے والے ہیں۔ اپنے بالاخانہ پر ٹہل رہے تھے کہ آپ کو ٹھنڈے پانی کی خواہش ہوئی۔ کوچہ میں چند نوجوان احتیاطاً حفاظت کیلئے پہرہ دے رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ اُن کو جزائے خیر دے۔ مولوی صاحب نے ان کو فرمایا کہ کوئی ایسا باہمت تم میں ہے جو تازہ ٹھنڈا پانی کنوئیں سے لائے۔ ایک نوجوان حصولِ ثواب کا خواہشمند دوڑا ہوا گیا۔ اور پانی لے آیا۔ مگر مولوی صاحب تیسری چھت پر اور دروازے بند۔ ناچار مولوی صاحب نے اُوپر سے کپڑا لٹکایا اور پانی اُوپر کھینچا۔ مولوی صاحب نے پانی پیا اور فرمایا کہ اتنی دیر میں پانی کی آب جاتی رہی ہے۔ یہ سارا قصہ صرف اس آخری فقرہ کی خاطر میں نے بیان کیا ہے جو حضرت مولوی صاحب کے منہ سے نکلا ہے۔ اللہ اللہ۔ اگر تم چشمہ کے سر پر بیٹھ کر چشمہ کا پانی پیو۔ تو اس کی کیا کیفیت ہوتی ہے اور اگر اس پانی کو دُور لے جاؤ اور اُس پر بہت زمانہ گزر جائے تو پھر رفتہ رفتہ اس کی کیا حالت ہو جاتی ہے۔ شریعت کی مثال بھی عالم کشف میں پانی کے ساتھ ہے۔ دیکھو یہود کا حضرت عیسیٰؑ کے زمانہ تک کیا حال ہوا۔ اور پھر نصاریٰ و یہود نے آنحضرتؐ کے وقت کیا کیا کرتوتیں دکھائیں۔ دُور کیوں جاؤ۔ اس زمانہ میں مسلمانوں نے حضرت امام مہدیؑ کے ساتھ کیا سلوک کیا۔ یہ چشمہ ہدایت سے ایسے نفرت کرنیوالے اور دُور بھاگنے والے ہوئے کہ قرآن کے ہوتے ہوئے اُن کے پاس کوئی قرآن نہیں اور نُور کے ہوتے ہوئے اُن کے درمیان کوئی نُور نہیں۔ یہ سب اس وجہ سے ہے کہ یہ لوگ اس چشمہ سے دُور جا پڑے ہیں۔ ورنہ شریعت کا پانی اب تک ویسا ہی صاف اور پاک

ہے جیسا کہ پہلے تھا۔جس کا جی چاہے مسیح موعودؑ کے قدموں میں رہ کر اس بات کو آزمالے۔صدق اور اخلاص کے ساتھ اس پاک امامؑ کی صحبت انسان کو کیا کچھ انعام کا مستحق کرتی ہے۔اس پاک اور خدانما مجلس کی گفتگو کا ایک ادنیٰ سا نمونہ تم اس ڈائری میں دیکھتے ہو۔اور اس کی مثال بھی اسی پانی کی سی ہے جو چشمہ سے دُور کسی کیواسطے بھیجا جائے۔اوّل تو سب باتوں اور کیفیتوں اور حالات کو انسان لکھ ہی کیا سکتا ہے۔پھر اگر لکھا بھی جاتا ہے تو اصل الفاظ سارے کے سارے بعینہٖ کہاں محفوظ رہتے ہیں۔بعض دفعہ حضرت اقدسؑ کی بات کا صرف مطلب ہی مجھے یاد رہتا ہے جو میں اپنے لفظوں میں لکھ لیتا ہوں اور بعض دفعہ حضرت کے الفاظ بعینہٖ یاد بھی رہتے ہیں یا اکثر ساتھ ساتھ لکھ لئے جاتے ہیں۔مگر بہرحال وہ بات کہاں جو موجودگی میں حاصل ہوتی ہے۔حاضر و غائب کیونکر یکساں ہو سکتے ہیں۔اپنا حرج کر کے امامؑ کی خدمت میں اکثر آنیوالے اور اپنے دنیوی فوائد کو مقدم رکھ کر گھر میں بیٹھے رہنے والے کیونکر برابر ہو سکتے ہیں۔

میرے دوستو! اٹھو۔کمر ہمت چُست کرو۔دُنیا کے خیالات کو لات مارو۔دعا مانگو۔کہ امامؑ کی خدمت میں اکثر رہنے کی توفیق حاصل ہو۔اب میں ڈائری شروع کرتا ہوں۔

۱۹ جولائی ۱۹۰۱ء۔ لَوْ تَقَوَّلَ کا قرآنی معیار

حافظ محمد یوسف صاحب کا ذکر آیا کہ بعض باتوں پر اعتراض کرتے تھے۔فرمایا:-

"اُن کو تو سرے سے سب باتوں پر انکار ہے جبکہ قرآن شریف نے صداقت نبوت محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں لو تقول والی دلیل پیش کی ہے اور حافظ صاحب اس سے انکار کرتے ہیں تو پھر کیا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اگر تو اپنی طرف سے کوئی بات بنا کر لوگوں کو سنائے اور اس کو میری طرف منسوب کرے اور کہے کہ یہ خدا کا کلام ہے حالانکہ وہ خدا کا کلام نہ ہو۔تو تو ہلاک ہو جائے گا۔یہی دلیل صداقت نبوت محمدیہ مولوی آل حسن صاحب اور مولوی رحمت اللہ صاحب نے نصاریٰ کے سامنے پیش کی تھی جو وہ اس کا کوئی جواب نہ دے سکے اور اب یہی دلیل قرآنی ہم اپنے دعویٰ کی

صداقت میں پیش کرتے ہیں۔حافظ صاحب اوران کے ساتھی اکبر بادشاہ کا نام لیتے ہیں۔ مگر یہ اُن کی سراسر غلطی ہے ۔ تَقَوّل کے معنی ہیں جھوٹا کلام پیش کرنا۔ اگر اکبر بادشاہ نے ایسا دعویٰ کیا تھا تو اُس کا کلام پیش کریں جس میں اُس نے کہا ہو کہ مجھے خدا کی طرف سے یہ یہ الہامات ہوئے ہیں۔ ایسا ہی روشن دین جالندھری اور دوسرے لوگوں کا نام لیتے ہیں مگر کسی کے متعلق یہ پیش نہیں کرسکتے کہ اُس نے کونسے جھوٹے الہامات شائع کئے ہیں۔ اگر کسی کے متعلق ثابت شدہ مُعتبر شہادت کے ساتھ حافظ صاحب یا ان کے ساتھی یہ ثابت کردیں کہ اس نے جھوٹا کلام خدا پر لگایا حالانکہ خدا تعالیٰ کی طرف سے وہ کلام نہ ہو اور پھر ایسا کرنے پر اس نے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلّم کے برابر عمر پائی ہو یعنی ایسے دعوے پر وہ ۲۳ سال زندہ رہا ہو تو ہم اپنی ساری کتابیں جلادیں گے۔ ہمارے ساتھ کینہ کرنے میں ان لوگوں نے ایسا غلو کیا ہے کہ اسلام پر ہنسی کرتے ہیں اور خدا کے کلام کے مخالف بات کرتے ہیں گو ان کی ایسی بات کرنے سے قرآن جھوٹا ہوتا ہو پھر بھی ہم کو جھٹلاتے ہیں۔ مگر تعصب برا ہے ایسی بات بولتے ہیں جس سے قرآن شریف پر زد ہو۔ ہمارا تو کلیجہ کانپتا ہے کہ مسلمان ہو کر ایسا کرتے ہیں۔ ایک تو وہ مسلمان تھے کہ بظاہر ضعیف حدیث میں بھی اگر سچائی پاتے تو اس کو قبول کرتے اور مخالفوں پر حجّت میں پیش کرتے اور ایک یہ ہیں کہ قرآن کی دلیل کو نہیں مانتے۔ ہم تو حافظ صاحب کو بلاتے ہیں کہ شائستگی سے، خُلق و محبت سے چند دن یہاں آکر رہیں۔ ہم اُن کا ہرجانہ دینے کو تیار ہیں۔ نرمی سے ہمارے دلائل کو سُنیں اور پھر اپنا اعتراض کریں۔ مولوی احمد اللہ صاحب کو بھی بے شک اپنے ساتھ لائیں۔"

بابو محمد صاحب نے عرض کی کہ حافظ محمد یوسف صاحب اعتراض کرتے تھے کہ مولوی عبدالکریم صاحب نے الحکم میں یہ کفر لکھا ہے کہ یہ وہ احمدؐ عربی ہے ۔ فرمایا۔

" حافظ صاحب سے پوچھو کہ براہین احمدیہ میں جو میرا نام محمدؐ لکھا ہے اور مسیح بھی

لکھا ہے اور تم لوگ اس کو پڑھتے رہے اور اس کتاب کی تعریف کرتے رہے اور اس کے ریویو میں لمبی چوڑی تحریریں کرتے رہے۔ تو اس کے بعد کونسی نئی بات ہوئی ہے۔ مولوی نذیر حسین دہلوی نے اس کتاب کے متعلق خود میرے سامنے کہا تھا کہ اسلام کی تائید میں جیسی عمدہ یہ کتاب لکھی گئی ہے۔ ایسی کوئی کتاب نہیں لکھی گئی۔ اس وقت منشی عبدالحق صاحب بھی موجود تھے اور بابو محمد صاحب بھی موجود تھے۔ یہ وہ زمانہ براہین کا تھا جب کہ تم خود تسلیم کرتے تھے کہ اس میں کوئی بناوٹ وغیرہ نہیں۔ اگر یہ خدا کا کلام نہ ہوتا تو کیا انسان کے لئے ممکن تھا کہ اتنی مدت پہلے سے اپنی پٹڑی جمائے اور ایسا لمبا منصوبہ سوچے۔ اب چاہیئے کہ یہ لوگ اس نفاق کا جواب دیں کہ اس وقت کیوں ان لوگوں کو یہی باتیں اچھی معلوم ہوتی تھیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود فرمایا ہے کہ مہدی جو آنیوالا ہے اس کے باپ کا نام میرے باپ کا نام اور اس کی ماں کا نام میری ماں کا نام ہوگا اور وہ میرے خُلق پر ہوگا۔ اس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی مطلب تھا کہ وہ میرا مظہر ہوگا جیسا کہ ایلیا نبی کا مظہر یوحنا نبی تھا۔ اس کو صوفی بروز کہتے ہیں کہ فلاں شخص موسیٰ کا مظہر اور فلاں عیسیٰ کا مظہر ہے۔ نواب صدیق حسن خاں نے بھی اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ اٰخرین منھم سے وہ لوگ مُراد ہیں جو مہدی کے ساتھ ہوں گے۔ اور وہ لوگ قائمقام صحابہ کے ہوں گے اور ان کا امام یعنی مہدی قائمقام حضرت رسُول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہوگا۔"

(الحکم جلد ۵ نمبر ۲۷ صفحہ ۶-۷ پرچہ ۲۴ر جولائی ۱۹۰۱ء)

---

۲۰ جولائی ۱۹۰۱ء

کچھ منشی الٰہی بخش کے متعلق

منشی الٰہی بخش صاحب اور ان کے رفیق اور ان کی تصنیف عصائے موسیٰ کا ذکر تھا۔ کسی نے کہا کہ فلاں شخص ان لوگوں کے چال چلن کی نسبت ایسی بات کہتا تھا۔ فرمایا:۔

"ہم اِس میں نہیں پڑتے اور نہ ہم اس طرح ذاتیات میں دخل دیتے ہیں۔ یہ بات تقویٰ کے برخلاف ہے۔

بابو محمدؐ صاحب نے ذکر کیا کہ انہوں نے عصائے موسیٰ میں کئی باتیں واقعات کے برخلاف لکھی ہیں۔ اس پر حضرت اقدسؑ نے فرمایا:-

"ہم نے ضرورۃ امام میں یہ ظاہر کیا تھا کہ ہمیں اُن پر حُسنِ ظن ہے مگر افسوس کہ انہوں نے اس طرح واقعات کے برخلاف امُور لکھ کر ہمارے اس حُسن ظن کو دُور کر دیا ہے۔ کسی دوسرے شخص کی عبارت نقل کر کے الٰہی بخش صاحب میری نسبت اور میرے والد صاحب کی نسبت ہتک کے الفاظ استعمال کرتے ہیں کہ وہ ایسے مُفلس تھے۔ تقویٰ کا خاصہ نہیں کہ محض جُھوٹ نقل کرے۔ ناقل بھی تو ذمّہ دار ہوتا ہے۔ اگر الٰہی بخش صاحب کیساتھ ہمارے تعلقات ایسے پُرانے نہ ہوتے۔ اور وہ ہمارے خاندان کے حالات سے واقفیت نہ رکھتے اور کسی دُور علاقہ کے رہنے والے ہوتے۔ اور سر لیپل گریفن کی کتاب رؤسائے پنجاب میں میرے والد صاحب کا ذکر نہ پڑھا ہوتا اور غدر میں سرکار انگریزی کو پچاس سواروں کی مدد کے حال سے وہ ناواقف ہوتے تو میں ان کو معذور سمجھتا۔ مگر اب تو اُن کے تقویٰ کا خوب اندازہ ہو گیا۔"

فرمایا۔ "ساری کَل انسان کی صحت اور ایمان کی خدا کے ہاتھ میں ہے۔"

تحریر میں سختی

کسی نے ذکر کیا کہ کوئی اعتراض کرتا تھا کہ مولوی عبدالکریم صاحب کی تحریر میں سختی ہوتی ہے فرمایا۔ "ہر ایک امر کے لئے موقع ہوتا ہے۔ ایک مولوی کو عین مسجد میں بدکاری کرتے ہوئے دیکھے تو دیکھنے والا ضرور کہیگا کہ یہ بدذات ہے۔ دین کی بے عزّتی کرتا ہے۔ مگر جو شخص نہیں جانتا کہ محل اور موقعہ کونسا ہے وہ دھوکا کھاتا ہے۔ ایک شخص خواہ مخواہ افتراء کرتا ہے۔

بُہتان باندھتا ہے گالیاں دیتا ہے۔ایک نہ دو نہ تین بلکہ بیسیوں تک نوبت پہنچاتا ہے۔ خواہ مخواہ کہا جائے گا کہ یہ بے حیا ہے۔جو شخص قرآن شریف کے لئے غیرت نہیں رکھتا۔ وہ کیا ہے۔غُصّہ خدا نے بے جا نہیں بنایا۔اس کا خراب استعمال بے جا ہے۔کسی نے حضرت عمرؓ سے پُوچھا کہ کُفر کے وقت تم بڑے غُصّہ والے تھے۔اب غُصّہ کا کیا حال ہے۔فرمایا غُصّہ تو اب بھی وہی ہے مگر پہلے اس کا استعمال بے جا تھا اب ٹھکانہ پر لگ گیا ہے۔ یہ اعتراض تو صانع پر ہوتا ہے کہ اس نے غُصّہ کی قوت کیوں بنائی۔دراصل کوئی بھی قوت بُری نہیں۔بد استعمالی بُری ہے۔قرآن شریف ہمیں انجیل کی طرح یہ حُکم نہیں دیتا کہ خواہ مخواہ مار کھاتے رہو۔ہماری شریعت کا یہ حکم ہے کہ موقع دیکھو۔اگر نرمی کی ضرورت ہے خاک سے مِل جاؤ۔اگر سختی کی ضرورت ہے سختی کرو۔جہاں عفو سے صلاحیت پیدا ہوتی ہو وہاں عفو سے کام لو۔نیک اور باحیا خدمتگار اگر قصُور کرے تو بخشدو۔مگر بعض ایسے خبیرہ طبع ہوتے ہیں کہ ایک دن بخشو تو دوسرے دن دُگنا بگاڑ کرتے ہیں وہاں سزا ضروری ہے اور عملی طور پر انجیل میں سختی دکھائی گئی ہے۔جہاں حضرت مسیحؑ نے مخالفین کو بے ایمانوں اور سانپوں کے بچّے کہا ہے۔خدا نے بھی جھُوٹے پر لعنت کی ہے اور دیگر اس قسم کے الفاظ استعمال فرمائے ہیں۔"

مومن کی دو مثالیں

فرمایا۔"قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ نے مومن کی دو مثالیں بیان فرمائی ہیں۔ایک مثال فرعون کی عورت سے ہے جو کہ اس قسم کے خاوند سے خدا کی پناہ چاہتی ہے۔ یہ اُن مومنوں کی مثال ہے جو نفسانی جذبات کے آگے گِر جاتے ہیں اور غلطیاں کر بیٹھتے ہیں۔ پچھتاتے ہیں۔توبہ کرتے ہیں۔خدا سے پناہ مانگتے ہیں۔ان کا نفس فرعون سے خاوند کی طرح ان کو تنگ کرتا رہتا ہے۔وہ لوگ نفس لوّامہ رکھتے ہیں۔بدی سے بچنے کے لئے ہر

وقت کوشاں رہتے ہیں۔ دوسرے مومن وہ ہیں جو اس سے اعلیٰ درجہ رکھتے ہیں۔ وہ صرف بدیوں سے ہی نہیں بچتے بلکہ نیکیوں کو حاصل کرتے ہیں۔ اُن کی مثال اللہ تعالیٰ نے حضرت مریمؑ سے دی ہے۔ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيهِ مِنْ رُّوحِنَا[1]۔ ہر ایک مومن جو تقویٰ وطہارت میں کمال پیدا کرے وہ بروزی طور پر مریمؑ ہوتا ہے اور خدا اُس میں اپنی رُوح پھُونک دیتا ہے جو کہ ابن مریم بن جاتی ہے۔ زمخشری نے بھی اس کے یہی معنے کئے ہیں کہ یہ آیت عام ہے اور اگر یہ معنی نہ کئے جاویں تو حدیث شریف میں آیا ہے کہ مریمؑ اور ابن مریمؑ کے سوا مسِّ شیطان سے کوئی محفوظ نہیں۔ اس سے لازم آتا ہے کہ نعوذ باللہ تمام انبیاء پر شیطان کا دخل تھا۔ پس دراصل اس آیت میں بھی اشارہ ہے کہ ہر ایک مومن جو اپنے تئیں اس کمال کو پہنچائے خدا کی رُوح اس میں پھُونکی جاتی ہے اور وہ ابن مریم بن جاتا ہے اور اس میں ایک پیشگوئی ہے کہ اس اُمّت میں ابن مریم پیدا ہوگا۔ تعجب ہے کہ لوگ اپنے بیٹوں کا نام محمّد اور عیسیٰ اور موسیٰ اور یعقوب اور اسحاق اور اسماعیل اور ابراہیم رکھ لیتے ہیں اور اس کو جائز جانتے ہیں پر خدا کے لئے جائز نہیں جانتے کہ وہ کسی کا نام عیسیٰ یا ابن مریم رکھ دے۔"

مخالف کے پیچھے نماز

کسی کے سوال پر فرمایا۔

"مخالف کے پیچھے نماز بالکل نہیں ہوتی۔ پرہیزگار کے پیچھے نماز پڑھنے سے آدمی بخشا جاتا ہے۔ نماز تو تمام برکتوں کی کنجی ہے۔ نماز میں دُعا قبول ہوتی ہے۔ امام بطور وکیل کے ہوتا ہے۔ اس کا اپنا دل سیاہ ہو تو پھر وہ دوسروں کو کیا برکت دے گا۔"

فرمایا "یہود کہا کرتے ہیں کہ ہم تو قیامت کے دن خدا کے آگے ملاکی نبی کی کتاب رکھ دیں گے اور کہہ دیں گے۔ کہ اس کتاب میں تُو نے فرمایا تھا کہ مسیح کے پہلے الیاس نبی آئیگا

[1] التحریم : ۱۳

اور تُو نے یہ نہیں کہا تھا کہ مثیلِ الیاس یا اُس کا برُوز یُوحنّا کی شکل میں آئے گا۔ اب اگر یہ مسیح سچّا ہے اور ہم نے اُس کو نہیں مانا تو ہمارا کیا قصُور۔ یہی حال آج کل کے علماء کا ہے جو مسیح کے منتظر ہیں۔"

اس بات کا ذکر آیا۔ کہ حضرت مسیحؑ نے جب یہود کو کہا کہ یُوحنّا ہی الیاس ہے۔ تو وہ یُوحنّا کے پاس گئے۔ اور معلوم نہیں کن الفاظ میں ان سے پوچھا کہ تو الیاس ہے ؟ تو یُوحنّا نے انکار کیا کہ میں الیاس نہیں ہوں اور اس طرح حضرت مسیحؑ کی تکذیب ہوئی۔ اس پر فرمایا۔

"معلوم نہیں کہ یہودیوں نے کس طرح سے دھوکے کی گفتگو کی ہو گی۔ یُوحنّا کو کیا خبر تھی کہ یہ کیا شرارت کرتے ہیں۔ یہ دعویٰ غلط ہے کہ پیغمبر خدا کی طرح ہر وقت حاضِر ناظِر ہوتے ہیں۔ اگر یہ بات سچّی ہوتی تو آنحضرتؐ کو حضرت عائشہؓ کے متعلق کیوں گھبراہٹ ہوتی یہاں تک کہ خدا تعالیٰ نے آیت نازل فرمائی۔ سعدیؒ نے خوب لکھا ہے۔

کسے پُرسید زاں پیرِ خرد مند | کہ اے رَوشن گُہر پیرِ خرد مند
زمصرش بُوئے پیراہن شمیدی | چرا در چاہِ کنعانش ندیدی
بگفت احوال ما برقِ جہاں است | دمے پیدا و دیگر دم نہاں است
گہے برطارمِ اعلیٰ نشینم | گہے برپُشت پائے خود نہ بینم

موجُودہ انجیل

فرمایا۔ "موجُودہ انجیل کے اصلی نہ ہونے کے لئے ایک بڑی بھاری دلیل یہ ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ہر ایک نبی کو ہم اُس کی قوم کی زبان میں اس کی طرف بھیجتے ہیں۔ اب ظاہر ہے کہ یہود کی زبان عبرانی تھی۔ حالانکہ عبرانی میں اس وقت کوئی انجیل اصلی نہیں ملتی بلکہ اصل یُونانی کو قرار دیا جاتا ہے۔ جو کہ سُنّت اللہ کے برخلاف ہے"

فرمایا:-

"دُنیوی بادشاہوں اور حاکموں نے جو اعلیٰ مراتب کے عطا کرنے کے واسطے امتحان مقرر کئے ہیں۔ یہی سُنّت اللہ کے مطابق ہے۔ اللہ تعالیٰ بھی بعد امتحانوں کے درجات عطا کرتا ہے۔ جن مصائب اور تکالیف کے امتحانات میں حضرت رسُول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پاس ہوئے وہ دوسرے کا کام نہ تھا۔"

(الحکم جلد ۵ نمبر ۲۸ صفحہ ۳-۴ پرچہ ۳۱ر جولائی ۱۹۰۱ء)

۲۶ر جولائی تا یکم اگست ۱۹۰۱ء

افراط و تفریط

کسی مقام پر ایسی کثرت بارش کا ذکر تھا جس سے بہت نقصان کا اندیشہ ہوا حضرتؑ نے فرمایا:- "جیسا لوگ احکام الٰہی کے معاملہ میں افراط و تفریط کرتے ہیں۔ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ بھی اُن کے ساتھ افراط و تفریط کا معاملہ کرتا ہے۔"

استغفار وظیفہ ہے

ایک شخص نے پُوچھا کہ میں کیا وظیفہ پڑھا کروں۔ فرمایا۔

"استغفار بہت پڑھا کرو۔ انسان کی دو ہی حالتیں ہیں۔ یا تو وہ گناہ نہ کرے۔ یا اللہ تعالیٰ اس گناہ کے بد انجام سے بچالے۔ سو استغفار پڑھنے کے وقت دونوں معنوں کا لحاظ رکھنا چاہیئے۔ ایک تو یہ کہ اللہ تعالیٰ سے گذشتہ گناہوں کی پردہ پوشی چاہیئے اور دوسرا یہ کہ خدا سے توفیق چاہے کہ آئندہ گناہوں سے بچائے۔ مگر استغفار صرف زبان سے پورا نہیں ہوتا۔ بلکہ دل سے چاہیئے۔ نماز میں اپنی زبان میں بھی دُعا مانگو۔ یہ ضروری ہے۔"

ہر ایک نیکی کی جڑ یہ اتقاء ہے

فرمایا۔ "تقویٰ اختیار کرو۔ تقویٰ ہر چیز کی جڑ ہے۔ تقویٰ کے معنی ہیں ہر ایک باریک در باریک رگِ گناہ سے بچنا۔ تقویٰ اس کو کہتے ہیں کہ جس امر میں بدی کا شبہ بھی ہو اس سے بھی کنارہ کرے۔"

فرمایا:۔ "دل کی مثال ایک بڑی نہر کی سی ہے۔ جس میں سے اور چھوٹی چھوٹی نہریں نکلتی ہیں جن کو سُوا کہتے ہیں یا راجباہا کہتے ہیں۔ دل کی نہر میں سے بھی چھوٹی چھوٹی نہریں نکلتی ہیں۔ مثلاً زبان وغیرہ۔ اگر چھوٹی نہر یا سُوئے کا پانی خراب اور گندہ اور مَیلا ہو تو قیاس کیا جاتا ہے کہ بڑی نہر کا پانی خراب ہے پس اگر کسی کو دیکھو کہ اُس کی زبان یا دست و پا وغیرہ میں سے کوئی عُضو ناپاک ہے تو سمجھو کہ اس کا دل بھی ایسا ہی ہے۔"

اپنی جماعت کے غیر کے پیچھے نماز مت پڑھو

اپنی جماعت کا غیر کے پیچھے نماز نہ پڑھنے کے متعلق ذکر تھا۔ فرمایا۔

"صبر کرو اور اپنی جماعت کے غیر کے پیچھے نماز مت پڑھو۔ بہتری اور نیکی اسی میں ہے اور اسی میں تمہاری نُصرت اور فتح عظیم ہے۔ اور یہی اس جماعت کی ترقی کا مُوجب ہے۔ دیکھو دنیا میں رُوٹھے ہوئے اور ایک دوسرے سے ناراض ہونے والے بھی اپنے دشمن کو چار دن مُنہ نہیں لگاتے۔ اور تمہاری ناراضگی اور رُوٹھنا تو خدا کے لئے ہے۔ تم اگر ان میں رَلے مِلے رہے تو خدا تعالیٰ جو خاص نظر تم پر رکھتا ہے وہ نہیں رکھے گا۔ پاک جماعت جب الگ ہو۔ تو پھر اس میں ترقی ہوتی ہے۔"

معراج رسولؐ

حضرت رسول کریمؐ کی معراج کی بابت کسی نے سوال کیا۔ فرمایا۔

"سب حق ہے۔معراج ہوئی تھی۔مگر یہ فانی بیداری اور فانی اشیاء کے ساتھ نہ تھی بلکہ وہ اَور رنگ تھا۔جبرئیل بھی تو رسُول اللہؐ کے پاس آتا تھا اور نیچے اُترتا تھا۔جس رنگ میں اس کا اُترنا تھا۔اسی رنگ میں آنحضرتؐ کا چڑھنا ہوا تھا۔نہ اُترنے والا کسی کو اُترتا نظر آتا تھا اور نہ چڑھنے والا کوئی چڑھتا ہوا دیکھ سکتا تھا۔حدیث شریف میں جو بُخاری میں آیا ہے کہ ثُمَّ اسْتَيْقَظَ یعنی پھر جاگ اُٹھے۔"

بائبل اور سائنس

حضرت نُوحؑ کی کشتی کا ذکر تھا۔فرمایا۔

"بائبل اور سائنس کی آپس میں ایسی عداوت ہے جیسی کہ دو سَوکنیں ہوتی ہیں۔بائبل میں لکھا ہے کہ وہ طُوفان ساری دُنیا میں آیا اور کشتی تین سَو ہاتھ لمبی اور پچاس ہاتھ چوڑی تھی۔اور اس میں حضرت نُوحؑ نے ہر قسم کے پاک جانوروں میں سے سات جوڑے اور ناپاک میں سے دو جوڑے ہر قسم کے کشتی میں چڑھائے۔حالانکہ یہ دونوں باتیں غلط ہیں۔اوّل تو اللہ تعالیٰ نے کسی قوم پر عذاب نازل نہیں کیا جبتک پہلے رسُول کے ذریعہ سے اس کو تبلیغ نہ کی ہو۔اور حضرت نوحؑ کی تبلیغ ساری دنیا کی قوموں پر کہاں پہنچی تھی جو سب غرق ہو جاتے دوم اتنی چھوٹی سی کشتی میں جو صرف ۳۰۰ ہاتھ لمبی اور ۵۰ ہاتھ چوڑی ہو۔ساری دنیا کے جانور بہائم چرند پرند سات سات جوڑے یا دو دو جوڑے کیونکر سما سکتے ہیں۔اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اس کتاب میں تحریف ہے اور اس میں بہت سی غلطیاں داخل ہو گئی ہیں۔تعجب ہے کہ بعض سادہ لوح علماء اسلام نے بھی ان باتوں کو اپنی کتابوں میں درج کر لیا ہے۔مگر قرآن شریف ہی ان بے معنی باتوں سے پاک ہے۔اس پر ایسے اعتراض وارد نہیں ہو سکتے۔اس میں نہ تو کشتی کی لمبائی چوڑائی کا ذکر ہے اور نہ ساری دنیا پر طُوفان آنے کا ذکر ہے۔بلکہ صرف الارض یعنی وہ زمین جس میں نوحؑ نے تبلیغ کی۔صرف اس کا ذکر ہے

لفظ ارارات جس پر نوحؑ کی کشتی ٹھہری اصل اری ریت ہے جس کے معنی ہیں۔ میں پہاڑ کی چوٹی کو دیکھتا ہوں۔ رِیت پہاڑ کی چوٹی کو کہتے ہیں۔ قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ نے لفظ جُودِی رکھا ہے جس کے معنی ہیں میرا جود و کرم یعنی وہ کشتی میرے جود و کرم پر ٹھہری۔"

جہاد آخر الحیل تھا

فرمایا:۔ "نادان مولوی ذرا ذرا بات پر جہاد کا فتویٰ دیتے ہیں۔ حالانکہ جہاد تو آخر الحیل تھا۔ یہ اس کو اوّل الحیل بناتے ہیں۔ کوئی بدذات کسی طرح بھی باز نہ آوے۔ تب حکم تھا کہ تلوار چلاؤ۔ اور یہ بات صاف ہے کہ جب تمام مسائل سُنائے جائیں۔ روشن دلائل دیئے جائیں۔ تِس پر بھی خدا کا نمک حرام خدا کے نشانات کا نمک حرام باز نہ آوے اور دین میں سدِّ راہ بنے تو ایسے کے لئے خس کم جہاں پاک کہنا بیجا نہیں۔ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے خود تلوار نہیں اُٹھائی۔ صرف مُدافعت کے لئے ایسا کیا گیا۔ اور سچ یہ ہے۔ کہ پہلے رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اُنہوں نے تلوار اٹھائی۔ آخر وہ تلوار انہیں کی اُن پر پڑی۔"

بحث سے نفرت

ایک شخص نے کہلا بھیجا کہ میں ہندوستان سے کوئی مولوی اپنے ساتھ لاؤں گا۔ جو آپ کے ساتھ گفتگو کرے۔ مگر مولوی لوگ قادیان آنا پسند نہیں کرتے۔ آپ بٹالہ میں آجائیں۔ فرمایا۔

"قادیان سے وہ لوگ اسی واسطے نفرت رکھتے ہیں۔ کہ میں قادیان میں ہوں۔ پھر اگر میں بٹالہ میں ہوا تو بٹالہ اُن کے لئے نفرت کا مقام بن جائے گا۔ قادیان میں وہ ہمارے پاس نہ ٹھہریں کسی اَور کے پاس جہاں چاہیں قیام کریں۔ یہاں دہریئے موجود ہیں۔ ان کے پاس ٹھہریں۔ ہم بحث کرنا نہیں چاہتے۔ ہمارا مطلب صرف سمجھا دینا ہے۔ اگر ایک

دفعہ اُن کو تسلی نہ ہووے، پھر سُنیں۔ پھر سُنیں۔"

مسیحؑ مُردوں والی سڑک پر

فرمایا۔ "اِس دنیا سے اُس جہان میں جانے کے لئے مُردوں کے واسطے تو ایک راہ بنا ہوا ہے اور مُردے ہمیشہ جایا کرتے ہیں مگر اس کے سوا اور کوئی دوسری سڑک نہیں۔ معلوم ہوتا ہے۔ کہ حضرت مسیحؑ بھی اسی مُردوں والی سڑک کی راہ گئے۔ جو مُردوں میں جا بیٹھے۔ ورنہ حضرت یحییٰؑ کے پاس کیونکر جا بیٹھے۔"

تقویٰ کا اثر

فرمایا۔ "تقویٰ کا اثر اسی دُنیا میں متقی پر شروع ہو جاتا ہے۔ یہ صرف اُدھار نہیں نقد ہے۔ بلکہ جس طرح زہر کا اثر اور تریاق کا اثر فوراً بدن پر ہوتا ہے۔ اسی طرح تقویٰ کا اثر بھی ہوتا ہے۔"

(الحکم جلد ۵ نمبر ۲۹۔ صفحہ ۳-۴ پرچہ ۱۰ اگست ۱۹۰۱ء)

یکم اگست ۱۹۰۱ء کی شام۔

حضرت اقدس امام ہمام علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حضور جناب مولوی عبدالکریم صاحب سلمہ ربہٗ نے ایک شخص کو پیش کیا اور عرض کیا کہ یہ شخص بہت سی گدیوں میں پھرا ہے۔ اور بہت سے پیروں اور مشائخ کے پاس ہو آیا ہے۔ حضرت اقدسؑ نے شخص مذکور کو مخاطب کر کے فرمایا۔

"کہو کیا کہتے ہو۔"

شخص۔ حضور، میں بہت سے پیروں کے پاس گیا ہوں۔ مجھ میں بعض عیب ہیں۔ اوّل۔ میں جس بزرگ کے پاس جاتا ہوں۔ تھوڑے دن رہ کر پھر چلا آتا ہوں اور طبیعت اس سے بد اعتقاد ہو جاتی

دوم۔ مجھ میں غیبت کرنے کا عیب ہے۔ سوم عبادت میں دل نہیں لگتا۔ اور بھی بہت سے عیب ہیں۔

حضرت اقدسؑ۔ میں نے سمجھ لیا ہے۔ اصل مرض تمہارا بے صبری کا ہے۔ باقی جو کچھ ہے اس کے عوارض ہیں۔ دیکھو۔ انسان اپنے دُنیا کے معاملات میں جبکہ بے صبر نہیں ہوتا۔ اور صبر و استقلال سے انجام کا انتظار کرتا ہے۔ پھر خدا کے حضور بے صبری لے کر کیوں جاتا ہے۔ کیا ایک زمیندار ایک ہی دن میں کھیت میں بیج ڈال کر اس کے پھل کاٹنے کے فکر میں ہو جاتا ہے۔ یا ایک بچہ کے پیدا ہوتے ہی کہتا ہے کہ یہ اسی وقت جوان ہو کر میری مدد کرے۔ خدا تعالیٰ کے قانون قدرت میں اس قسم کی عجلت اور جلد بازی کی نظیریں اور نمونے نہیں ہیں۔ وہ سخت نادان ہے جو اس قسم کی جلد بازی سے کام لینا چاہتا ہے۔ اس شخص کو بھی اپنے آپ کو خوش قسمت سمجھنا چاہیئے جس کو اپنے عیب عیب کی شکل میں نظر آجاویں۔ ورنہ شیطان بدکاریوں اور بداعمالیوں کو خوش رنگ اور خوبصورت بنا کر دکھاتا ہے۔ پس تم اپنی بے صبری کو چھوڑ کر صبر اور استقلال کے ساتھ خدا تعالیٰ سے توفیق چاہو اور اپنے گناہوں کی معافی مانگو۔ بغیر اس کے کچھ نہیں ہے۔ جو شخص اہل اللہ کے پاس اس غرض سے آتا ہے کہ وہ پھونک مار کر اصلاح کر دیں وہ خدا پر حکومت کرنی چاہتا ہے۔ یہاں تو محکوم ہو کر آنا چاہیئے۔ ساری حکومتوں کو جبتک چھوڑتا نہیں کچھ بھی نہیں بنتا جب بیمار طبیب کے پاس جاتا ہے تو وہ اپنی بہت سی شکایتیں بیان کرتا ہے۔ مگر طبیب شناخت اور تشخیص کے بعد معلوم کر لیتا ہے کہ اصل میں فلاں مرض ہے۔ وہ اس کا علاج شروع کر دیتا ہے۔ اسی طرح سے تمہاری بیماری بے صبری کی ہے۔ اگر تم اس کا علاج کرو۔ تو دوسری بیماریاں بھی خدا چاہے تو رفع ہو جائیں گی۔ ہمارا تو یہ مذہب ہے کہ انسان خدا تعالیٰ سے کبھی مایوس نہ ہو۔ اور اس وقت تک طلب میں لگا رہے جبتک کہ غرغرہ شروع ہو جاوے۔ جبتک اپنی طلب اور صبر کو اس حد تک نہیں پہنچاتا انسان بامُراد نہیں

نہیں ہو سکتا۔ اور یُوں خدا تعالیٰ قادِر ہے وہ چاہے تو ایک دَم میں بامُراد کر دے۔ مگر عشقِ صادق کا یہ تقاضا ہونا چاہیئے کہ وہ راہِ طلب میں پویاں رہے۔ سعدیؒ نے کہا ہے

؎ گر نباید بدوست رہ بُردن شرطِ عشق ہست در طلب مُردن

مرض دو قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک مرض مستوی اور ایک مرض مختلف۔ مرض مستوی وہ ہوتا ہے جس کا درد وغیرہ محسوس ہوتا ہے۔ اس کے علاج کا تو انسان فکر کرتا ہے۔ اور مرض مختلف کی چنداں پرواہ نہیں کرتا۔ اسی طرح سے بعض گُناہ تو محسوس ہوتے ہیں اور بعض ایسے ہوتے ہیں کہ انسان اُن کو محسوس بھی نہیں کرتا۔ اس لئے ضرورت ہے کہ ہر وقت انسان خدا تعالیٰ سے استغفار کرتا رہے۔ قبروں پر جانے سے کیا فائدہ۔ خدا تعالیٰ نے تو اصلاح کے لئے قرآن شریف بھیجا ہے۔ اگر پھُونک مار کر اصلاح کر دینا خدا تعالیٰ کا قانُون ہوتا تو پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم تیرہ برس تک مکہ میں کیوں تکلیفیں اُٹھاتے۔ ابوجہل وغیرہ پر اثر کیوں نہ ڈال دیتے۔ ابُوجہل کو جانے دو۔ ابُوطالب کو تو آپؐ سے بھی محبت تھی غرض بے صبری اچھی نہیں ہوتی۔ اس کا نتیجہ ہلاکت تک پہنچاتا ہے۔"

۲؍ اگست ۱۹۰۱ء (دارالامان میں)

آج جُمعہ کا دن ہے۔ صبح آٹھ بجے کے قریب ڈاکٹر رحمت علی صاحب ہاسپٹل اسسٹنٹ چھاؤنی میاں میر تشریف لائے۔ جُمعہ کی نماز چھوٹی اور بڑی دونوں مسجدوں میں ادا ہوئی صاحبزادہ مبارک احمد سلمہ اللہ تعالیٰ کی طبیعت آج بحمد اللہ نسبتًا بہت اچھی رہی۔ مغرب کی نماز کے بعد حضرت اقدس ایدہ اللہ بنصرہ حسب معمول بعد نماز بیٹھے رہے۔ ایک شخص نے جو کئی دن سے دارالامان میں آیا ہوا تھا۔ ایک عجیب حرکت کی۔ اس نے قرآن شریف کو ہاتھ میں لے کر کہا۔ کہ یا امام پاک! یہ خدا کا کلام ہے۔ میں اس کو پیش کرتا ہوں اور تین سَو روپیہ آپ سے مانگتا ہوں اور قرآن شریف کو بار بار حضرت اقدسؑ کے ہاتھ میں دیتا اور اصرار کرتا تھا کہ آپؑ اس کو رکھیں حضرت اقدسؑ نے فرمایا۔

زمانہ کی سب سے بڑی ضرورت اسلام کی زندگی

"ہم قرآن شریف ہی کی تعلیم دینے کو آئے ہیں۔ خدا تعالیٰ نے قرآن شریف تو اس لئے بھیجا ہے کہ اس پر عمل کیا جاوے۔ اس میں کہیں نہیں لکھا کہ خدا کسی کو مجبور کرتا ہے یعنی قرآن شریف کی تعلیم تو صاف ہے کہ لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَھَا۔[1] (ایڈیٹر) انسان کی ہر حالت خواہ وہ آرام کی ہو یا تکلیف کی، گذر ہی جاتی ہے۔ کیونکہ وقت تو اس کی پرواہ نہیں کرتا چنانچہ کسی نے کہا ہے۔ شب تنور گذشت و شب سمور گذشت۔ پھر انسان کیونکر اس کام کو مقدم نہ کرے جو اس کا اصل فرض ہے۔ ہمارے نزدیک سب سے بڑی ضرورت آج اسلام کی زندگی کی ہے۔ اسلام ہر قسم کی خدمت کا محتاج ہے۔ اس کی ضرورتوں پر ہم کسی ضرورت کو مقدم نہیں کر سکتے۔ خدا تعالیٰ نے جو کام ہمارے سپرد کیا ہے۔ ہم معصیت سمجھتے ہیں کہ اس کام کو چھوڑ دیں۔ دو بیمار ہوتے ہیں۔ ایک ان میں سے اگر مر جاوے تو کچھ حرج نہیں ہوتا لیکن ایک ایسا ہوتا ہے اگر وہ مر جاوے تو دنیا تاریک ہو جاتی ہے۔ بس یہی حالت اسلام کی ہو رہی ہے۔ آج سب سے بڑی ضرورت یہی ہے کہ جہاں تک ممکن ہو اور بن پڑے اسلام کی خدمت کی جاوے۔ جس قدر روپیہ ہو وہ اسلام کی احیاء میں خرچ کیا جاوے۔ بس اب تمہارے اس طرح پر قرآن شریف پیش کرنے کو کیا کروں۔ میں تمہارا فکر کروں یا قرآن شریف کا فکر کروں۔ میرے لئے تو قرآن ہی کا فکر مقدم پڑا ہوا ہے۔ اور جو کام خدا نے میرے سپرد کیا ہے۔ اُسے میں کیونکر چھوڑ دوں۔ تمہیں معلوم نہیں کہ اسلام کا کیا حال ہو گیا ہے۔ کوئی ناجائز کام کسی تاویل اور پناہ لینے سے روا نہیں ہو جاتا۔ تمہاری یہ قسم دراصل ناجائز ہے۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ ایک شخص قتل کا مستوجب ہوا وہ بیت الحرام میں داخل ہو گیا۔ صرف اس خیال سے کہ اس کی شان میں آیا ہے۔ مَنْ دَخَلَہٗ کَانَ اٰمِنًا۔[2] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ اُس کو وہیں قتل کیا جاوے۔ اس طرح اگر کوئی لوگوں کو قسمیں دے کر اپنے اغراض کو پورا کرنے پر مجبور کرے تو وہ ساری دُنیا کا کام آج تمام کر دیتا اور خدا کے احکام سے امان اُٹھ

---

[1] البقرۃ : ۲۸۷ [2] آل عمران : ۹۸

جاتا ہے اور ایسے طریقوں اور حیلوں سے تو آج اسلام کی یہ حالت ہو گئی ہے۔ ہمارا یہ مذہب نہیں ہے کہ دینی حالت کا لحاظ نہ کریں اور اُس کی پرواہ نہ ہو۔ نہیں بلکہ ہمارے نزدیک وہ سب سے مقدم ہے۔ تم نے جو طریق اختیار کیا ہوا ہے۔ اس کو خدا تعالیٰ جائز نہیں رکھتا۔"

اس کے بعد ڈاکٹر رحمت علی صاحب نے اپنا ایک خواب عرض کیا کہ کسی نے اعتراض کیا کہ مسیحؑ کی نسبت آیا ہے وہ بہت مال دے گا۔ میں نے اس کو کہا کہ کس قدر مال اس نے دیا ہے کوئی لینے والا بھی ہو۔ دس ہزار ایک کتاب کے ساتھ ہے۔ پانچسو ایک کے ساتھ ہے وغیرہ۔ حضرت اقدسؑ نے فرمایا۔

"ہاں درست ہے مگر قرآن شریف کو خدا تعالیٰ نے خیر کہا ہے چنانچہ فرمایا ومن یؤت الحکمۃ فقد اوتی خیرا کثیرا[1]۔ پس قرآن شریف معارف اور علوم کے مال کا خزانہ ہے۔ خدا تعالیٰ نے قرآنی معارف اور علوم کا نام بھی مال رکھا ہے۔ دنیا کی برکتیں بھی اسی کے ساتھ آتی ہیں۔"

زاں بعد پھر اسی قرآن فروش نے کہا کہ یا امام پاک! نبیوں نے تو خدا کے کلام کو واپس نہیں کیا۔ آپ تو امام پاک ہیں آپ کیوں واپس کرتے ہیں؟ حضرتؑ نے فرمایا۔

"تم نے نبیوں کو کہاں دیکھا ہے؟"

اس نے کہا کہ یا حضرت آپ کو تو دیکھا ہے۔ فرمایا۔

"تم نے ہم کو بھی نہیں دیکھا۔ اگر تم دیکھتے تو ایسی بے جا حرکت نہ کرتے۔"

تھوڑی دیر کے بعد وہ چلا گیا۔ پھر ڈاکٹر رحمت علی صاحب کچھ اپنے مقامی حالات سناتے رہے۔ اور گورنمنٹ انگلشیہ کی حکومت کی برکات کا ذکر کرتے رہے کہ اس نے فوجوں میں نماز اور اپنے مذہب کی پابندیوں کے لئے پورا وقت اور فرصت دے رکھی ہے۔ بشرطیکہ کوئی کرنیوالا ہو۔ ہر مذہب کے لوگوں کے لئے ایک ایک مذہبی پیشوا مقرر کر رکھا ہے اور نماز کے اوقات میں کوئی کام نہیں رکھا۔ ہاں جُمعہ کی تکلیف ہے۔ حضرت اقدسؑ نے فرمایا۔ کہ

[1] البقرۃ : ۲۷۰

"یہ تکلیف بھی جاتی رہتی اگر سب مسلمان مِلکر درخواست کرتے۔ مگر ان کم بختوں نے ہندوستان کو دارُالحرب قرار دے کر جُمعہ کی فرضیت کو ہی اڑانا چاہا ہے۔ افسوس!"

احتیاطی نماز

پھر اُس شخص نے جس کا ذکر یکم اگست کی شام میں آیا ہے۔ سوال کیا کہ حضرت احتیاطی نماز کے لئے کیا حکم ہے۔ فرمایا۔

"احتیاطی نماز کیا ہوتی ہے جُمعہ کے تو دو ہی فرض ہیں۔ احتیاطی فرض کچھ چیز نہیں"۔

فرمایا۔ "لُدھیانہ میں ایک بار میاں شہاب الدین بڑے پکّے موحّد نے جُمعہ کے بعد احتیاطی نماز پڑھی۔ میں نے ناراض ہو کر کہا کہ یہ تم نے کیا کیا؟ تم تو بڑے پکّے موحّد تھے۔ اُس نے کہا کہ میں نے جُمعہ کی احتیاطی نہیں پڑھی بلکہ میں نے مار کھانے کی احتیاطی پڑھی ہے"۔

مسیح موعود حنفی مذہب پر ہوگا؟

اس کے بعد مولوی بہاؤالدین صاحب احمد آبادی نے پوچھا کہ مکتُوبات امام ربانی میں مسیح موعود کی نسبت لکھا ہے کہ وہ حنفی مذہب پر ہوگا۔ اس کا کیا مطلب ہے۔ فرمایا۔

"اس سے یہ مُراد ہے کہ جیسے حضرت امام اعظمؒ قرآن شریف ہی سے استدلال کرتے تھے۔ اسی طرح مسیح موعود بھی قرآن شریف ہی کے علُوم اور حقائق کو لے کر آئے گا چنانچہ اپنے مکتوبات میں دوسری جگہ انہوں نے اس راز کو کھول بھی دیا ہے اور خصوصیت سے ذکر کیا ہے کہ مسیح موعود کو قرآنی حقائق کا علم دیا جائیگا"۔

لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ

پھر یکم اگست والے سائل نے کہا کہ مہدی کی نسبت لکھا ہے کہ وہ خون کریگا۔ وغیرہ حضرتؑ

نے فرمایا۔

"میں نے تمہارا مطلب سمجھ لیا ہے۔یاد رکھو مہدی کی نسبت جو حدیثیں ہیں جن میں لکھا ہے۔کہ وہ جنگ کرے گا اور خونریزی کرے گا۔اُن کی نسبت خود ان مولویوں نے لکھ دیا ہے کہ بہت سی حدیثیں ان میں موضوع ہیں۔اور قریباً سب کی سب مجروح ہیں۔ ہمارا یہ مذہب نہیں کہ مہدی آئے گا تو خون کرتا پھرے گا۔بھلا وُہ دین کیا ہوا۔جس میں سوائے جنگ اور جدال کے اور کچھ نہ ہو۔جہاد کے مسئلہ کو بھی ان ناواقفوں نے نہیں سمجھا۔ قرآن شریف تو کہتا ہے۔ لَآ اِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ ؕ[1] تو کیا اگر مہدی آکر لڑائیاں کرے گا۔تو اکراہ فی الدین جائز ہوگا اور قرآن شریف کے اس حکم کی بے حرمتی ہوگی۔اس کے آنے کی غرض تو یہ ہے کہ وہ اسلام کو زندہ کرے یا یہ کہ اس کی توہین کرے۔ اگر دین میں لڑائیاں ہی ضرور ہوتی ہیں تو پھر رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم تیرہ برس تک مکّہ میں رہ کر کیوں نہ لڑے۔ہر قسم کی تکلیف اُٹھاتے رہے۔اور پھر بھی آپؐ نے ابتدا نہیں کی۔ ہمارا مذہب ہے۔ کہ جبراً مسلمان کرنے کیواسطے لڑائیاں ہرگز نہیں کی ہیں۔بلکہ وہ لڑائیاں خدا تعالیٰ کا ایک عذاب تھا۔ان لوگوں کے لئے جنہوں نے آپ کو سخت تکالیف دی تھیں اور مسلمانوں کا تعاقب کیا اور ان کو تنگ کیا تھا۔پس یہ ہرگز صحیح نہیں ہے کہ اسلام تلوار دکھاتا ہے۔ اسلام تو قرآن اور ہدایت پیش کرتا ہے۔وہ صُلح اور امن لے کر آیا ہے۔اور دنیا میں کوئی ایسا مذہب نہیں جو اسلام کی طرح صُلح پھیلاتا ہو۔

پس یہ غلط ہے کہ مہدی جنگ کرے گا۔ہمارا یہ مذہب ہرگز نہیں۔بھلا اگر تلوار مار کر لوگوں کو ہلاک کر دیا۔اور ان کے املاک لُوٹ لئے تو اس سے فائدہ کیا ہوا۔پس مہدی ہونے کا ہمارا دعویٰ ہے یہ تو قرآن شریف سے ثابت ہے۔جیسے مُوسوی سلسلہ مسیح پر آکر ختم ہوا۔اسی طرح خدا تعالیٰ نے ایک خاص مناسبت کی وجہ سے اس سلسلہ کو بھی ایک محمدی مسیح پر ختم کیا ہے۔مہدی نام اُس کا اِس لئے رکھا ہے کہ وہ براہِ راست

[1] البقرہ : ۲۵۷

خدا تعالیٰ سے ہدایت پائے گا اور ایسے وقت میں آئے گا جبکہ دُنیا سے نورِ ہدایت اُٹھ گئے ہوں گے۔ پھر ایک لطیف تربات ان دونوں سلسلوں کی مماثلت میں یہ ہے۔ کہ جیسے مسیح موسوی مُوسیٰ علیہ السلام کے بعد چودھویں صدی میں آیا تھا یہاں بھی مسیح محمّدی کی بعثت کا زمانہ چودھویں ہی صدی ہے اور جیسے مسیح مُوسوی یہودیوں کی سلطنت نہیں بلکہ رُومیوں کی سلطنت میں پیدا ہوا تھا۔ اسی طرح محمّدی مسیح بھی مسلمانوں کی سلطنت میں نہیں بلکہ انگلش گورنمنٹ کی سلطنت میں پیدا ہوا ہے۔ غرض ہمارا ہرگز یہ مذہب نہیں ہے کہ مہدی آکر لڑائیاں کرتا پھریگا اور خونریزی اس کا کام ہوگا۔"

(الحکم جلد ۵ نمبر ۲۹ صفحہ ۶ تا ۸ پرچہ ۱۰ اگست ۱۹۰۱ء)

---

۱۵ اگست ۱۹۰۱ء

دیوار کے مقدمہ کی فتحیابی پر فرمایا۔

"اس دیوار کی وجہ سے قریباً ڈیڑھ سال راستہ بند رہ کر ایک محاصرہ ہم پر رہا ہے۔ اس کی خبر بھی حضرت رسُول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دی ہے جو حدیث میں موجود ہے۔"

اس بات پر کہ حدیث میں آیا ہے مسیح کا نزول ہوگا۔ فرمایا:-

"جو شَے اُوپر سے یعنی آسمان سے نازل ہوتی ہے۔ سب کی نظریں اس کی طرف پھر جاتی ہیں۔ اور سب آسانی سے اس کو دیکھ سکتے ہیں۔ اور وہ چیز جلد مشہور ہو جاتی ہے پس اس لفظ میں ایک استعارہ ہے کہ مسیح کے لئے اللہ تعالیٰ ایسے سامان پیدا کر دیگا کہ بہت جلد اُس کی شہرت ہوگی چنانچہ یہ امر اُس زمانہ کے اسباب ریل، ڈاک۔ مطبع وغیرہ سے ظاہر ہے۔"

قرآن شریف میں کل چیزیں موجود ہیں

فرمایا:۔ "کُل چیزیں قرآن شریف میں موجود ہیں۔ اگر انسان عقلمند تو اس کے لئے وہ کافی ہے۔" فرمایا:۔

"یورپین لوگ ایک قوم سے مُعاہدہ کرتے ہیں۔ اس کی ترکیب عبارت ایسی رکھ دیتے ہیں۔ کہ دراز عرصہ کے بعد بھی نئی ضرورتوں اور واقعات کے پیش آنے پر بھی اس میں استدلال اور استنباط کا سامان موجود ہوتا ہے۔ ایسا ہی قرآن شریف میں آئندہ کی ضرورتوں کے مواد اور سامان موجود ہیں۔"

غضِّ بصر کا حکم

فرمایا "مومن کو نہیں چاہیئے کہ دریدہ دہن بنے یا بے محابا اپنی آنکھ کو ہر طرف اُٹھائے پھرے بلکہ یغضّوا من ابصارھم[1] پر عمل کر کے نظر کو نیچی رکھنا چاہیئے۔ اور بدنظری کے اسباب سے بچنا چاہیئے۔"

ایک دفعہ ایک واعظ ایسے طرز پر حضرتؑ کے سامنے گفتگو کرتا تھا کہ گویا اس کے نزدیک حضرتؑ بھی فرقہ وہابیہ کے طرفدار ہیں اور اپنے تئیں بار بار حنفی اور وہابیوں کا دشمن ظاہر کرتا تھا اور کہتا تھا۔ کہ حق کا طالب ہوں۔ اس پر حضرتؑ نے فرمایا:۔

"اگر کوئی محبت اور آہستگی سے ہماری باتیں سُنے تو ہم بڑی محبت کرنے والے ہیں اور قرآن اور حدیث کے مطابق ہم فیصلہ کرنا چاہتے ہیں۔ اگر کوئی شخص اس طرح فیصلہ کرنا چاہے کہ جو امر قرآن شریف اور احادیث صحیحہ کے مطابق ہو اسے قبول کرلے گا۔ اور جو ان کے برخلاف ہوگا اسے ردّ کر دے گا۔ تو یہ امر ہمارا عین سرُور عین مدّعا ہے۔ اور عین آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔

ہمارا مذہب

[1] النور: ۳۱

ہمارا مذہب وہابیوں کے برخلاف ہے۔ ہمارے نزدیک تقلید کو چھوڑنا ایک اباحت ہے۔ کیونکہ ہر ایک شخص مجتہد نہیں ہے۔ ذرا سا علم ہونے سے کوئی متابعت کے لائق نہیں ہو جاتا کیا وہ اس لائق ہے۔ کہ سارے متقی اور تزکیہ کرنے والوں کی تابعداری سے آزاد ہو جائے۔ قرآن شریف کے اسرار سوائے مُطہّر اور پاک لوگوں کے اور کسی پر نہیں کھولے جاتے ہمارے ہاں جو آتا ہے۔ اسے پہلے ایک حنفیت کا رنگ چڑھانا پڑتا ہے۔ میرے خیال میں یہ چاروں مذہب اللہ تعالیٰ کا فضل ہیں اور اسلام کے واسطے ایک چار دیواری۔ اللہ تعالیٰ نے اسلام کی حمایت کے واسطے ایسے اعلیٰ لوگ پیدا کئے۔ جو نہایت متقی اور صاحب تزکیہ تھے۔ آج کل کے لوگ جو بگڑتے ہیں اس کی وجہ صرف یہی ہے کہ اماموں کی متابعت چھوڑ دی گئی ہے۔ خدا تعالیٰ کو دو قسم کے لوگ پیارے ہیں۔ اوّل وہ جن کو اللہ تعالیٰ نے خود پاک کیا۔ اور علم دیا۔ دوّم وہ جو اُن کی تابعداری کرتے ہیں۔ ہمارے نزدیک ان لوگوں کی تابعداری کرنے والے بہت اچھے ہیں کیونکہ اُن کو تزکیہ نفس عطا کیا گیا تھا اور رسُول اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کے زمانہ کے قریب تر کے ہیں۔ میں نے خود سُنا ہے کہ بعض لوگ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے حق میں سخت کلامی کرتے ہیں۔ یہ ان لوگوں کی غلطی ہے۔"

(از نوٹ بک مولوی شیر علی صاحب)

ایک الہام

۱۵؍ اگست ۱۹۰۱ء کی صُبح کو ایک الہام ہوا:-

وانّی اریٰ بعض المصائب تنزل

(الحکم جلد ۵ نمبر ۳۱ صفحہ ۳ تا ۴ پرچہ ۲۴؍ اگست ۱۹۰۱ء)

۲۶؍ اگست ۱۹۰۱ء صُبح بوقت سیر فرمایا:-

رسُول اللہؐ کی قوتِ قدسی کا اثر

"اچھی زندگی وہ ہے جو عمدہ ہو اگرچہ تھوڑی ہو۔ حضرت نوحؑ کے مقابلہ میں ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کی عمر بہت تھوڑی تھی۔ مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کی عمر نہایت مُفید تھی تھوڑے سے عرصہ میں آپ نے بڑے بڑے مُفید کام کئے۔ انبیاءؑ کے اقوال میں ایک اثر ہوتا ہے۔ وہ اپنے ساتھ قوتِ قدسیہ رکھتے ہیں۔ قوت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلّم میں سب سے زیادہ تھی۔ ایک آدمی کو راہ پر لانا کیسا مشکل ہوتا ہے۔ مگر آنحضرتؐ کے طفیل کروڑوں آدمی راہ پر آ گئے۔ اس وقت دنیا میں تمام مذاہب کے مقابلہ پر سب سے زیادہ تعداد مسلمانوں کی ہے۔ بعض جغرافیہ والوں نے مسلمانوں کی تعداد کم لکھی ہے۔ مگر محققین نے بڑے بڑے ثبوت دے کر اس بات کو ثابت کر دیا ہے کہ مسلمانوں کی تعداد سب سے زیادہ ہے۔

کسی بات کا اثر دو طرح پر قائم رہتا ہے۔ اعتقاداً و عملاً۔ اعتقادی طور پر سارے مسلمان کلمہ طیبہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ پر قائم ہیں اور عملی طور پر مثلاً سُور نہ کھانا تمام مسلمانوں میں خواہ وہ کسی فرقہ یا مُلک کے ہوں سب میں نہایت قوت کے ساتھ اُس پر عمل ہوتا ہے۔ بدی کے ارتکاب میں سے جھُوٹ بولنا سب سے زیادہ آسان اور جلدی ہو سکنے والا ہے۔ کیونکہ زنا۔ چوری وغیرہ کے واسطے قوت، مال، ہمت، دلیری چاہیئے۔ مگر جھوٹ کے واسطے کسی چیز کی ضرورت نہیں۔ صرف زبان ہلا دینی پڑتی ہے۔ باوجُود اس کے صحابہؓ میں جھوٹ ثابت نہیں۔ آنحضرتؐ کے اصحاب میں سے کسی نے بھی جھوٹ نہیں بولا۔ دیکھو کتنا بڑا اثر ہے لیکن اس کے مقابل حضرت عیسیٰؑ کے حواریوں میں دیکھو۔ اپنے نبی کا عین اس کی گرفتاری کے وقت انکار کر دیا۔ ایک نے تیس روپے لے کر اُس کو پکڑوا دیا۔ ایک حواری کہتا ہے۔ کہ مسیح نے ایسے نشان دکھائے کہ اگر لکھے جائیں تو دنیا میں نہ سمائیں۔ دیکھو یہ کتنا جھُوٹ ہے۔ جو باتیں دنیا میں ہوئیں۔ اور ہونے کے وقت سما گئیں وہ بعد میں کیونکر نہ سما سکتیں۔ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی دُعائیں سب سے زیادہ قبُول ہوئیں۔"

قبولیتِ دُعا کے شرائط

فرمایا:۔ "قبولیت دُعا کیواسطے چار شرطوں کا ہونا ضروری ہے۔ تب کسی کے واسطے دُعا قبول ہوتی ہے۔ شرط اوّل یہ ہے کہ اتقار ہو یعنی جس سے دُعا کرائی جاوے وہ دُعا کرنے والا متقی ہو۔ تقوٰی احسن و اکمل طور پر حضرت رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم میں پایا جاتا تھا۔ آپؐ میں کمال تقوٰی تھا۔ اصول تقوٰی کا یہ ہے کہ انسان عبُودیت کو چھوڑ کر اُلوہیت کے ساتھ ایسا مِل جاوے جیسا کہ لکڑی کے تختے دیوار کے ساتھ مِل کر ایک ہو جاتے ہیں۔ اس کے اور خدا کے درمیان کوئی شئے حائل نہ رہے۔ اُمور تین قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک یقینی بدیہی یعنی ظاہری دیکھنے میں ایک بات بُری یا بھلی ہے۔ دوم یقینی نظری یعنی ویسا یقین تو نہیں۔ مگر پھر بھی نظری طور پر دیکھنے میں وہ امر اچھا یا بُرا ہو۔ سوم وہ اُمور مشتبہ ہیں یعنی ان میں شُبہ ہو کہ شاید یہ بُرے ہوں۔ پس متقی وہ ہے کہ اس احتمال اور شُبہ سے بھی بچے۔ اور تینوں مراتب کو طے کرے۔ حضرت عُمرؓ کا قول ہے کہ شُبہ اور احتمال سے بچنے کے لئے ہم دسؔ باتوں میں سے نَو باتیں چھوڑ دیتے ہیں۔ چاہیئے کہ احتمالات کا سدِّ باب کیا جاوے۔ دیکھو ہمارے مخالفوں نے اس قدر تائیدات اور نشانات دیکھے ہیں کہ اگر اُن میں تقوٰی ہوتا تو کبھی رُوگردانی نہ کرتے ایک کریم بخش کی گواہی ہی دیکھو جس نے رو رو کر اپنے بڑھاپے کی عمر میں جبکہ اس کی موت بہت قریب تھی یہ گواہی دی کہ ایک مجذوب گلاب شاہ نے پہلے سے مجھے کہا تھا کہ عیسٰی قادیان میں پیدا ہو گیا ہے۔ اور وہ لُدھیانہ میں آوے گا۔ اور تُو دیکھے گا کہ مولوی اس کی کیسی مخالفت کریں گے۔ اس کا نام غلام احمد ہو گا۔ دیکھو یہ کیسی صاف پیشگوئی ہے۔ جو اس مجذوب نے کی۔ کریم بخش کے پابند صَوم وصلوٰۃ ہونے اور ہمیشہ سچ بولنے پر سینکڑوں آدمیوں نے گواہی دی جیسا کہ ازالہ اوہام میں مفصّل درج ہے۔

اب کیا تقوٰی کا یہ کام ہے۔ کہ اس گواہی کو جھُٹلایا جاوے۔ تقوٰی کے مضمون پر ہم کچھ شعر لکھ رہے تھے اس میں ایک مصرعہ الہامی درج ہوا۔ وہ شعر یہ ہے۔

ہر اک نیکی کی جڑ یہ اِتّقا ہے ٭ اگر یہ جڑ رہی سب کچھ رہا ہے

اس میں دوسرا مصرعہ الہامی ہے۔ جہاں تقویٰ نہیں وہاں حسنہ حسنہ نہیں اور کوئی نیکی نیکی نہیں۔ اللہ تعالیٰ قرآن شریف کی تعریف میں فرماتا ہے۔ ھُدًی لِّلۡمُتَّقِیۡنَ[1]۔ قرآن بھی ان لوگوں کے لئے ہدایت کا موجب ہوتا ہے جو تقویٰ اختیار کریں۔ ابتدا میں قرآن کے دیکھنے والوں کا تقویٰ یہ ہے کہ جہالت اور حسد اور بخل سے قرآن شریف کو نہ دیکھیں بلکہ نُورِ قلب کا تقویٰ ساتھ لے کر صدق نیّت سے قرآن شریف کو پڑھیں۔

دُوسری شرط قبولیّتِ دُعا کیواسطے یہ ہے کہ جس کیواسطے انسان دعا کرتا ہو۔ اس کے لئے دل میں درد ہو۔ اَمَّنۡ یُّجِیۡبُ الۡمُضۡطَرَّ اِذَا دَعَاہُ[2]۔

تیسری شرط یہ ہے کہ وقت اصفیٰ میسر آوے۔ ایسا وقت کہ بندہ اور اس کے ربّ میں کچھ حائل نہ ہو۔ قرآن شریف میں جو لیلۃ القدر کا ذکر آیا ہے کہ وہ ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔ یہاں لیلۃ القدر کے تین معنی ہیں۔ اوّل تو یہ کہ رمضان میں ایک رات لیلۃ القدر کی ہوتی ہے۔ دوم یہ کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ بھی ایک لیلۃ القدر تھا یعنی سخت جہالت اور بے ایمانی کی تاریکی کے وہ زمانہ میں آیا جبکہ ملائکہ کا نزُول ہوا۔ کیونکہ نبی دُنیا میں اکیلا نہیں آتا۔ بلکہ وہ بادشاہ ہوتا ہے۔ اور اس کے ساتھ لاکھوں کروڑوں ملائکہ کا لشکر ہوتا ہے۔ جو ملائک اپنے اپنے کام میں لگ جاتے ہیں۔ اور لوگوں کے دلوں کو نیکی کی طرف کھینچتے ہیں۔ سوم۔ لیلۃ القدر انسان کے لئے اس کا وقت اصفیٰ ہے۔ تمام وقت یکساں نہیں ہوتے۔ بعض وقت رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عائشہؓ کو کہتے کہ ارحنا یاعائشۃ یعنی اے عائشہؓ مجھ کو راحت و خوشی پہنچا اور بعض وقت آپ بالکل دُعا میں مصرُوف ہوتے۔ جیسا کہ سعدیؒ نے کہا ہے۔

وقتے چنیں بُودے کہ بجبرئیل و میکائیل پرداختے و دیگر وقت باحفصہ و زینب درساختے

جتنا جتنا انسان خدا کے قریب آتا ہے۔ یہ وقت اسے زیادہ میسر آتا ہے۔

چوتھی شرط یہ ہے کہ پُوری مدّت دُعا کی حاصل ہو یہاں تک کہ خواب یا وحی سے اللہ تعالیٰ

[1] البقرۃ: ۳ [2] النمل: ۶۳

خبر دے۔ محبت و اخلاص والے کو جلدی نہیں چاہیئے۔ بلکہ صبر کے ساتھ انتظار کرنا چاہیئے۔"
(الحکم جلد ۵ نمبر ۳۲ صفحہ ۱۳-۱۴ پرچہ ۳۱ اگست ۱۹۰۱ء)

---

۲۶ یا ۲۷ اگست ۱۹۰۱ء یا اس کے قریب ایک دن حضرتؑ نے فرمایا:۔
"ہم نے رویا میں دیکھا ہے کہ ایک شخص نے قے کی ہے اور اُس پر کپڑا دے کر اُسے چھپاتا ہے۔"

ایک صاحب جن کے خاندان میں پیری مُریدی کا سلسلہ مدت سے چلا آتا ہے اور ہزاروں اُن کے مُرید ہیں اور وہ خود بھی پیر تھے۔ مگر اب ان سلسلوں کو ترک کرکے اس سلسلہ الٰہیہ میں شامل ہیں انہوں نے حضرتؑ کی خدمت میں عرض کیا کہ زمانہ پیری میں ہم لوگوں کی اکثر جھوٹی کرامتیں مشہور تھیں اور بہت لوگ ہمارے مُرید اور معتقد تھے۔ میں نے ایک دفعہ اپنے بھائی سے ذکر کیا اور دل میں کئی بار خطرہ گزرا کہ ہمارے والد صاحب کی جو کرامتیں مشہور ہیں وہ بھی اس طرح کی ہوں گی جس طرح کی ہماری ہیں۔ پھر ہم نے سوچا کہ شیخ عبدالقادر جیلانیؒ اور دوسرے بزرگوں کا بھی یہی حال ہوگا۔ غرض میں اسی خیال میں ترقی کرتا ہوا قریب تھا کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی بدگمان ہو جاتا اور معاذاللہ خدا تعالیٰ کا بھی انکار کرتا کہ خوش قسمتی سے مجھے آپ کی زیارت نصیب ہوئی۔ اور حق مل گیا۔ اس پر حضرت اقدسؑ نے فرمایا:۔

جھُوٹے ولی

"بیشک ان گدی نشینوں اور اس قسم کے پیروں کے ایمان خطرہ میں ہیں۔ لیکن اس قسم کی جھوٹی کرامتوں کے دکھلانے والے اور جھوٹی کرامتوں کے مشہور ہو جانے سے یہ نتیجہ نہیں نکالنا چاہیئے کہ سب جھوٹے ہی ہیں۔ اور تمام سلسلہ اولیاء کا اور بزرگانِ دین کا سب مکاری اور فریب پر مبنی تھا بلکہ ان جھوٹے ولیوں کا وجود اس بات کا ثبوت ہے۔ کہ دنیا میں سچے ولی بھی ضرور ہیں۔ کیونکہ جبتک کوئی سچی بات نہ ہو۔ تب تک کوئی جھوٹی بات نہیں

بنائی جاتی۔ مثلاً اگر دُنیا میں سچّا اور اصلی سونا نہ ہوتا تو کیمیا گر کبھی جھوٹا سونا نہ بناتا۔ اگر سچے ہیرے اور موتی کانوں سے نہ نکلتے تو جھوٹے ہیرے اور موتی بنانے کا کسی کو خیال نہ پیدا ہوتا۔ ان جھوٹوں کا ہونا خود اس بات کی دلیل ہے کہ سچے ضرور ہیں۔"

۲۸؍ اگست ۱۹۰۱ء کی صبح کو حضرت نے فرمایا کہ

انگریزوں کے متعلق پیشگوئی

"ہمارے مخالف دو قسم کے لوگ ہیں۔ ایک تو مسلمان مُلّا مولوی وغیرہ۔ دوسرے عیسائی انگریز وغیرہ۔ دونوں اس مخالفت میں اور اسلام پر ناجائز حملے کرنے میں زیادتی کرتے ہیں۔ آج ہمیں ان دونوں قوموں کے متعلق ایک نظارہ دکھایا گیا اور الہام کی صُورت پیدا ہوئی مگر اچھی طرح یاد نہیں رہا۔ انگریزوں وغیرہ کے متعلق اس طرح سے تھا کہ ان میں بہت لوگ ہیں جو سچائی کی قدر کریں گے اور مُلّا مولویوں وغیرہ کے متعلق یہ تھا کہ اُن میں سے اکثر کی قوت مسلُوب ہو گئی ہے۔"

دُعا کا طریق

دُعا کے متعلق ذکر تھا۔ فرمایا۔

"دُعا کے لئے رِقّت والے الفاظ تلاش کرنے چاہئیں۔ یہ مُناسب نہیں۔ کہ انسان مسنُون دعاؤں کے ایسا پیچھے پڑے کہ اُن کو جنتر منتر کی طرح پڑھتا رہے اور حقیقت کو نہ پہچانے۔ اتباعِ سنّت ضروری ہے۔ مگر تلاشِ رقّت بھی اتباعِ سنّت ہے۔ اپنی زبان میں جس کو تم خوب سمجھتے ہو۔ دُعا کرو۔ تاکہ دُعا میں جوش پیدا ہو۔ الفاظ پرست مخذُول ہوتا ہے حقیقت پرست بننا چاہیئے۔ مسنُون دعاؤں کو بھی برکت کے لئے پڑھنا چاہیئے۔ مگر حقیقت کو پاؤ۔ ہاں جس کو زبانِ عربی سے موافقت اور فہم ہو وہ عربی میں پڑھے۔"

حُقّہ نوشی کے متعلق ذکر آیا۔ فرمایا:۔

حُقّہ نوشی

"اس کا ترک اچھا ہے۔ ایک بدعت ہے۔ منہ سے بُو آتی ہے۔ ہمارے والد صاحب مرحوم اس کے متعلق ایک شعر اپنا بنایا ہوا پڑھا کرتے تھے۔ جس سے اس کی بُرائی ظاہر ہوتی ہے۔"

۳؍ستمبر ۱۹۰۱ء

ایک رویاء

فرمایا۔ "آج ہم نے رویاء میں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ کا دربار ہے اور ایک مجمع ہے اور اس میں تلواروں کا ذکر ہو رہا ہے تو میں نے اللہ تعالیٰ کو مخاطب کر کے کہا کہ سب سے بہتر اور تیز تر وہ تلوار ہے جو تیری تلوار میرے پاس ہے۔ اس کے بعد ہماری آنکھ کھُل گئی اور پھر ہم نہیں سوئے۔ کیونکہ لکھا ہے کہ جب مُبشّر خواب دیکھو تو اس کے بعد جہانتک ہو سکے نہیں سونا چاہیئے۔ اور تلوار سے یہی حربہ ہے۔ جو کہ ہم اس وقت اپنے مخالفوں پر چلا رہے ہیں جو آسمانی حربہ ہے۔"

فلسفی اور نبی

فرمایا۔ "فلسفی اور نبی میں یہ فرق ہے کہ فلسفی کہتا ہے کہ خدا ہونا چاہیئے۔ نبی کہتا ہے خدا ہے۔ فلسفی کہتا ہے کہ دلائل ایسے موجود ہیں کہ خدا کا وجود ضرور ہونا چاہیئے نبی کہتا ہے کہ میں نے خود خدا سے کلام کیا ہے اور مجھے اس نے بھیجا ہے اور میں اس کی طرف سے اس کو دیکھ کر آیا ہوں۔" (الحکم جلد ۵ نمبر ۳ صفحہ ۹ پرچہ ۱۰؍ستمبر ۱۹۰۱ء)

ڈائری (کوئی تاریخ نہیں)

نبی بخش بٹالوی کا ذکر آیا ہے کہ اس نے مُصلح ہونے کا دعویٰ کیا اور ایک اخبار نکالنے کا ارادہ

کیا ہے۔ اس پر حضرت اقدسؑ نے فرمایا۔

"بعض لوگ انبیاء اور مرسلین من اللہ کی کامیابیوں کو دیکھ کر یہ خیال کرتے ہیں کہ شاید ان لوگوں کی کامیابی بسبب ان کی لفاظیوں اور قوت بیانیوں اور فصاحتوں اور بلاغتوں کے ہے۔ آؤ ہم بھی ایسا ہی کریں۔ اور اپنا سلسلہ جمالیں۔ مگر وہ لوگ غلطی کھاتے ہیں۔ انبیاء کی کامیابی بسبب اس تعلق کے ہوتی ہے۔ جو اُن کا خدا کے ساتھ ہوتا ہے۔ آدمؑ سے لیکر آجتک کسی کو تقویٰ کے سوا فتح نہیں ہوئی۔

فتح کی کُنجی

فتح کی کُنجی خدا کے ہاتھ میں ہے۔ فتح صرف اُسی کو ہو سکتی ہے۔ جس کا بحر تقویٰ میں سب سے بڑھ کر ہے۔ تقویٰ کا پودا قائم ہو جائے۔ تو اُس کے ساتھ زمین و آسمان اُلٹ سکتے ہیں۔"
(ڈائری)

مسلمانوں پر افسوس

فرمایا۔ "مسلمانوں پر افسوس ہے کہ اُنہوں نے یہ تو مان لیا کہ آخری زمانہ کے یہود بھی مسلمان ہوں گے۔ پر یہ نہ مانا کہ آخری زمانہ کا مسیح بھی انہیں میں سے ہوگا۔ گویا ان کے نزدیک امّت محمدیہ میں صرف شر ہی رہ گیا ہے اور خیر کچھ بھی نہیں۔"

کسی نے ذکر کیا کہ نبی بخش بٹالوی کہتا ہے کہ مولوی عبدالکریم صاحب اپنے خطبوں میں مرزا صاحب کے متعلق بڑا غلو کرتے ہیں۔ اور اسی پر مرزا صاحب نے سمجھ لیا کہ ہمارا درجہ بڑا ہے۔

فرمایا۔ "براہین احمدیہ کے زمانہ میں مولوی عبدالکریم صاحب کہاں تھے اس میں جو کچھ اللہ تعالیٰ نے کہا ہے۔ قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ اور اَنْتَ مِنِّی بِمَنْزِلَۃِ توحیدی و تفریدی اور "تیرا مخالف جہنم میں گرے گا" وغیرہ۔ مولوی عبدالکریم صاحب اس کے مقابل میں کیا کہہ سکتے ہیں۔ جو خدا نے کہا ہے۔"

فرمایا۔ " انبیاءؑ کے کلام میں الفاظ کم ہوتے ہیں اور معانی بہت۔"

فرمایا۔ "جس قدر دُعائیں ہماری قبول ہو چکی ہیں وہ پانچ ہزار سے کسی صُورت میں کم نہیں"

شیطان مسیح موعودؑ کے ہاتھوں ہلاک ہوگا

فرمایا۔ " شیطان نے آدم کو مارنے کا منصُوبہ کیا تھا اور اس کا استیصال چاہا تھا پھر شیطان نے خدا سے مُہلت چاہی اور اس کو مُہلت دی گئی۔ اِلٰی یَوۡمِ الۡوَقۡتِ الۡمَعۡلُوۡمِ[1] بسبب اس مُہلت کے کسی نبی نے اس کو قتل نہ کیا۔ اُس کے قتل کا وقت ایک ہی مقرر تھا کہ وہ مسیح موعود کے ہاتھ سے قتل ہو۔ اب تک وہ ڈاکوؤں کی طرح پھرتا رہا ہے۔ لیکن اب اس کی ہلاکت کا وقت آگیا ہے۔ اب تک اخیار کی قلت اور اشرار کی کثرت تھی۔ لیکن شیطان ہلاک ہوگا اور اخیار کی کثرت ہوگی اور اشرار چُوڑھے چماروں کی طرح ذلیل بطور نمونہ کے رہ جائیں گے۔"

فرمایا۔ " اعمال دو قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک وہ جو بہشت و دوزخ کی امید و بیم سے ہوتے ہیں اور دوسرے وہ جو طبعی جوش سے ہوتے ہیں۔ دو باتیں مسلمانوں میں طبعی جوش کے طور پر اب تک موجود ہیں۔ ایک سُؤر کے گوشت کی حُرمت۔ خواہ مسلمان کیسا ہی فاسق ہو۔ سؤر کے گوشت پر ضرور غیرت دکھائے گا اور دوسرے حرمین شریفین کی عزت۔ یہی وجہ ہے کہ کسی قوم کو جرأت نہیں ہو سکتی کہ حرمین پر ہاتھ ڈالنے کی دلیری کرے۔"

اس بات کا ذکر ہوا کہ نیچری لوگ شیطان کے ہونے کے منکر ہیں۔
حضرت نے فرمایا۔

[1] الحجر : ۳۹

خدا کی باتوں پر ایمان

"انسان کو اپنی حد سے تجاوز نہیں کرنا چاہیئے۔ احق بالامن وُہی لوگ ہیں جو خدا کی باتوں پر ایمان لاتے ہیں اور اس کی ماہیت و حقیقت کو حوالہ بخُدا کرتے ہیں۔ اب دیکھو چار چیزیں غیر مرئی بیان ہوئی ہیں۔ خدا۔ ملائک۔ ارواح۔ شیطان۔ یہ چاروں چیزیں لایدرک ہیں۔ پھر کیا وجہ ہے کہ ان میں سے خدا اور رُوح کو تو مان لیا جائے اور ملائک اور شیطان کا انکار کیا جائے۔ اس انکار کا نتیجہ تو رفتہ رفتہ حشر اجساد کا انکار اور الہام کا انکار اور خدا کا انکار ہوگا اور ہوتا ہے۔ بسا مرتبہ انسان نیکی کا ارادہ کرتا ہے مگر اسے جذبات کہاں سے کہاں لے جاتے ہیں۔ اور باوجود عقل اور سمجھ کے بے اختیار سا ہو کر فسق و فجور میں گرتا ہے یہ کشاکش کیا ہے۔ خدا نے انسان کو اس مُسافر خانہ میں بڑے بڑے قویٰ کے ساتھ بھیجا ہے چاہیئے کہ یہ اُن سب سے کام لے۔"

(الحکم جلد ۵ نمبر ۳۴ صفحہ ۱۱ پرچہ ۱۷ ستمبر ۱۹۰۱ء)

---

۱۰ ستمبر ۱۹۰۱ء

غیروں کے پیچھے نماز

سید عبداللہ صاحب عرب نے سوال کیا کہ میں اپنے ملک عرب میں جاتا ہوں وہاں میں ان لوگوں کے پیچھے نماز پڑھوں یا نہ پڑھوں؟

فرمایا۔ "مصدقین کے سوا کسی کے پیچھے نماز نہ پڑھو۔"

عرب صاحب نے عرض کیا وہ لوگ حضورؑ کے حالات سے واقف نہیں ہیں۔ اور ان کو تبلیغ نہیں ہوئی

فرمایا۔ "ان کو پہلے تبلیغ کر دینا پھر یا وہ مصدق ہو جائیں گے یا مکذب۔"

عرب صاحب نے عرض کیا کہ ہمارے ملک کے لوگ بہت سخت ہیں اور ہماری قوم شیعہ ہے۔

فرمایا۔ "تم خدا کے ہو۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ جس کا معاملہ صاف ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ

آپ اس کا متولّی اور متکفّل ہوجاتا ہے۔"

اب اسلام کا مذہب پھیلے گا

فرمایا۔ "آج کل تمام مذاہب کے لوگ جوش میں ہیں۔ عیسائی کہتے ہیں کہ اب ساری دنیا میں مذہب عیسوی پھیل جائے گا۔ برہمو کہتے ہیں کہ ساری دنیا میں برہموؤں کا مذہب پھیل جائیگا اور آریہ کہتے ہیں کہ ہمارا مذہب سب پر غالب آجائے گا۔ مگر یہ سب جھوٹ کہتے ہیں۔ خدا تعالیٰ ان میں سے کسی کے ساتھ نہیں۔ اب دنیا میں اسلام کا مذہب پھیلے گا۔ اور باقی سب مذاہب اس کے آگے ذلیل اور حقیر ہوجائیں گے۔"

فرمایا۔ "جو بات ہماری سمجھ میں نہ آوے یا کوئی مشکل پیش آوے تو ہمارا طریق یہ ہے۔ کہ ہم تمام فکر کو چھوڑ کر صرف دُعائیں اور تضرّع میں مصروف ہوجاتے ہیں۔ تب وہ بات حل ہوجاتی ہے۔"

فرمایا۔ "افسوس ہے کہ لوگ جوش اور سرگرمی کے ساتھ قرآن شریف کی طرف توجہ نہیں کرتے جیسا کہ دنیادار اپنی دنیاداری میں یا ایک شاعر اپنے اشعار پر غور کرتا ہے۔ ویسا بھی قرآن شریف پر غور نہیں کیا جاتا۔ بٹالہ میں ایک شاعر تھا اس کا ایک دیوان ہے۔ اس نے ایک دفعہ ایک مصرعہ کہا۔ صبا شرمندہ مے گردد بہ روئے گل نگہ کردن

مگر دوسرے مصرعہ کی تلاش میں برابر چھ مہینے سرگردان و حیران پھرتا رہا۔ بالآخر ایک دن ایک بزاز کی دوکان پر کپڑا خریدنے گیا۔ بزاز نے کئی تھان کپڑوں کے نکالے۔ پر اس کو کوئی پسند نہ آیا۔ آخر بغیر کچھ خریدنے کے جب اُٹھ کھڑا ہوا۔ تو بزاز ناراض ہوا۔ کہ تم نے اتنے تھان کھلوائے۔ اور بے فائدہ تکلیف دی۔ اِس پر اُس کو دوسرا مصرعہ سوجھ گیا۔ اور اپنا شعر

اس طرح سے پُورا کیا۔

۵ صبا شرمندہ مے گردد بروئے گل نگہ کردن کہ رُخت غُنچہ را وا کرد و نتوانست تہ کردن

جس قدر محنت اس نے ایک مصرعہ کے لئے اُٹھائی۔ اتنی محنت اب لوگ ایک آیت قرآنی کے سمجھنے کے لئے نہیں اُٹھاتے۔ قرآن جواہرات کی تھیلی ہے اور لوگ اس سے بیخبر ہیں۔"

(الحکم جلد ۵ نمبر ۳۵ صفحہ ۶ پرچہ ۲۴ ستمبر ۱۹۰۱ء)

---

۲۱ ستمبر ۱۹۰۱ء

مسیح موعود کی سچائی پر زمانہ کی شہادت

"اسلام کی موجودہ حالت خود بتا رہی ہے کہ خدا تعالیٰ کوئی سلسلہ ایسا قائم کرے۔ جو اس کو اُن مشکلات سے نجات دے۔ زیرک اور دانشمند انسان کے لئے کیا یہ کافی نہیں ہے۔ کہ جب زمین پر تیاری ہے تو آسمان پر کوئی تیاری نہ ہو گی؟ کیا مخالفوں نے اسلام کے نیست و نابُود کرنے میں کوئی کمی چھوڑی ہے۔ پادریوں کی طرف دیکھو کہ اُنہوں نے کس قدر زور لگایا ہے ان لوگوں کے ارادے ہیں اور ان کے نزدیک وہ امن جس کو یہ امن قرار دیتے ہیں اس وقت قائم ہو سکتا ہے کہ اسلام کا استیصال ہو جاوے۔ جو شخص قرآن شریف کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے سمجھتا ہے۔ اور رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا تعالیٰ کا سچا نبی مانتا ہے۔ اسے سمجھنا چاہیئے کہ خدا تعالیٰ نے جو یہ وعدہ کیا تھا کہ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ۔[1] کیا وہ اس وقت ان بے جا حملوں کے دفاع اور فرو کرنے کے لئے اس صدی کے سر پر اپنی سُنت قدیمہ کے موافق کوئی آسمانی سلسلہ قائم نہ کرتا؟؟؟ اور پھر قرآن شریف میں جبکہ یہ صاف فرما دیا ہے۔ کہ اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا۔[2] تو کیا ضروری نہ تھا کہ ان تنگیوں کی جن میں آج اسلام مبتلا ہے۔ انتہا ہوتی؟ اور یُسر کی حالت پیدا ہوتی؟ ضرور تھا۔ چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا۔

[1] الحجر: ۱۰ [2] الم نشرح: ۷

یہ ایسی باتیں ہیں کہ ان پر غور کرنے سے ضروری طور پر سمجھ میں آتا ہے۔ کہ اس مصیبت اور تنگی کے وقت ضرور آسمان پر ایک سامان ہو چکا ہے اور تیاری ہو رہی ہے۔ اور وہ وقت قریب ہے کہ اسلام اپنی اصلی حالت اور صورت میں نمایاں ہو اور ملل باطلہ تباہ ہو جائیں خدا تعالیٰ کی سُنّت قدیم میں سے یہ امر بھی ہے کہ وہ ظاہر نہیں فرماتا جبتک اس کا وقت نہ آجائے۔ مگر اس وقت تک ہم دیکھتے ہیں کہ تخم ریزی ہو رہی ہے۔ اندرونی مصائب کو ہی دیکھو کہ وہ کیا رنگ لا رہے ہیں۔ مُسلمانوں میں وحدت نہیں رہی جو کامیابی کا اصل الاصُول ہے۔ خوارج۔ شیعہ الگ ہیں۔ حنبلی۔ شافعی۔ مالکی۔ حنفی الگ ہیں صُوفیوں اور مشائخ ہیں الگ الگ تفرقہ شروع ہے۔ جیسا کہ چشتی۔ نقشبندی۔ سہروردی۔ قادری وغیرہ فرقوں سے معلوم ہوتا ہے۔ ہر ایک ان فرقہ والوں میں سے۔ بجائے خود یہ خیال کرتا ہے۔ اور کرتا ہوگا کہ اب اسی کا فرقہ کامیاب ہو جائے گا۔ اور باقی سب کا نام و نشان مٹ جائے گا حنفی کہتے ہوں گے کہ سب حنفی ہی ہو جائیں گے۔ رافضیوں کے نزدیک ابھی رفض ہی کا زمانہ ہوگا۔ وجودی کہتے ہوں گے۔ کہ سب وجودی ہی ہو جائیں گے۔ اصل میں یہ سب جھوٹے ہیں۔ کیونکہ یہ باتیں خدا تعالےٰ سے استمزاج کر کے تو نہیں کی جاتیں۔ بلکہ اپنے ذاتی اور سطحی خیالات ہیں۔ کوئی شخص خدا تعالیٰ کے ارادہ تک نہیں پہنچا۔ خدا تعالےٰ کے ارادے وہی ہیں جو قرآن شریف سے ثابت ہیں۔ جو ظُلم اس وقت کتاب اللہ پر اندرونی یا بیرونی طور پر کیا گیا ہے۔ جو فرقہ اس ظلم کا انتقام لینے والا اور کتاب اللہ کے جلال اور عظمت کو ظاہر کرنے والا ہوگا وہی خدا سے تائید پائے گا۔ اور اسی کی کامیابی خدا کے حضور سے مقدر ہے جو اس ظُلم کی اصلاح کرے گا خواہ اس فرقہ کا کوئی نام ہو اگر وہ فرقہ دین کے لئے غیرت رکھتا اور کتاب اللہ کی عزت کیلئے اپنے ننگ و نام کو کھوتا ہے تو اس وقت ایک لذت اور بصیرت کے ساتھ خود بخود روشن ہو جائے گا۔ کہ یہی خدا تعالیٰ سے مدد یافتہ ہے۔ جو کچھ اس زمانہ میں پھیلا ہوا ہے۔ اس کی بابت کچھ نہ پُوچھئے۔ بہت سے چور اور ڈاکو مل کر نقب زنی کر رہے

ہیں۔ اور ایک خطرناک سازش اسلام اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور کتاب اللہ کے خلاف کی جاتی ہے مگر یہاں کچھ فکر ہی نہیں۔ اندرونی مفاسد نے مخالفوں کو موقعہ دے دیا ہے۔ کہ وہ متاعِ اسلام کے لُوٹ لینے میں دلیر ہوجائیں۔

میری رائے میں اندرونی مفاسد میں سے بہت کچھ حصّہ عُلماء کے باعث سے پیدا ہوا ہے اور کچھ حصّہ اُن لوگوں کی غلطیوں کا ہے جو اپنے آپ کو موحّد کہلاتے ہیں اور انہوں نے نری خشک لفاظیوں کا نام اسلام رکھ چھوڑا ہے اور ذرا بھی آگے نہیں بڑھتے۔ انہوں نے فیصلہ کر رکھا ہے جیسا عیسائیوں یا اور باطل پرستوں نے مان رکھا ہے کہ خدا کی طاقتیں پیچھے رہ گئی ہیں اور آگے نہیں ہیں گویا جو کچھ اُن کے ہاتھ میں ہے وہ نِرے قصّے اور کہانیاں ہی ہیں جن میں حقیقت کی رُوح اور زندگی کا کوئی نشان باقی نہیں ہے۔ دوسرے لفظوں میں یُوں کہو کہ انہوں نے اسلام کا یہ مغز اور خلاصہ دنیا کے سامنے پیش کیا ہے کہ صرف قِصّوں کی پیروی کرو اور کچھ نہیں۔ جسقدر یہ ظُلم اسلام پر کیا گیا ہے۔ اس کی نظیر اپنے رنگ میں بہت ہی کم ملے گی۔ کیونکہ اسلام ہی ایک ایسا مذہب تھا اور ہے۔ جو ہر زمانہ میں زندہ مذہب کہلا سکتا ہے کیونکہ اسکے انشانات مُردہ مذاہب کی طرح پیچھے نہیں رہ گئے جبکہ اس کے ساتھ ہر وقت رہتے ہیں۔ مگر ان خشک موحّدوں نے اس کو بھی مُردہ مذاہب کے ساتھ مِلانے کی کوشش کی جبکہ اُس کے انوار و برکات کو ایک وقت خاص تک محدُود کر دیا۔ ابتدا میں جب اس فرقہ نے سر نکالا تو بعض طبیعت رسا والے بھی اُنکے پاس آتے تھے مگر کسی کو خیال پیدا نہ ہوا کہ ان کا تھیلا تو پڑتال کر کے دیکھے کہ ان کے پاس ہے کیا؟ جب خوب غور اور فکر سے اُن کی تلاشی لی گئی تو آخر یہی نکلا کہ ان کے پاس بجز رفعِ یدین یا آمین بالجہر یا سینہ پر ہاتھ باندھنے کے اور ایسی ہی چند جُزئی باتوں کے اور کچھ نہیں۔ اور وہ اسی پر زور دیتے رہے۔ مثلاً امام کے پیچھے فاتحہ ضرور پڑھنی چاہیئے۔ قطع نظر اس کے کہ اس کے معانی پر اطلاع ہو یا نہ ہو۔ محمد حسین قریباً بیس برس تک اپنے رسائل

میں انہیں مسائل پر زور دیتا رہا لیکن آخر ماحصل یہی نکلا کہ اس پُرگوئی میں کوئی رُوحانیت نہیں ہے۔ اور آخر ان تیز زبانوں کی مُنہ زوری آئمہ اربعہ کی تحقیر و تذلیل تک منتہی ہوتی ہے

اَئمہ اربعہ برکت کا نشان تھے

میری رائے میں اَئمہ اربعہ ایک برکت کا نشان تھے۔ ان میں رُوحانیت تھی۔ کیونکہ روحانیت تقویٰ سے شروع ہوتی ہے اور وہ لوگ درحقیقت متقی تھے اور خدا سے ڈرنے تھے۔ اور اُن کے دِل کِلابُ الدّنیا سے مناسبت نہ رکھتے تھے۔

یاد رکھو یہ تقویٰ بڑی چیز ہے۔ خوارق کا صدُور بھی تقویٰ ہی سے ہوتا ہے اور اگر خوارق نہ بھی ہوں پھر بھی تقویٰ سے عظمت ملتی ہے۔ تقویٰ ایک ایسی دولت ہے کہ اس کے حاصل ہونے سے انسان خدا تعالےٰ کی محبّت میں فنا ہو کر نقش وجُود مٹا سکتا ہے۔ کمال تقویٰ کا یہی ہے۔ کہ اس کا اپنا وجود ہی نہ رہے۔ اور صیقل زدم آں قدر کہ آئینہ نماند کا مصداق ہو جاوے۔ اصل میں یہی توحید اور یہی وحدتِ وجُود تھی جس میں لوگوں نے غلطیاں کھا کر کچھ کا کچھ بنا لیا ہے۔ یہ کیا دین اور تقویٰ ہے کہ ایک ضعیف انسان اور بیچارہ بندہ ہو کر خدائی کا دعویٰ کرے۔ اس سے بڑھ کر کیا گستاخی اور شوخی ہو سکتی ہے کہ انسان خدا بنے اور خدا کے بھید اور اسرار کا جاننے کا مدّعی ٹھہرے۔

وجُودی فرقہ

وجُودیوں کی مثال ایسی ہے۔ جیسے ڈاکٹر انسان کی تشریح کرتا ہے اور اس کے دل گُردہ وجگر کے بھید معلوم کرتا ہے۔ اسی طرح پر وجُودی نے خدا کا بھید معلوم کرنے کا دعویٰ کیا ہے۔ حالانکہ یہ نری غلطی اور گُستاخی ہے۔ یہ لوگ اگر خدا تعالےٰ کی عظمت وجبرُوت سے ڈرنے والے ہوتے۔ اور اُن کے دل میں خدا کا خوف ہوتا تو اُن کے لئے صرف لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ[1] ہی کافی تھی۔ اور لَیْسَ کَمِثْلِهٖ شَیْءٌ[2] ہی بس تھا۔ مگر جو شخص خدا کے وجُود میں

---

[1] الانعام: ۱۰۴ [2] الشوریٰ: ۱۲

آگے سے آگے ہی چلا جاوے تو حیا اس کا نام نہیں ہے۔

وجُودی مذہب والوں نے کیا بنایا۔* انہوں نے کیا معلوم کیا جو ہم کو معلوم نہ تھا؟ بنی نوع کو انہوں نے کیا فائدہ پہنچایا؟ ان ساری باتوں کا جواب نفی میں دینا پڑے گا۔ اگر کوئی ضد اور ہٹ سے کام نہ لے تو ذرا بتائے تو سہی کہ خدا تو محبّت اور اطاعت کی راہ بتاتا ہے۔ چنانچہ خود قرآن شریف میں اس نے فرمایا ہے۔ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ[1] اور فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَذِكْرِكُمْ اٰبَآءَكُمْ۔[2] پھر کیا دُنیا میں کبھی یہ بھی ہؤا ہے کہ بیٹا باپ کی محبّت میں فنا ہو کر خود باپ بن جاوے۔ باپ کی محبّت میں فنا تو ہو سکتا ہے۔ مگر یہ نہیں ہو سکتا کہ باپ ہی ہو جاوے۔ یاد رکھنے کے قابل بات ہے کہ فنا ر نظری ایک ایسی شئے ہے جو محبّت سے ضرور پیدا ہوتی ہے لیکن ایسی فنا جو درحقیقت بہانہ فنا کا ہو اور ایک جدید وجُود کے پیدا کرنے کا باعث بنے کہ میں ہی ہوں، یہ ٹھیک نہیں ہے۔

جن لوگوں میں تقویٰ اور ادب ہے اور جنہوں نے لَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ[3] پر قدم مارا ہے وہ سمجھ سکتے ہیں کہ وجُودی نے جو قدم مارا ہے وہ حد ادب سے بڑھ کر ہے۔ بیسیوں کتابیں ان لوگوں نے لکھی ہیں۔ مگر ہم پوچھتے ہیں کہ کیا کوئی وجُودی اس بات کا جواب دے سکتا ہے کہ واقعی وجُودی میں خدا ہے۔ یا تصوّر ہے؟ اگر خدا ہی ہے۔ تو کیا یہ ضُعف اور یہ کمزوریاں جو آئے دن عاید حال رہتی ہیں یہ خدا تعالیٰ کی صفات ہیں۔ ذرا بچّہ

---

* نوٹ۔ بناتے تو کیا خاک اُلٹے خرابی میں پڑ گئے۔ کیا اچھا ہوتا کہ اگر یہ وجُودی بجائے وحدت وجُود کے کثرت وجُود کا عقیدہ رکھتے۔ اور خدا بننے کی کوشش نہ کرتے بلکہ مسیح بننے کی کوشش کرتے تاکہ یہ شرک عظیم جو دنیا میں پھیل رہا ہے کچھ تو مٹتا اور بہ کروڑ لوگوں میں سے جو رات دن ربّنا المسیح پکارتے ہیں کسی کی تو آنکھ کھلتی کہ دنیا میں کتنے مسیح ہو چکے اور ہیں اور ہوں گے۔ اور قرآن کریم نے اس شرکِ اعظم کو توڑنے کے لئے مسیح ابن مریم بننے کا دروازہ کھول دیا ہے چنانچہ سورۃ تحریم کی آخر کی آیات بوضاحت تمام کہہ رہی ہیں کہ پہلے زمانہ میں ایک ہی مسیح تھا مگر رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے متبعین میں سے سارے مومنین مسیح ابن مریم ہو سکتے ہیں

[1] البقرۃ: ۱۶۶ [2] البقرۃ: ۲۰۱ [3] بنی اسرائیل: ۳۷

یا بیوی بیمار ہو جاوے تو کچھ نہیں بنتا اور سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا کیا جاوے۔ مگر خدا تعالیٰ چاہے تو شفا دے سکتا ہے۔ حالانکہ وجُودی کے اختیار میں یہ امر نہیں ہے۔ بعض وقت مالی ضُعف اور افلاس ستاتا ہے۔ بعض وقت گناہ اور فسق و فجور بے ذوقی اور بے شوقی کا موجب ہو جاتا ہے تو کیا خدا تعالیٰ کے شاملِ حال بھی یہ امُور ہوتے ہیں؟ اگر خدا ہے تو پھر اس کے سارے کام کن فیکون سے ہونے چاہئیں حالانکہ یہ قدم قدم پر عاجز اور محتاج ٹھوکریں کھاتا ہے۔ افسوس وجُودی کی حالت پر کہ خدا بھی بنا پھر اس سے کچھ نہ ہوا۔ پھر عجب تر یہ ہے کہ یہ خدائی اس کو دوزخ سے نہیں بچا سکتی۔ کیونکہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ مَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ[1]۔ پس جب کوئی گناہ کیا تو اس کا خمیازہ بھگتنے کے لئے جہنّم میں جانا پڑا۔ اور ساری خدائی باطل ہو گئی۔ وجُودی بھی اس بات کے قائل ہیں۔ کہ فَرِيْقٌ فِي الْجَنَّةِ وَفَرِيْقٌ فِي السَّعِيْرِ[2] جبکہ وہاں بھی انسانیت کے مجسّم بنے رہے۔ تو پھر ایسی فضُول بات کی حاجت ہی کیا ہے جس کا کوئی نتیجہ اور اثر ظاہر نہ ہوا۔ غرض یہ لوگ بڑے بیباک اور دلیر ہوتے ہیں اور چونکہ اس فرقہ کا نتیجہ اباحت اور بے قیدی ہے۔ اس لئے یہ فرقہ بڑھتا جاتا ہے۔ لاہور جالندھر ہوشیارپور اضلاع میں اس فرقہ نے اپنا زہر بہت پھیلایا ہے۔ غور کر کے اس کے نتائج پر نظر کرو۔ بجز اباحت کے اَور کچھ معلوم نہیں دیتا۔ یہ لوگ صوم و صلوٰۃ کے پابند نہیں اور ہو بھی نہیں سکتے۔ کیونکہ خدا سے ڈرنا جس پر نجات کا مدار اور اعمال کا انحصار ہے وہ ان میں نہیں ہے۔ بعض بالکل دہریوں کے رنگ میں ہیں۔

غرض میں سچ سچ کہتا ہوں کہ یہ فتنہ بھی منجملہ ان فتنوں کے جو اس وقت پھیلے ہوئے ہیں ایک سخت فتنہ ہے۔ جس نے فسق و فجور کا دریا چلا دیا ہے۔ اور اباحت اور دہریّت کے دروازوں کو کھول دیا ہے۔ اگر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اس وقت زندہ ہوتے۔ تو وہ ان کو دیکھ کر حیران ہوتے کہ یہ اسلام کہاں سے آیا۔ انسان کو کسی حالت میں مناسب نہیں ہے کہ وہ انسانیت کی حدود کو توڑ کر آگے نکل جاوے۔ کیا سچ کہا ہے۔

---

[1] الزلزال : ۹ [2] الشوریٰ : ۸

بزُہد ورع کوش وصِدق وصفا ولیکن میفزائے بر مصطفےٰ

غرض یہ فرقہ دِق کی طرح ہے۔ایک شخص الہ آباد میں تھا۔اس نے مجھ سے خط وکتابت کی ایک دو مرتبہ کے خطُوط کی آمد ورفت کے بعد وہ گالیوں اور بدزبانیوں پر اُتر آیا۔ان لوگوں میں تزکیہ نفس تو بڑی بات ہے عام اخلاقی حالت بھی اچھی نہیں ہوتی۔اصل یہ ہے۔کہ اخلاق فاضلہ اور تزکیہ نفس کا مدار ہے تقویٰ اور خدا کا خوف جو بدقسمتی سے ان لوگوں میں نہیں ہوتا کیونکہ وہ تو خود خدا بنے ہوئے ہوتے ہیں۔پس جب وہ انسانیت چھوڑ کر خدا بن گئے۔اور یہ ایک ثابت شدہ بات ہے۔کہ وہ خدا تو بن سکتے ہی نہیں۔پھر باقی یہ رہا کہ انسانیت چھوڑ کر شیطان بن گئے۔اس لئے وہ بہت جلد برافروختہ ہو جاتے ہیں اور جہاں تک ان لوگوں کے حالات کی تحقیقات کرو گے ان میں اسلام کی پابندی ہرگز نہ نکلے گی۔میں پہلے کہہ چکا ہوں۔کہ ان میں صَوم وصلوٰۃ کی پابندی نہیں ہوتی۔اس لئے کہ خشیت الٰہی نہیں ہوتی اور رہبت اُٹھ جاتی ہے۔آخرکار دہریوں کے ساتھ نشست وبرخاست شروع کرتے ہیں۔اور حدُود اللہ کو توڑ کر بے قید ہو جاتے ہیں۔غرض یہ بڑا ہی خطرناک زہر ہے۔اگر کوئی یہ کہے کہ حضرت بایزید بسطامی یا خواجہ جنید بغدادی یا سید عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کے کلمات میں ایسے الفاظ پائے جاتے ہیں جن سے جاہل یا تو اُن کو کفر کی طرف منسُوب کرتے تھے یا ان کے اقوال کو فرقہ ضالہ وحدۃ وجُود کے لئے حجت پکڑتا ہے جیسے سبحانی ما اعظم شانی اور ما فی جبتی اللہ۔یہ اُن کی غلط فہمی ہے جو وہ ان کے اقوال سے حجت پکڑتے ہیں۔اول تو یہ صحیح طور پر معلوم نہیں کہ ان کے مُنہ سے ایسے الفاظ نکلے بھی ہیں یا نہیں۔لیکن اگر ہم مان بھی لیں کہ واقعی اُنہوں نے ایسے الفاظ بیان فرمائے ہیں۔تو ایسے کلمات کا چشمہ عشق اور محبت ہے۔مثلاً ایک عاشق جوش محبت اور محویت عشق میں یہ کہہ سکتا ہے۔

من تو شُدم تو من شُدی من تن شُدم تو جاں شُدی تا کس نگوید بعد ازیں من دیگرم تو دیگری

یہ محویت اور فنا اس قسم اور رنگ کی شے ہے جیسے ماں کو اپنے بچّہ کے ساتھ محبت کے رنگ میں ہوتی ہے۔ یہاں تک کہ اگر تھوڑی دیر بچّہ ماں کو نہ ملے تو اس کا دل اندر ہی اندر بیٹھا جاتا ہے۔ اور ایک اضطراب اور گھبراہٹ محسوس کرتی ہے۔ اور جُوں جُوں اس میں توقف اور دیر ہوتی جاتی ہے۔ اسی قدر اُس کا اضطراب بڑھتا جاتا ہے۔ اور اسے بیہوش کر دیتا ہے۔ اب یہ اُس کی فنا اُس کے وجود سے بڑھ کر ہے۔ مگر وجُودی نے فنا میں ایک وجود قائم کیا ہے۔ غرض ان بزرگوں کے مُنہ سے جو الفاظ اس قسم کے نکلے ہیں جن کو وجُودیوں نے اپنی تائید میں پیش کیا ہے۔ وہ اسی قسم کی محویت اور عشق و محبّت کے غلبہ تامّہ کا نتیجہ ہیں جس کو ان لوگوں نے اپنی کم فہمی کے باعث کچھ کا کچھ بنا لیا ہے۔ اُن کو یہ معلوم نہیں ہے کہ جب عشق و محبّت جوش مارتے ہیں تو اس کے عجیب عجیب اثر ظاہر ہوتے ہیں۔ یہاں تک کہ یہ اپنے آپ سے بالکل الگ ہوتا ہے۔ استیلاء محبت میں اپنا وجُود دکھائی دیتا ہی نہیں۔ اور یہی سمجھ میں آتا ہے کہ میں کچھ بھی نہیں۔

اس کی مثال ایسی ہے جیسے ایک لوہے کے ٹکڑے کو آگ میں ڈال دیا جاوے۔ یہاں تک کہ وہ سُرخ انگارے کی طرح ہو جاوے۔ اس حالت میں ایک دیکھنے والا لوہے کا ٹکڑہ قرار نہیں دے گا۔ بلکہ وہ اُس کو آگ ہی کا ایک انگارہ سمجھے گا۔ اور وہ بظاہر ہوتا بھی آگ ہی ہے۔ اس سے جلا بھی سکتے ہیں۔ لیکن حقیقت میں وہ لوہا ہی ہوتا ہے۔ اسی طرح پر آتشِ محبت اپنے عجائبات دکھاتی ہے۔ نادان اِن عجائبات کو دیکھ کر بجائے اِس کے کہ ان پر غور کرے اور اُن سے کوئی مفید نتیجہ حاصل کرے۔ ایک خیالی اثر اپنے دل پر قائم کر لیتا ہے۔ اور اسی لئے یہ مشکلات ہیں کہ ہر شخص جس مذہب میں اپنی عُمر کا ایک حصّہ گذار دیتا ہے وہ اُس کو چھوڑنا نہیں چاہتا۔ مگر یہ بڑی بھاری غلطی ہے جہاں اَور غلطیوں اور کمزوریوں کا **مواخذہ** ہوگا۔ وہاں اس کا بھی **مواخذہ** ضرور ہوگا۔ کیونکہ خدا تعالیٰ نے صاف طور پر فرما دیا ہے لَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ[1]۔ پھر منہم خدا والا کیونکر کہہ سکتا

[1] بنی اسرائیل ۳۷

ہے کہ مجھے واقعی یقین آگیا ہے۔ وہ اپنے اندر کون سے خواص ربانی اور صفات ربانی محسوس کرتا ہے جو یہ فضول دعویٰ کر بیٹھتا ہے۔ جب قدم قدم پر ٹھوکریں کھاتا اور حوائج انسانی کی زنجیروں میں پابند اور جکڑا ہوا ہے پھر اُسے کیا حق پہنچتا ہے کہ وہ منم خدا کہے۔ اور کہے کہ ہاں مجھے اپنے خدا ہونے پر یقین ہو گیا ہے۔ اگر وہ ایسا کہے تو دوسرا اُس کو دیکھنے والا کہہ سکتا ہے کہ تو کیوں فضول اتنی شیخی مارتا ہے۔ اپنی عاجزی اور درماندگی کو دیکھو۔ قرآن شریف میں خالق اور مخلوق میں صریح امتیاز رکھا ہوا ہے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ سے قرآن شریف کو شروع کیا گیا ہے۔ اور پھر مرنے کے بعد بھی ایک مرحلہ رکھا ہوا ہے انسان جب خود اپنے حالات اور صفات کو ہی جان نہیں سکتا اور سمجھ نہیں سکتا۔ پھر یہ خدا کیسے بن سکتا ہے۔ اس کے علم کا محدود اور ناقص ہونا ہی اس کے مخلوق اور بندہ ہونے کی دلیل ہے۔ اگر یہ غور کرے۔

مسئلہ وحدت وجود

غرض یہ بڑا گند ہے۔ اور لوگ جو اس مسئلہ وحدت وجود کو مانتے ہیں۔ بڑے گستاخ اور متکبر ہوتے ہیں۔ اپنی غلطیوں کو نہیں چھوڑتے اور غلطیوں کو چھوڑیں کیونکر۔ جبکہ وہ اپنے آپ کو معاذاللہ خدا سمجھتے ہیں۔ اگر خدا اور بندہ میں فرق کریں۔ تو ان کو اپنی غلطیوں کی حقیقت پر اطلاع ملے۔ وہ اپنے طفلانہ خیالات پر خوش ہیں۔ اس لئے قرآن شریف کے حقائق سے ان کو کوئی خبر نہیں ہو سکتی۔ یہ بہت بڑی خرابی ہے اور میں نہیں سمجھ سکتا کہ یہ خرابی کب سے پیدا ہوئی ہے۔

میرے نزدیک سارے گدی نشینوں میں کوئی کم ہو گا جس کا یہ مذہب نہ ہو۔ اور انہوں نے بزرگان دین کے اُن اقوال کو جو انہوں نے استیلائے محبت اور جوشِ عشق میں فرمائے تھے فلسفہ بنا دیا۔ اصل میں فنائے نظری اور وجودی کے مذہب میں فرق یہ ہے کہ اول الذکر فلسفہ نہیں رکھتا وہ استیلائے عشق رکھتا ہے اور دوسرا فیلسوف بنتا ہے۔ یہ خدا کا دشمن اور

منکر ہے۔ اور اس کو خدا سے محبت نہیں کیونکہ جیسے فلسفی مُردہ کو تو چیر سکتا ہے لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ مُردہ کو کھا بھی لے۔ اسی طرح پر وحدت وجود کا قائل خدا تو بنتا ہے لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس کو خدا سے محبت بھی ہے۔ جس کسی نے گُتّے یا بندر کی تشریح دیکھ لی ہے۔ اس کے لئے کب لازم آتا ہے کہ اس سے تعلق بھی ہو۔ یہ ایسے ہی مدّعی ہیں۔ فیلسُوف بنے ہوئے ہیں۔ مگر انہوں نے ثابت نہیں کیا کہ خدا سے اُن کا کوئی تعلق بھی ہے۔ اکابر کا وہ طبقہ جنہوں نے آگے قدم بڑھایا ہے وہ مقبُول بھی ہو گئے ہیں۔ اس لئے کہ اُن پر خدا تعالیٰ کی محبّت اور عشق غالب آ گیا تھا۔ وہ قرآن شریف پر ایمان لائے اور رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی محبّت کے دریا میں تیرتے تھے۔ اسلام ان کا مذہب تھا۔ اس لئے اُن سے خدا تعالےٰ کے فضل سے وہ کرشمے اور عجائبات ظاہر ہوئے۔ . . . . . حقیقت یہی ہے کہ جب بندہ اپنے خالق کے ساتھ محبت و عشق میں ایک شدید تعلق پیدا کر لیتا ہے اس وقت اسے خدا تعالیٰ اپنی صفات سے ایک حظّ عطا کرتا ہے۔ کیونکہ خدا نے انسان کو اپنا خلیفہ بنایا ہے۔

غرض یہ غلطیاں تو اُن لوگوں کی ہیں جو خدا بنے ہیں۔ اور انہوں نے اسلام کو سخت گزند پہنچایا ہے۔ مخالفوں نے اُن کے اقوال کو لے کر اسلام پر اعتراض کئے ہیں۔

پھر دُوسرا فتنہ اُن لوگوں کا ہے جو اپنے آپ کو موحّد کہتے ہیں۔ انہوں نے الفاظ پرستی کے سوا کچھ حاصل نہیں کیا۔ لاہور میں ایک شخص سے بحث ہوئی۔ عبد الحکیم* اس کا نام تھا

* نوٹ۔ جب اس مولوی عبد الحکیم سے فروری ۱۸۹۲ء میں بمقام لاہور حضرت اقدس امام علیہ السّلام کی بحث ہوئی تھی۔ تو بفضلہ تعالیٰ خاکسار ایڈیٹر الحکم بھی اس بحث کے موقعہ پر شامل تھا یہ شخص آخر مباحثہ کے پرچے لیکر چلدیا۔ اور پھر بیچیائی سے سنہ ۱۹۰۱ء میں بمقام قادیان آیا۔ ہر چند اس کو سمجھایا گیا مگر راہ پر نہ آیا اور بیہودہ بکواس کرنے لگا۔ جب اس کو لاہور والا مباحثہ یاد دلایا اور ان کاغذات کو لے کر بھاگ جانے کا الزام اس کو دیا گیا تو پھر وعدہ کیا کہ میں اب وہ کاغذ طبع ہونیکے واسطے بھیجدوں گا۔ ایک مہینہ کے اندر اندر ایڈیٹر الحکم کے پاس کاغذ مباحثہ پہنچ جائیں گے اگر نہ بھیجوں تو مجھے کاذب سمجھا جاوے۔ مگر اب ایک مہینہ چھوڑ ایک سال ختم ہونے کو آیا۔ آجتک اس نے کاغذ نہ بھیجے۔ کاش اگر وہ کمبخت وہ پرچے بھیجدیتا تو حضرت اقدسؑ کی تقریروں کو شائع کر سکتے بہرحال یہ اس عبد الحکیم کا ذکر ہے۔ (ایڈیٹر)

اس نے صاف کہدیا کہ حضرت عمرؓ بھی محدَّث نہ تھے اور حدیث کے معنی یہ کئے کہ اگر محدَّث ہوتا تو عمرؓ ہوتا۔ یہ ترجمہ کر کے اس نے خدا پر الزام لگایا کہ اس نے اس وقت کے گویا آنسو پونچھ دیئے اور کچھ نہیں۔ مگر میں پوچھتا ہوں کہ ان کو اتنی سمجھ نہیں کہ کیا اس کرتوت پر وہ اس امت کو خیرالامم قرار دیتے ہیں جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ایک شخص بھی ایسا نہ ہوا جس کو خدا تعالیٰ سے کلام کرنے کا شرف ملا ہو اور جو اسلام کی صداقت کے لئے ایک زندہ نمونہ ٹھہرتا ان لوگوں نے عملی طور پر گویا مان لیا ہے کہ اب نہ کسی کا خدا سے تعلق ہے نہ مکالمہ الٰہیہ کا شرف کسی کو حاصل ہے دعاؤں کی قبولیت کا کوئی نشان موجود نہیں ہے۔ پھر بنی اسرائیل کی تو عورتوں تک کو بھی خدا سے ہمکلام ہونے کا شرف ملتا تھا۔ کیا اسلام میں کوئی مرد بنی اسرائیل کی عورتوں جیسا بھی نہیں ہے؟

اسلام خشک مذہب نہیں

اے اسلام کے نادان دوستو! ذرا غور تو کرو کہ اس سے اسلام پر کیسا حرف آتا ہے۔ کہ خدا نے اسی واسطے اسلام کو تمہارے لئے پسند کیا تھا اور اسی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النّبیّین قرار دیا تھا۔ کہ آئندہ قیامت تک کوئی نشان ان کی صداقت پر قائم نہ ہوتا اور زندگی کے نشان مٹائے جاتے۔ مجھے بہت ہی افسوس ہوتا ہے کہ جب ان لوگوں کے عقائد پر نظر کرتا ہوں۔ ان میں بجز الفاظ کے اَور کچھ نظر نہیں آتا اور جو کچھ انہوں نے مان رکھا ہے۔ اس سے مخالفوں کو بڑے بڑے اعتراض کرنے کا موقعہ ملا ہے۔ چنانچہ مسیح کے متعلق ہی جو کچھ ان کے عقائد ہیں۔ وہ پوشیدہ نہیں۔ یہ لوگ مانتے ہیں کہ مسیح مُردے زندہ کرتا تھا۔ اور چڑیاں بھی بنایا کرتا تھا اور آجتک وہ آسمان پر بغیر کسی قسم کے زمانہ کے اثر ہونے کے بیٹھا ہوا ہے تو بتاؤ کہ اس کے خدا بنانے میں انہوں نے کیا باقی رکھا۔ میں نے ایک موحّد سے پوچھا کہ تم جو کہتے ہو کہ مسیح نے بھی کچھ جانور بنائے تھے اور وہ خدا کے بنائے ہوئے پرندوں میں مل جُل گئے۔ اب ہمیں کیونکر معلوم ہو کہ یہ جانور مسیح کا بنایا ہوا ہے۔ اس نے کہا کہ کچھ گڈمڈ ہو

گئی ہے۔ غرض اس قسم کے ان لوگوں کے عقائد ہیں۔ ہاں چالاکی سے آئمہ اربعہ کو بُرا کہہ لیتے ہیں۔ مثلاً ایک امام کی بابت وہ الزام لگاتے ہیں۔ کہ وہ بڑے مالدار تھے۔ اور زکوٰۃ نہیں دیتے تھے۔ آخر سال پر سارا مال بیوی کو دے دیتے تھے اور پھر اپنی طرف منتقل کر لیتے تھے اس طرح پر گویا اس کو زکوٰۃ کے اثر سے بچا لیتے تھے۔ اس قسم کے بہت سے افترا کرتے ہیں۔ انہوں نے بجز لفاظی کے اور کوئی فائدہ اسلام کو نہیں پہنچایا۔ اپنے طریق عمل سے اسلام کو مُردہ مذہب ثابت کرنا چاہا ہے جبکہ یہ کہدیا کہ اب کوئی ایسا مرد نہیں ہے جس کے ساتھ زندہ نشانات اسلام کی تائید میں ہوں۔ افسوس! ان لوگوں کی عقلوں کو کیا ہوا۔ یہ کیوں نہیں سمجھتے۔ کیا قرآن میں جو اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ[1] کہا گیا تھا۔ یہ یُونہی ایک بے معنی اور بے مطلب بات تھی اور نرا ایک قصہ ہی قصہ ہے؟ کیا وہ انعام کچھ نہ تھا خدا نے نرا دھوکا ہی دیا ہے؟ اور وہ اپنے سچے طالبوں اور صادقوں کو بدنصیب ہی رکھنا چاہتا ہے؟ کس قدر ظلم ہے اگر یہ خدا کی نسبت قرار دیا جاوے کہ وہ نری لفاظی سے ہی کام لیتا ہے۔

حقیقت یہ نہیں ہے۔ یہ ان لوگوں کی اپنی خیالی باتیں ہیں۔ قرآن شریف درحقیقت انسان کو ان مراتب اور اعلیٰ مدارج پر پہنچانا چاہتا ہے جو انعمت علیہم کے مصداق لوگوں کو دیئے گئے تھے۔ اور کوئی زمانہ ایسا نہیں ہوتا جبکہ خدا تعالیٰ کے کلام کے زندہ ثبوت موجود نہ ہوں۔ ہمارا یہ مذہب ہرگز نہیں کہ آریوں کی طرح خدا کا پریمی اور بھگت کتنی ہی دعائیں کرے اور رو رو کر اپنی جان کھوئے اور اس کا کوئی نتیجہ نہ ہو۔ اسلام خشک مذہب نہیں ہے۔ اسلام ہمیشہ ایک زندہ مذہب ہے۔ اور اس کے نشانات اس کے ساتھ ہیں۔ پیچھے رہے ہوئے نہیں ہیں۔

غرض یہ بھی ایک بدنصیب گروہ ہے۔ یہ لوگ اپنا اصل مذہب نہیں بتاتے ہیں۔ ان کی خبر مشکل سے ہوتی ہے۔

[1] الفاتحہ : ۶، ۷

حنفی فرقہ

رہے حنفی، ان میں بدقسمتی سے اقوال مردُودہ اور بدعات نے دخل پا لیا ہے۔ حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ تو اعلےٰ درجہ کے متقی تھے۔ مگر اُن کے پیروؤں میں جب نُعمانیت نہ رہی تو انہوں نے اَور بدعتوں کو داخل کر لیا اور تقلید میں انہوں نے یہاں تک غلو کیا۔ کہ ان لوگوں کے اقوال کو جن کی عصمت کا قرآن دعویٰ نہیں کرتا۔ رسُول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال پر بھی فضیلت دے دی۔ اور اپنے اغراض اور مقاصد کو مدنظر رکھ کر امام صاحبؒ کے اقوال کی جس طرح چاہا تاویل کر لی۔ لُدھیانہ میں مَیں ایک دفعہ تھا تو نوابوں کے خاندان میں سے ایک شخص میرے پاس آیا۔ اور باتوں ہی باتوں میں انہوں نے کہا کہ میں پکا حنفی ہُوں اور یہ بھی کہا کہ میرے چچا صاحب کو امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ سے بڑی حُسنِ عقیدت تھی یہانتک کہ جب انہوں نے مَالَابُدَّ مِنْہ میں امام صاحبؒ کا یہ قول دیکھا کہ صرف جَو اور انگوُر اور دو اَور یعنی چار قسم کی شراب حرام ہے تو انہوں نے ولایت کی شرابیں منگوا کر اسّی ہزار روپیہ کی شراب پی۔ تاکہ امام صاحبؒ کی سچی پیروی ہو جاوے۔ استغفر اللہ ثم استغفر اللہ

غرض اس قسم کی تاویلیں کر لیتے ہیں۔ عام طور پر شکایت کی جاتی ہے کہ جس قسم کا فتویٰ کوئی چاہے ان سے لے لے۔ حلالہ کا مسئلہ بھی انہوں نے ہی نکالا ہے اگر کوئی عورت کو طلاق دیدے تو پھر جائز طور پر رکھنے کے لئے ضروری ہے کہ وہ کسی دُوسرے سے نکاح کرے اور وہ پھر اس کو طلاق دے۔ حالانکہ قرآن شریف میں کہیں اس کا پتہ نہیں ملتا۔ اور احادیث میں حلالہ کرنے والے پر لعنت آئی ہے۔

شافعی فرقہ

پھر ایک اور فرقہ شافعی مذہب والوں کا ہے۔ وہ تو وحشیوں کی سی زندگی بسر کرتے ہیں۔ ان کے ہاں ایک مقولہ ہے۔ "شافعی سب کچھ معافی" یعنی نہ حلت و حُرمت کی ضرورت ہے نہ کچھ اَور چنانچہ ہمارے مُلک میں خانہ بدوش لوگ جو پھرا کرتے ہیں۔ یہ

اپنے آپ کو شافعی کہتے ہیں۔ اُن کے اطوار اور چال چلن کو دیکھو۔ امرتسر میں ایک مُوحّد رنڈی کی مسجد میں نماز پڑھایا کرتا تھا۔ اُس نے میرے پاس ذکر کیا کہ وہ ایک مرتبہ بمبئی چلا گیا۔ اور اتفاق سے شافعیوں کی مسجد میں چلا گیا۔ صبح کی نماز کا وقت تھا۔ اس سے جب دریافت کیا تو اس نے کہدیا کہ میں شافعی ہوں۔ اور جب انہوں نے اس کو نماز کے لئے امام بنایا اور اس نے شافعی مذہب کے موافق صبح کی نماز میں قنوت نہ پڑھی تو وہ لوگ بڑے ہی برافروختہ ہوئے۔ آخر بمشکل وہاں سے بچ کر نکلا۔ الغرض مذہب اسلام میں اندرونی طور پر ایسے ایسے بہت سے فساد اور فتنے ہیں جن کی اصلاح کی ضرورت ہے۔ اور بیرونی فسادوں کو آدمی دیکھے تو اور بھی حیران ہو جاتا ہے۔ ایک پادریوں کے ہی فتنہ کو دیکھو تو گھبرا جاؤ۔ مختصر یہ کہ ان سارے فسادوں کا اجتماع بالبداہت بتا رہا ہے۔ کہ اس وقت ایک آسمانی سلسلہ کی ضرورت ہے اور اگر خدا اس وقت کوئی سلسلہ قائم نہ کرتا تو پھر خدا پر اعتراض ہوتا۔ مگر خدا کا شکر ہے کہ اس نے وقت پر ہماری دستگیری کی اور اس سلسلہ کو اپنی تائیدوں کے ساتھ قائم کیا۔ فالحمد للہ علیٰ ذالک۔

(الحکم جلد ۵ نمبر ۳۵ صفحہ ۱ تا ۲ پرچہ ۲۴ ستمبر ۱۹۰۱ء)
(" " ۵ " ۳۶ " ۱ تا ۲ " ۳۰ ستمبر ۱۹۰۱ء)

---

۱۳ ستمبر ۱۹۰۱ء

تبتّل کی حقیقت

تبتّل کی حقیقت جو ۱۳ ستمبر ۱۹۰۱ء کو مغرب کی نماز کے بعد حضرت اقدس حجۃ اللہ علی الارض مسیح موعود ادام اللہ فیوضہم نے سید امیر علی شاہ صاحب ملہم سیالکوٹی کے استفسار پر بیان فرمائی۔ اُن کو اپنی کسی رؤیا میں ارشاد ہوا تھا کہ وہ تبتّل کے معنی حضرت اقدسؑ سے دریافت کریں۔ اس بنا پر انہوں نے سوال کیا اور حضرت اقدسؑ نے اس کی تشریح فرمائی۔ (ایڈیٹر)

"میرے نزدیک رُؤیا میں یہ بتانا کہ تبتّل کے معنی مجھ سے دریافت کئے جاویں۔ اس سے یہ مُراد ہے کہ جو میرا مذہب اس بارہ میں ہے وہ اختیار کیا جاوے۔ منطقیوں یا نحویوں کی طرح معنے کرنا نہیں ہوتا۔ بلکہ حال کے موافق معنے کرنے چاہئیں۔ ہمارے نزدیک اُس وقت کسی کو متبتّل کہیں گے جب وہ عملی طور پر اللہ تعالیٰ اور اُس کے احکام اور رضا کو دنیا اور اس کی متعلقات و مکرُوہات پر مقدم کرے۔ کوئی رسم و عادت کوئی قومی اصُول اُس کا رہزن نہ ہو سکے نہ نفس رہزن ہو سکے۔ نہ بھائی نہ جورُو نہ بیٹا نہ باپ۔ غرض کوئی شئے اور کوئی متنفّس اس کو خدا تعالیٰ کے احکام اور رضا کے مقابلہ میں اپنے اثر کے نیچے نہ لا سکے اور وہ خدا تعالیٰ کی رضا کے حصُول میں ایسا اپنے آپ کو کھو دے کہ اس پر فنائے اتم طاری ہو جاوے اور اس کی ساری خواہشوں اور ارادوں پر ایک موت وارد ہو کر خدا ہی خدا رہ جاوے۔ دنیا کے تعلقات بسا اوقات خطرناک رہزن ہو جاتے ہیں۔ حضرت آدم علیہ السّلام کی رہزن حضرت حوّا ہو گئی۔ پس تبتّل تام کی صورت میں یہ ضروری امر ہے کہ ایک سُکر اور فنا انسان پر وارد ہو۔ مگر نہ ایسی کہ وہ اسے خدا سے گُم کرے بلکہ خدا میں گُم کرے۔

غرض عملی طور پر تبتّل کی حقیقت تب ہی کھُلتی ہے جبکہ ساری روکیں دُور ہو جائیں۔ اور ہر ایک قسم کے حجاب دُور ہو کر محبت ذاتی تک انسان کا رابطہ پہنچ جاوے اور فنائے اتم ایسی حاصل ہو جاوے۔ قیل و قال کے طور پر تو سب کچھ ہو سکتا ہے اور انسانی الفاظ اور بیان میں بہت کچھ ظاہر کر سکتا ہے مگر مشکل ہے تو یہ کہ عملی طور پر اسے دکھا بھی دے جو کچھ وہ کہتا ہے۔ یوں تو ہر ایک جو خدا کو ماننے والا ہے۔ پسند بھی کرتا ہے اور کہہ بھی دیتا ہے کہ میں چاہتا ہوں کہ خدا کو سب پر مقدم کروں اور مقدم کرنے کا مدّعی بھی ہو سکتا ہے۔ لیکن جب ان آثار اور علامات کا معائنہ کرنا چاہیں جو خدا کے مقدم کرنے کے ساتھ ہی عطا ہوتے ہیں تو ایک مشکل کا سامنا ہو گا۔ بات بات پر انسان ٹھوکر کھاتا ہے۔ خدا تعالیٰ کی راہ میں جب اس مال اور جان کے دینے کی ضرورت محسوس ہوتی ہے اور خدا

تعالیٰ اُن سے اُن کی جانوں اور مالوں یا اور عزیز ترین اشیاء کی قربانی چاہتا ہے حالانکہ وہ اشیاء اُن کی اپنی بھی نہیں ہوتی ہیں۔لیکن پھر بھی وہ مضائقہ کرتے ہیں۔ابتداءً بعض صحابہ کو اس قسم کا ابتلا پیش آیا۔رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کو بناء مسجد کے واسطے زمین کی ضرورت تھی۔ایک شخص سے زمین مانگی تو اُس نے کوئی عُذر کر کے بتادیا کہ میں زمین نہیں دے سکتا۔ اب وہ شخص رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم پر ایمان لایا تھا۔اور اللہ اور اس کے رسُول کو سب پر مقدم کرنے کا عہد اس نے کیا تھا۔لیکن جب آزمائش اور امتحان کا وقت آیا تو اسے کو پیچھے ہٹنا پڑا۔گو آخر کار اُس نے وہ قطعہ دیدیا۔تو بات اصل میں یہی ہے کہ کوئی امر محض بات سے نہیں ہو سکتا جب تک عمل اس کے ساتھ نہ ہو۔اور عملی طور پر صحیح ثابت نہیں ہوتا جب تک امتحان ساتھ نہ ہو۔

ہمارے ہاتھ پر بیعت تو یہی کی جاتی ہے کہ دین کو دنیا پر مقدم کروں گا۔اور ایک شخص کو جسے خدا نے اپنا مامُور کر کے دُنیا میں بھیجا ہے اور جو رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کا نائب ہے جس کا نام حکم اور عدل رکھا گیا ہے۔اپنا امام سمجھوں گا۔اس کے فیصلے پر ٹھنڈے دل اور انشراح قلب کے ساتھ رضامند ہو جاؤں گا۔لیکن اگر کوئی شخص یہ عہد اور اقرار کرنے کے بعد بھی ہمارے کسی فیصلہ پر خوشی کے ساتھ رضامند نہیں ہوتا بلکہ اپنے سینہ میں کوئی روک اور اٹک پاتا ہے۔تو یقیناً کہنا پڑے گا۔کہ اس نے پورا تبتّل حاصل نہیں کیا اور وہ اس اعلیٰ مقام پر نہیں پہنچا جو تبتّل کا مقام کہلاتا ہے۔بلکہ اس کی راہ میں ہوائے نفس اور دنیوی تعلقات کی روکیں اور زنجیریں باقی ہیں اور ان حجابوں سے وہ باہر نہیں نکلا جن کو پھاڑ کر انسان اس درجہ کو حاصل کرتا ہے جبتک وہ دُنیا کے درخت سے کاٹا جا کر اُلوہیت کی شاخ کے ساتھ ایک پیوند حاصل نہیں کرتا۔اس کی سرسبزی اور شادابی محال ہے۔دیکھو جب ایک درخت کی شاخ اُس سے کاٹ دی جاوے تو وہ پھل پھول نہیں دے سکتی خواہ اسے پانی کے اندر ہی کیوں نہ رکھو اور ان تمام اسباب کو جو پہلی صُورت

ہیں اُس کے لئے مایۂ حیات تھے، استعمال کرے۔ لیکن وہ کبھی بھی بارآور نہ ہوگی۔ اسی طرح پر جبتک ایک صادق کے ساتھ انسان کا پیوند قائم نہیں ہوتا وہ رُوحانیت کو جذب کرنے کی قوت نہیں پا سکتا جیسے وہ شاخ تنہا اور الگ ہو کر پانی سے سرسبز نہیں ہوتی۔ اسی طرح پر یہ بے تعلق اور الگ ہو کر بارآور نہیں ہو سکتا۔ پس انسان کو متبتل ہونے کے لئے ایک قطع کی ضرورت بھی ہے۔ اور ایک پیوند کی بھی۔

خدا کے ساتھ اُسے پیوند کرنا اور دُنیا اور اس کے تمام تعلقات اور جذبات سے الگ بھی ہونا پڑے گا۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہوتا۔ کہ وہ بالکل دنیا سے الگ رہ کر یہ تعلق اور پیوند حاصل کرے گا نہیں بلکہ دنیا میں رہ کر پھر اس سے الگ رہے۔ یہی تو مردانگی اور شجاعت ہے۔ اور الگ ہونے سے مراد یہ کہ دنیا کی تحریکیں اور جذبات اس کو اپنا زیر اثر نہ کرلیں اور وہ ان کو مقدم نہ کرے بلکہ خدا کو مقدم کرے۔ دنیا کی کوئی تحریک اور روک اس کی راہ میں نہ آوے اور اپنی طرف اس کو جذب نہ کر سکے۔ میں نے ابھی کہا ہے کہ دنیا میں بہت سی روکیں انسان کے لئے ہیں۔ ایک جورو یا بیوی بھی بہت کچھ رہزن ہو سکتی ہے۔ خدا نے اس کا نمُونہ بھی پیش کیا ہے۔ خدا نے صرف ایک نہی کی تعلیم دی تھی اس کا اثر پہلے عورت پر ہوا۔ پھر آدمؑ پر ہوا۔

غرض تبتل کیا ہے؟ خدا کی طرف انقطاع کر کے دوسروں کو محض مُردہ سمجھ لینا۔ بہت سے لوگ ہیں جو ہماری باتوں کو صحیح سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ سب کچھ بجا اور درست ہے۔ مگر جب اُن سے کہا جاوے کہ پھر تم اس کو قبُول کیوں نہیں کرتے۔ تو وہ یہی کہیں گے۔ کہ لوگ ہم کو بُرا کہتے ہیں۔ پس یہ خیال کہ لوگ اس کو بُرا کہتے ہیں یہی ایک رگ ہے جو خدا سے قطع کراتی ہے۔ کیونکہ اگر خدا تعالیٰ کا خوف دل میں ہو اور اس کی عظمت اور جبروت کی حکومت کے ماتحت انسان ہو۔ پھر اس کو کسی دوسرے کی پرواہ کیا ہو سکتی ہے کہ وہ کیا کہتا ہے کیا نہیں؟ ابھی اُس کے دل میں لوگوں کی حکومت ہے نہ خدا کی۔ جب یہ مُشرکانہ خیال

دل سے دُور ہو جاوے۔ پھر سب کے سب مُردے اور کیڑے سے بھی کمتر اور کمزور نظر آتے ہیں۔ اگر ساری دُنیا مل کر بھی مقابلہ کرنا چاہے تو ممکن نہیں کہ ایسا شخص حق کو قبول کرنے سے رُک جائے۔

تبتّل تام کا پورا نمُونہ انبیاء علیہم السلام اور خدا کے ماموروں میں مشاہدہ کرنا چاہئیے کہ وہ کس طرح دنیاداروں کی مخالفتوں کے باوجود پُوری بیکسی اور ناتوانی کے پرواہ تک نہیں کرتے۔ اُن کی رفتار اور حالات سے سبق لینا چاہیئے۔

بعض لوگ پُوچھا کرتے ہیں کہ ایسے لوگ جو بُرا نہیں کہتے مگر پُورے طور پر اظہار بھی نہیں کرتے محض اس وجہ سے کہ لوگ بُرا کہیں گے، کیا اُن کے پیچھے نماز پڑھ لیں؟ میں کہتا ہوں۔ ہرگز نہیں۔ اس لئے کہ ابھی تک اُن کے قبولِ حق کی راہ میں ایک ٹھوکر کا پتھر ہے اور وہ ابھی تک اسی درخت کی شاخ ہیں جس کا پھل زہریلا اور ہلاک کرنے والا ہے۔ اگر وہ دنیاداروں کو اپنا معبود اور قبلہ نہ سمجھتے تو ان سارے حجابوں کو چیر کر باہر نکل آتے اور کسی کے لعن طعن کی ذرا بھی پرواہ نہ کرتے اور کوئی خوف شماتت کا انہیں دامنگیر نہ ہوتا بلکہ وہ خدا کی طرف دوڑتے۔ پس تم یاد رکھو کہ تم ہر کام میں دیکھ لو کہ اس میں خدا راضی ہے یا مخلُوقِ خدا۔ جب تک یہ حالت نہ ہو جاوے کہ خدا کی رضا مقدم ہو جاوے اور کوئی شیطان اور رہزن نہ ہو سکے اس وقت تک ٹھوکر کھانے کا اندیشہ ہے لیکن جب دنیا کی بُرائی بھلائی ہی نہ ہو بلکہ خدا کی خوشنودی اور ناراضگی اس پر اثر کرنے والی ہو یہ وہ حالت ہوتی ہے۔ جب انسان ہر قسم کے خوف و حُزن کے مقامات سے نکلا ہوا ہوتا ہے۔ اگر کوئی شخص ہماری جماعت میں شامل ہو کر پھر اس سے نکل بھی جاتا ہے۔ تو اس کی وجہ یہی ہوتی ہے کہ اس کا شیطان اس لباس میں ہنُوز اس کے ساتھ ہوتا ہے۔ لیکن اگر وہ عزم کر لے۔ کہ آئندہ کسی وسوسہ انداز کی بات کو سُنوں گا ہی نہیں۔ تو خدا اسے بچا لیتا ہے . . . . .

. . . ٹھوکر لگنے کا عموماً یہی سبب ہوتا ہے کہ دُوسرے تعلقات قائم تھے۔ اُن کو پرورش

کے لئے ضرورت پڑی کہ ادھر سے سُست ہوں سُستی سے اجنبیت پیدا ہوئی۔ پھر اس سے تکبر اور پھر انکار تک نوبت پہنچی۔ تبتّل کا عملی نمونہ ہمارے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ نہ آپؐ کو کسی کی مدح کی پرواہ نہ ذم کی۔ کیا کیا آپؐ کو تکالیف پیش آئیں۔ مگر کچھ بھی پرواہ نہیں کی۔ کوئی لالچ اور طمع آپؐ کو اس کام سے روک نہ سکا جو آپؐ خدا کی طرف سے کرنے آئے تھے جب تک انسان اس حالت کو اپنے اندر مُشاہدہ نہ کر لے اور امتحان میں پاس نہ ہو لے۔ کبھی بھی بے فکر نہ ہو۔ پھر یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ جو شخص متبتّل ہوگا متوکّل بھی وہی ہوگا۔ گویا متوکّل ہونے کیواسطے متبتّل ہونا شرط ہے۔ کیونکہ جب تک اوروں کے ساتھ تعلقات ایسے ہیں کہ اُن پر بھروسہ اور تکیہ کرتا ہے۔ اُس وقت تک خالصۃً اللہ پر توکّل کب ہو سکتا ہے۔ جب خدا کی طرف انقطاع کرتا ہے۔ تو وہ دُنیا کی طرف سے توڑتا ہے اور خدا میں پیوند کرتا ہے اور یہ تب ہوتا ہے جبکہ کامل توکّل ہو۔ جیسے ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کامل متبتّل تھے ویسے ہی کامل متوکّل بھی تھے اور یہی وجہ ہے کہ اتنے وجاہت والے اور قوم و قبائل کے سرداروں کی ذرا بھی پرواہ نہیں کی اور ان کی مخالفت سے کچھ بھی متاثر نہ ہوئے۔ آپؐ میں ایک فوق العادت یقین خدا تعالیٰ کی ذات پر تھا اسی لئے اس قدر عظیم الشان بوجھ کو آپؐ نے اٹھا لیا اور ساری دنیا کی مخالفت کی اور ان کی کچھ بھی ہستی نہ سمجھی یہ بڑا نمونہ ہے توکّل کا جس کی نظیر دنیا میں نہیں ملتی۔ اس لئے کہ اس میں خدا کو پسند کر کے دنیا کو مخالف بنا لیا جاتا ہے۔ مگر یہ حالت پیدا نہیں ہوتی جب تک گویا خدا کو نہ دیکھ لے جبتک یہ امید نہ ہو۔ کہ اس کے بعد دوسرا دروازہ ضرور کھُلنے والا ہے۔ جب یہ امید اور یقین ہو جاتا ہے تو وہ عزیزوں کو خدا کی راہ میں دشمن بنا لیتا ہے۔ اس لئے کہ وہ جانتا ہے کہ خدا اور دوست بنا دے گا۔ جائداد کھو دیتا ہے کہ اس سے بہتر ملنے کا یقین ہوتا ہے۔

خُلاصہ کلام یہ ہے کہ خدا ہی کی رضا کو مقدم کرنا تو تبتّل ہے۔ اور پھر تبتّل اور توکّل توام ہیں۔ تبتّل کا راز ہے توکّل۔ اور توکّل کی شرط ہے تبتّل۔ اور یہی ہمارا

مذہب اس امر میں ہے۔"

(الحکم جلد ۵ نمبر ۳۷ صفحہ ۱ تا ۳ پرچہ ۱۰ ؍اکتوبر ۱۹۰۱ء)

۱۴ ؍ستمبر ۱۹۰۱ء۔ بعد مغرب

"اُمّ المومنین" کے لفظ کا استعمال

"اُمّ المؤمنین" کا لفظ جو مسیح موعود کی بیوی کی نسبت استعمال کیا جاتا ہے اس پر بعض لوگ اعتراض کرتے ہیں۔ حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سُن کر فرمایا:۔

"اعتراض کرنیوالے بہت ہی کم غور کرتے اور اس قسم کے اعتراض صاف بتاتے ہیں کہ وہ محض کینہ اور حسد کی بنا پر کئے جاتے ہیں۔ ورنہ نبیوں یا ان کے اظلال کی بیویاں اگر اُمّہات المومنین نہیں ہوتی ہیں تو کیا ہوتی ہیں؟ خدا تعالیٰ کی سُنّت اور قانونِ قدرت کے اس تعامل سے بھی پتہ لگتا ہے کہ کبھی کسی نبی کی بیوی سے کسی نے شادی نہیں کی۔ ہم کہتے ہیں کہ ان لوگوں سے جو اعتراض کرتے ہیں کہ اُمّ المؤمنین کیوں کہتے ہو۔ پوچھنا چاہیئے۔ کہ تم بتاؤ جو مسیح موعود تمہارے ذہن میں ہے اور جسے تم سمجھتے ہو کہ وہ آکر نکاح بھی کرے گا۔ کیا اس کی بیوی کو تم اُمّ المومنین کہو گے یا نہیں؟ مُسلّم ہیں تو مسیح موعود کو نبی ہی کہا گیا ہے۔ اور قرآن شریف میں انبیاء علیہم السلام کی بیویوں کو مومنوں کی مائیں قرار دیا ہے۔ افسوس تو یہ ہے۔ کہ یہ لوگ میری مخالفت اور بغض میں ایسا تجاوز کرتے ہیں۔ کہ مُنہ سے بات کرتے ہوئے اتنا بھی نہیں سوچتے کہ اس کا اثر اور نتیجہ کیا ہو گا۔

جن لوگوں نے مسیح موعود کو شناخت کر لیا ہے۔ اور اس کو رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمودہ کے موافق اس کی شان کو مان لیا ہے ان کا ایمان تو خود بخود انہیں اس بات کے ماننے پر مجبور کرے گا۔ اور جو آج اعتراض کرتے ہیں یہ اگر رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں بھی ہوتے۔ تب بھی اعتراض کرنے سے باز نہ آتے۔

یہ بات خوب یاد رکھنی چاہیئے کہ خدا کا مامور جو ہدایت کرتا ہے اور رُوحانی اصلاح کا موجب ہوتا ہے وہ درحقیقت باپ سے بھی بڑھ کر ہوتا ہے۔ افلاطون حکیم لکھتا ہے کہ باپ تو رُوح کو آسمان سے زمین پر لاتا ہے مگر اُستاد زمین پر سے پھر آسمان پر پہنچاتا ہے۔ باپ کا تعلق تو صرف فانی جسم کے ہی ساتھ ہوتا ہے۔ مُرشد اور مُرشد بھی وہ جو خدا کی طرف سے ہدایت کے لئے مامور ہوا ہو۔ اس کا تعلق رُوح سے ہوتا ہے جس کو فنا نہیں ہے۔ پھر جب وہ رُوح کی تربیت کرتا ہے اور اس کی رُوحانی تولید کا باعث ہوتا ہے تو وہ اگر باپ نہ کہلائے گا تو کیا کہلائے گا؟ اصل یہی ہے کہ یہ لوگ رسُول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی باتوں پر بھی کچھ توجہ نہیں کرتے۔ ورنہ اگر ان کو سوچتے اور قرآن کو پڑھتے تو یہ منکرین میں نہ رہتے۔"

پھر اعتراض کیا گیا کہ تصویر پر لوگ کہتے ہیں کہ یہ تصویر شیخ کی غرض سے بنوائی گئی ہے حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:۔

اپنی تصویر کھچوانے کی غرض

"یہ تو دُوسرے کی نیت پر حملہ ہے۔ میں نے بہت مرتبہ بیان کیا ہے کہ تصویر سے ہماری غرض کیا تھی۔ بات یہ ہے کہ چونکہ ہم کو بلاد یُورپ خصوصاً لنڈن میں تبلیغ کرنی منظور تھی لیکن چونکہ یہ لوگ کسی دعوت یا تبلیغ کی طرف توجہ نہیں کرتے جب تک داعی کے حالات سے واقف نہ ہوں۔ اور اس کے لئے اُن کے ہاں علمِ تصویر میں بڑی بھاری ترقی کی گئی ہے۔ وہ کسی شخص کی تصویر اور اسکے خط وخال کو دیکھ کر رائے قائم کر لیتے ہیں کہ اس میں راستبازی، قوّت قدسی کہاں تک ہے؟ اور ایسا ہی بہت سے امور کے متعلق انہیں اپنی رائے قائم کرنے کا موقعہ مِل جاتا ہے۔ پس اصل غرض اور نیت ہماری اس سے یہ تھی جس کو ان لوگوں نے جو خواہ نخواہ ہر بات میں مخالفت کرنا چاہتے ہیں۔ اس کو بُرے بُرے پیرایوں

میں پیش کیا۔ اور دُنیا کو بہکایا۔ میں کہتا ہوں کہ ہماری نیّت تو تصویر سے صرف اتنی ہی تھی۔ اگر یہ نفسِ تصویر کو ہی بُرا سمجھتے ہیں۔ تو پھر کوئی سِکّہ اپنے پاس نہ رکھیں بلکہ بہتر ہے کہ آنکھیں بھی نکلوا دیں کیونکہ اُن میں بھی اشیاء کا ایک انعکاس ہی ہوتا ہے۔

یہ نادان اتنا نہیں جانتے کہ افعال کی تہ میں نیّت کا بھی دخل ہوتا ہے۔ اَلْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ پڑھتے ہیں مگر سمجھتے نہیں۔ مثلاً اگر کوئی شخص محض ریاکاری کے لئے نماز پڑھے تو اس کو یہ کوئی مستحسن قرار دیں گے؟ سب جانتے ہیں کہ ایسی نماز کا فائدہ کچھ نہیں۔ بلکہ وبالِ جان ہے تو کیا نماز بُری تھی؟ اس کے بد استعمال نے اس کے نتیجہ کو بُرا پیدا کیا۔ اسی طرح پر تصویر سے ہماری غرض تو اسلام کی دعوت میں مدد لینا تھی۔ جو اہلِ یورپ کے مذاق پر ہو سکتی تھی۔ اس کو تصویرِ شیخ بنانا اور کچھ سے کچھ کہنا افترا ہے۔ جو مسلمان ہیں اُن کو اس پر غصّہ نہیں آنا چاہیئے تھا۔ جو کچھ خدا اور رسُول نے فرمایا ہے وہ حق ہے۔ اگر مشائخ کا قول خدا اور رسُول کے فرمُودہ کے موافق نہیں تو کالائے بد بریش خاوند۔ تصوّرِ شیخ کی بابت پُوچھو تو اس کا کوئی پتہ نہیں۔ اصل یہ ہے کہ صالحین اور فانین فی اللہ کی محبّت ایک عُمدہ شے ہے۔ لیکن حفظِ مراتب ضروری ہے۔

گر حفظِ مراتب نہ کُنی زِندیقی

پس خدا کو خدا کی جگہ رسُول کو رسُول کی جگہ سمجھو اور خدا کے کلام کو دستور العمل ٹھہرا لو۔ اس سے زیادہ قرآن شریف میں اَور کچھ نہیں کہ کونوا مع الصادقین[1]۔ پس صادقوں اور فانی فی اللہ کی صُحبت تو ضروری ہے اور یہ کہیں نہ کہا گیا۔ کہ تم اُسے ہی سب کچھ سمجھو۔ اور یا قرآن شریف میں یہ حکم ہے۔ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ[2]۔ اس میں یہ نہیں کہا گیا کہ مجھے خدا سمجھ لو۔ بلکہ یہ فرمایا کہ اگر خدا کے محبُوب بننا چاہتے ہو تو اس کی ایک ہی راہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتّباع کرو۔ اتباع کا حکم تو دیا ہے۔ مگر تصوّرِ شیخ کا حکم قرآن میں نہیں پایا جاتا۔"

[1] التوبۃ: ۱۱۹ [2] آل عمران: ۳۲

سوال۔ جو تصوّرِ شیخ کرتے ہیں وہ کہتے ہیں ہم شیخ کو خدا نہیں سمجھتے۔
جواب۔ "مانا کہ وہ ایسا کہتے ہیں مگر بُت پرستی تو شروع ہی تصوّر سے ہوتی ہے۔ بُت پرست بھی بڑھتے بڑھتے ہی اس درجہ تک پہنچا ہے۔ پہلے تصوّر ہی ہوگا۔ پھر یہ سمجھ لیا۔ کہ تصوّر قائم رکھنے کے لئے بہتر ہے تصویر بنالیں اور پھر اس کو ترقی دیتے دیتے پتھر اور دھاتوں کے بُت بنانے شروع کر دیئے۔ اور اُن کو تصاویر کا قائم مقام بنا لیا۔ آخر یہاں تک ترقی کی کہ اُن کی رُوحانیت کو اَور وسیع کر کے اُن کو خدا ہی مان لیا۔ اب نرے پتھر ہی رکھ لیتے ہیں۔ اور اقرار کرتے کہ منتر کے ساتھ اُن کو درست کر لیتے ہیں اور پرمیشر کا حلُول ان پتھروں میں ہو جاتا ہے۔ اس منتر کا نام انہوں نے آواہن رکھا ہوا ہے میں نے ایک مرتبہ دیکھا۔ کہ میرے ہاتھ میں ایک کاغذ ہے۔ میں نے ایک شخص کو دیا۔ کہ اسے پڑھو۔ تو اس نے کہا کہ اس پر آواہن لکھا ہوا ہے۔ مجھے اس سے کراہت آئی میں نے اُسے کہا کہ تو مجھے دکھا۔ جب میں نے پھر ہاتھ میں لیکر دیکھا تو اس پر لکھا ہوا تھا۔ اردت ان استخلف فخلقت اٰدم۔ اصل بات یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کا خلیفہ جو ہوتا ہے ردائے الٰہی کے نیچے ہوتا ہے۔ اسی لئے آدمؑ کے لئے فرمایا کہ نفخت فیہ من روحی[۵]۔ اسی طرح پر غلطیاں پیدا ہوتی گئیں۔ اصُول کو نہ سمجھا۔ کچھ کا کچھ بگاڑ کر بنا لیا۔ اور نتیجہ یہ ہوا کہ شرک اور بُت پرستی نے اُس کی جگہ لے لی۔ ہماری تصویر کی اصل غرض وُہی تھی جو ہم نے بیان کر دی کہ لنڈن کے لوگوں کو اطلاع ہو۔ اور اس طرح یہ ایک اشتہار ہو جاوے۔

قلب جاری ہونے کا مسئلہ

غرض تصوّرِ شیخ کا مسئلہ ہندوؤں کی ایجاد اور ہندوؤں ہی سے لیا گیا ہے چنانچہ قلب جاری ہونے کا مسئلہ بھی ہندوؤں ہی سے لیا گیا ہے۔ قرآن میں اس کا ذکر نہیں اگر اللہ تعالےٰ کی اصل غرض انسان کی پیدائش سے یہ ہوتی۔ تو پھر اتنی بڑی تعلیم کی کیا

[۵] الحجر : ۳۰

ضرورت تھی۔ صرف اجرائے قلب کا مسئلہ بتا کر اس کے طریقے بتا دیئے جاتے۔ مجھے ایک شخص نے معتبر روایت کی بنا پر بتایا کہ ہندو کا قلب رام رام پر جاری تھا۔ ایک مسلمان اس کے پاس گیا۔ اس کا قلب بھی رام رام پر جاری ہو گیا۔ یہ دھوکا نہیں کھانا چاہیئے۔ رام خدا کا نام نہیں ہے۔ دیانند نے بھی اس پر گواہی دی ہے۔ کہ یہ خدا کا نام نہیں ہے۔ قلب جاری ہونے کا دراصل ایک کھیل ہے جو سادہ لوح جُہلا کو اپنے دام میں پھنسانے کے لئے کیا جاتا ہے۔ اگر لوٹا لوٹا کہا جاوے تو اس پر بھی قلب جاری ہو سکتا ہے۔ اگر اللہ کے ساتھ ہو۔ تو پھر وہی بولتا ہے۔ یہ تعلیم قرآن نے نہیں دی ہے بلکہ اس سے بہتر تعلیم دی ہے۔ اِلَّا مَنْ اَتَى اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ[1] خدا یہ چاہتا ہے کہ سارا وجود ہی قلب ہو جاوے ورنہ اگر وجود سے خدا کا ذکر جاری نہیں ہوتا تو ایسا قلب قلب نہیں بلکہ کلب ہے۔

خدا یہی چاہتا ہے کہ خدا میں فنا ہو جاؤ۔ اور اس کے حدود و شرائع کی عظمت کرو۔ قرآن فنا نظری کی تعلیم دیتا ہے۔ میں نے آزما کر دیکھا ہے کہ قلب جاری ہونے کی صرف ایک مشق ہے جس کا انحصار صلاح و تقویٰ پر نہیں ہے۔ ایک شخص منٹگمری یا ملتان کے ضلع کا مجھے چیف کورٹ میں ملا کرتا تھا۔ اسے اجرائے قلب کی خوب مشق تھی پس میرے نزدیک یہ کوئی قابلِ وقعت بات نہیں اور خدا تعالیٰ نے اس کو کوئی عزت اور وقعت نہیں دی۔ خدا تعالیٰ کا منشاء اور قرآن شریف کی تعلیم کا مقصد صرف یہ تھا۔ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا[2] کپڑا جب تک سارا نہ دھویا جاوے وہ پاک نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح پر انسان کے سارے جوارح جو اس قابل ہیں کہ وہ دھوئے جاویں۔ کسی ایک کے دھونے سے کچھ نہیں ہوتا۔ اس کے سوا یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے۔ کہ خدا کا سنوارا ہوا بگڑتا نہیں مگر انسان کی بناوٹ بگڑ جاتی ہے۔ ہم گواہی دیتے ہیں اور اپنے تجربہ کی بنا پر گواہی دیتے ہیں کہ جبتک انسان اپنے اندر خدا تعالیٰ کی مرضی

[1] الشعراء: ۹۰ [2] الشمس: ۱۰

اور سُنّت نبوی کے موافق تبدیلی نہیں کرتا اور پاکیزگی کی راہ اختیار نہیں کرتا تو خواہ اس کے قلب سے ہی آواز آتی ہو۔ وہ زہر جو انسان کی رُوحانیّت کو ہلاک کر دیتی ہے۔ دُور نہیں ہو سکتی۔ رُوحانیّت کے نشو و نما اور زندگی کے لئے صرف ایک ہی ذریعہ خدا تعالیٰ نے رکھا ہے اور وہ اتباعِ رسُولؐ ہے۔ جو لوگ قلب جاری ہونے کے شعبدے لئے پھرتے ہیں۔ انہوں نے سُنّت نبوی کی سخت توہین کی ہے۔ کیا رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر کوئی انسان دنیا میں گُذرا ہے۔ پھر غارِ حرا میں بیٹھ کر وہؐ قلب جاری کرنے کی مشق کیا کرتے تھے۔ یا فنا کا طریق آپؐ نے اختیار کیا ہوا تھا۔ پھر آپؐ کی ساری زندگی میں کہیں اس امر کی کوئی نظیر نہیں ملتی کہ آپؐ نے صحابہؓ کو یہ تعلیم دی ہو کہ تم قلب جاری کرنے کی مشق کرو۔ اور کوئی ان قلب جاری والوں میں سے پتہ نہیں دیتا اور کبھی نہیں کہتا کہ رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا بھی قلب جاری تھا۔ یہ تمام طریق جن کا قرآن شریف میں کوئی ذکر نہیں۔ انسانی اختراع اور خیالات ہیں جن کا نتیجہ کبھی کچھ نہیں ہوا۔ قرآن شریف اگر کچھ بتاتا ہے۔ تو یہ کہ خدا سے یُوں محبت کرو۔ اَشَدُّ حُبًّا لِلّٰہِ[1] کے مصداق بنو۔ اور فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ[2] پر عمل کرو۔ اور ایسی فناء اتم تم پر آجاوے کہ تَبَتَّلْ اِلَیْہِ تَبْتِیْلًا[3] کے رنگ سے تم رنگین ہو جاؤ اور خدا تعالیٰ کو سب چیزوں پر مقدم کر لو۔ یہ امور ہیں جن کے حصُول کی ضرورت ہے۔ نادان انسان اپنے عقل اور خیال کے پیمانہ سے خدا کو ناپنا چاہتا ہے اور اپنی اختراع سے چاہتا ہے کہ اس سے تعلق پیدا کرے اور یہی ناممکن ہے۔

پس میری نصیحت یہی ہے کہ ان خیالات سے بالکل الگ رہو اور وہ طریق اختیار کرو جو خدا تعالےٰ کے رسُول صلی اللہ علیہ وسلم نے دُنیا کے سامنے پیش کیا ہے اور اپنے طرزِ عمل سے ثابت کر دکھایا کہ اسی پر چل کر انسان دنیا اور آخرت میں فلاح اور فوز حاصل کر سکتا ہے۔ اور صحابہؓ کو جس کی تعلیم دی۔ پھر وقتاً فوقتاً خدا کے برگزیدوں نے سُنّتِ جاریہ کی طرح اپنے اعمال سے ثابت کیا اور آج بھی خُدا نے اسی کو پسند کیا

[1] البقرۃ: ۱۶۶ [2] آل عمران: ۳۲ [3] المزمل: ۹

اگر خدا تعالیٰ کا اصل منشاء یہی ہوتا تو ضرور تھا کہ آج بھی جب اس نے ایک سلسلہ گمشدہ صداقتوں اور حقائق کے زندہ کرنے کے لئے قائم کیا یہی تعلیم دیتا اور میری تعلیم کا منتہا یہی ہوتا۔ مگر تم دیکھتے ہو کہ خدا نے ایسی تعلیم نہیں دی ہے بلکہ وہ تو قلب سلیم چاہتا ہے وہ محسنوں اور متقیوں کو پیار کرتا ہے۔ اُن کا ولی ہوتا ہے۔ کیا سارے قرآن میں ایک جگہ بھی لکھا ہوا ہے کہ وہ اُن کو پیار کرتا ہے کہ جن کے قلب جاری ہوں۔ یقیناً سمجھو کہ یہ محض خیالی باتیں اور کھیلیں ہیں جن کا اصلاح نفس اور رُوحانی اُمور سے کچھ بھی تعلق نہیں ہے بلکہ ایسے کھیل خدا سے بُعد کا موجب ہو جاتے ہیں اور انسان کے عملی حصہ میں مُضر ثابت ہوتے ہیں۔ اس لئے تقویٰ اختیار کرو۔ سُنّتِ نبوی کی عزت کرو اور اس پر قائم ہو کر دکھاؤ جو قرآن شریف کی تعلیم کا اصل فخر یہی ہے۔"

سوال۔ پھر صُوفیوں کو کیا غلطی لگی؟

جواب۔

گذشتہ صُوفیوں کو حوالہ بخدا کرو

"ان کو بحوالہ خدا کرو۔ معلوم نہیں۔ انہوں نے کیا سمجھا اور کہاں سے سمجھا۔ تلك امة قد خلت لها ما كسبت[1] بعض وقت لوگوں کو دھوکا لگتا ہے۔ کہ وہ ابتدائی حالت کو انتہائی سمجھ لیتے ہیں۔ کیا معلوم ہے کہ انہوں نے ابتدا میں یہ کہا ہو پھر آخر میں چھوڑ دیا ہو۔ یا کسی اَور ہی نے اُن کی باتوں میں التباس کر دیا ہو اور اپنے خیالات ملا دیئے ہوں۔ اسی طرح پر تو توریت و انجیل میں تحریف ہو گئی۔ گذشتہ مشائخ کا اس میں نام بھی نہیں لینا چاہیئے۔ ان کا تو ذکر خیر چاہیئے۔ انسان کو لازم ہے کہ جس غلطی پر خدا اُسے مطلع کرے خود اس میں نہ پڑے خدا نے یہی فرمایا ہے۔ کہ شرک نہ کرو اور تمام عقل اور طاقت کے ساتھ خدا کے ہو جاؤ۔ اس سے بڑھ کر اور کیا ہوگا۔ من كان لله كان الله له۔

حبس دم

سوال۔ حبسِ دم کیا ہے؟

[1] البقرة: ۱۳۵

جواب:- "یہ بھی ہندو جوگیوں کا مسئلہ ہے۔ اسلام میں اس کی کوئی اصل موجود نہیں ہے۔"

(الحکم جلد ۵ نمبر ۳۹-۴۰ صفحہ ۲ پرچہ ۲۴ /اکتوبر و ۳۱ /اکتوبر ۱۹۰۱ء)

۱۲/ستمبر ۱۹۰۱ء

۱۲/ستمبر ۱۹۰۱ء کی شام کو جبکہ حضرت اقدس امام علیہ الصلوٰۃ والسلام حسب معمول مغرب کی نماز سے فارغ ہو کر احباب کے زمرہ میں تشریف فرما ہوئے تو باتوں ہی باتوں میں کچھ طبّی تحقیقاتوں کا سلسلہ چل پڑا۔ اور ان مغربی تجارب اور تحقیقاتوں کا ذکر ہونے لگا جو عمل جراحی کے متعلق یورپ و امریکہ والوں نے کی ہیں۔ اس کے بعد ایک شخص منشی عبدالحق صاحب پٹیالوی نے اپنے ہاں اولاد نرینہ ہونے کے لئے دعا کی درخواست کی۔ اس پر حضرت اقدس امام عالیمقام علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک مختصر سی لطیف تقریر فرمائی جس کو ہم اپنے الفاظ اور طرز میں ادا کرتے ہیں۔ اور وہ یہ ہے:-

اولاد کی خواہش

"انسان کو سوچنا چاہیئے کہ اسے اولاد کی خواہش کیوں ہوتی ہے؟ کیونکہ اس کو محض طبعی خواہش ہی تک محدود نہ کر دینا چاہیئے۔ کہ جیسے پیاس لگتی ہے یا بھوک لگتی ہے لیکن جب یہ ایک خاص اندازہ سے گزر جاوے تو ضرور اس کی اصلاح کی فکر کرنی چاہیئے۔ خدا تعالیٰ نے انسان کو اپنی عبادت کے لئے پیدا کیا ہے جیسا کہ فرمایا ہے۔ مَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ[1]۔ اب اگر انسان خود مومن اور عبد نہیں بنتا ہے اور اپنی زندگی کے اصل منشاء کو پورا نہیں کرتا ہے۔ اور پورا حق عبادت ادا نہیں کرتا۔ بلکہ فسق و فجور میں زندگی بسر کرتا ہے اور گناہ پر گناہ کرتا ہے تو ایسے آدمی کی اولاد کے لئے خواہش کیا نتیجہ رکھے گی۔ صرف یہی کہ گناہ کرنے کے لئے وہ اپنا ایک اور خلیفہ چھوڑنا چاہتا ہے۔ خود کونسی کمی کی ہے جو اولاد کی خواہش کرتا ہے۔ پس جب تک اولاد کی خواہش محض اس غرض کے لئے نہ ہو کہ وہ دیندار اور متقی ہو۔ اور خدا تعالیٰ کی فرماں بردار ہو کر اس کے دین کی

[1] الذاریات: ۵۷

خادم بنے بالکل فضول بلکہ ایک قسم کی معصیت اور گناہ ہے اور باقیات صالحات کی بجائے اس کا نام باقیات سیئات رکھنا جائز ہوگا۔ لیکن اگر کوئی شخص یہ کہے کہ میں صالح اور خداترس اور خادم دین اولاد کی خواہش کرتا ہوں تو اس کا یہ کہنا بھی نرا ایک دعویٰ ہی دعویٰ ہوگا جبتک کہ وہ خود اپنی حالت میں ایک اصلاح نہ کرے۔ اگر خود فسق و فجور کی زندگی بسر کرتا ہے اور منہ سے کہتا ہے کہ میں صالح اور متقی اولاد کی خواہش کرتا ہوں تو وہ اپنے اس دعویٰ میں کذّاب ہے۔ صالح اور متقی اولاد کی خواہش سے پہلے ضروری ہے کہ وہ خود اپنی اصلاح کرے اور اپنی زندگی کو متقیانہ زندگی بنا دے۔ تب اس کی ایسی خواہش ایک نتیجہ خیز خواہش ہوگی اور ایسی اولاد حقیقت میں اس قابل ہوگی کہ اس کو **باقیات صالحات** کا مصداق کہیں لیکن اگر یہ خواہش صرف اِس لئے ہو کہ ہمارا نام باقی رہے اور وہ ہمارے املاک و اسباب کی وارث ہو یا وہ بڑی نامور اور مشہور ہو۔ اس قسم کی خواہش میرے نزدیک شرک ہے یاد رکھو کسی نیکی کو کبھی اس لئے نہیں کرنا چاہیئے کہ اس نیکی کے کرنے پر ثواب یا اجر ملے گا۔ کیونکہ اگر محض اس خیال سے نیکی کی جاوے۔ تو وہ ابتغاء لمرضات اللہ نہیں ہو سکتی بلکہ اس ثواب کی خاطر ہوگی اور اس سے اندیشہ ہو سکتا ہے کہ کسی وقت وہ اسے چھوڑ بیٹھے۔ مثلاً اگر کوئی شخص ہر روز ہم سے ملنے کو آوے اور ہم اُس کو ایک روپیہ دے دیا کریں تو وہ بجائے خود یہی سمجھے گا۔ کہ میرا جانا صرف روپے کے لئے ہے جس دن سے روپیہ نہ ملے اسی دن سے آنا چھوڑ دے گا۔ غرض یہ ایک قسم کا باریک شرک ہے۔ اس سے بچنا چاہیئے۔ نیکی کو محض اس لئے کرنا چاہیئے کہ خدا تعالیٰ خوش ہو۔ اور اس کی رضا حاصل ہو اور اس کے حکم کی تعمیل ہو۔ قطع نظر اس کے کہ اُس پر ثواب ہو یا نہ ہو۔* ایمان تب ہی کامل ہوتا

* نوٹ۔ حضرت حجۃ اللہ نے ایک موقعہ پر فرمایا تھا کہ خدا تعالیٰ نے مجھے جس کام کے کرنے کا حکم دیا ہے اگر مجھے یہ بھی بتایا جاوے اور یقین کرایا جاوے کہ اس کام کے کرنے پر سخت سے سخت عذاب دیا جاویگا۔ تب بھی میں اپنی روح میں کوئی لغزش نہیں پاتا کہ وہ اس کام کو چھوڑ دے کیونکہ محض عذاب یا ثواب میرے کام کی غرض نہیں ہے۔ مجھے تو خدا تعالیٰ نے طبعی طور پر ایک جوش فطرت عطا کیا ہے جو اس کے احکام کی تکمیل کی طرف کشاں کشاں لئے جاتا ہے (ایڈیٹر)

ہے جبکہ یہ وسوسہ اور وہم درمیان سے اُٹھ جاوے۔ اگرچہ یہ سچ ہے کہ خدا تعالیٰ کسی کی نیکی کو ضائع نہیں کرتا۔ اِنَّ اللّٰہَ لَا یُضِیْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِیْنَ[1]۔ مگر نیکی کرنے والے کو اجر مدنظر نہیں رکھنا چاہیئے۔ دیکھو اگر کوئی مہمان یہاں محض اس لئے آتا ہے کہ وہاں آرام ملے گا۔ ٹھنڈے شربت ملیں گے یا تکلف کے کھانے ملیں گے۔ تو وہ گویا ان اشیاء کے لئے آتا ہے۔ حالانکہ خود میزبان کا فرض ہوتا ہے کہ وہ حتی المقدور اُن کی مہمان نوازی میں کوئی کمی نہ کرے اور اس کو آرام پہنچاوے اور وہ پہنچاتا ہے۔ لیکن مہمان کا خود ایسا خیال کرنا اس کے لئے نقصان کا موجب ہے۔

توغرض مطلب یہ ہے کہ اولاد کی خواہش صرف نیکی کے اصُول پر ہونی چاہیئے۔ اس لحاظ سے اور خیال سے نہ ہو کہ وہ ایک گناہ کا خلیفہ باقی رہے۔ خدا تعالیٰ بہتر جانتا ہے کہ مجھے کبھی اولاد کی خواہش نہیں ہوئی تھی۔ حالانکہ خدا تعالیٰ نے پندرہ یا سولہ برس کی عمر کے درمیان ہی اولاد دے دی تھی۔ یہ سُلطان احمد اور فضل احمد قریباً اِسی عُمر میں پیدا ہو گئے تھے۔ اور نہ کبھی مجھے یہ خواہش ہوئی کہ وہ بڑے بڑے دنیا دار بنیں۔ اور اعلیٰ عُہدوں پر پہنچکر مامور ہوں۔ غرض جو اولاد معصیت اور فسق کی زندگی بسر کرنے والی ہو۔ اس کی نسبت تو سعدیؒ کا یہ فتویٰ ہی صحیح معلوم ہوتا ہے۔

کہ پیش از پدر مُردہ بہ ناخلف

پھر ایک اَور بات ہے کہ اولاد کی خواہش تو لوگ بڑی کرتے ہیں اور اولاد ہوتی بھی ہے۔ مگر یہ کبھی نہیں دیکھا گیا کہ وہ اولاد کی تربیت اور ان کو عُمدہ اور نیک چلن بنانے اور خدا تعالیٰ کے فرماں بردار بنانے کی سعی اور فکر کریں۔ نہ کبھی اُن کے لئے دعا کرتے ہیں اور نہ مراتب تربیت کو مدنظر رکھتے ہیں۔

میری اپنی تو یہ حالت ہے کہ میری کوئی نماز ایسی نہیں ہے جس میں میں اپنے دوستوں اور اولاد اور بیوی کے لئے دُعا نہیں کرتا۔ بہت سے والدین ایسے ہیں جو اپنی اولاد

[1] التوبہ: ۱۲۰

کو بُری عادتیں سکھا دیتے ہیں۔ ابتدا میں جب وہ بدی کرنا سیکھنے لگتے ہیں تو اُن کو تنبیہ نہیں کرتے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ دن بدن دلیر اور بے باک ہوتے جاتے ہیں۔ ایک حکایت بیان کرتے ہیں کہ ایک لڑکا اپنے جرائم کی وجہ سے پھانسی پر لٹکایا گیا۔ اس آخری وقت میں اس نے خواہش کی کہ میں اپنی ماں سے ملنا چاہتا ہوں۔ جب اُس کی ماں آئی تو اُس نے ماں کے پاس جا کر اُسے کہا کہ میں تیری زبان کو چُوسنا چاہتا ہوں۔ جب اس نے زبان نکالی تو اُسے کاٹ کھایا۔ دریافت کرنے پر اُس نے کہا کہ اسی ماں نے مجھے پھانسی پر چڑھایا ہے کیونکہ اگر یہ مجھے پہلے ہی روکتی تو آج میری یہ حالت نہ ہوتی۔

حاصل کلام یہ ہے کہ لوگ اولاد کی خواہش تو کرتے ہیں۔ مگر نہ اس لئے کہ وہ خادمِ دین ہو بلکہ اس لئے کہ دنیا میں اُن کا کوئی وارث ہو اور جب اولاد ہوتی ہے تو اس کی تربیت کا فکر نہیں کیا جاتا۔ نہ اس کے عقائد کی اصلاح کی جاتی ہے اور نہ اخلاقی حالت کو درست کیا جاتا ہے۔ یہ یاد رکھو کہ اس کا ایمان درست نہیں ہو سکتا جو اقرب تعلقات کو نہیں سمجھتا۔ جب وہ اس سے قاصر ہے تو اَور نیکیوں کی اُمید اس سے کیا ہو سکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اولاد کی خواہش کو اس طرح پر قرآن میں بیان فرمایا ہے۔ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ أَزْوَاجِنَا وَذُرِّيَّاتِنَا قُرَّةَ أَعْيُنٍ وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِينَ إِمَامًا[1] یعنی خدا تعالیٰ ہم کو ہماری بیویوں اور بچوں سے آنکھ کی ٹھنڈک عطا فرماوے۔ اور یہ تب ہی میسر آ سکتی ہے کہ وہ فسق و فجور کی زندگی بسر نہ کرتے ہوں بلکہ عِبادُ الرحمٰن کی زندگی بسر کرنیوالے ہوں اور خدا کو ہر شئے پر مقدم کرنیوالے ہوں اور آگے کھول کر کہہ دیا وَاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِينَ إِمَامًا۔ اولاد اگر نیک اور متقی ہو تو یہ اُن کا امام ہی ہوگا۔ اس سے گویا متقی ہونے کی بھی دُعا ہے۔"

اس مضمون کی تقریر حضرت اقدس ؑ نے بیان فرمائی۔ خدا تعالیٰ توفیق دے کہ ہم متقی ہوں۔ اور پھر ہماری خواہش اولاد اس اصول پر ہو۔ آمین۔

(الحکم جلد ۵ نمبر ۳۵ صفحہ ۱۰ تا ۱۲ پرچہ ۲۴ ستمبر ۱۹۰۱ء)

[1] الفرقان: ۷۵

۳۰ اکتوبر ۱۹۰۱ء

ابھی مغرب کی اذان نہ ہوئی تھی کہ حضرت اقدس علیہ السلام تشریف لے آئے۔ آپ کا چہرہ بشاشت اور مسرت سے پھول کی طرح کھلا ہوا تھا۔ چہرہ سے ایک جلال ٹپکتا تھا۔ آتے ہی فرمایا:۔

مسیح کی شان میں غلو کے خلاف غیرت

"آج میں نے ایک مضمون لکھنا شروع کیا ہے۔ مسیح علیہ السلام کی نسبت بہت بڑا اطراء کیا گیا ہے۔ اور اُن کی شان میں اتنا غلو کیا گیا ہے کہ معاذ اللہ خدا ہی بنا دیا گیا ہے۔ ہم اُن کی عزت کرتے ہیں جیسے اور نبیوں کی عزت کرتے ہیں۔ اور خدا کا راستباز نبی مانتے ہیں۔ مگر اس غلو اور اطرا کو توڑنے کے لئے میں نے تجویز کیا ہے کہ اُن کی وہ ساری سوانح یکجائی طور پر پیش کریں۔ جو عیسائیوں اور یہودیوں کی کتابوں میں پائے جاتے ہیں۔ کیونکہ جب تک وہ ساری باتیں جو ان کی انسانیت کے اثبات پر گواہ ناطق ہیں۔ پیش نہ کی جاویں۔ خیالی طور پر جو کچھ اُن کے مراتب میں غلو کیا گیا ہے اُس کا استیصال نہ ہوگا۔ اور یہ جوش خدا تعالیٰ نے مجھے محض اس لئے دیا ہے۔ کہ میں دیکھتا ہوں اس اطرا کا نتیجہ بہت بُرا ہوا ہے۔ نبی کریمؐ کی توہین کی گئی اور خدا تعالیٰ کے جلال و جبروت کی کچھ بھی پرواہ نہیں کی گئی۔ اس لئے یہ سلسلہ میں سمجھتا ہوں بہت مفید ہوگا۔ چونکہ انما الاعمال بالنیات ہماری نیت نیک ہے اس لئے وہ واقعات جو ہم اس میں درج کریں گے اس لئے نہیں ہوں گے کہ ہم خدانخواستہ اُن کی توہین کرتے ہیں۔ بلکہ صرف اس لئے کہ اُن کی انسانیت اُن کو دیکھائے بلکہ ہم ان اعتراضوں کو جو یہودیوں اور فری تھنکروں نے اُن پر کئے ہیں۔ درج کرکے خود ان کا جواب دیں گے۔"

ایک زبردست اعجازی نشان

اس کے بعد چونکہ اذان ہو چکی تھی۔ نماز مغرب ادا کی گئی۔ بعد نماز مغرب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پھر اسی سلسلہ کلام میں فرمایا:۔

"یہ کتاب جو میں لکھ رہا ہوں خدا تعالیٰ کی طرف سے ایک عظیم الشان نشان ہوگی چونکہ اللہ تعالیٰ نے مجھے بشارت دی ہوئی ہے۔ کہ اُجِیْبُ کُلَّ دُعَائِكَ اِلَّا فِیْ شُرَکَائِكَ۔ اس لئے مجھے پُورا بھروسہ اور یقین ہے کہ میری دُعائیں کل دُنیا سے زیادہ قبول ہوئی ہیں۔ اور اسی لئے یہ کتاب ایک نشان ہے کہ اس کا مقابلہ کوئی نہیں کرسکے گا۔ ہماری جماعت کے ہاتھ میں یہ زبردست نشان ہوگا۔ میں عربوں کے دعویٰ ادب و فصاحت و بلاغت کو بالکل توڑنا چاہتا ہوں۔ یہ لوگ جو اخبار نویس ہیں اور چند سطریں لکھ کر اپنے آپ کو اہلِ زبان اور ادیب قرار دیتے ہیں وہ اس اعجاز کے مقابلہ میں قلم اُٹھا کر دیکھ لیں۔ اُن کے قلم توڑ دیئے جاویں گے۔ اور اگر اُن میں کچھ طاقت ہے اور قوت ہے تو وہ اکیلے اکیلے یا سب کے سب مل کر اس کا مقابلہ کریں پھر انہیں معلوم ہو جائے گا اور یہ راز بھی کھل جائے گا جو یہ ناواقف کہا کرتے ہیں کہ عربوں کو ہزار ہا روپے کے نوٹ دے کر کتابیں لکھائی جاتی ہیں۔ اب معلوم ہو جائے گا۔ کہ کون عرب ہے۔ جو ایسی فصیح بلیغ کتاب اور ایسے حقائق و معارف سے پُر لکھ سکتا ہے۔ جو کتابیں یہ ادب و انشاء کا دعویٰ کرنے والے لکھتے ہیں اُن کی مثال پتھروں کی سی ہے کہ سخت، نرم سیاہ، سفید پتھر جمع کر کے رکھے جائیں۔ مگر یہ تو ایک لذیذ اور شیریں چیز ہے۔ جس میں حقائق اور معارف قرآنی کے اجزاء ترکیب دیئے گئے ہیں۔ غرض جو بات رُوح القدس کی تائید سے لکھی جاوے اور جو الفاظ اُس کے القاء سے آتے ہیں وہ اپنے ساتھ ایک حلاوت رکھتے ہیں اور اس حلاوت میں ملی ہوئی شوکت اور قوت ہوتی ہے جو دوسروں کو اس پر قادر نہیں ہونے دیتی۔ غرض یہ بہت بڑا نشان ہوگا۔"

پھر اسی سلسلہ کلام میں کہ مسیحؑ کی سوانح پر نکتہ چینیوں کو ہم لکھنا چاہتے ہیں اور یہودی اور فری تھنکروں کے اعتراضوں کے جواب دینا چاہتے ہیں۔ فرمایا:۔

"اس طرز کے اختیار کرنے سے مدعا یہ ہے۔ کہ مسیحؑ کی خدائی باطل کی جاوے۔ یہ

اعتقاد ظلم عظیم ہے۔ اور مجھے تو خدا کی قدرت ہے کہ شروع سے جبکہ ابھی میں طالب علم ہی تھا۔ اُس کی تردید کا ایک جوش خدا نے دیا تھا۔ گویا میری سرشت میں یہ بات رکھ دی تھی۔ چنانچہ جب پادری فنڈر صاحب نے اپنی کتابیں شائع کیں تو ۱۸۵۹ء تا ۱۸۶۰ء کا ذکر ہے کہ مولوی گل علیشاہ صاحب کے پاس جو ہمارے والد صاحب نے خاص ہمارے لئے اُستاد رکھے ہوئے تھے۔ پڑھا کرتا تھا اور اس وقت میری عُمر سولہ سترہ برس کی ہوگی تو اس کی میزان الحق دیکھنے میں آئی۔ ایک ہندو نے جو میرا ہم مکتب تھا۔ اس کی فارسی کو دیکھ کر اُس کی بڑی تعریف کی۔ میں نے اس کو بہت ملزم کیا اور بتایا کہ اس کتاب میں بجز نجاست کے اور کچھ نہیں ہے گو بری زبان پر جاتا ہے۔ اس وقت سے خدا نے اس جوش میں ترقی کی ہے۔ اور میرے رگ و ریشہ میں یہ بات پڑی ہوئی ہے کہ اس افترا کے پتلے کو تباہ کیا جاوے! اور خدا تعالیٰ جانتا ہے کہ آجکل جو نمازیں جمع کی جاتی ہیں، رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے سے فرمایا تھا کہ اُس کے لئے نمازیں جمع کی جاویں گی۔ تو یہ عظیم الشان پیشگوئی پُوری ہو رہی ہے۔ میرا تو یہ حال ہے کہ باوجود اس کے کہ دو بیماریوں میں ہمیشہ سے مُبتلا رہتا ہوں پھر بھی آج کل میری مصرُوفیت کا یہ حال ہے کہ رات کو مکان کے دروازے بند کر کے بڑی بڑی رات تک بیٹھا اس کام کو کرتا رہتا ہوں حالانکہ زیادہ جاگنے سے مراق کی بیماری ترقی کرتی جاتی ہے اور دورانِ سر کا دَورہ زیادہ ہو جاتا ہے۔ مگر میں اس بات کی پرواہ نہیں کرتا اور اس کام کو کئے جاتا ہوں۔ چونکہ دن چھوٹے چھوٹے ہوتے ہیں۔ اور مجھے معلوم بھی نہیں ہوتا۔ کہ وہ دن کدھر جاتا ہے۔ اُسی وقت خبر ہوتی ہے۔ جب شام کی نماز کے لئے وضو کرنے کیواسطے پانی کا لوٹا رکھ دیا جاتا ہے اس وقت مجھے افسوس ہوتا ہے کہ کاش اتنا دن اَور ہوتا۔ حالانکہ مجھے اسہال کی بیماری ہے اور ہر روز کئی کئی دست آتے ہیں۔ مگر جب پاخانے کی حاجت بھی ہوتی ہے تو مجھے رنج ہی ہوتا ہے کہ ابھی کیوں حاجت ہوئی اور ایسا ہی روٹی کیلئے جب کئی مرتبہ کہتے ہیں تو بڑا جبر کر کے جلد جلد چند لُقمے کھا لیتا ہوں۔ بظاہر تو میں روٹی کھاتا

ہوا دکھائی دیتا ہوں مگر میں سچ کہتا ہوں کہ مجھے پتہ بھی نہیں ہوتا کہ وہ کہاں جاتی ہے اور کیا کھاتا ہوں۔ میری توجہ اور خیال اسی طرف لگا ہوا ہوتا ہے۔ پس یہ کام بہت ضروری ہے اور خدا چاہے تو یہ ایک نشان ہوگا جس کی نظیر لانے پر کوئی قادر نہ ہوگا۔"

ناظرین! حضرت اقدسؑ کے اس جوش کا کسی قدر پتہ ان الفاظ سے مل سکتا ہے جو آپؑ کو اعلائے کلمۃ الاسلام کے لئے حق نے عطا فرمایا ہے۔ آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ ہم کس دُھن میں ہیں اور وہ کس خیال میں۔ پھر اسی سلسلہ کلام میں فرمانے لگے کہ

"اگرچہ یہ کتاب بظاہر کوئی عجیب اور اعجاز نظر نہ آتی ہو مگر اس کی اشاعت پر دنیا کو معلوم ہو جائے گا۔ جب ہم نے مہوتسو کے لئے مضمون لکھنا شروع کیا۔ تو ہمارے ایک دوست نے اپنے خیال کے موافق کچھ خوشی ظاہر نہ کی مگر خدا تعالیٰ نے الہاماً خوشخبری دی کہ وہ مضمون بالا رہا۔ چنانچہ یہ اشتہار جلسہ سے پہلے ہی شائع کر دیا گیا۔ آخر جب وہ جلسہ میں پڑھا گیا تو اس کی عظمت اور اس کے حقائق کو سب نے تسلیم کیا یہاں تک کہ لاہور کے انگریزی اُردو اخبارات نے اس کے بالا رہنے کا اعتراف کیا۔ اسی طرح پر جب یہ کتاب شائع ہو کر باہر نکلے گی۔ تب پتہ لگے گا۔ میں نے ایک بار ایک شخص کو دہلی سے عطر لانے کے لئے کہا وہ کہنے لگا کہ جب میں عطّار کی دوکان پر گیا۔ تو جو عطر وہ دکھاتا تھا۔ میں اس کو ہی واپس کر دیتا تھا۔ آخر عطّار نے کہا میاں تم یہاں دوکان میں بیٹھے ہو تمہیں پتہ نہیں لگتا۔ جب دوکان سے باہر لے کر جاؤ گے تب اس عطر کی حقیقت معلوم ہوگی۔ چنانچہ جب وہ عطر لے کر آیا تو اس نے بیان کیا کہ جو گاڑیاں ہم سے پیچھے آتی تھیں ان کے سوار کہتے تھے کہ کس کے پاس عطر ہے۔ گویا اس کی اتنی خوشبو تھی۔"

اس قسم کی باتیں ہوتی رہیں۔ اپنے دعویٰ کی صداقت اور اپنے مامور من اللہ ہونے اور خدا تعالیٰ کے ساتھ اپنا رابطہ کے ایسے شدید اور گاڑھا تعلق ہونے پر کہ کوئی دوسرا آج زمین پر ویسا نہیں۔ اپنی دعاؤں کی قبولیت پر کچھ فرماتے رہے۔ پھر مرزا خدا بخش صاحب ابوالعطار کی کتاب عسل مصفّٰی سُننے

لگے اور اس کے ضمن میں المسیح الدجال پر ایک پُرجوش اور لطیف تقریر فرمائی جو بالکل اچھوتی اور نئی تھی اور کسی تحریر میں ابھی تک نہیں آئی۔ یہ وُہ تقریر ہے جو دجّال کی حقیقت اور اس کے خاص پُتلے کو ہر ایک کے سامنے کر دیا جائے گا۔ کوئی ہی ایسا بدبخت ہوگا جو اس کے بعد بھی مُنکر رہے۔"

(الحکم جلد ۵ نمبر ۴۰ صفحہ ۵-۶ پرچہ ۳۱؍اکتوبر ۱۹۰۱ء)

۳۱؍اکتوبر ۱۹۰۱ء

فونوگراف کے ذریعہ تبلیغ

حضرت اقدسؑ حسب معمول سَیر کو تشریف لے گئے۔ راستہ میں فونوگراف کی ایجاد اور اس سے اپنی تقریر کو مختلف مقامات پر پہنچانے کا تذکرہ ہوتا رہا۔ چنانچہ یہ تجویز کی گئی کہ اس میں حضرت اقدسؑ کی ایک تقریر عربی زبان میں بند ہو جو چار گھنٹہ تک جاری رہے اور اس تقریر سے پہلے حضرت مولوی عبدالکریم صاحب کی تقریر ایک انٹروڈکٹری نوٹ کے طور پر جس کا مضمون اس قسم کا ہو۔ کہ انیسویں صدی کے مسیح کے سب سے بڑے انسان کی تقریر آپ کو سُنائی جاتی ہے۔ جس نے خدا کی طرف سے مامور ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔ اور جو مسیح موعود اور مہدی موعود کے نام سے دنیا میں آیا ہے اور جس نے ارضِ ہند میں ہزاروں لوگوں کو اپنے ساتھ ملا لیا ہے اور جس کے ہاتھ پر ہزاروں تائیدی نشان ظاہر ہوئے۔ خدا تعالیٰ نے جس کی ہر میدان میں نصرت کی وہ اپنی دعوت بلادِ اسلامیہ میں کرتا ہے۔ سامعین خود اس کے مُنہ سے سُن لیں کہ اُس کا کیا دعویٰ ہے اور اس کے دلائل اس کے پاس کیا ہیں۔ اس قسم کی ایک تقریر کے بعد پھر حضرت اقدسؑ کی تقریر ہوگی اور جہاں جہاں یہ لوگ جائیں اسے کھول کر سُناتے پھریں۔

سَیر سے واپس تشریف لا کر حضرت اقدسؑ نے قاضی یوسف علی صاحب نعمانی کو دیکھا۔ اور اندر تشریف لے گئے۔ پھر ظُہر کے وقت تشریف لائے، نمازیں جمع ہوئیں۔ آج اتفاق سے ڈاک میں حکیم محمد اجمل خانصاحب دہلوی کا خط اور حاذق الملک میموریل فنڈ کے کاغذات آپ کے پاس

پہنچے۔ حضورؑ نے اس موقعہ سے فائدہ اٹھا کر تبلیغ کرنے کا ارادہ ظاہر فرمایا۔ جناب کو فرصت ہوگی۔ تو اس پر ایک خط لکھیں گے جو الحکم میں طبع ہوگا۔

(الحکم جلد ۵ نمبر ۴۱ صفحہ ۱ پرچہ ۱۰ ؍نومبر ۱۹۰۱ء)

یکم نومبر ۱۹۰۱ء

آج جمعہ تھا۔ حضرت اقدسؑ سَیر کو تشریف نہیں لے جا سکے۔ جمعہ میں حضرت مولوی عبدالکریم صاحب سلمہ ربہ نے ایک لطیف خطبہ پڑھا۔ جس کو کسی وقت الحکم میں شائع کیا جائیگا۔

مسئلہ تعدّد ازدواج کا ایک عجیب حل

حضرت اقدس جری اللہ فی حُلل الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام بعد نماز مغرب حسب معمول بیٹھ گئے اور گرد خُدام ارادت مندی کے ساتھ حلقہ باندھے بیٹھے تھے۔ آپؑ نے کل کے سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ

"مسیح علیہ السّلام کی شان میں جس قدر اطرار کیا گیا ہے اور پھر جسقدر اُن پر حملے کرکے اُن کو گرایا گیا ہے۔ میں ان دونوں پہلوؤں کو صاف کرکے مسیح علیہ السّلام کی شان کو اعتدال پر لانا چاہتا ہوں اور جو کچھ وہ تھے اس سے دنیا کو اطلاع دینا بھی میرا کام ہے۔ آج میں اس پر بہت غور کرتا رہا۔ کہ عیسائیوں نے جو مسیحؑ کو خدا بناتے ہیں باوجود خدا بنانے کے اُن کے ساتھ کیا سلوک کیا ہے۔ اَور باتوں کے علاوہ ایک نئی بات مجھے معلوم ہوئی ہے اور وہ یہ ہے کہ تاریخ سے معلوم ہوا ہے کہ جس یُوسف کے ساتھ حضرت مریمؑ کی شادی ہوئی اس کی ایک بیوی پہلے بھی موجود تھی۔ اب غور طلب یہ امر ہے کہ یہودیوں نے تو اپنی شرارت سے اور حد سے بڑھی ہوئی شوخی سے حضرت مسیحؑ کی پیدائش کو ناجائز قرار دیا اور انہوں نے یہ ظلم پر ظلم کیا کہ ایک تارکہ اور نذر دی ہوئی لڑکی کا اپنی شریعت کے خلاف نکاح کیا۔ اور پھر حمل میں نکاح کیا۔ اس طرح انہوں نے شریعت موسوی کی توہین کی اور بااین حضرت مسیح کی پاک پیدائش پر نکتہ چینی کی اور ایسی نکتہ چینی جس کو ہم سُن بھی نہیں سکتے۔ اُن

کے مقابلہ میں عیسائیوں نے کیا کیا۔ عیسائیوں نے حضرت مسیحؑ کی پیدائش کو تو بے شک اعتقادی طور پر رُوح القدس کی پیدائش قرار دیا۔ اور خود خدا ہی کو مریمؑ کے پیٹ سے پیدا کیا۔ مگر تعدّد ازواج کو ناجائز کہہ کر وہی اعتراض اس شکل میں حضرت مریمؑ کی اولاد پر کرلیا اور اس طرح پر خود مسیحؑ اور ان کے دوسرے بھائیوں کی پیدائش پر حملہ کیا۔

واقعی عیسائیوں نے تعدّد ازواج کے مسئلہ پر اعتراض کر کے اپنے ہی پاؤں پر کلہاڑی ماری ہے۔ ہم تو حضرت مسیحؑ کی شان بہت بڑی سمجھتے ہیں اور اسے سچا اور خدا کا برگزیدہ نبی مانتے ہیں۔ اور ہمارا ایمان ہے کہ آپ کی پیدائش باپ کے بدوں خدا تعالیٰ کی قدرت کا ایک نمونہ تھی۔ اور حضرت مریمؑ صدیقہ تھیں یہ قرآن کریم کا احسان ہے حضرت مریمؑ پر اور حضرت مسیحؑ پر جو ان کی تطہیر کرتا ہے اور پھر یہ احسان ہے اس زمانہ کے موعود امام کا کہ اس نے از سر نو اس تطہیر کی تجدید فرمائی۔"

اس پر حضرت مولانا عبدالکریم صاحب نے فرمایا۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ۔ لاریب "اُمّہات المومنین" کا عجیب جواب ہے اور رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کا انتقام۔

اس کے بعد پھر حضرت اقدسؑ نے فرمایا کہ:۔

"میں یہ سارے اعتراض جمع کر کے خود حضرت مسیحؑ کی طرف سے جواب دُوں گا اور ساتھ ساتھ نبی کریمؐ کا مقابلہ بھی مسیحؑ سے کرتا جاؤں گا۔"

اس کے بعد مفتی صاحب نے وہ اعتراض پڑھ کر سُنائے جو فری تھنکروں اور یہودیوں نے حضرت مسیحؑ پر کئے ہیں۔ زاں بعد مرزا خدا بخش صاحب نے اپنی کتاب کا کچھ حصہ سُنایا۔ پھر نماز عشاء ہوئی۔

(الحکم جلد ۵ نمبر ۱۴۔ صفحہ ۱-۲-۳۔ پرچہ ۱۷ اپریل ۱۹۰۱ء)

۲؍نومبر ۱۹۰۱ء

حضرت ابن صیادؓ

فرمایا۔ "مجھے تعجب ہے کہ کیوں بیچارے ابن صیاد پر یہ ظلم کیا جاتا ہے کہ خواہ نخواہ اسے دجّال بنایا جاتا ہے حالانکہ ساری عمر میں اس سے کوئی شرارت ظاہر نہیں ہوئی بلکہ اس نے مسلمان ہو کر اپنی جان دی اور شہید ہوا۔ اور حج کیا۔ مجھے تو یہ ظلم نظر آتا ہے اور اس لئے وہ اس قابل ہے کہ اسے رضی اللہ عنہ کہا جاوے۔ یہ صرف بلا سوچے سمجھے مورد اعتراض ٹھہرایا گیا ہے۔"

اس پر حضرت مولوی نورالدین صاحب نے فرمایا۔ کہ حضور! رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودیوں کو مدینہ سے نکال بھی دیا اور بعض کو قتل بھی کیا گیا مگر ابن صیاد کو آپ نے نہیں نکالا۔ اگر وہ ایسا ہی دجّال تھا جیسا کہ یہ لوگ خیال کرتے ہیں۔ تو اسے کیوں چھوڑا؟

پھر حضرت اقدسؑ نے فرمایا کہ

"حقیقت میں یہ اعتراض بہت صحیح ہے اور اس کا جواب ان کے پاس نہیں ہے میری رائے یہی ہے کہ وہ ایک سچا مسلمان تھا۔ اس نے رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق نبی الامین کہہ کر کی اور اُس کی ماں بھی معلوم ہوتا ہے مسلمان تھی۔ یہ حضرت ابن صیاد رضی اللہ عنہ مظلوم ہیں۔"

۳؍نومبر ۱۹۰۱ء

عیسٰیؑ اور یسوع میں فرق

حسب معمول بیٹھتے ہی حضرت مسیحؑ کا تذکرہ شروع ہو گیا۔ حضرت مولوی نورالدین صاحب نے عرض کیا کہ حضور عیسٰی اور یسوع میں فرق ہے۔ عیسائی کبھی عیسٰی ابن مریم نہیں بولتے بلکہ بعض تو بُرا سمجھتے ہیں۔ ان کے ہاں یسوع ہے۔ عبرانی میں عیؔن نہیں بولتے۔ یسُو کہتے ہیں اور قرآن

نے کہیں یسوع کا تذکرہ نہیں کیا انجیل پر کہیں کتاب کا لفظ نہیں بولا گیا۔ اس پر جب یہ آیت پیش کیگئی کہ مسیحؑ نے کہا ہے اِنِّیْ عَبْدُ اللّٰہِ اٰتٰنِیَ الْکِتٰبَ[۱] تو اس کی لطیف تشریح فرمائی اٰتٰنِیَ الْکِتٰبَ سے مراد فہم کتاب ہے۔

۴ نومبر ۱۹۰۱ء

المسیح الدجال کی حقیقت

فرمایا۔" اصل بات یہ ہے کہ دجّال بھی مسیح موعود کی طرح ایک موعود ہے۔ اس کا نام المسیح الدجّال ہے۔ سورۃ تحریم میں جیسے مسیح موعود کے لئے بشارت اور نص موجود ہے۔ اسی نص سے بطور اشارۃ النص کے دجّال کے وجود پر ایک دلیل لطیف قائم ہوتی ہے یعنی جیسے مریمؑ میں نفخ رُوح سے ایک مسیح پیدا ہوا۔ اسی طرح اس کے بالمقابل ایک خبیث وجود کا ہونا ضروری ہے جس میں رُوح القدس کی بجائے خبیث رُوح کا نفخ ہوا اس کی مثال ایسی ہے جیسے بعض عورتوں کو رجا کی بیماری ہوتی ہے اور وہ خیالی طور پر اس کو حمل ہی سمجھتی ہیں۔ یہانتک کہ حاملہ عورتوں کی طرح سارے لوازم اُن کو پیش آتے ہیں اور جوتھے مہینے حرکت بھی محسوس ہوتی ہے مگر آخر کو کچھ بھی نہیں نکلتا۔ اسی طرح پر المسیح الدجال کے متعلق خیالات کا ایک بُت بنایا گیا ہے اور قوتِ واہمہ نے اس کا ایک وجود خلق کر لیا جو آخر کار ان لوگوں کے اعتقاد میں ایک خارجی وجود کی صورت میں نظر آیا۔ المسیح الدجّال کی حقیقت تو یہ ہے۔"

۵ نومبر ۱۹۰۱ء

آنحضرتؐ کے نشانات

نشانات کے متعلق آج صبح کی سیر میں یہ ذکر تھا کہ کَمَآ اُرْسِلَ الْاَوَّلُوْنَ[۲] والی آیت پر نظر کرنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ پہلے نشانات آپ کے زمانہ میں غیر مفید تھے۔ اس کے متعلق شام

[۱] مریم: ۳۱ [۲] الانبیاء: ۶

کو پھر فرمایا کہ :-

" اُدْعُوْنِ کا لفظ صاف بتاتا ہے کہ اب زمانہ ترقی کر گیا ہے۔ پس اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سونٹے کا سانپ بنا کر دکھاتے تو وہ بھلا کب مؤثر ہو سکتا تھا۔ اس قسم کے نشانات تو ابتدائے زمانہ میں کام آنیوالے تھے۔ جیسے ایک چھوٹے بچہ کے لئے جو پاجامہ سیا گیا ہے وہ اس کے بالغ ہونے پر کب کام آسکتا ہے۔ اسی طرح پر وہ زمانہ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ تھا اس قسم کے نشانات کا محتاج نہ تھا۔ بلکہ اس میں بہت ہی اعلیٰ درجے کے خوارق کی ضرورت تھی۔ یہی وجہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نشانات اپنے اندر ایک علمی سلسلہ رکھتے ہیں۔"

(الحکم جلد ۵ نمبر ۴۱ صفحہ ۴ پرچہ ۱۰ ر نومبر ۱۹۰۱ء)

---

۳ ر نومبر ۱۹۰۱ء

حضرت اقدس حسب معمول سیر کو نکلے۔ سیٹھ احمد دین صاحب بھی ساتھ تھے۔ مولوی برہان الدین صاحب نے عرض کیا۔ کہ سیٹھ صاحب کا ایک لڑکا ہوا تھا وہ فوت ہو چکا ہے۔ حضور دعا کریں۔

دُعا کے اصُول

فرمایا۔ " ہاں میں دعا کروں گا۔ مگر ساری باتیں ایمان پر منحصر ہیں۔ ایمان جس قدر قوی ہو۔ اسی قدر خدا تعالیٰ کے فضل سے حصہ ملتا ہے۔ خدا کے پاس کیا نہیں۔ اگر ایمان قوی نہ ہو۔ تو انسان خدا سے بدظن ہو جاتا ہے۔ اور پھر تعویذ گنڈے کرنے لگتا ہے۔ اور غیر اللہ کی طرف جھک جاتا ہے۔ پس مومن بننا چاہیئے۔

دُعا کے لئے اصُول ہیں۔ میں نے بہت دفعہ بیان کیا ہے کہ خدا تعالیٰ کبھی اپنی منواتا ہے اور کبھی مومن کی مانتا ہے۔ اس کے سوا چونکہ ہم تو علیم نہیں اور نہ اپنی ضرورتوں کے نتائج سے آگاہ ہیں۔ اس لئے بعض وقت ایسی چیزیں مانگ لیتے ہیں۔ جو ہمارے لئے مُضر ہوتی

ہیں۔پس وہ دُعا تو قبُول کرلیتا ہے اور جو دُعا کرنے والے کے واسطے مُفید ہوتا ہے۔وہ اُسے عطا کرتا ہے۔جیسے ایک زمیندار کسی بادشاہ سے ایک اعلیٰ درجہ کا گھوڑا مانگے اور بادشاہ اس کی ضرورت کو سمجھ کر اسے عُمدہ بیل دیدے۔تو اس کے لئے وہی مناسب ہو سکتا ہے۔دیکھو ماں بھی تو بچے کی ہر خواہش کو پورا نہیں کرتی۔اگر وہ سانپ یا آگ کو لینا چاہے۔تو کب دیتی ہے۔پس خدا تعالےٰ سے کبھی مایُوس نہیں ہونا چاہیئے۔اور تقویٰ اور ایمان میں ترقی کرنی چاہیئے۔"

ریاء

فرمایا۔" ریار کی رفتار بہت دھیمی ہوتی ہے۔اور وہ چیونٹی سے بھی باریک چلتی ہے۔ہر تحسین اور توہین میں ریا کا ایک شعبہ ہوتا ہے۔یہاں تک کہ مومن کو چاہیئے۔اگر اسے کسی کی طرف سے کوئی نیکی اور فائدہ پہنچے اگر وہ اس کی تحسین سے پہلے خدا کی تعریف نہیں کرتا۔تو یہ بھی ریار میں داخل ہے۔ایسا ہی کسی تکلیف یا بدی کے وقت ضروری ہے کہ خدا کی حکمت کو مدنظر رکھے۔

مومن کا کمال تو یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے ان تعلقات کو جو خدا تعالیٰ کے ساتھ رکھتا ہے۔کبھی پسند نہیں کرتا کہ دوسروں کو اس کا علم ہو۔بلکہ بعض صُوفیوں نے لکھا ہے۔کہ جب مومن خدا تعالےٰ کے ساتھ شدت ارتباط اور محبّت کی وجہ سے گوشۂ تنہائی میں اپنی مُناجات کر رہا ہو اس وقت کوئی اُس کو دیکھ لے تو وہ اس سے زیادہ شرمندہ ہوتا ہے۔جیسے کوئی زنا کار عین زناکاری کے وقت پکڑا جاوے۔پس ریار سے بچنا چاہیئے۔اور اپنے ہر قول و فعل کو اس سے محفوظ رکھنا چاہیئے۔"

(الحکم جلد ۵ نمبر ۴۱ صفحہ ۱-۲ پرچہ ۱۰ر نومبر ۱۹۰۱ئ)

۴؍نومبر ۱۹۰۱ء۔

آج پھر حسب معمول حضرت اقدسؑ سیر کو نکلے۔ اکثر احباب حضور کے ہمراہ تھے۔ انگریزی رسالہ کا ذکر ہوتا رہا۔ اسی سلسلہ میں فرمایا:۔

" میں یقین کرتا ہوں کہ جس قدر وقت میرا گذرتا ہے وہ سب عبادت ہی ہے۔ اس لئے کہ اگر کوئی نماز پڑھتا ہے دو چار رکعت تو اس میں کچھ دل حاضر ہوتا ہے کچھ غیر حاضر۔ مگر جس کام میں مَیں لگا ہوا ہوں اس کا اصل مقصد خدا تعالیٰ کی عظمت اور جلال کو قائم کرنا ہے پھر سارا وقت حضور قلب میسّر رہتا ہے اور کوئی دن نہیں جاتا کہ میں شام تک دو چار لطیف باتیں حاصل نہ کر لوں۔

بائبل میں آنحضرتؐ کے متعلق پیشگوئی

رات بہت بڑی رات گذر گئی تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک پیشگوئی کی طرف جو تورات میں ہے۔ اور آج تک کسی نے اس پر توجہ نہیں کی۔ مگر خدا نے مجھے اس کی طرف متوجہ کیا۔ پس اسی وقت میں نے تورات نکالی اور اس کو دیکھا۔ جو لوگ علوم الٰہیہ اور اُس کے استعارات سے دلچسپی رکھتے ہیں۔ اُن کو بیشک اس میں مزا آئے گا۔ مگر جو حقائق سے حصہ نہیں رکھتے وہ اس پر ہنسی کریں گے۔

وہ پیشگوئی اس طرح پر ہے۔ کہ تورات میں لکھا ہے کہ جب ہاجرہؓ کو اور اسمٰعیلؑ کو حضرت ابراہیم علیہ السلام چھوڑ آئے تو ان کے پاس ایک پانی کی مشک دے کر چھوڑ آئے۔ جب وہ ختم ہو گئی تو حضرت اسماعیلؑ پیاس کی شدت سے تڑپنے لگے اور قریب المرگ ہو گئے تو حضرت ہاجرہؓ ان کی اس حالت کو نہ دیکھ سکی اور کچھ فاصلے پر جا بیٹھی۔ وہاں لکھا ہے کہ تیر کے ٹپے پر اس وقت ہاجرہ چلائی اور خدا کے فرشتہ نے اُس کو پکارا اور کہا اے ہاجرہ مت ڈر۔ اُٹھ لڑکے کو اُٹھا۔ غرض پھر ہاجرہؓ کو ایک کنواں نظر آیا۔ جہاں سے اس نے مشک بھری۔ اب غور طلب بات یہ ہے۔ کہ فرشتہ نے جو ہاجرہ کو کنواں دکھایا تھا۔ اسی میں ایک

پیشگوئی تھی۔ اس پر میرے دل میں فوراً یہ آیت گذری۔ وَكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ [1]

ابراہیمؑ کا جب پانی ختم ہوچکا تو اسماعیلؑ قریب المرگ ہوگیا۔ اس وقت خدا نے اُسے بچا لیا اور ایک اور کنواں پانی کا اُسے دیا گیا۔ عرب والے بھی اسماعیلؑ کی اولاد ہونے کے سبب سے گویا اسماعیل ہی تھے۔ جب ہدایت اور شریعت کا اُن میں خاتمہ ہوگیا۔ اور قریب المرگ ہوگئے تو خدا تعالیٰ نے ایک نئی شریعت اُن پر نازل کی اور یہ اس آیت میں اشارہ ہے۔ غرض یہ پیشگوئی ہے جس کی طرف پہلے کسی نے توجہ نہیں کی۔"

(الحکم جلد ۵ نمبر ۴۱ صفحہ ۲ پرچہ ۱۰ر نومبر ۱۹۰۱ء)

۱۳ر نومبر ۱۹۰۱ء

ایمان کی حقیقت اور اثرات

فرمایا۔ "ایمان بڑی دولت ہے اور ایمان اس بات کو کہتے ہیں کہ اس حالت میں مان لیا جاوے جبکہ علم ابھی کمال کے درجہ تک نہ پہنچا ہو۔ اور ابھی شکوک اور شبہات سے ایک جنگ شروع ہو۔ پس اسی حالت میں جو شخص تصدیق قلبی اور تصدیق لسانی سے کام لیتا ہے وہ مومن ہے۔ اور حضرت احدیّت میں اس کا نام راستباز اور صادق رکھا جاتا ہے اور اس کے اس فعل پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے مَوہبت کے طور پر معرفت تامّہ کے مراتب اس پر کھولے جاتے ہیں۔ اور اصل بہشت اسی ایمان سے شروع ہوتا ہے۔ چنانچہ قرآن شریف نے جہاں بہشت کا تذکرہ فرمایا ہے وہاں پہلے ایمان کا تذکرہ کیا ہے۔ اور پھر اعمالِ صالحہ کا اور ایمان اور اعمالِ صالحہ کی جزا جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ [2] کہا ہے۔ یعنی ایمان کی جزا جنّت اور اس جنّت کو ہمیشہ سرسبز رکھنے کے لئے چونکہ نہروں کی ضرورت ہوتی ہے اس لئے وہ نہریں اعمالِ صالحہ کا نتیجہ ہیں۔ اور اصل حقیقت یہی ہے

[1] اٰل عمران: ۱۰۴ [2] البقرۃ: ۲۶

کہ وہ اعمال صالحہ اس دوسرے جہان میں انہار جاریہ کے رنگ میں متمثّل ہو جائیں گے۔
دنیا میں بھی ہم دیکھتے ہیں کہ جس قدر انسان اعمال صالحہ میں ترقی کرتا ہے۔ اور خدا تعالےٰ کی نافرمانیوں سے بچتا ہے۔ اور سرکشی اور حدود اللہ سے اعتداء کرنے کو چھوڑتا ہے اسی قدر ایمان اس کا بڑھتا ہے اور ہر جدید عمل صالح پر اس کے اطمینان میں ایک رسوخ اور دل میں ایک قوت آتی جاتی ہے۔ خدا کی معرفت میں اسے لذّت آنے لگتی ہے اور پھر یہانتک نوبت پہنچ جاتی ہے کہ مومن کے دل میں ایک ایسی کیفیت محبت الٰہی عشقِ خداوندی کی اللہ تعالیٰ ہی کی موہبت اور فیض سے پیدا ہو جاتی ہے۔ کہ اس کا سارا وجود اس محبّت اور سرور سے جو اس کا نتیجہ ہوتا ہے۔ لبالب پیالہ کی طرح بھر جاتا ہے۔ اور انوار الٰہی اس کے دل پر بکلّی احاطہ کر لیتے ہیں اور ہر قسم کی ظلمت اور تنگی اور قبض دُور کر دیتے ہیں۔ اس حالت میں تمام مصائب اور مشکلات بھی جو خدا تعالیٰ کی راہ میں اُن کے لئے آتی ہیں۔ وہ انہیں ایک لحظہ کے لئے پراگندہ دل اور منقبض خاطر نہیں کرسکتے بلکہ وہ بجائے خود محسوس اللذّات ہوتے ہیں۔ یہ ایمان کا آخری درجہ ہے۔
ایمان کے انواع اولیہ بھی سات ہیں اور ایک اَور آخری درجہ ہے۔ جو موہبت الٰہی سے عطا کیا جاتا ہے۔ اسی لئے بہشت کے بھی سات ہی دروازے ہیں اور آٹھواں دروازہ فضل کے ساتھ کُھلتا ہے۔ غرض یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ بہشت اور دوزخ جو اس جہاں میں موجود ہوں گی وہ کوئی نئی بہشت و دوزخ نہ ہو گی بلکہ انسان کے ایمان اور اعمال ہی کا وہ ایک ظل ہیں۔ اور یہی اس کی سچی فلاسفی ہے۔ وہ کوئی ایسی چیز نہیں۔ جو باہر سے آکر انسان کو ملے گی بلکہ انسان کے اندر ہی سے وہ نکلتی ہیں۔ مومن کے لئے ہر حال میں اسی دُنیا میں بہشت موجود ہوتا ہے۔ اسی عالم کا بہشت موجود دوسرے عالم میں اس کے لئے بہشت موعود کا حکم رکھتا ہے۔ پس یہ کیسی سچّی اور صاف بات ہے کہ ہر ایک کا بہشت اس کا ایمان اور اعمال صالحہ ہیں جن کی اس دنیا میں لذّت شروع ہو جاتی

ہے۔ اور یہی ایمان اور اعمال دوسرے رنگ میں باغ اور نہریں دکھائی دیتی ہیں۔ میں سچ کہتا ہوں اور اپنے تجربہ سے کہتا ہوں کہ اِسی دُنیا میں باغ اور نہریں نظر آتی ہیں اور دوسرے عالَم میں بھی باغ اور نہریں کھُلے طور پر محسُوس ہوں گی۔ اسی طرح پر جہنّم بھی انسان کی بے ایمانی اور بداعمالی کا نتیجہ ہے۔ جیسے جنّت میں انگور انار وغیرہ پاک درختوں کی مثال دی ہے ویسے ہی جہنّم میں زقّوم کے درخت کا وجُود بتایا ہے۔ اور جیسے بہشت میں نہریں، سلسبیل اور زنجبیلی اور کافوری نہریں ہوں گی۔ اسی طرح جہنّم میں گرم پانی اور پیپ کی نہریں بتائی ہیں۔ اُن پر غور کرنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ جیسے ایمان منکسر المزاجی اور اپنی رائے کو چھوڑ دینے سے پیدا ہوا ہے۔ اسی طرح پر بے ایمانی تکبّر اور انانیّت سے پیدا ہوتی ہے اس لئے اس کے نتیجہ میں زقّوم کا درخت دوزخ میں ہوا۔ اور وہ بداعمالیاں اور شوخیاں جو اس تکبّر و خود بینی سے پیدا ہوتی ہیں وہ وہی کھولتا ہوا پانی یا پیپ ہوگی۔ جو دوزخیوں کو ملے گی۔

اب یہ کیسی صاف بات ہے کہ جیسے بہشتی زندگی اسی دنیا سے شروع ہوتی ہے اسی طرح پر دوزخ کی زندگی بھی یہاں ہی سے انسان لے جاتا ہے۔ جیسا کہ دوزخ کے باب میں فرمایا۔ نَارُ اللّٰہِ الْمُوْقَدَۃُ الَّتِیْ تَطَّلِعُ عَلَی الْاَفْئِدَۃِ[1]۔ یعنی دوزخ وہ آگ ہے جو خدا کا غضب اس کا منبع ہے اور وہ گُناہ سے پیدا ہوتی اور پہلے دل پر غالب ہوتی ہے۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اس آگ کی جڑ وہ ہُموم غُموم اور حسرتیں ہیں جو انسان کو آگھیرتی ہیں۔ کیونکہ تمام رُوحانی عذاب پہلے دل سے ہی شروع ہوتے ہیں۔ جیسے تمام رُوحانی سرُوروں کا منبع بھی دل ہے اور دل ہی سے شروع ہونے بھی چاہئیں کیونکہ دل ہی ایمان یا بے ایمانی کا منبع ہے۔ ایمان یا بے ایمانی کا شگوفہ بھی پہلے دل ہی سے نکلتا ہے اور پھر تمام بدن اور اعضاء پر اس کا عمل ہوتا ہے۔ اور سارے جسم پر مُحیط ہو جاتا ہے۔ پس یاد رکھو کہ بہشت اور دوزخ اسی دنیا سے انسان ساتھ لے جاتا ہے۔ اور یہ

[1] الھمزۃ ۸۔

بات بھولنی نہ چاہیئے کہ بہشت اور دوزخ اس جسمانی دنیا کی طرح نہیں بلکہ ان دونوں کا مبدأ اور منبع رُوحانی امُور ہیں۔ ہاں یہ سچی بات ہے کہ عالمِ معاد میں وہ جسمانی شکل پر ضرور متشکل ہو کر نظر آئیں گے۔ یہ ایک بڑا ضروری مضمون ہے جس پر ساری قوموں نے دھوکا کھایا ہے اور اس کی حقیقت کے نہ سمجھنے کی وجہ سے کوئی خدا ہی کا منکر ہو بیٹھا ہے اور کوئی تناسخ کا قایل ہو گیا۔ کسی نے کچھ تجویز کیا اور کسی نے کچھ۔ اگر خدا تعالیٰ نے ہمیں موقع دیا تو ہمارا ارادہ ہے۔ کہ اس پر بسط کے ساتھ بڑی بحث کریں۔ اسی کی مرضی اور توفیق پر موقوف ہے ورنہ ہم تو ایک لفظ بھی بول نہیں سکتے۔"

انسان میں تین قسم کی جانیں

فرمایا۔ "نباتی، حیوانی اور انسانی تین قسم کی جان مانی گئی ہے۔ بعض حکماء نباتات میں شعُور اور حس کے بھی قایل ہیں۔ چنانچہ بہت اس قسم کے درخت اور پودے پائے گئے ہیں۔ جن پر مختلف امُور اثر کرتے ہیں مثلاً چھوئی موئی کا درخت، جب انسان اُسے ہاتھ لگاتا ہے فوراً مرجھا جاتی ہے۔ اور اسی قسم کے بہت سے درخت ایسے ہوتے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے۔ کہ ہر ایک چیز میں خدا نے ایک برزخ رکھا ہوا ہے۔ نباتات اور حیوانات کے درمیان وہ نباتات جن میں حس و شعُور ہے وہ برزخ ہیں جو بہت بڑا حصہ انسانی عقُول کا رکھتے ہیں۔ اسی برزخ کے نہ سمجھنے سے بعض کو یہ دھوکا لگا ہے۔ کہ انسان بندر سے ترقی کر کے انسان بنا ہے۔ حالانکہ یہ بالکل غلط ہے۔ یہ تمام برزخ جو مخلوقات میں موجود ہیں وہ وحدتِ خلقی کے دلیل ہونے کی وجہ سے خدا تعالیٰ کی ہستی پر ایک دلیل ہیں۔ اور افسوس ہے کہ ناواقف اور نااہل اس سے کوئی لُطف نہیں اُٹھا سکتے۔

بچہ جب بننے لگتا ہے تو ساری چیزیں اکٹھی ہی بنتی جاتی ہیں۔ جیسا کہ قرآن کریم میں پیدائش انسان کا مفصّل ذکر ہے۔ بعض لوگوں کی سمجھ میں جب اُس کی حقیقت نہ آئی۔ تو

اعتراض کر دیا ہے مگر مشاہدہ سے یہی سچ ثابت ہوا ہے۔ چنانچہ میں نے ایک بار ایک انڈے کو توڑا اور اس کو ایک برتن میں ڈال دیا۔ میں اس کے وسط میں ایک نقطہ دیکھتا تھا۔ جو دل کی حرکت کی طرح حرکت کرتا تھا۔ اور میں نے نہایت غور کے ساتھ جو دیکھا تو اس نقطہ سے مختلف جہات میں کچھ خطوط سے گئے ہوئے تھے کوئی اُن میں سے دماغ کی طرف تھا۔ کوئی جگر کی طرف وغیرہ۔ میں کئی منٹ تک یہ تماشا دیکھتا رہا اور بعض عورتوں نے بھی اُس کو دیکھا۔ غرض قرآن نے جو کچھ اُس کی حقیقت بیان کی ہے وہ صحیح ہے۔

ہاں جو یہ برزخ ہیں یہ وحدت خلق کی دلیل ہیں۔ اسی طرح پر انسان اور خدا کے درمیان بھی ایک برزخ ہے اور وہ تجلیات ہیں چنانچہ اس مقام اور مرتبہ کی طرف خدا تعالےٰ نے اشارہ فرمایا ہے۔ ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰی فَکَانَ قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰی۔ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کے علوِ مرتبہ کا بیان ہے کیونکہ یہ مرتبہ اس انسان کامل کو مل سکتا ہے جو عبودیّت اور اُلوہیّت کی دونوں قوسوں کے درمیان ہوکر ایسا شدید اور قوی تعلق پکڑتا ہے گویا ان دونوں کا عین ہو جاتا ہے اور اپنے نفس کو درمیان سے اُٹھا کر ایک مصفا آئینہ کا حکم پیدا کر لیتا ہے اور اس تعلق کی دو جہتیں ہوتی ہیں۔ ایک جہت سے یعنی اوپر کی طرف سے وہ تمام انوار و فیوض الٰہیہ کو جذب کرتا ہے۔ اور دوسری طرف سے وہ تمام فیوض بنی نوع کو حسب استعداد پہنچاتا ہے۔ پس ایک تعلق اس کا اُلوہیّت سے، اور دوسرا بنی نوع سے۔ جیسا کہ اس آیت میں صاف معلوم ہوتا ہے۔ یعنی پھر نزدیک سے (اللہ تعالیٰ سے) پھر نیچے کی طرف اُترا (یعنی مخلوق کی طرف اُترا یعنی مخلوق کی طرف تبلیغ احکام کے لئے نزول کیا) پس وہ ان تعلقات قرب کے مراتب تام کی وجہ سے دو قوسوں کے وتر کی طرح ہو گیا۔ بلکہ قوس اُلوہیّت اور عبودیّت کی طرف اس سے بھی زیادہ قرب ہو گیا چونکہ دُنوّ قرب سے ابلغ تر ہے۔ اس لئے خدا نے اس لفظ کو استعمال فرمایا اور یہی نقطہ جو برزخ بَیْنَ اللّٰہِ وَبَیْنَ الخَلْق ہے نفسی نقطہ سیّدنا محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلّم

کا ہے اور چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خدا سے لیتے اور بنی نوع کو پہنچاتے ہیں۔ اس لئے آپ کا نام قاسم بھی ہے"

وضعِ عالم میں کرویّت کا فلسفہ

فرمایا۔ "وضعِ عالم میں خدا تعالیٰ نے توحید کا ثبوت رکھ دیا ہے وضع عالم میں کرویت ہے پانی، ستارے، آگ وغیرہ۔ یہ چیزیں سب گول ہیں۔ چونکہ کُرہ میں وحدت ہوتی ہے۔ اس لحاظ سے کہ اس میں جہات نہیں ہوتی ہیں۔ پس یہ وضع عالم میں توحیدِ الٰہی کا ثبوت ہے۔ پانی کا ایک قطرہ دیکھو تو وہ گول ہوگا۔ ایسا ہی اجرام بھی اور آگ بھی۔ آگ کی ظاہری حالت سے کوئی اگر کہے کہ یہ گول نہیں ہوتی تو یہ اُس کی غلطی ہے۔ کیونکہ یہ مانی ہوئی بات ہے۔ کہ آگ کا شعلہ دراصل گول ہوتا ہے مگر ہوا اس کو منتشر کرتی ہے۔

عیسائیوں نے بھی . . . یہ بات مان لی ہے کہ جہاں تثلیث نہیں پہنچی۔ یعنی تثلیث کی تبلیغ نہیں ہوئی وہاں اُن سے توحید کی باز پُرس ہوگی کیونکہ وضع عالم میں توحید کا ثبوت ملتا ہے اگر خدا تین ہوتے تو ضرور تھا کہ سب اشیاء مثلّث نما ہوتیں۔

وضع عالم کی کرویّت سے یہ بھی پایا جاتا ہے۔ کہ آدم ہی سے شروع ہو کر آدم ہی پر سلسلہ ختم ہوتا ہے۔ کیونکہ مُحیط دائرہ کا خط جس نقطہ سے چلتا ہے۔ اس پر ہی جا کر ختم ہو جاتا ہے۔ اسی لئے مسیح موعود جو خاتم الخلفاء ہے اس کا نام بھی خدا نے آدم ہی رکھا ہے۔ چنانچہ براہین احمدیہ میں درج ہے۔

اَرَدْتُ اَنْ اَسْتَخْلِفَ فَخَلَقْتُ اٰدَمَ

چونکہ مسیح موعود نئی طرز کا آدم ہے۔ اس لئے اس کے ساتھ شیطان بھی نئی طرز کا ہے"۔

(الحکم جلد ۵ نمبر ۴۲ صفحہ ۱-۳ پرچہ ۱۷ نومبر ۱۹۰۱ء)

۱۴ر نومبر ۱۹۰۱ئہ

خدا کی آیات دیکھے بغیر ایمان مکمل نہیں ہوتا

فرمایا۔ "دنیا چند روزہ ہے۔ شہادت کو چھپانا اچھا نہیں۔ دیکھو بادشاہ کے پاس جب کوئی تحفہ لے کر جائے مثلاً سیب ہی ہو۔ اور سیب ایک طرف سے داغی ہو تو وہ اس تحفہ پر کیا حاصل کر سکے گا۔ مخفی ہونے میں بہت سے حقوق تلف ہو جاتے ہیں۔ مثلاً نماز باجماعت بیمار کی عیادت، جنازہ کی نماز، عیدین کی نماز وغیرہ۔ یہ سب حقوق مخفی رہ کر کیونکر ادا کئے جا سکتے ہیں۔ مخفی رہنے میں ایمان کی کمزوری ہے۔ انسان اپنے ظاہری فوائد کو دیکھتا ہے مگر وہ بڑی غلطی کرتا ہے۔ کیا تم ڈرتے ہو کہ سچی شہادت کے ادا کرنے سے تمہاری روزی جاتی رہے گی۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے وَفِي السَّمَآءِ رِزْقُكُمْ وَمَا تُوعَدُونَ فَوَرَبِّ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اِنَّهٗ لَحَقٌّ[1]۔ تمہارا رزق آسمان میں ہے۔ ہمیں اپنی ذات کی قسم ہے۔ یہ سچ ہے۔ زمین پر خدا کے سوا کون ہے جو اس رزق کو بند کر سکے یا کھول سکے فرماتا ہے۔ وَهُوَ يَتَوَلَّى الصَّالِحِيْنَ۔ نیکوں کا وہ آپ والی بن جاتا ہے۔ پس کون ہے جو مرد صالح کو ضرر دے سکے اور اگر کوئی مصیبت یا تکلیف انسان پر آ پڑے مَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا[2]۔ جو خدا کے آگے تقویٰ اختیار کرتا ہے۔ خدا اس کے لئے ہر ایک تنگی اور تکلیف سے نکلنے کی راہ بنا دیتا ہے۔ اور فرمایا۔ وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ[3]۔ وہ متقی کو ایسی راہ سے رزق دیتا ہے۔ جہاں سے رزق آنے کا خیال و گمان بھی نہیں ہوتا۔ یہ اللہ تعالیٰ کے وعدے ہیں۔ وعدوں کے سچا کرنے میں خدا سے بڑھ کر کون ہے۔ پس خدا پر ایمان لاؤ۔ خدا سے ڈرنے والے ہرگز ضائع نہیں ہوتے۔ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا۔ یہ ایک وسیع بشارت ہے۔ تم تقویٰ اختیار کرو۔ خدا تمہارا کفیل ہوگا۔ اس کا جو وعدہ ہے۔ وہ سب پورا کر دے گا۔ مخفی رہنا ایمان میں ایک نقص ہے۔ جو مصیبت آتی ہے اپنی کمزوری سے آتی ہے۔ دیکھو آگ دوسروں کو کھا جاتی ہے۔ پر ابراہیم کو نہ کھا سکی۔ مگر خدا کی

[1] الذاریات: ۲۳، ۲۴ [2] الطلاق: ۳ [3] الطلاق: ۴

راہ بغیر تقویٰ کے نہیں کھلتی۔ معجزات دیکھنے ہوں تو تقویٰ اختیار کرو۔ ایک وہ لوگ ہیں جو ہر وقت معجزات دیکھتے ہیں۔ دیکھو آج کل میں عربی کتاب اور اشتہار لکھ رہا ہوں۔ اس کے لکھنے میں سطر سطر میں معجزہ دیکھتا ہوں۔ جبکہ میں لکھتا لکھتا اٹک جاتا ہوں تو مناسب موقع فصیح و بلیغ پُر معانی و معارف فقرات و الفاظ خدا کی طرف سے الہام ہوتے ہیں۔ اور اس طرح عبارتیں کی عبارتیں لکھی جاتی ہیں۔ اگرچہ میں اس کو لوگوں کی تسلّی کے لئے پیش نہیں کر سکتا۔ مگر میرے لئے یہ ایک کافی معجزہ ہے۔ اگر میں اس بات پر قسم بھی کھا کر کہوں کہ مجھ سے پچاس ہزار معجزہ خدا نے ظاہر کرایا۔ تب بھی جھوٹ ہرگز نہ ہوگا۔ ہر ایک پہلو میں ہم پر خدا کی تائیدات کی بارش ہو رہی ہے۔ عجب تر ان لوگوں کے دل ہیں جو ہم کو مفتری کہتے ہیں۔ مگر وہ کیا کریں۔ ولی را ولی مے شناسد۔ کوئی تقویٰ کے بغیر ہمیں کیونکر پہچانے۔ رات کو چور چوری کے لئے نکلتا ہے۔ اگر راہ میں گوشہ کے اندر وہ کسی ولی کو بھی دیکھے جو عبادت کر رہا ہو۔ وہ بھی سمجھے گا کہ یہ بھی میری طرح کوئی چور ہے۔

خدا عمیق در عمیق چھپا ہوا ہے اور ایسا ہی وہ ظاہر در ظاہر ہے۔ اس کا ظہور اتنا ہوا کہ وہ مخفی ہو گیا جیسا سورج کہ اس کی طرف کوئی دیکھ نہیں سکتا۔ خدا کا پتہ حق الیقین کے ساتھ نہیں پا سکتے جبتک کہ تقویٰ کی راہ میں قدم نہ ماریں۔ دلائل کے ساتھ ایمان قوی نہیں ہو سکتا۔ بغیر خدا کی آیات دیکھنے کے ایمان پورا نہیں ہو سکتا۔ یہ اچھا نہیں کہ کچھ خدا کا ہو اور کچھ شیطان کا ہو۔ صحابہؓ کو دیکھو۔ کس طرح اپنی جانیں نثار کیں۔ ابوبکرؓ جب ایمان لایا تو اس نے دُنیا کا کونسا فائدہ دیکھا تھا۔ جان کا خطرہ تھا اور ابتلا بڑھتا جاتا تھا مگر صحابہ نے صدق خوب دکھایا۔ ایک صحابی کا ذکر ہے۔ وہ کملی اوڑھے بیٹھا تھا۔ کسی نے اس کو کچھ کہا۔ عمرؓ پاس سے دیکھتے تھے۔ انہوں نے فرمایا۔ اس شخص کی عزت کرو۔ میں نے اس کو دیکھا ہے۔ کہ یہ گھوڑے پر سوار ہوتا تھا۔ اور اس کے آگے پیچھے کئی کئی نوکر چلتے تھے۔ صرف دین کی خاطر اس نے سب سے ہجرت کی۔ دراصل یہ آنحضرتؐ کی رُوحانیت

کا زور تھا جو صحابہ میں داخل ہوا۔ اس کا کوئی جھوٹ ثابت نہیں۔ ہر امر میں ایک کشش ہوتی ہے۔ دیکھو۔ دیوار کی اینٹوں میں ایک کشش ہے ورنہ اینٹ اینٹ الگ ہو جاوے۔ ایسی ہی جماعت میں ایک کشش ہوتی ہے یہ ہوتا آیا ہے کہ ہر نبی کی جماعت میں سے کچھ لوگ مرتد بھی ہو جایا کرتے ہیں۔ ایسا ہی موسیٰؑ اور عیسیٰؑ اور آنحضرتؐ کی جماعت کے ساتھ ہوا۔ ان لوگوں کا مادہ خبیث ہوتا ہے۔ اور ان کا حصہ شیطان کے ساتھ ہوتا ہے مگر جو لوگ اس صداقت کے وارث ہوتے ہیں۔ وہ اس میں قائم رہتے ہیں۔

غرض خدا کی راہ میں شجاع بنو۔ انسان کو چاہیئے کبھی بھروسہ نہ کرے کہ ایک رات مَیں زندہ رہوں گا۔ بھروسہ کرنے والا ایک شیطان ہوتا ہے۔ انسان بہادر بنے۔ یہ بات زورِ بازو سے نہیں ملتی۔ دُعا کرے اور دُعا کراوے۔ صادقوں کی صُحبت اختیار کرے۔ سارے کے سارے خدا کے ہو جاؤ۔ دیکھو کوئی کسی کی دعوت کرے اور نجس ٹھیکرے میں روٹی لے جائے۔ اسے کون کھائے گا وہ تو اُلٹا مار کھائے گا۔ باطن بھی سنوارو اور ظاہر بھی درست کرو۔ انسان اعمال سے ترقی نہیں کر سکتا۔ آنحضرتؐ کا رتبہ سمجھنے سے ترقی کر سکتا ہے۔"

(الحکم جلد ۵ نمبر ۴۲ صفحہ ۴ پرچہ ۱۷ نومبر ۱۹۰۱ء)

---

۱۶ نومبر ۱۹۰۱ء

مُعجزہ اسلام کی پہلی اینٹ ہے

فرمایا۔" افسوس ان لوگوں نے اسلام کو بدنام کیا ہے جس بات کو سمجھتے نہیں۔ اس میں یُورپ کے فلاسفروں کی چند بے معنی کتابیں پڑھ کر دخل دیتے ہیں۔ مُعجزات اور مکالمات الٰہیہ ہی ایسی چیزیں ہیں جن کا مُردہ ملّتوں میں نام و نشان نہیں ہے اور مُعجزہ تو اسلام کی پہلی اینٹ ہے اور غیب پر ایمان لانا سب سے اوّل ضروری ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ اس قسم کے خیالات دہریّت کا نتیجہ ہیں۔ جو خطرناک طور پر پھیلتی جاتی ہے۔ سیّد احمد نے وحی کی حقیقت خود بھی نہیں سمجھی۔ دل سے پھُوٹنے والی وحی شاعروں کی مضمون آفرینی سے

بڑھ کر کچھ وقعت نہیں رکھتی۔ افسوس ہے کہ مولوی صاحب نے روپیہ صرف کیا۔ اور کوشش کی مگر نتیجہ یہ نکلا۔ مولوی صاحب اُس کو ضرور خط لکھ دیں اور اسے بتائیں۔ کہ مُعجزات اور مکالمات اور پیشگوئیاں ہی ہیں جنہوں نے اسلام کو زندہ مذہب قرار دیا ہے۔

فریمیسن کی حقیقت

فرمایا:۔ "ہم کو کبھی کبھی خیال پیدا ہوتا تھا کہ فریمیسن کی حقیقت معلوم ہو جاوے۔ مگر کبھی توجہ کرنے کا موقعہ نہیں ملا۔ ان حالات کو جو یہ اپنے لیکچر میں بیان کرتا ہے۔ سُنکر اس الہام کی جو مجھے ہوا تھا۔ ایک عظمت معلوم ہوتی ہے۔ اس الہام کا مضمون یہ ہے۔ کہ فری میسن اس کے قتل پر مسلط نہیں کئے جائیں گے۔ اس الہام میں بھی گویا فریمیسن کی حقیقت کی طرف شاید کوئی اشارہ ہو کہ وہ بعض ایسے امور میں جہاں کسی قانون سے کام نہ چلتا ہو۔ اپنی سوسائٹی کے اثر سے کام لیتے ہوں۔ میں سمجھتا ہوں کہ فریمیسن کی مجلس میں ضرور بعض بڑے بڑے اہلکار اور عمائد سلطنت یہاں تک کہ بعض بڑے شاہزادے بھی داخل ہوں گے۔ اوران کا رُعب داب ہی مانع ہوتا ہوگا۔ کہ کوئی اس کے اسرار کھول سکے۔ ورنہ یہ کوئی مُعجزہ یا کرامت تو ہے نہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے۔ کہ مصالح سلطنت کے لئے کوئی ایسا مجمع ہوتا ہوگا۔"

ایک مُنذر الہام

فرمایا:۔ "آج ایک منذر الہام ہوا ہے۔ اور اس کے ساتھ ایک خوفناک رؤیا بھی ہے وہ الہام یہ ہے مَحْمُوْمٌ پھر نَظَرْتُ اِلَی الْمَحْمُوْمِ۔ پھر دیکھا کہ بکرے کی ران کا ٹکڑہ چھت سے لٹکایا ہوا ہے۔"

(الحکم جلد ۵ نمبر ۴۲ صفحہ ۳-۴ پرچہ ۱۷ نومبر ۱۹۰۱ء)

۱۷ نومبر ۱۹۰۱ء

انقلابِ دُنیا

فرمایا۔ "آذر حضرت ابراہیمؑ کا باپ ہی تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کا نام اَبْ رکھا ہے اس قسم کے انقلاب دنیا میں ہوتے آئے ہیں۔ کبھی باپ صالح ہوتا ہے بیٹا طالح ہوتا ہے اور کبھی بیٹا صالح ہوتا ہے۔ باپ طالح ہوتا ہے۔ ہمارے پڑدادا صاحب بڑے متقی تھے اور باخدا بزرگ تھے چنانچہ لوگ کہا کرتے تھے کہ ان کو گولی کا اثر نہیں ہوتا۔ ایک وقت میں اُن کے دسترخوان پر ۵۰۰ آدمی ہوا کرتے تھے۔ اور اکثر حافظ قرآن اور عالم ان کے پاس رہتے تھے۔ اور قادیان کے اردگرد ایک فصیل ہوتی تھی۔ جس پر تین یا چار چھکڑے برابر برابر چلا کرتے تھے۔ خدا کی قدرت سکھوں کی تعدّی اور لُوٹ کھسوٹ میں وہ سب سلسلہ جاتا رہا۔ اور ہمارے بزرگ یہاں سے چلے گئے۔ پھر جب امن ہوا تو واپس آئے"

سیّد

فرمایا:۔ "سیّد باعتبار اولاد علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نہیں کہلاتے۔ بلکہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی اولاد ہونے کی حیثیت سے کہلاتے ہیں۔"

ترکوں کے ذریعہ اسلام کو قوت

فرمایا۔ "اگرچہ ہمارے نزدیک اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ[1] ہی ہے اور ہمیں خواہ مخواہ ضروری نہیں کہ ترکوں کی تعریف کریں یا کسی اور کی۔ مگر سچی اور حقیقی بات کے اظہار سے ہم رُک نہیں سکتے۔ ترکوں کے ذریعہ سے اسلام کو بہت بڑی قوت حاصل ہوئی ہے یہ کہنا کہ وہ پہلے کافر تھے یہ طعن درست نہیں۔ کوئی دو سو برس پہلے کافر ہوا کوئی چار سو برس پہلے۔ یہ کیا ہے، آخر جو آج سیّد کہلاتے ہیں کیا اُن کے آبا و اجداد پر کوئی وقت

[1] الحجرات: ۱۴۔

کُفر کی حالت کا نہیں گذرا؟ پھر ایسے اعتراض کرنا دانشمندی نہیں۔
ہندوستان میں جب یہ مُغل آئے تو انہوں نے مسجدیں بنوائیں اور اپنا قیام کیا۔ النَّاس عَلٰے دِیْنِ مُلُوْکِہِمْ کے اثر سے اسلام پھیلنا شروع ہوا۔ اور اب تک بھی حرمین شریفین ترکوں ہی کی حفاظت کے نیچے خدا نے رکھی ہوئی ہیں۔ غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ دنیا میں خدا تعالےٰ نے دو ہی گروہ رکھے ہیں۔ ایک ترک دوسرے سادات ترک ظاہری حکومت اور ریاست کے حقدار ہوئے۔ اور سادات کو فقر کا مبداء قرار دیا گیا چنانچہ صُوفیوں نے فقر اور رُوحانی فیوض کا مبدأ سادات ہی کو ٹھہرایا ہے اور میں نے بھی اپنے کشوف میں ایسا ہی پایا ہے۔ دنیا کا عروج ترکوں کو ملا ہے۔"
حضرت اقدسؑ یہ ذکر کر رہے تھے۔ ایک یُورپین صاحب بہادر اندر آئے اور ٹوپی اتار کر مجلس میں آگے بڑھے۔ اور بڑھتے ہی کہا۔

ایک یُورپین سیّاح سے گفتگو

یورپین۔ السلام علیکم

اُن کے السلام علیکم کہنے پر مختلف خیال حاضرین مجلس کے دل میں گزرے کسی نے ترک سمجھا اور کسی نے نومسلم۔ صاحب موصُوف کو بیٹھے ہوئے ایک منٹ ہی گزرا ہوگا کہ خانصاحب نواب خاں صاحب تحصیلدار گجرات نے پوچھا۔ آپ کہاں سے آئے ہیں؟

یُورپین۔ میں سیّاح ہوں۔

خانصاحب۔ آپ کا وطن؟

یُورپین۔ میں اتنی اردو نہیں جانتا۔ اور پھر سمجھ کر بولا۔ او ہاں انگلینڈ۔

اتنے میں مُفتی محمد صادق صاحب آگئے۔ حضرت اقدسؑ کے ایماء سے وہ ترجمان ہوئے اور اس طرح پر حضرت اقدسؑ اور یورپین نووارد میں گفتگو ہوئی۔

حضرتؑ۔ آپ کہاں سے آئے ہیں؟

یُورپین۔ میں کشمیر سے گلگو گیا تھا اور وہاں سے ہو کر اب یہاں آتا ہوں۔

حضرتؑ۔ آپ کا اصل وطن کہاں ہے؟

یُورپین۔ انگلینڈ۔ میں سیّاح ہوں۔ اور عرب اور کربلا میں بھی گیا تھا۔ اب میں یہاں سے مصر، الجیریا، کارتھیج اور سوڈان کو جاؤں گا۔

حضرتؑ۔ آپ کے سفر کا کیا مقصد ہے؟

یُورپین۔ صرف دید، شُنید، سیاحت۔

حضرتؑ۔ کیا آپ بحیثیت کسی پادری کے سفر کرتے ہیں؟

یُورپین۔ ہرگز نہیں۔

حضرتؑ۔ آپ کی دلچسپی زیادہ تر کس امر کے ساتھ ہے کیا مذہب کے ساتھ یا علمی امور کیطرف یا پولیٹیکل امور کے ساتھ؟

یُورپین۔ میں صرف نظارۂ عالم دیکھنا چاہتا ہوں تاکہ کسی طرح دلِ مُضطر کو قرار ہو۔

حضرتؑ۔ آخر آپ کے سفر کی کوئی غرض بھی ہے؟

یُورپین۔ کوئی مدعا نہیں۔

حضرتؑ۔ کیا آپ فریمیسن ہیں؟

یُورپین۔ میں ان میں یقین نہیں رکھتا۔ بلکہ میں اپنا آپ ہی بادشاہ ہوں اور آپ ہی اپنا لاج ہوں۔ میں سب کا دوست ہوں اور کسی کا دشمن نہیں۔

حضرتؑ۔ آپ کا نام کیا ہے؟

یُورپین۔ ڈی۔ ڈی۔ ڈکسن۔

حضرتؑ۔ عیسائی فرقوں میں سے آپ کس کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں؟

یُورپین۔ میں کسی فرقہ کا پابند نہیں ہوں۔ میرا اپنا مذہب خاص ہے۔ دنیا میں کوئی ایسا مذہب نہیں ہے جس میں صداقتیں نہ ہوں۔ میں ان سب مذاہب میں سے صداقتوں

کو لے کر اپنا ایک الگ مذہب بناتا ہوں۔

حضرتؑ۔ اگر آپ کا کوئی مذہب نہیں تو یہ مجموعہ انتخاب بھی تو ایک مذہب ہی ہونا چاہیئے

یُورپین۔ ہاں اگر اسے مذہب کہنا چاہیئے۔ تو میرا یہی مذہب ہے۔ کہ مختلف صداقتیں لیتا ہوں

حضرتؑ۔ اچھّا جو مذہب آپ نے مختلف مذاہب کی صداقتوں کو لیکر جمع کیا ہے وہ غلطیوں سے بالکل منزّہ ہے۔ یا کوئی اَور مذہب بھی ایسا آپ کے نزدیک ہے جو بالکل غلطیوں سے مبرّا ہو۔

یُورپین۔ جو مذہب میں نے جمع کیا ہے وہ تعلیمیافتہ لوگوں کے لئے اچھّا ہے اور وہ مسیح کی اس تمثیل کے اصُول پر ہے جو اس نے کسی مالدار آدمی کی بیان کی ہے کہ اس نے اپنے نوکروں کو کچھ روپیہ دیا۔ ان میں سے ایک نے تو اس روپیہ کو کسی مصرف میں لگایا اور اس سے کچھ بنایا۔ دوسرے نے کچھ نہ کیا۔ پس خدا نے جو کچھ ہم کو دیا ہے۔ اگر ہم اس سے کچھ بنائیں تو وہ خوش ہوتا ہے۔ اور جو کچھ نہیں بناتا۔ اس سے ناراض ہوتا ہے۔

حضرتؑ۔ اچھا آپ کچھ روز یہاں قیام کریں گے؟ تاکہ آپ ہمارے مذہب سے جو ہم پیش کرتے ہیں۔ فائدہ اُٹھائیں۔

یُورپین۔ میں ایک دن کے بعد واپس جانا چاہتا ہوں اور زیادہ سے زیادہ کل تک ٹھہر سکتا ہوں

حضرتؑ۔ آپ ایک ہفتہ تک نہیں ٹھیر سکتے؟

یُورپین۔ نہیں۔ میں نہیں ٹھہر سکتا۔ مسٹر کنیڈی ڈسٹرکٹ سپرنٹنڈنٹ پولیس بٹالہ میں میرے منتظر ہوں گے۔ میں انہیں آج آنے کو کہہ آیا۔ مگر خیر کل چلا جاؤں گا۔

حضرتؑ۔ جب آپ کسی کے نوکر نہیں اور اپنے آپ ہی بادشاہ ہیں۔ اور صرف نظارۂ عالم کے لئے آپ نکلے ہیں تو پھر کیوں آپ ایک ہفتہ تک نہیں ٹھیر سکتے۔

یُورپین۔ یہ سچ ہے مگر میں نے اپنے پیش نظر کل دنیا کا دیکھنا رکھا ہے۔ اگر میں اس

طرح پڑھنے لگوں تو مجھے اندیشہ ہے کہ بہت سی دلچسپیاں مجھے ٹھیراتی جائینگی۔

حضرت ؑ۔ آپ کے چہرہ سے اچھے آثار نظر آتے ہیں۔ اور آپ سمجھ دار اور زیرک معلوم ہوتے ہیں۔ کیا اچھا ہو کہ آپ ایک ہفتہ یہاں رہ جاویں اور ہماری باتوں کو سمجھ لیں۔

اگر آپ کا ارادہ ہو اور آپ پسند کریں تو صاحب کو ایک چٹھی لکھ دی جاوے۔

یُورپین۔ میں آپ کا بہت ہی مشکور ہوں اور مجھے افسوس ہے کہ میں ایک دن سے زیادہ نہیں ٹھیر سکتا۔

---

۱۷ نومبر ۱۹۰۱ء کی شام

آنحضرتؐ کے نشانات کا ظہور

فرمایا:۔ ”ہمارا دعویٰ ہے کہ دنیا میں کوئی ایسا آدمی پیش کرو کہ جس کے اس قدر نشانات جن کے کروڑوں گواہ ہوں پُورے ہوئے ہوں۔ ایک سَو سے زیادہ عظیم الشان پیشگوئیاں کتاب (تریاق القلوب) میں درج کر دی گئی ہیں۔ جب یہ لوگ کسی کو پیش نہیں کر سکتے تو کہہ دیتے ہیں کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم پر بھی فضیلت کا دعویٰ کرتے ہیں۔ ان کو اتنی خبر نہیں۔ کہ یہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم پر کہاں فضیلت ہوئی۔ یہ بزرگی اور عظمت تو آپ ہی کی ہوئی۔ کیونکہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلّم سے باہر تو کوئی چیز نہیں بلکہ اُسی کے رنگ اور اُسی کی چادر میں سے یہ ظہور نشانات کا ہو رہا ہے اور اُسی کے ہاتھ پر صادر ہو رہے ہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ جو اسباب اور سامان تبلیغ اور اشاعت کے ہمیں میسر آئے ہیں اور اس زمانہ میں جمع ہوئے ہیں وہ پہلے نہیں ہوئے اور نہ مذاہب کا اس قدر زور ہوا۔ غرض یہ نشانات اپنی نظیر نہیں رکھتے۔ الٰہی بخش کی پیش گوئیاں کیا حقیقت رکھ سکتی ہیں۔“

شیعہ ترقی نہیں کر سکتے

فرمایا۔ "جو قویٰ خدا نے انسان کو دیئے ہیں۔ ان سب سے بجز سچے موحد کے کوئی دوسرا کام نہیں لے سکتا۔ شیعہ ترقی نہیں کر سکتے کیونکہ وہ تو اپنی ساری کوششوں کا منتہا امام حسینؓ کو سمجھ بیٹھے۔ ان کو رولینا اور ماتم کر لینا کافی قرار دے لیا۔ ہمارے اُستاد ایک شیعہ تھے۔ گُل علی شاہ اُن کا نام تھا۔ کبھی نماز نہ پڑھا کرتے تھے۔ مُنہ تک نہ دھوتے تھے۔"

اس پر نواب صاحب نے آپ کی تائید میں بیان کیا کہ وہ میرے والد صاحب کے بھی اُستاد تھے۔ اور وہاں جایا کرتے تھے۔ اور یہ واقعی سچ ہے۔ کہ اُن کی مسجدیں غیر آباد ہوتی ہیں۔ ہماری مسجد کا ایسا ہی حال تھا۔ اور اب خدا کے فضل سے وہ آباد ہو گئی ہے۔ اور لوگ نماز پڑھنے لگے ہیں۔

اس پر حضرت اقدسؑ نے نواب صاحب کو مخاطب کر کے فرمایا۔

"وہ کبھی کبھی آپ کے والد صاحب کا ذکر کیا کرتے تھے۔ اور یہاں سے تین تین مہینے کی رُخصت لے کر مالیر کوٹلہ جایا کرتے تھے۔

میں نے غائبانہ بھی کئی مرتبہ ذکر کیا ہے۔ اور میری فراست مجھے یہی بتاتی ہے (یہ نواب صاحب کی مسجد کے آباد ہونے اور نمازیوں کے آنے کے ذکر پر فرمایا) کہ راستی کو قبول کرنا اور پھر خدا تعالیٰ کی عظمت اور جلال سے ڈر جانا اور اُس کی طرف رجوع کرنا آپ کے اور آپ کی اولاد کے اقبال کی نشانی ہے۔ بجز اس کے کہ انسان سچائی سے خدا کی طرف آئے۔ خدا کسی کی پروا نہیں کرتا خواہ وہ کوئی ہو۔ مبارک دن ہمیشہ نیک بخت کو ملتے ہیں۔ یہ آثار صلاحیت، تقویٰ اور خدا ترسی کے جو آپ میں پیدا ہو گئے ہیں۔ آپ کے لئے اور آپ کی اولاد کے لئے بہت ہی مفید ہیں۔"

مخالفت ہمیشہ سچوں کی ہوتی ہے

فرمایا۔ "مجمل طور پر لکھا ہے کہ طاعون ترقی پر ہے۔ میرا ارادہ ہے اور مولوی صاحب نے

بھی کہا ہے۔ کہ ایک بار پھر طاعون کے متعلق ایک اشتہار دے دیا جاوے کہ لوگ رجوع کریں اور سچی پاکیزگی اور تبدیلی پیدا کریں۔ دیکھا گیا ہے۔ اور سُنّت اللہ اسی طرح پر جاری ہے۔ کہ جس قدر زور ہوا ہے۔ سچوں پر ہی ہوا ہے۔ اُن کی مخالفت میں ساری طاقتیں خرچ کی گئی ہیں۔ دیکھو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت میں کتنا زور لگایا گیا۔ برخلاف اس کے مسیلمہ کذّاب کو فی الفور مان لیا گیا۔ ایسا ہی حضرت مسیحؑ کے وقت میں بھی ہوا۔ اور اب بھی ویسا ہی ہوا۔ جھوٹوں کو کوئی پوچھتا بھی نہیں۔ راستباز پر حملہ پر حملہ کرتے ہیں۔ اور اس کی مخالفت کے لئے سب مل بیٹھے ہیں۔"

(الحکم جلد ۵ نمبر ۴۳ صفحہ ۱-۴ پرچہ ۲۴ ؍ نومبر ۱۹۰۱ء)

---

۱۸ ؍ نومبر ۱۹۰۱ء۔

سَیر سے واپسی پر حضرت اقدسؑ نے نواب صاحب کو خطاب کر کے فرمایا۔

اعزّہ کو تبلیغ

"میں سُنتا رہتا ہوں کہ آپ اپنے اعزّہ کو وقتاً فوقتاً تبلیغ کرتے رہتے ہیں۔ یہ بہت ہی عُمدہ بات ہے۔ ہر وقت انسان کو فکر کرنی چاہیئے۔ کہ جس طرح ممکن ہو۔ عورتوں اور مردوں کو اس امر الٰہی سے اطلاع کر دیوے۔ حدیث میں آیا ہے کہ اپنے قبیلہ کا شیخ اسی طرح سوال کیا جائے گا۔ جیسے کسی قوم کا نبی۔ غرض جو موقعہ مل سکے۔ اسے کھونا نہیں چاہیئے۔ زندگی کا کچھ اعتبار نہیں ہوتا۔ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ۔ کا حکم ہوا تو آپ نے نام بنام سب کو خدا کا پیغام پہنچا دیا۔ ایسا ہی میں نے بھی کئی مرتبہ عورتوں اور مردوں کو مختلف موقعوں پر تبلیغ کی ہے۔ اور اب بھی کبھی گھر میں وعظ سُنایا کرتا ہوں۔

میں نے ارادہ کیا تھا کہ عورتوں کے لئے ایک قِصّہ کے پیرایہ میں سوال وجواب کے طور پر سارے مسائل آسان عبارت میں بیان کئے جاویں مگر مجھے اس قدر فُرصت نہیں ہو سکتی

کوئی اور صاحب اگر لکھیں تو عورتوں کو فائدہ پہنچ جاوے۔"

راہِ اعتدال

فرمایا۔ "اُمراء بہت سے فضول خرچ رکھتے ہیں جس سے آخر کو انہیں بہت نقصان اٹھانا پڑتا ہے۔ اگر وہ اعتدال کے ساتھ اپنی زندگی بسر کریں تو کچھ حرج نہیں ہے۔ سُود کی بلا نے مسلمانوں کو بہت کمزور کر دیا ہے۔ یہ بنیئے سُود در سُود لے کر آخر ساری جائدادوں پر قبضہ کر لیتے ہیں۔"

کثرت ازدواج کی اسلامی بناء

فرمایا۔ "اگرچہ عورت بجائے خود پسند نہیں کرتی۔ کہ کوئی اور اس کی سوت آوے مگر اسلام نے جس اصُول پر کثرت ازدواج کو رکھا ہے وہ تقوٰی کی بناء پر ہے۔ بعض وقت اولاد نہیں ہوتی اور بقائے نوع کا خیال انسان میں ایک فطرتی تقاضا ہے۔ اس لئے دوسری شادی کرنے میں کوئی عیب نہیں ہوتا۔ بعض اوقات پہلی بیوی کسی خطرناک مرض میں مبتلا ہو جاتی ہے اور بہت سے اسباب اس قسم کے ہوتے ہیں۔ پس اگر عورتوں کو پُورے طور پر خدا تعالیٰ کے احکام سے اطلاع دی جاوے اور انہیں آگاہ کیا جاوے تو وہ خود بھی دوسری شادی کی ضرورت پیش آنے پر ساعی ہوتی ہیں۔"

ایک رویاء

فرمایا۔ "رات میں نے ایک رویاء دیکھی ہے۔ یعنی ۱۷ نومبر کی رات کو جس کی صبح کو ۱۸ نومبر تھی۔ اور وہ رویاء یہ ہے۔ میں نے دیکھا کہ ایک سپاہی وارنٹ لے کر آیا ہے اور اس نے میرے ہاتھ پر ایک رسّی سی لپیٹی ہے۔ تو میں اُسے کہہ رہا ہوں کہ یہ کیا ہے مجھے تو

اس سے ایک لذّت اور سرُور آرہا ہے۔ وہ لذّت ایسی ہے کہ میں اُسے بیان نہیں کرسکتا۔ پھر اسی اثنار میں میرے ہاتھ میں معاً ایک پروانہ دیا گیا ہے۔ کسی نے کہا کہ یہ اعلیٰ عدالت سے آیا ہے۔ وہ پروانہ بہت ہی خوشخط لکھا ہوا تھا اور میرے بھائی مرزا غلام قادر صاحب مرحُوم کا لکھا ہوا تھا۔ میں نے اس پروانہ کو جب پڑھا تو اس میں لکھا ہوا تھا۔ عدالت عالیہ نے اسے بری کیا ہے۔" فرمایا۔ " اس سے پہلے کئی دن ہوئے۔ یہ الہام ہوُا تھا:-

رَشَنَ الْخَبَرُ (رَشَن ناخواندہ مہمان کو کہتے ہیں)"

۱۹ر نومبر ۱۹۰۱ء

ختم نبوّت کا مُنکر کون؟

فرمایا۔" تعجب کی بات ہے یہ لوگ اسے دعویٰ جدید کہتے ہیں۔ براہین میں ایسے الہامات موجود ہیں جن میں نبی یا رسُول کا لفظ آیا ہے چنانچہ ھُوَالَّذِیْ اَرْسَلَ رَسُوْلَہٗ بِالْھُدٰی اور جَرِیُ اللّٰہِ فِیْ حُلَلِ الْاَنْبِیَاءِ وغیرہ ان پر غور نہیں کرتے۔ اور پھر افسوس یہ نہیں سمجھتے کہ ختم نبوّت کی مُہر مسیح اسرائیلی کے آنے سے ٹوٹتی ہے یا خود محمّد صلے اللہ علیہ وسلّم کے آنے سے۔ ختم نبوّت کا انکار وہ لوگ کرتے ہیں جو مسیح اسرائیلی کو آسمان سے اُتارتے ہیں اور ہمارے نزدیک تو کوئی دوسرا آیا ہی نہیں نہ نیا نبی نہ پُرانا بلکہ خود محمّد رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی چادر دوسرے کو پہنائی گئی ہے۔ اور وہ خود ہی آئے ہیں کیا اگر ایک شیشہ میں حافظ صاحب اپنی تصویر دیکھیں۔ تو کیا عورتوں کو پردہ کرلینا چاہیئے کہ یہ کون غیر محرم گھس آیا۔ آپ ان کو خوب مفصّل اور واضح خط لکھیں۔"

حقیقت واستعارہ کے متعلق غلطی

پھر فرمایا:۔" انبیاء علیہم السلام کے آنے کے وقت لوگوں کے حالات دو قسم کے

ہوتے ہیں۔ وہ استعارات کو حقیقت پر محمول کرنا چاہتے ہیں اور حقیقت کو استعارہ بنانا چاہتے ہیں۔ یہی مصیبت اب ان کو پیش آئی ہے۔ یہ کوئی ایسا دجّال دیکھنا چاہتے ہیں۔ جس کی آنکھ درحقیقت باہر نکلی ہوئی ہو اور پُورے ستر گز کا اس کا گدھا ہو۔ اور آسمان سے حضرت عیسیٰؑ کبوتر کی طرح منڈلاتے ہوئے اُتریں۔ یہ کبھی ہونا ہی نہ تھا۔ یہودیوں کو بھی حضرت عیسیٰؑ کے وقت یہی مصیبت پیش آئی۔ وہ بھی یہی سمجھے بیٹھے تھے کہ مسیح سے پہلے جیسا کہ ملاکی نبی کی کتاب میں لکھا ہے آسمان سے ایلیا اُترے گا۔ چنانچہ جب مسیح آیا۔ تو انہوں نے یہی اعتراض کیا۔ مگر مسیح نے ان کو جواب میں یہی کہا کہ ایلیا آچکا اور وہ یہی یحییٰ بن زکریا ہے۔ یہودی سمجھتے تھے۔ کہ خود ایلیا آئے گا۔ اس لئے وہ مُنکر ہو گئے۔ چنانچہ ایک یہودی کی کتاب میں نے منگوائی تھی۔ اس میں وہ صاف لکھتا ہے کہ اگر خدا تعالیٰ ہم سے مواخذہ کرے گا تو ہم ملاکی نبی کی کتاب کھول کر رکھ دیں گے۔ کہ اس میں تو صاف لکھا ہوا ہے۔ کہ ایلیا پہلے آسمان سے آئے گا۔ یہ کہاں لکھا ہے کہ وہ یحییٰ ہی ہو گا۔ اب ہمارا دعویٰ حضرت مسیحؑ کی ہائیکورٹ سے فیصلہ ہو گیا کہ جس کے دوبارہ آنے کا وعدہ ہوتا ہے اس کی آمد ثانی کا یہ رنگ ہوتا ہے کہ اس کی خُوبُو اور خواص پر کوئی دوسرا آتا ہے۔ یہی دھوکا اور غلطی ہمارے عُلماء کو لگی ہے۔ یہ اصل میں ایک استعارہ ہے۔ جس کو انہوں نے حقیقت پر حمل کر لیا ہے۔ ایسا ہی دجّال اور اس کے دیگر لوازمات کو حقیقت بنایا۔

عیسائیوں نے بھی دھوکا کھایا۔ حضرت عیسیٰ نے اپنے بعد فارقلیط کے آنے کی پیشگوئی کی تھی۔ عیسائیوں نے اس سے روحُ القدس مرادلی۔ حالانکہ اس سے رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلّم مُراد تھے۔ یہ لفظ فارقلیط فارق اور لیط سے مرکب ہے۔ لیط شیطان کو کہتے ہیں۔

غرض یہ بڑی خطرناک غلطی ہے جو انبیاء علیہم السّلام کی بعثت کے وقت لوگ کھاتے ہیں کہ استعارات کو حقیقت پر اور حقیقت کو استعارات پر محمول کر لیتے ہیں۔"

اس کے بعد حضرت اقدسؑ نے جناب اُمّ المومنین رضی اللہ عنہا کی ایک رویا سنائی جو انہوں نے گذشتہ شب دیکھی اور وہ یہ ہے۔

حضرت اُمّ المومنین کی رویاء

آپ نے دیکھا کہ دوپہر کے بعد ظہر جس وقت عموماً یکے بٹالہ سے آتے ہیں۔ میں (حضرت اقدسؑ) کچھ اسباب اور دو مرد سے لے کر گیا ہوں اور اُمّ المومنین کو دے دیئے ہیں کہ مرزا غلام قادر آگئے ہیں اور رحمت اللہ بھی ہے۔ اس پر اُمّ المومنین نے حضرتؑ سے دریافت کیا اس خیال سے کہ ان کا گھر تو دوسری طرف ہے اور ان کی بیوی بھی موجود ہے جن سے حضرت اقدسؑ کو موجودہ صورت میں بالکل انقطاع ہے، کہ پھر اُن کے کھانے کا کیا انتظام ہوگا۔ حضرت اقدسؑ نے فرمایا کہ دراصل وہ مر گئے ہیں اور وہ دونوں گھروں کے دیکھنے کو آئے ہیں۔ اُمّ المومنین نے کہا کہ رحمت اللہ خاص آپ سے ملنے کو آیا ہے۔ پھر منظور علی ایک لڑکا ہے۔ وہ ایک پوٹلی کپڑوں کی اُس دوسرے گھر میں ہمارے ہی مکان کی سیڑھیوں میں سے ہو کر اس طرف لے گیا ہے۔ جس کو انہوں نے کھولا ہے تو وہ سیاہ بُوٹی اور سفید زمین کی ایک چھینٹ تھی۔ اس کے بعد اُن کا اور اسباب بھی اِدھر ہی آگیا تو معلوم ہوا کہ منظور علی اُدھر جو پوٹلی لے گیا تھا وہ بھی غلطی سے لے گیا ہے۔ دراصل اِدھر ہی کی تھی۔ پھر آنکھ کھل گئی۔

حضرت اقدسؑ نے فرمایا۔

"میری اُس رویاء کے ساتھ جو کل سُنائی تھی۔ اس کے بعض اجزاء ملتے ہیں۔"

اور فرمایا کہ "غلام قادر میں جو قادر کا لفظ ہے۔ اس کا تعلق دونو گھروں سے ہے مگر رحمت اللہ خصوصاً اسی گھر سے ہے"

---

۲۰ نومبر ۱۹۰۱ء

حُجۃ اللہ کا مقام

فرمایا۔ "جب انسان حجۃ اللہ کے مقام پر ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ ہی اُس کے جوارح ہوتا ہے اور یہ سچی بات ہے کہ جب خدا تعالیٰ سے انسان پُوری صُلح کر لیتا ہے اور اپنی مرضی اور تمام خواہشوں اور قوتوں کو اس کے ہی سپرد کر دیتا ہے تو خدا اس کی ساری طاقتیں ہو جاتا ہے۔ اُس کی مثال اُس لوہے کی سی ہو جاتی ہے۔ جو آگ میں ڈال دیا جاوے اور خوب گرم ہو کر آگ کی طرح سُرخ ہو جاوے پھر اس میں اس وقت وہی خواص ہوتے ہیں جو آگ میں ہوتے ہیں۔"

خیر الماکرین کے معنے

فرمایا۔ "میں نے غور کیا ہے کہ مکر کا لفظ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور مسیح علیہ السلام کے لئے قرآن میں آیا ہے۔ اور میرے لئے بھی یہ لفظ براہین میں آیا ہے گویا مسیح علیہ السلام کے قتل کے لئے بھی ایک مخفی منصوبہ کیا گیا تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بھی کیا گیا تھا۔ اور یہاں بھی منصوبے ہوئے۔ اور اپنے طور پر آج کل بھی فرق نہیں کیا جاتا۔ مگر خدا تعالیٰ کا مکر اُن سب پر غالب آیا۔ مکر مخفی اور لطیف تدبیر کو کہتے ہیں۔ لیکھرام نے اپنے خطوط میں یہی لکھا تھا کہ خیر الماکرین سے میرے لئے کوئی نشان طلب کرو۔ جب خدا تعالیٰ باریک اسباب سے مُجرم کو ہلاک یا ذلیل کرتا ہے اور اپنے بندہ کو جو راستباز ہوتا ہے۔ دشمن کے منصوبوں اور شرارتوں سے محفوظ رکھتا ہے۔ اُس وقت اُس کا نام خیر الماکرین بیان ہوتا ہے یعنی ایسے اسباب مُجرم کی سزا کے لئے مہیا کرتا ہے کہ جن اسباب کو وہ اپنے لئے کسی اور غرض سے مہیا کرتا ہے پس وہی اسباب جو بہتری کے لئے بناتا ہے ہلاکت کا باعث بنتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ مسیح کو ایسے طرز پر بچایا۔ کہ وہ اسباب جو ان کی ہلاکت کے لئے جمع ہوئے تھے۔ ان کی زندگی کا مُوجب ثابت ہوئے۔ اور ایسا ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کیسے کفار مکہ کے منصوبوں سے بچا لیا اور اسی طرح پر یہاں بھی اُس کا وعدہ ہے۔

کوئی یوں کہے کہ وہاں ہی محفوظ کیوں نہ رکھا۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ سُنّت اللہ یہ نہیں ہے بلکہ خدا اپنا علم دکھانا چاہتا ہے اس لئے وہاں سے نکال لیتا ہے۔

مکر کی حد اُسی وقت تک ہے جبکہ وہ انسانی تدابیر تک ہو۔ مگر جب انسانی منصوبوں کے رنگ سے نکل گیا۔ پھر وہ خارق عادت مُعجزہ ہوا۔ اگر ذرہ بھی ایمان کسی میں ہو تو وہ اِن اُمور کو صفائی کے ساتھ سمجھ سکتا ہے۔ کوئی نبی ایسا نہیں گذرا۔ جس کے لئے ہجرت نہ ہو۔"

(الحکم جلد ۵ نمبر ۴۴ صفحہ ۱-۴ پرچہ ۳۰ر نومبر ۱۹۰۱ء)